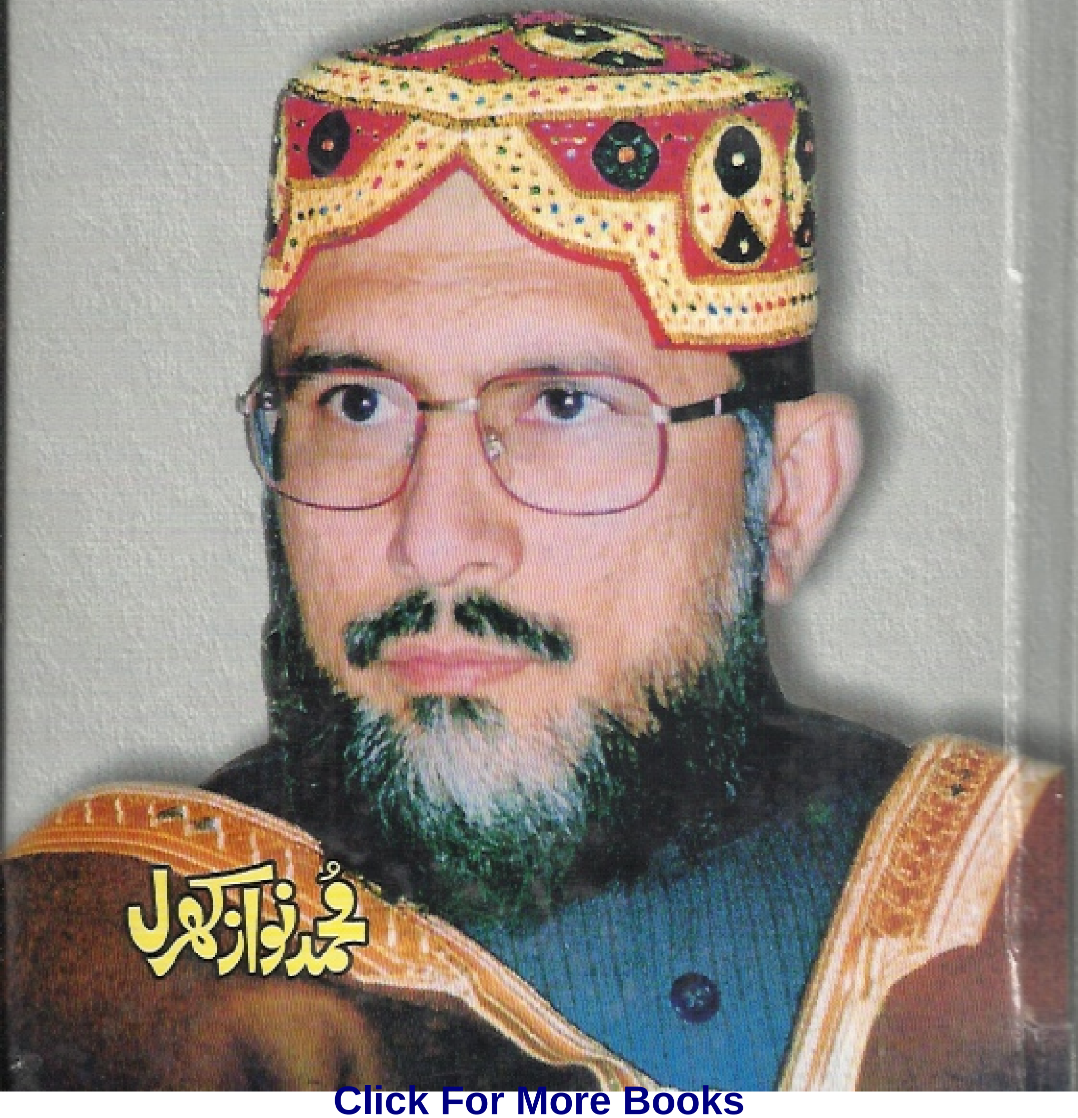
پروفیسر طاہر القادری کی شخصیت کا تنقیدی جائزہ

متنازع ترین شخصیت



محمد نواز کھرل

''طاہر القادری مولانا نہیں لبرل شخصیت ہیں اور ملک کی ضرورت بھی لبرل ازم ہے۔ اسی قومی ضرورت کے لیے وہ کوشاں ہے۔ عوامی تحریک کا مریڈوں کی جماعت ہے۔ طاہر القادری کی خواہش ہے کہ خواتین اور مردوں میں کوئی پردہ نہ رہے، سب اکٹھے ہی تعلیم حاصل کریں اور اکٹھے ہی کام کریں۔ ہم ہر جگہ کو مخلوط بنا دیں گے، یہی عوامی تحریک کا منشور ہے۔ ہمارے پاس قوت نافذہ آ گئی تو عائلی قوانین تبدیل کر دیں گے۔ ان خیالات کا اظہار عوامی تحریک کے وائس چیئر مین محمود عباس بخاری نے پاکستان لٹریسی موومنٹ کے زیر اہتمام مذاکرے کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ مولانا ہیں یا ڈاکٹر، البتہ مجھے تحریک میں شامل ہوئے ابھی تین ہفتے ہوئے ہیں۔ میں نے طاہر القادری سے پہلی ملاقات میں انہیں مولانا کہا تو وہ برا مان گئے اور واضح کیا کہ میں نہ علامہ ہوں اور نہ ہی مولانا ہوں۔ مجھے ڈاکٹر کہہ کر پکارا جائے۔ انہوں نے کہا کہ طاہر القادری نے کہا تھا کہ ہم سب لبرل ہیں اور لبرل ازم ہی ہماری قومی ضرورت ہے اور ہمارا سب سے وعدہ ہے کہ ہم لبرل ہی رہیں گے۔ ہم سب کا مریڈ ہیں اور ملک میں ایک مخلوط ماحول پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے منشور کے مطابق ہر چیز مخلوط ہو گی۔''

(روزنامہ خبریں لاہور 16 اکتوبر 2000)

پروفیسر طاہر القادری کی شخصیت کا تنقیدی جائزہ

متنازع ترین شخصیت

محمد نواز کھرل

فاتح پبلشرز
8-A یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار
لاہور فون: 7352332-7232336
E-Mail:fateh_publishers@hotmail.com

نام کتاب	....	متنازعہ ترین شخصیت
ترتیب و تحقیق	....	محمد نواز کھرل
ناشر	....	فاتح پبلشرز' لاہور
مطبع	....	رحمانیہ پرنٹرز' لاہور
کمپوزنگ	....	محمد سہیل
سن اشاعت	....	جنوری 2002ء
قیمت	....	-/350 روپے

ملنے کا پتے

فاتح پبلشرز

یوسف مارکیٹ' غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 7232336

ای میل: fateh_publishers@hotmail.com

علم و عرفان پبلشرز

7C- ماتھر سٹریٹ لوئر مال روڈ لاہور فون 7352332

فہرست

خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے!

جناب پروفیسر طاہرالقادری ایک بھاری بھرکم مذہبی شخصیت ہیں اور سیاسی بھی۔ اندرون اور بیرون ممالک ان کے عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے جبکہ ان پر انگلیاں اٹھانے والے بھی کم نہیں۔ وہ مذہب کے راستے سیاست میں آئے۔ پاکستانی سیاست جھوٹ، فراڈ، شیطنیت، شرانگیزی، منافقت، لہو ولعب، حرص و ہوس، خودستائی، موقع شناسی، قانون شکنی، فتنہ جوئی اور ظلم و جبر کا بدترین مجموعہ ہے۔ طاہرالقادری صاحب خود پاکستانی سیاست کو ''گٹر سیاست'' کہتے آئے ہیں۔ نجانے انہیں اس دلدل میں ''دھکا'' کس نے دیا تھا۔ ان کے اس دلدل میں پھنسنے سے ان کی مذہبی عقیدت میں نہ صرف فرق آیا بلکہ سیاست میں بھی وہ بدقسمتی سے دوسرے سیاست دانوں (بقول ڈاکٹر یونس بٹ سیاہ ست دانوں) کی طرح اپنا دامن نہ بچا سکے اور متنازعہ ترین شخصیت بن گئے۔ سیاسی شخصیات ''پبلک پراپرٹی'' ہوتی ہیں لہٰذا ان کی تحسین و تنقید اور احتساب ہر شخص کا حق ہوتا ہے' وہ اپنے رہنماؤں میں جس کج روی یا ظاہر و باطن میں تضاد کو دیکھتے ہیں تو اس پر برملا اپنے جذبات کا اظہار کر دیتے ہیں۔ لوگوں کی نگاہ میں ان کا لیڈر ''لاکھوں میں ایک'' ہوتا ہے۔ عوام اپنے لیڈروں میں کسی قسم کے قول و فعل کا تضاد نہیں دیکھنا چاہتے۔ وہ اپنے رہنما سے یہ پوچھنے کا پورا حق رکھتے ہیں کہ اس نے ''دو چادریں'' کہاں سے حاصل کی ہیں۔

جناب طاہرالقادری کی شخصیت کے مثبت پہلو بھی ہیں اور تنقیدی بھی، پسندیدہ بھی اور ناپسندیدہ بھی۔ ان کے مثبت پہلوؤں پر کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں مگر ان کے تنقیدی پہلوؤں کی نشاندہی پر اخبارات و جرائد میں گاہے بگاہے جو کچھ شائع ہوتا رہا ہے' وہ کتابی صورت میں جمع نہیں تھا۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ ان تمام تحریروں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تاکہ اس احتساب نامہ کی روشنی میں قائد انقلاب اور ان کے کارکنان' اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں سے حتی المقدور کنارہ کشی کرتے ہوئے اپنی سمت کا از سر نو تعین فرمائیں اور مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کے ہاتھوں زخم خوردہ پاکستانی عوام کی امیدوں کا سہارا بنیں...... ورنہ پیٹھ کی جانب منہ کر کے منزل کی طرف سفر کرنے والوں کا انجام ہر کوئی جانتا ہے۔

محمد نواز کھرل

پرفیسر طاہر القادری کا وائٹ پیپر!!!

بظاہر دبلے پتلے اور چھریرے سے......لیکن ایمانی طور پر بے حد مضبوط اور قوی جناب محمد نواز کھرل حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھنے والے ان مستعد نوجوانوں میں سے ہیں جن پر ان کے معاصر رشک کرتے ہیں۔ وہ بیک وقت خطیب بھی ہیں اور ادیب بھی۔ وہ جب لب کشائی کرتے ہیں تو موج دریا ٹھہر جاتی ہے۔ دوران خطابت استعاروں اور تشبیہات کا مینہ چھاجوں برستا ہے۔ اشعار اور الفاظ دست بستہ ان کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور لاکھوں کا جم غفیر ان کی مٹھی میں ہوتا ہے۔ اسلام، عشق رسالت مآب ﷺ اور حب پاکستان کی دولت سے مالا مال، ان کے مضامین ملکی و غیر ملکی اخبارات و جرائد میں تواتر کے ساتھ شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی تحریر میں بلا کا سوز اور سلگتا بے پایاں درد کروٹیں لیتا نظر آتا بلکہ محسوس ہوتا ہے۔ ان کے تخیل کی رفعت، بیداری حیات کا سامان لئے ہوتی ہے۔ زیر نظر کتاب ''متنازعہ ترین شخصیت'' جناب محمد نواز کھرل کی دس سالہ شبانہ روز محنت اور عرق ریزی کا منہ بولتا ثبوت ہے جس پر وہ تحسین کے قابل ہیں۔

''متنازعہ ترین شخصیت'' دراصل پروفیسر طاہر القادری کے ''سائیکل سے لینڈ کروزر تک'' کے ارتقائی سفر کا جائزہ ہے جس پر نہایت مثبت انداز میں تنقید کی گئی ہے۔ جناب طاہر القادری کا المیہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ قول و فعل کے تضاد کا شکار رہے ہیں۔ اس داخلی و خارجی دوہرے پن نے ان کی شخصیت کو بری طرح مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ ایک طرف وہ بے نظیر بھٹو کو اپنی بہن قرار دیتے ہیں تو دوسری طرف محترمہ کو کرپٹ بھی کہتے ہیں۔ ایک طرف وہ میاں نواز شریف کو سکیورٹی رسک قرار دیتے ہیں تو دوسری طرف انہیں ایٹمی دھماکہ کرنے پر مبارکباد بھی پیش کرتے ہیں۔ ایک طرف کہتے ہیں کہ احتجاج اور ریلیوں سے ملک میں بدامنی پھیلے گی، دوسری طرف وہ خود بڑے اہتمام سے احتجاجی جلسے، جلوس اور ریلیاں منعقد کرواتے ہیں، ادھر کلچرل میلہ کا انعقاد کرواتے ہیں تو اُدھر میلاد کانفرنس کا اہتمام بھی دھوم

دھام سے کرتے ہیں۔

علامہ طاہر القادری صاحب نے گذشتہ کئی برسوں سے ماڈریٹ، پروگریسیو اور سیکولر شخصیت کا گاؤن پہن رکھا ہے۔ وہ خواب کہانیاں، بے وقت کی راگنیاں اور اوٹ پٹانگ باتوں سے قوم کو محظوظ کرتے رہتے ہیں۔ ان کی پریس کانفرنسیں رطب و یابس، لاحاصل اور مناقشات سے بھرپور ہوتی ہیں۔ بہترین درسگاہ ادارہ منہاج القرآن جن عظیم الشان مقاصد کے حصول کے لئے قائم کیا گیا تھا، بدقسمتی سے وہ پروفیسر طاہر القادری کی منفی سیاست کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ مہاتما بننے کی اندھی خواہش اور خود کو ''عقل کل'' سمجھنے کے نفسیاتی عارضے کا شکار ہو کر ان کی شخصیت ''ایبسٹریکٹ آرٹ'' (Abstract Art) کا شہکار بن چکی ہے۔ یہاں سے فارغ ہونے والے نوجوان جنہوں نے کار زمانہ کی باگ ڈور سنبھالنا تھی، اپنی اوچھی حرکات کی بدولت معاشرے میں ہدف تضحیک بن کر رہ گئے ہیں۔ ''مصطفوی انقلاب'' کے نعرہ سے دستبرداری کے بعد ''وزیر اعظم طاہر القادری'' ان کا نصب العین ٹھہرا۔ نجانے انہیں کس کی نظر کھا گئی کہ ان کا معیار ایک مسخرے کی سطح سے بھی نیچے گر گیا۔ احسن تقویم کی بلندیوں کی طرف گامزن اسفل السافلین کی تاریک اتھاہ گہرائیوں میں گر گئے۔ ''قال اللہ وقال الرسولؐ'' کی ایمان افروز آوازوں سے مہکنے والے کلاس روموں میں اب ''بن کے مست ملنگ رہیں گے، طاہر ترے سنگ رہیں گے'' کے ترانے، بھنگڑے ڈالتے ہوئے، فلمی طرز پر گائے جاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شائد انہیں بتایا گیا ہو کہ اس ''مجاہدہ'' سے عرفان حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ وہ اس عاشقی میں عزت سادات بھی گنوا بیٹھے ہیں۔ اہل بصیرت اس صورتحال کو زوال اور عذاب سے تعبیر کرتے ہیں۔ واقعی جہاں لنگڑے بھنگڑے ڈالیں، اندھے سرمہ بیچیں، سر کٹے دستاریں فروخت کریں، گنجے ''مقابلہ آرائش گیسو'' کا انعقاد کروائیں اور ٹنڈے شمشیر زن ہونے کا دعویٰ کریں، وہاں سے کس خیر کی توقع کی جا سکتی ہے؟ ایسی بستی کے اہل نظر، آشوب چشم اور اہل فکر، ضیق النفس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ستم تو یہ ہے کہ انہیں اس ناقابل تلافی نقصان کا احساس بھی باقی نہیں رہتا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

جناب طاہر القادری کا یہ جرم نہایت سنگین ہے کہ انہوں نے محض سستی شہرت، دولت اور سیاسی اقتدار کی خاطر ایسے خوابوں کا سہارا لیا جن میں حضور نبی کریم ﷺ کی صریحاً توہین پائی جاتی ہے۔ ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ کوئی ''نابغہ روزگار'' اس حد تک ذہنی قلاش ہو سکتا ہے۔ شروع میں جب وہ پوری طرح بے نقاب نہیں ہوئے تھے تو لوگوں نے انہیں ''اسلام کا سفیر'' سمجھ کر ان کے قدموں میں کیا

کچھ نچھاور نہیں کیا۔ انہیں اپنی پلکوں پر بٹھایا' ان کے جوتوں کو ہاتھ لگانا اپنا سعادت سمجھا' عقیدت کا یہ عالم کہ اگر کوئی طاہر القادری کو ''قبلہ'' کہنا بھول گیا تو ''فقہ طاہریہ'' کی رو سے اس پر ''سجدہ سہو'' واجب ہو جاتا۔ میں نے ''اعتکاف سیلہ'' میں ستائیسویں رات کو اسلام کے نام پر ان کی ایک اپیل پر لوگوں کو اپنا تن من دھن قربان کرتے دیکھا ہے۔ یہ ''جاں نثار'' بچارے جھوٹے نگینوں کی چمک پر فریفتہ ہوتے بلکہ ''پوجا'' کی حد تک ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ اندھی عقیدت بھی فتنہ ہوتی ہے۔ جس میں سادہ لوح عقیدت مند مبتلا پائے جاتے ہیں' لیکن۔

مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

جناب طاہر القادری صاحب نے 1990 میں اپنے گھر پر فائرنگ کا جو ڈرامہ رچایا' وہ انتہائی بودا' من گھڑت اور مضحکہ خیز تھا۔ اس وقوعہ کی انکوائری کے لیے پنجاب حکومت نے لاہور ہائی کورٹ کے ایک معزز جج صاحب پر مشتمل یک رکنی انکوائری ٹریبونل قائم کیا جہاں اس واقعہ کی مکمل تحقیقات کی گئیں۔ علامہ طاہر القادری صاحب نے اس ٹریبونل کے روبرو اپنا بیان ریکارڈ کروایا۔ ایڈووکیٹ جنرل نے ان پر بڑی جارحانہ جرح کی جس پر وہ نہ صرف بوکھلا گئے بلکہ انکوائری کے آخری مراحل میں اپنے جھوٹ کا پول کھلنے پر عدالتی کارروائی کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ بہر حال معزز جسٹس صاحب نے اس کیس پر اپنا تفصیلی فیصلہ دیا۔ اس فیصلہ میں انہوں نے طاہر القادری صاحب کے متعلق جو ریمارکس دیئے' انہیں پڑھ کر ہر ذی شعور کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ یہ ریمارکس آج بھی قانون کی کتابوں میں موجود بلکہ محفوظ ہیں اور قبلہ قادری صاحب کا منہ چڑا رہے ہیں۔ پاکستان کے آئین کی دفعہ 62 اور 63 کے تحت' ان ریمارکس کی موجودگی میں جناب طاہر القادری صاحب وزیر اعظم بننا تو کجا صوبائی اسمبلی کے معمولی ممبر بھی منتخب نہیں ہو سکتے۔ وہ خود قانون کے ''استاد'' ہیں اور بخوبی جانتے ہیں کہ عدالت عالیہ کا یہ فیصلہ ان کی 50 ہزار گز لمبی دستار فضیلت کو آگ لگا دینے کے لیے کافی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

یہ کتاب دراصل علامہ طاہر القادری اور ان کے عقیدت مندوں کے لئے سوا نیزے پر آیا ہوا سورج ہے جس کی روشنی میں وہ بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ حقیقت کو آدرشوں اور عقیدتوں میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا انہیں اس احتساب نامے اور حقائق نامے پر پیچ پا ہونے کی بجائے ٹھنڈے دل سے زمینی حقیقت سے آنکھیں چار کرنا چاہئیں تا کہ عقل سلیم کے حامل عوامی حلقوں میں اپنی کھوئی ہوئی اہمیت کو دوبارہ بحال کر سکیں۔

محمد خالد مصطفوی

متنازعہ ترین شخصیت

شیطان یا فرشتہ

مولانا طاہر القادری کی شخصیت کا ایک غیر جانبدارانہ مطالعہ

فرید انور

ایک مشہور ہفت روزہ جریدے کے ڈپٹی ایڈیٹر نے، جس نے 1986ء میں پہلی بار علامہ طاہر القادری سے ایک طویل انٹرویو کر کے ایک الف لیلوی داستان سے عام لوگوں کو روشناس کرایا تھا، گذشتہ ماہ اس کی شخصیت کے بارے میں ایک تفصیلی مضمون لکھا------جب اس نے یہ مضمون اشاعت کے لیے جریدے کے ایڈیٹر کے سامنے پیش کیا تو ایڈیٹر نے اس تحریر پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور یہ کہتے ہوئے اسے اپنی میز کی دراز میں پھینک دیا کہ اگر اس نے یہ من وعن شائع کر ڈالی تو طاہر القادری کے فدائین مضمون نگار کو دوسری دنیا کا راستہ دکھا دیں گے------کئی ہفتے گزر جانے کے باوجود یہ انکشاف انگیز اور دلچسپ تحریر مدیر کی میز کے دراز میں پڑی ہے۔ یہ وہی ایڈیٹر ہے، جس نے علامہ طاہر القادری کی شخصیت کا بت تراشنے کے لیے اپنے ماہوار جریدے میں درجنوں صفحات پر پھیلے ہوئے ستائشی انٹرویو شائع کیے تھے اور جو ڈیڑھ سال پہلے، پاکستان عوامی تحریک کے پہلے عوامی جلسہ عام کے موقع پر اس شخص پر نکتہ چینی کرنے والوں سے الجھتا رہا۔

مذکورہ مضمون کا خالق پاکستان کے اخبار نویسوں میں شاید طاہر القادری کو سب سے زیادہ جاننے والا شخص ہے-----کئی سال اس اخبار نویس کا طاہر القادری سے قریبی رابطہ رہا ہے، حالانکہ وہ دوسرے لیڈروں کے برعکس صحافیوں سے خوشدلانہ گپ شپ کرنے والا شخص نہیں ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ جب گذشتہ سال اس نے ایک پندرہ روزہ جریدہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا تو علامہ نے اس جواں سال

اخبار نویس کو پرکشش معاوضے پر ادارت کی پیشکش کی۔ سیاسی طور پر معتدل مزاج اور غیر وابستہ اخبار نویس نے یہ پیشکش قبول کر لی۔ بتایا جاتا ہے اسے اپنی سابقہ ملازمت کے مقابلے میں اڑھائی گنا معاوضہ پیش کیا گیا اور اس کا منصب بھی پہلے سے بہتر تھا' لیکن چند ماہ بعد ہی وہ اپنے پرانے دفتر میں لوٹ آیا۔ وہ حیران اور ناخوش تھا اور اس نے کہا کہ وہ ایک کتاب لکھے گا' جس میں ساری داستان بیان کر دی جائے گی------ان دنوں وہ یہ کتاب لکھ رہا ہے اور جیسا کہ اس کا مزاج ہے وہ مبالغے سے بچتے ہوئے پوری کہانی کہنے کی کوشش کر رہا ہے------اگر وہ اپنی کچل دینے والی مصروفیات میں سے وقت نکال کر یکسوئی اور سلیقے سے یہ داستان بیان کر سکا تو یہ پاکستان کی صحافتی تاریخ کا ایک یادگار تجربہ ہوگا۔

اخبارات کے رپورٹنگ یا میگزین سے متعلق شعبوں میں جب کوئی شخص علامہ طاہر القادری کے بارے میں لکھنے کے ارادے کا اظہار کرے تو اکثر یہ بات مزاحیہ انداز میں کہی جاتی ہے کہ جو کوئی علامہ صاحب کے حضور گستاخی کا مرتکب ہوگا' اسے مذہبی لیڈر کے فدائین اٹھا لے جائیں گے۔ اس طرح کے مزاحیہ جملوں کی تہہ میں ہمیشہ خوف کی ایک لہر موجود ہوتی ہے۔

کچھ عرصہ پہلے علامہ کے درجنوں مسلح اور چیختے چلاتے کارکن اخبارات کے دفاتر میں جا گھسے تھے اور انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ ان کے لیڈر کی خبر چھ کالمی شہ سرخی کے ساتھ شائع کی جائے۔ اس کے بعد سے اخبار نویس خاص طور پر محتاط ہیں۔ گذشتہ کئی سال سے وہ مختلف جماعتوں کے حملوں کا شکار ہوتے رہے ہیں۔

لیکن ہر ایسے واقعہ کے پیچھے ہمیشہ کوئی تنازعہ موجود تھا------اس کے برعکس چند ماہ پہلے جب علامہ طاہر القادری کے فدائین' رائفلوں سے مسلح ہو کر اخبارات کے دفاتر میں داخل ہوئے تو کوئی جھگڑا موجود نہ تھا۔ وہ صرف نمایاں خبر چھپوانے کے لیے یہ حربہ استعمال کر رہے تھے۔ اس روز اخبارات کے نام علامہ کا پیغام بے حد واضح تھا' وہ ہر قیمت پر اپنا چرچا چاہتا تھا حتیٰ کہ وہ اس کی بھاری قیمت ادا کرنے پر تیار تھا۔

علامہ کی مختصر سی عوامی زندگی کی ساری کامیابیاں پروپیگنڈہ ہی کی مرہون منت ہیں۔ گذشتہ عشرے کے آخری سالوں سے درس قرآن کی محفلوں میں' جہاں اس کی خطابت کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے' وہ نہایت احتیاط سے سوچے سمجھے مرحلہ وار پروگرام کے تحت نہ صرف اپنا امیج بنانے کی کوشش کرتا رہا ہے بلکہ اس نے یہ ثابت کرنے کے لیے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ اس کے والد ایک عظیم روحانی بزرگ تھے۔

بعد میں جب اس نے اپنے مقاصد کے لیے اخبارات کو استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا' تو اس نے نہایت احتیاط سے اپنی پسند کے ایک جریدے کا انتخاب کیا------نومبر 1986ء میں اس جریدے نے اس کا بہت طویل انٹرویو شائع کیا۔ پاکستان کی صحافتی تاریخ میں کسی بھی لیڈر کا شاید یہ

طویل ترین انٹرویو تھا اور اس کے سوالات اس طرح مرتب کیے گئے تھے' جن سے اسے خود کو ایک قد آور اور مقدس شخصیت کے طور پر پیش کرنے میں آسانی رہے۔ (''کہا جاتا ہے کہ آپ کے والد نے طواف کعبہ کے بعد مقام ملتزم پر کھڑے ہو کر بارگاہ ایزدی میں نرینہ اولاد کے لیے دعا مانگی تھی'')------اس قدر طویل انٹرویو کی اشاعت پر بھی جو سرورق کی کہانی کے طور پر چھپا تھا' علامہ کی تسلی نہ ہوئی اور اس نے تجویز پیش کی کہ کئی دن جاری رہنے والے اس انٹرویو کا مکمل متن شائع کیا جائے------ایسا کرنے کی صورت میں اس نے کئی ہزار کاپیاں خریدنے کی پیشکش کی' جو وہ اپنے مریدوں میں بانٹنا چاہتا تھا' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا------یہ 64 صفحات پر پھیلا ہوا انٹرویو تھا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے اس امر کا اہتمام کیا کہ اس کے ادارے کی سالگرہ کے حوالے سے لاہور کے دونوں بڑے اخبارات خصوصی رنگین ایڈیشن شائع کریں۔ اب اخبارات اس سے لاڈلے بچے کا سا سلوک نہیں کر رہے' جس کا اس نے انہیں چسکا کبرا اہتمام کیا تھا (''میرے 25 ہزار کارکن ہیں اور وہ آپ کا اخبار خریدیں گے'')۔ لیکن حالیہ انتخابی مہم کی وجہ سے اب پھر اس۔ نے اہمیت اختیار کر لی ہے' وہ اس لحاظ سے خوش قسمت تھا کہ نہ صرف اخبارات نے سیاست میں داخلے سے پہلے اس کا سواگت کیا بلکہ بڑے سیاسی گروہوں میں سے کسی نے بھی جو سالوں کی محاذ آرائی سے نڈھال تھے' 25 مئی 1989ء کو اس کی مزاحمت اور مذمت کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی' جب اس نے اپنی جماعت ،، ۔ نے کا اعلان کیا۔ انتہا تو یہ ہے کہ شعلہ بیان عبدالستار خان نیازی' ہر وقت لڑنے پر تلے ہوئے مولانا شاہ احمد نورانی' ور دنیا بھر سے الجھنے والے ڈاکٹر اسرار احمد نے بھی اس سے صرف نظر کی کوشش کی۔ قاضی حسین احمد تو اس۔ سے ملنے اس کے دفتر تک جا پہنچے۔ شاید ان کی خواہش یہ تھی کہ جماعت اسلامی کو جسے اپنی پوری تاریخ میں مذہبی گروہوں کی' شدید مخالفت سے واسطہ رہا ہے' ایک اور محاذ پر اپنی توانائی ضائع نہ کرنی پڑے۔ یہ صرف لاہور کا جریدہ ''را'' تھا' جس نے کسی قدر محتاط لیکن واضح تحریر کے ذریعے' جو موصوف کے اساتذہ' سابق ساتھیوں اور اس کے والد کے بعض جاننے والوں سے ملاقات کے بعد لکھی گئی تھی' یہ بتانے کی کوشش کی کہ علامہ طاہر القادری کی حقیقی شخصیت اور اس کے عزائم کیا ہیں۔

اخبارات اور سیاسی جماعتوں کی طرف سے غیر معمولی احتیاط کی روش نے پہلے سے پر اعتماد علامہ کے اعتماد میں کچھ اور بھی اضافہ کر دیا اور اس نے 25 مئی 1989ء کو موچی دروازے میں اپنی جماعت کے تاسیسی جلسہ عام سے تین دن پہلے اخبار نویسوں سے ایک ملاقات میں اعلان کیا کہ وہ قادیانیوں سمیت ہر طبقے کے مفادات کے لیے لڑے گا۔ جب اس موضوع پر ایک بڑبولے اخبار نویس نے تیز و تند سوالات کی بوچھاڑ کی اور پھر اس فضا میں ایل ڈی اے کی طرف سے ادارہ منہاج القرآن کے لیے وسیع زمینوں کی الاٹمنٹ کا سوال اٹھا' تو علامہ بجھ سے گئے اور ان کی مخصوص خطابیہ گھن گرج

غائب ہوگئی------ یہ ظاہر تھا کہ وہ خود بھی الجھنے سے گریزاں ہے اور ظاہری اعتماد کے باوجود اس کے اندر کہیں گہرا خوف چھپا ہوا ہے------

یہ 22 مئی کا تذکرہ ہے' تین روز بعد اس نے موچی دروازہ میں اس جلسہ عام کا اہتمام کیا' جس کے لیے وہ طویل عرصے سے منصوبہ بندی کر رہا تھا------ بلوچستان اور سندھ کے دور دراز ریگستانی علاقوں سمیت ملک بھر سے اس کی خطابت کا شکار ہونے والے 30 ہزار سے زیادہ لوگ لاہور کی تاریخی جلسہ گاہ میں جمع ہوئے' جب کہ جلسہ گاہ کے باہر اس موقع کی مناسبت سے شائع ہونے والے بعض جرائد اور اخبارات کے خصوصی نمبر فروخت ہو رہے تھے------ ہاکی کے سابق کپتان اختر رسول سمیت جو وزیراعلیٰ پنجاب کے مشیر تھے' صوبائی اسمبلی کے دو ارکان سٹیج پر موجود تھے۔ طے شدہ وقت سے خاصی دیر بعد' اس کی پجارو جیپ سٹیج کے عقب تک پہنچی' جہاں اس نے بال سنوارے اور اپنے کلاشنکوف بردار محافظوں میں گھرا ہوا' سٹیج پر نمودار ہوا۔ اس نے نہایت قیمتی سفید لباس پہن رکھا تھا اور اس کے دائیں ہاتھ میں سبز رنگ کی ایک تسبیح لٹک رہی تھی' روشنیوں کے سیلاب اور نعروں کے شور میں وہ ایک دیومالائی شخصیت نظر آ رہا تھا۔

اس نے خطاب کا آغاز کیا اور مجمع کے جوش میں اضافہ ہوتا گیا جس کی اکثریت اس کے حامیوں پر مشتمل تھی۔ بلاشبہ یہ ایک اثر انگیز خطاب تھا' جس میں سامعین کی اکثریت بہی چلی جا رہی تھی' لیکن پھر تقریر کے ایک ڈرامائی موڑ پر اس نے اچانک کہا کہ پارٹی کے نام اور منشور کا اعلان وہ اپنے خطاب کے دوسرے حصے میں کرے گا۔

اس وقفے میں سٹیج پر بیٹھے پنجاب اسمبلی کے دونوں ارکان اور اوول کے ہیرو فضل محمود نے اس کی جماعت میں شمولیت کا اعلان کیا' جس سے مجمع کے جوش میں مزید اضافہ ہوگیا۔ وہ پھر سے سٹیج پر نمودار ہوا۔ اس نے ملک کے دونوں سیاسی گروہوں کی مذمت کی اور اعلان کیا کہ اگر اسے اقتدار ملا تو وہ تین سال کے اندر ملک میں انقلاب برپا کر دے گا۔ اس نے سنسنی خیز اور ڈرامائی انداز میں بعض واقعات بیان کیے اور کہا کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت بنا کر اسلام کی خدمت کے لیے میدان میں نکلنے کا حکم دیا ہے۔ بڑی احتیاط کے ساتھ اس نے تاثر دینے کی کوشش کی کہ وہ فرقہ بندی سے بالاتر ہے۔ اس نے معاشی مسائل کو اجاگر کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ عام لوگوں کی قسمت بدل ڈالے گا۔ پھر اس نے دائیں ہاتھ سے قرآن مجید فضا میں بلند کیا اور کہا کہ اگر وہ غلط بیانی کر رہا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ واضح طور پر' بہت واضح طور پر وہ خود کو ہمسایہ ایران کے روحانی پیشوا امام خمینی ایسی شخصیت کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کر رہا تھا' جنہوں نے ایران سے استعمار اور بادشاہت کو اکھاڑ پھینکا تھا اور جن کی قوت

ایران کے غربت کی آگ میں جلتے ہوئے محروم اور بے بس لوگ تھے------ البتہ لوگوں کو اس پر بہت تعجب ہوا کہ اس نے جلسے کی حاضری بیان کرنے میں بے حد مبالغے سے کام لیا۔ اس کے سامنے جلسہ گاہ میں جو 25 ہزار سروں سے لبریز ہو جاتی ہے' اور جس کا پچھلا حصہ خالی تھا' زیادہ سے زیادہ 20 ہزار آدمی تھے۔ ان لوگوں کی تعداد 5 سے لے کر 10 ہزار تک ہو سکتی تھی' جو گرد و نواح کی سڑکوں پر گھوم پھر رہے تھے۔ لیکن اس نے کہا کہ یہ لاکھوں کا مجمع ہے "انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر" اس نے کئی بار دہرایا اور دعویٰ کیا کہ اس کے سامعین شاہ عالمی سے ریلوے سٹیشن تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس شخص کو جو قرآن مجید اور خدا کو اپنا گواہ بنا رہا تھا' جس کا دعویٰ تھا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی ہے' اس قدر' اس قدر مبالغے کی ضرورت کیوں پیش آ رہی تھی؟

کچھ اور سوالات بھی تھے۔ وہ اسلام کا خدمت گزار ہے لیکن اس کی پارٹی کے نام میں اسلام کے لیے کوئی جگہ نہیں------ پاکستان عوامی تحریک۔ اسے اتنے محافظوں کی ضرورت کیوں ہے؟ وہ اس قدر مہنگی گاڑی میں کیوں سفر کرتا ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر وہ واقعی اسلام کا ایک سچا اور بے ریا خادم ہے تو وہ پنجاب کے حکمران صنعت کار خاندان سے مالی مفادات کیوں حاصل کرتا رہا ہے۔ اخبار نویسوں اور یا پھر دوسرے لوگوں کے لیے اس کا ششدر کرنے والا جواب یہ تھا کہ اس نے شریف خاندان سے کبھی کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں کیا------ "آپ نے کوئی مالی فائدہ نہیں اٹھایا؟" وہ بار بار حیرت سے سوال کرتے تھے' آپ کو وزیراعلیٰ کے حکم پر پہلے فیصل ٹاؤن میں 16 کنال اور پھر ٹاؤن شپ میں 160 کنال زمین کوڑیوں کے مول دی گئی' بازار کے نرخ سے دس فیصد سے بھی کم پر اور آپ کہتے ہیں کہ آپ نے کبھی رعایت حاصل نہیں کی؟" ------ "نہیں" اس نے کہا "میں نے کوئی رعایت حاصل نہیں کی"۔ پہلی بار شکوک و شبہات نے سر اٹھانا شروع کیا۔ ایک اخبار نویس نے کہا قرون اولیٰ کے اسلام پر نثار اور رسول خدا ﷺ پر فدا ہونے والوں کی کہانیاں سنا کر وہ دوسروں کو رلاتا ہے' لیکن خود نہیں روتا' وہ خود پر رقت طاری کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایسا کرنے میں اسے کامیابی نہیں ہوتی------ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ محض ایک اعلیٰ درجے کا اداکار ہو' شہرت کا ایک اور بھوکا' قیادت کا آرزومند ایک اور بیمار آدمی' لیکن زیادہ تر لوگ کھلم کھلا تبصرہ کرنے سے ڈرتے تھے' وہ خدا تعالیٰ' قرآن پاک اور رسول اللہ کے آخری پیغمبر ﷺ کو گواہ بناتا تھا------ اور لوگ ڈرتے تھے!

لیکن انسانوں کا تجسس دروازے کھولتا ہے اور حقائق منکشف ہوتے ہیں' لہٰذا آہستہ آہستہ بتدریج' رفتہ رفتہ اخبار نویسوں' سیاسی کارکنوں اور مذہبی پارٹیوں کے حامیوں کا تجسس بروئے کار آنے لگا------ وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ یہ آدمی درحقیقت کیا ہے اور کہاں سے آیا ہے' اس

کا بچپن کہاں گزرا ہے؟ اس نے کب اور کہاں خواب دیکھنا سیکھے؟ دین سے اس کے بلند بانگ شغف کی حقیقت کیا ہے؟ شریف خاندان سے اس کے تعلق کی نوعیت کیا رہی ہے؟ اس نے اب تک کی زندگی کیسے گزاری ہے؟ اس کی عادات و مشاغل کیا ہیں؟ وہ کس طرح کے شب و روز بسر کرتا ہے؟ ہزاروں لوگ اس پر فدا کیوں ہیں؟ اس پر وسائل کی بارش کہاں سے ہو رہی ہے اور وہ کس دن کا سپنا دیکھ رہا ہے؟

☆ ☆ ☆

محمد طاہر کا تعلق جو اب خود کو قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کہلوانا پسند کرتا ہے، جھنگ کے ایک غریب خاندان سے ہے۔ اس کے والد فرید الدین گڑھ مہاراجہ میں ضلع کونسل کے مختصر سے شفا خانہ میں ڈسپنسر کے طور پر کام کرتے تھے۔ انہوں نے طب کی کچھ باقاعدہ اور کچھ بے قاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ ایک مذہبی آدمی تھے، بریلوی مکتب کے ایک راسخ العقیدہ مسلمان------ وہ قوالیاں سنتے، مزاروں پر جاتے اور اپنی بچت زیارتوں کے لیے بچا کر رکھتے تھے------ وہ حج کے علاوہ ایک سے زیادہ بار عہد اوّل کے جلیل القدر مسلمانوں کے مزاروں پر فاتحہ پڑھنے اور برکت حاصل کرنے کے لیے ایران اور عراق گئے------ مولانا روم کے مزار پر حاضری دینے کے لیے انہوں نے ایک بار خاص طور پر ترکی کا سفر طے کیا------ ان کے پاس اتنے وسائل کہاں سے آتے تھے؟ فرید الدین قادری کو قریب سے جاننے والوں کا کہنا ہے کہ یہ بھلا مانس آدمی کفایت شعار واقع ہوا تھا اور گرد و پیش کے زمینداروں کے لیے قوت بخش دوائیں تیار کرتا تھا اور وہ اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔

فرید الدین قادری کے ہاں دو بیٹیوں کے بعد ایک بیٹے نے جنم لیا تو یہ اس کے لیے ایک روز مسرت تھا۔ اگرچہ اس کے وسائل زیادہ نہ تھے، لیکن اس نے اپنے بچے کو لاڈ پیار سے پالا۔ اس کی تعلیم کا آغاز گوجرہ روڈ جھنگ پر اٹلی کے عیسائیوں کے مشنری سکول سے ہوا۔ وعظ کی مجالس، قوالیوں اور مزاروں پر وہ اسے ساتھ ساتھ لیے پھرتے، جہاں لوگ بزرگوں، صوفیوں اور درویشوں کے بارے میں طرح طرح کے حیرت انگیز قصے بیان کرتے تھے۔ غالباً انہی مجالس میں طاہر کے دل میں اس خواب نے جنم لیا کہ وہ ان لوگوں کی طرح کرامات دکھانے اور دوسروں کو حیران کر دینے والا شخص بن جائے------ جہاں تک اس کے والد کا تعلق تھا، اپنی معمولی تعلیم اور شدید مذہبی احساس کے ساتھ وہ اسے ایک شریف آدمی بنانا چاہتے تھے------ ڈسپنسر کی آرزو تھی کہ اس کا بیٹا ڈاکٹر بنے اور نوکری کی بجائے ایک آزاد آدمی کی آسودہ زندگی گزارے۔ اگر محمد طاہر ڈاکٹر نہ بن سکا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ایم بی بی ایس میں داخلے کے لیے ایف ایس سی کے امتحان میں وہ مطلوبہ نمبر حاصل نہ کر سکا۔ والد کی خواہش پر اس نے دوسری بار بھی امتحان دیا اور اب کی بار اس کے نمبر پہلے سے بہتر تھے، لیکن پھر بھی وہ میرٹ تک نہ پہنچ پایا۔ وہ محنتی

اور ذہین تھا، لیکن اسے سائنس خاص طور پر میڈیکل سائنس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو فنون اور خیالات کی دنیا کا آدمی تھا۔

جب اس نے پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے اسلامیات کے لیے داخلہ لیا تو یہ بھٹو کا عہد اقتدار تھا، ملتان کا جاوید ہاشمی حکومت دشمن طلبہ سیاست پر چھایا ہوا تھا اور پنجاب یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت کا طوطی بولتا تھا۔ محمد طاہر نے جاوید ہاشمی کی انتخابی مہم میں خاصی سرگرمی سے حصہ لیا۔ وہ اسلامی جمعیت طلبہ کے جوش و خروش سے لبریز جلوسوں کو مبہوت ہو کر دیکھتا رہا جن میں "سیدی مرشدی مودودی، مودودی" کے فلک شگاف نعرے گونجتے تھے۔ وہ ایک کارکن کی بجائے ایک لیڈر کا کردار ادا کرنا چاہتا تھا، لیکن مواقع موجود نہ تھے۔ تاہم اس کے اندر کچھ کر دکھانے کی آرزو شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔ انہی دنوں اپنی ایک ہم جماعت خاتون کے نام ایک محبت نامے میں اس نے لکھا کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ ایک دن وہ مولانا مودودی سے بڑا لیڈر بنے گا۔ یہ خط آج بھی اس خاتون کے پاس موجود ہے، لیکن وہ اس کی اشاعت پر آمادہ نہیں۔

ایم اے اسلامیات کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد محمد طاہر واپس جھنگ چلا گیا، جہاں وہ گورنمنٹ کالج عیسیٰ خیل سے وابستہ ہو گیا، لیکن یہاں اس کا جی نہ لگا۔ اس نے نوکری سے استعفیٰ دے دیا اور جھنگ شہر میں وکالت شروع کر دی۔ وہ دو سال اس محاذ پر ڈٹا رہا، لیکن وہ ایک ناکام وکیل تھا۔ وہ قانون کی کتابوں میں جی نہیں لگا سکتا تھا اور عدالت کے کٹہرے میں محض خطابت کا جادو جگانے کی کوشش کرتا تھا۔

1977ء کی تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ نے اسے لیڈری کرنے کا ایک موقع فراہم کیا۔ اس نے کسی سیاسی جماعت سے وابستہ ہونے کی بجائے ایک علیحدہ تنظیم بنائی اور نوجوانوں کو بھٹو کے خلاف متحرک کرنے کی کوشش کی------ 5 جولائی 1977ء کی فوجی کارروائی نے اس نوجوان کے لیے سیاسی مواقع کی بساط لپیٹ دی۔

1978ء میں وہ لاہور چلا آیا اور یونیورسٹی لاء کالج میں پڑھانے لگا۔ اس نے 1979ء یا غالباً 1980ء میں پنجاب یونیورسٹی کے اساتذہ کی انجمن میں صدارت کے عہدے کا انتخاب لڑا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ بائیں بازو کے اساتذہ کے پینل کی طرف سے میدان میں تھا۔ لیڈری اور شہرت حاصل کرنے کی مجنونانہ خواہش نے اس پر غلبہ پا لیا تھا۔ وہ بری طرح ناکام رہا اور ہمیشہ کے لیے جماعت اسلامی کا دشمن ہو گیا، جس کے حامیوں نے اس کو شکست سے دوچار کیا تھا۔

اب وہ ایک ہوسٹل کا سپرنٹنڈنٹ تھا اور گاہے بگاہے ایک مختصر سے حلقے میں درس قرآن دیتا۔ وہ ہوسٹل کا انچارج تھا، لیکن اسے نظم قائم کرنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ آئے روز اس کے ہوسٹل

میں افسوسناک واقعات پیش آتے اور جب یونیورسٹی انتظامیہ کی طرف سے توجہ دلائی جاتی تو وہ خطابت کا جادو جگاتا اور کہتا کہ یہ اسلامی جمعیت طلبہ کی یونین والے ہیں' جو واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں------ایسے ہی ایک افسوسناک واقعہ کے بعد اس نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اب اسے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑے گا۔

اس نے قلعہ گوجر سنگھ میں ایک مکان کرائے پر لیا اور ایک دوست سے مالی امداد کی درخواست کی۔ اس سادہ دل آدمی نے اپنے دوست کی مدد کی۔ وہ اس کے مکان کا کرایہ ادا کرتا اور اس کے لیے درس قرآن کی محفلوں کا اہتمام کرتا۔ اس شخص کے توسط سے محمد طاہر کی ملاقات پنجاب کے وزیر خزانہ نواز شریف کے والد اور صنعت کار میاں محمد شریف سے ہوئی------اب اس کی مالی حالت سدھرنے لگی اور جلد ہی وہ قلعہ گوجر سنگھ سے سمن آباد کے ایک مکان میں منتقل ہو گیا۔

محمد طاہر نے جو ایک عرصے سے طاہر القادری بن چکا تھا' 1981ء سے شادمان کالونی کی رحمانیہ مسجد میں درس قرآن کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ یہاں یونیورسٹی لاء کالج کے بعض طلبہ اور اساتذہ' اعظم کلاتھ مارکیٹ' برانڈرتھ روڈ اور اکبری منڈی کے خوش حال اور خوش عقیدہ تاجروں کے علاوہ اس آسودہ حال آبادی کے بعض لوگ بھی درس میں شریک ہوتے------ان میں سے بعض اس جوان سال مفسر سے بری طرح متاثر تھے۔ "میں نے اپنی زندگی کے دو سال اس طرح گزارے کہ میں اس کے ہر حکم کی تعمیل پر آمادہ رہتا تھا"------ان لوگوں میں ایک نے بتایا' جواب اس کا نام سن کر بھڑک اٹھتا ہے اور اسے ایک جعل ساز قرار دیتا ہے۔

اسی شخص کے توسط سے' جو اپنا چھوٹا سا کاروبار کرتا ہے' اس کی میاں شریف سے پہلی ملاقات ہوئی۔ میاں شریف کو اپنی نو تعمیر اتفاق مسجد کے لیے ایک خطیب کی تلاش تھی۔ انہوں نے طاہر القادری سے اس سلسلے میں رابطہ کیا تو اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا لیکن اس نے بزرگ صنعت کار کے سامنے چند شرائط پیش کیں۔ اس نے کہا کہ وہ کوئی معاوضہ قبول نہیں کرے گا لیکن انہیں اس کے خطبات جمعہ کو پمفلٹ کی صورت میں طبع کرانا ہو گا اور اس کے کیسٹ بنائے جائیں گے۔ نوجوان آدمی کو اپنی خطابت کے جادو کا اندازہ ہو چکا تھا------میاں شریف نے ان شرائط کو تسلیم کر لیا۔ مسجد کی تعمیر پر لاکھوں روپے صرف کرنے والے آدمی کے لیے چند ہزار روپے ماہوار کے خرچ کی اہمیت کیا تھی؟

انہی دنوں اسلام آباد میں طاہر القادری کی ملاقات اپنے ایک سابق استاد اور اپنے والد کے ایک دوست سے ہوئی۔ انہوں نے بے تکلفی کے ساتھ اس سے سوال کیا کہ اس نے یونیورسٹی کی نوکری کیوں چھوڑ دی؟ برا سا منہ بنا کر اس نے جواب دیا کہ اس تنخواہ میں اس کی گزر بسر ڈھنگ سے نہیں ہوتی

تھی۔ تمکنت اور طنطنے کے ساتھ اس نے کہا کہ اسے یونیورسٹی سے جو تنخواہ ملتی تھی' اس سے کہیں زیادہ روپے اس کے باورچی خانے میں خرچ ہو جاتے ہیں۔ بزرگ استاد نے حیرت سے کہا کہ ابھی چند سال پہلے وہ ان سے مالی مدد کی درخواست کر رہا تھا اور اس نے التجا کی تھی کہ اسے کہیں سے وظیفہ دلوا دیا جائے------اب اچانک اس کے مالی حالات اتنے اچھے کیسے ہو گئے------اس سوال پر وہ گھبرا گیا اور اس نے بتایا کہ اپنا جھنگ کا مکان بیچ کر اس نے کاروبار شروع کر رکھا ہے------واقعی اس نے مکان بیچ ڈالا تھا' لیکن اس کی آسودگی کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ میاں شریف نے اس کے لیے سیمنٹ کی ایک ایجنسی حاصل کی تھی اور وہ اس کے علاوہ مختلف طریقوں سے اس کی مالی امداد کرتے تھے' بتدریج یہ مالی امداد سوا لاکھ روپے ماہوار تک جا پہنچی' جس کا بڑا حصہ اتفاق مسجد میں قائم ہونے والے مدرسے کے لیے تھا' جسے ایک پر شکوہ نام دیا گیا تھا' لیکن اس کا کچھ حصہ محمد طاہر القادری کی ذات پر صرف ہوتا تھا۔

1982ء میں شہرت کے مطلع پر طاہر القادری کا ستارہ اس وقت چمک اٹھا' جب الہدیٰ کے عنوان سے ٹی وی سے نشر ہونے والا ڈاکٹر اسرار احمد کا درس قرآن بند کر دیا گیا------سیکرٹری اطلاعات شیخ مجیب الرحمٰن ڈاکٹر اسرار احمد کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ٹی وی کو اب ایک نئے مفسر کی بری طرح تلاش تھی۔ طاہر القادری سے بہتر متبادل کون ہو سکتا تھا' جو ایک صوبائی وزیر کے والد کی مسجد میں نماز پڑھاتا تھا اور جس کی خطابت کا چرچا دور تک سنائی دے رہا تھا۔ اپنے درد اور علم کی وجہ سے ڈاکٹر اسرار احمد ایک بہت مقبول مفسر تھے اور ان کی مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ بھارتی پنجاب کے بعض غیر مسلم تک ان کا پروگرام باقاعدگی سے سنتے تھے' لہٰذا شروع میں طاہر القادری کو اپنا رنگ جمانے میں بڑی دقت پیش آئی' لیکن رفتہ رفتہ وہ چل نکلے اور جیسا کہ محاورے میں کہا جاتا ہے' آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل' رفتہ رفتہ لوگ ڈاکٹر اسرار احمد کو بھول گئے اور چیختے چلاتے طاہر القادری بتدریج منظر پر چھا گئے۔ وہ آخر قرآن ہی تو سنا رہے تھے۔

ڈاکٹر اسرار کے زمانے میں بھی ٹی وی پر ستائشی خطوط موصول ہوتے تھے لیکن طاہر القادری کے درس کا سلسلہ شروع ہوا تو خطوط کی تعداد برابر بڑھتی چلی گئی اور ایک بار تو یہ بھی ہوا کہ کسی وجہ سے پروگرام نشر نہ ہو سکا مگر تعریفی خطوط اتنی ہی تعداد میں موصول ہو گئے۔

1985ء کے غیر جماعتی انتخابات کے بعد نواز شریف وزیر اعلیٰ بنے تو طاہر القادری کی قوت و شوکت میں اضافہ ہو گیا۔ سعادت مند بیٹے نے اپنے والد کی خواہش پوری کرنے کے لیے انہیں فیصل ٹاؤن میں 16 کنال کا ایک پلاٹ دلوایا۔ نواز شریف جمعہ پڑھنے اتفاق مسجد میں جاتے تو واپسی پر طاہر القادری ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جاتے اور مختلف لوگوں کے کام کی سفارش کرتے۔ انہی دنوں اس نے اپنے بعض حامیوں کو پولیس میں بھرتی کرایا۔ شروع شروع میں میاں نواز شریف ان کی ہر

سفارش مان لیتے تھے' لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سفارشوں کا سلسلہ دراز تر ہوتا گیا اور ان کے لیے سب فرمائشوں کو پورا کرنا ممکن نہ رہا۔ نواز شریف مزاجاً سخی اور کم گو واقع ہوئے ہیں۔ عام طور پر وہ فرمائشیں پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جب ان کا کوئی جاننے والا یا دوست کسی ایسے کام پر اصرار کرے جو کسی وجہ سے کیا نہ جا سکتا ہو تو خاموشی اختیار کر لیتے ہیں یا اشارے سے ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ طاہر القادری کو ایک نیک اور ذہین آدمی سمجھتے تھے' لیکن انہیں اس وقت بہت تعجب ہوا جب طاہر القادری مجبوری سے روکے گئے بعض کاموں پر اصرار کرتے چلے گئے۔ لاہور کے ہزاروں خوش عقیدہ لوگوں کے درمیان جنہیں وہ رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رسولؓ کی کہانیاں سنا کر رلاتے تھے' اب وہ ایک پیر کی حیثیت اختیار کر چکے تھے اور انہیں اس امر پر توہین کا احساس ہوا کہ ان کے سرپرست لیکن مرید کا صاحبزادہ ان کے احکامات کی تعمیل سے گریز کر رہا ہے------اس صورت حال میں انہیں شریف خاندان سے الگ ہو جانا چاہیے تھا' لیکن وہ فوری طور پر ایسا نہیں کر سکتے تھے' کیونکہ انہیں اس خاندان سے ہر ماہ سوا لاکھ روپے کی امداد ملتی تھی۔ پھر یہ کہ وہ مستقبل کی منصوبہ بندی کر رہے تھے اور فیصلے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔

انہی دنوں میاں شریف نے انہیں ایک کار تحفے میں دی------اس سے پہلے وہ فیصل ٹاؤن میں 16 کنال کے پلاٹ کے لیے انہیں شام کو بنک کھلوا کر 5 لاکھ روپے دے چکے تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب ٹاؤن شپ سکیم میں الاٹمنٹوں کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہہ کر اسے 8 ہزار روپے کنال کے حساب سے 160 کنال زمین دلوائی۔ اس پر کچھ شور تو اٹھا لیکن زیادہ واویلا اس لیے نہ مچا کہ یہ زمین ایک مدرسے کے نام پر حاصل کی گئی تھی------شریف خاندان سمیت کسی کے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ طاہر القادری کے آئندہ ارادے کیا ہیں------اب تک اپنے سادہ لوح مریدوں اور شریف خاندان کی سرپرستی کے طفیل طاہر القادری وہ سب کچھ حاصل کر چکے تھے' جس کی انہیں آرزو تھی۔ لہٰذا اب انہوں نے اگلے مرحلے کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔

اب وہ میاں شریف خاندان سے الگ ہو کر زندہ رہ سکتے تھے۔ اب ان سے کہیں زیادہ طاقتور لوگ (روایت کے مطابق بعض غیر ممالک) ان کی سرپرستی پر آمادہ تھے------اب وہ دن گزر چکے تھے جب میاں شریف خاندان نے دل کی بیماری میں مبتلا آدمی کو امریکہ میں اور اس کی بیمار اہلیہ کو علاج کے لیے بھارت بھجوایا تھا------اب وہ دن بھی گزر چکے تھے جب میاں نواز شریف انہیں اپنے کندھوں پر اٹھا کر غار حرا تک لے گئے تھے اور واپسی پر طاہر القادری نے اعلان کیا تھا کہ غار حرا میں اس کی ملاقات ایک کشمیری فرشتے سے ہوئی------اب فرشتے کشمیری نہیں رہے تھے' اب وہ فارسی اور عربی

بولتے تھے اور ان کا تعلق پاکستان سے نہیں تھا۔ 1989ء کے آغاز میں طاہر القادری نے اپنے بعض ساتھیوں کو اعتماد میں لے کر یہ بتانا شروع کیا کہ اس کے راستے شریف خاندان سے الگ ہو سکتے ہیں۔ اب وہ آسودہ اور طاقتور تھا۔ اسے کسی کا احسان یاد رکھنے اور کسی کے ساتھ چلنے کی ضرورت نہ تھی۔

1989ء کے موسم بہار میں اس نے اتفاق مسجد کو خیر باد کہنے اور شریف خاندان سے الگ ہونے کا اعلان کر دیا۔ ایک بھرپور پروپیگنڈہ مہم کے بعد جو کئی ماہ جاری رہی اس نے موچی دروازے میں ایک جلسہ عام منعقد کر کے پاکستان عوامی تحریک کے قیام کا اعلان کیا۔ اس نے متعدد اہم سیاسی شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں اور انہیں اپنی جماعت میں شمولیت کی دعوت دی۔ ان میں اس کے زمانہ طالب علمی کا لیڈر جاوید ہاشمی اور موجودہ وزیر اطلاعات سیدہ عابدہ حسین شامل تھیں۔ جاوید ہاشمی نے جنہیں وہ اپنا مدرسہ' دفتر اور سبز باغ دکھانے کے لیے منہاج القرآن لے گیا' اسے خوش اسلوبی سے ٹال دیا اور اسی طرح سیدہ عابدہ حسین نے بھی' جنہیں اس نے خواتین کے شعبے کا سربراہ بننے کی پیشکش کی تھی۔ غالباً وہ انہیں اپنی جماعت میں شامل کر کے ملک کی شیعہ آبادی کی حمایت حاصل کرنا چاہتا تھا اور یہ تاثر دور کرنے کا خواہش مند تھا کہ وہ محض ایک مذہبی لیڈر رہے۔ اسے داد دینی چاہیے کہ اس نے ایک ایسی خاتون کو چنا' جس کا سیاسی کردار بے داغ تھا' لیکن اس کا تیر نشانے پر نہیں لگا------بعد میں سیدہ عابدہ حسین اس پر حیرت کا اظہار کرتی رہیں کہ آخر اس آدمی کو سوجھی کیا' لیکن وہ جھنگ میں اس کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے پریشان بھی تھیں اور ایک بار انہوں نے کہا کہ یہ شخص انہیں ہرانے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ اگرچہ بیشتر لیڈروں سے طاہر القادری کے مذاکرات ناکام رہے لیکن وہ شیخوپورہ کے ایک آزاد امیدوار سمیت' پنجاب اسمبلی کے دو ارکان کو اپنی پارٹی میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اخبار نویسوں اور سیاسی کارکنوں کا تاثر یہ تھا کہ وہ جمعیت علمائے پاکستان جیسی قوت ضرور حاصل کر لے گا اور اس طرح پنجاب کی بعض نشستوں پر طاقت کا توازن اس کے ہاتھ میں آ جائے گا۔ 25 مئی 1989ء کو موچی دروازہ کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے اس نے پیپلز پارٹی پر زیادہ سختی سے نکتہ چینی کی' لیکن اسلامی جمہوری اتحاد کے بارے میں بھی اس کا رویہ زیادہ مختلف نہ تھا۔ اس نے میاں نواز شریف یا ان کے والد کا نام تو نہ لیا مگر ان کی طرف واضح اشارہ کرتے ہوئے بنکوں سے قرضے حاصل کرنے والوں کو مطعون کیا۔ اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہ تھی کہ کوئی اسے احسان فراموش ہونے کا طعنہ دے گا۔

شریف خاندان نے اس معاملے کو کس طرح لیا؟ عام اندازوں کے برعکس انہوں نے صبر اور تحمل کا مظاہرہ کیا۔ ایک ایسے شخص کی گالی برداشت کرنا کتنا مشکل ہے' جو کل تک آپ کے دسترخوان پر بیٹھتا اور آپ کے قصیدے کہتا رہا ہو' لیکن میاں نواز شریف اور ان کے بیٹوں نے ایسا کر دکھایا------

اگرچہ وہ اس شخص کو نہیں سمجھ پائے تھے' لیکن وہ منجھے ہوئے اور جہاں دیدہ لوگ تھے۔ طاہر القادری کا خیال تو یہ تھا وہ بھڑک اٹھیں گے------ وہ انہیں تکلیف پہنچا کر لطف اٹھانے کا خواہش مند تھا' مگر انہوں نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔ اسے اپنی زندگی میں شاید ہی کسی چیز سے اس قدر تکلیف پہنچی ہو گی' جتنی ان کے اس رویئے سے------ شریف خاندان کے اس طرز عمل نے اسے رلا دیا۔ نواز شریف مسلسل کامیابیاں حاصل کر رہے تھے اور پیپلز پارٹی کی جرأت سے مزاحمت کرنے کی وجہ سے' نہ صرف پنجاب بلکہ حیدر آباد' کراچی اور صوبہ سرحد میں بھی' وہ ایک ہیرو بن کر ابھر رہے تھے۔ دوسری طرف صورت حال یہ تھی کہ پہلے جلسہ عام کے بعد' وہ کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ اس کے دونوں صوبائی ارکان اسمبلی اسے چھوڑ گئے اور کوئی اہم شخصیت اس کی پارٹی میں شامل نہ ہوئی------ بدقسمتی کی انتہا تو یہ تھی کہ مولوی احمد علی قصوری کو جو انتہائی غیر موثر شخصیت کے مالک ہیں' اسے پارٹی کا دوسرا اہم منصب سونپنا پڑا۔

1989ء میں اس نے مختلف چھوٹی سیاسی جماعتوں سے مذاکرات کے بعد جو پیپلز پارٹی اور اسلامی جمہوری اتحاد کے درمیان خود کو تحلیل ہونے کے خطرے سے دوچار محسوس کر رہی تھیں' اس نے ایک جماعتی اتحاد کی تشکیل کا تجربہ کیا۔ اس اتحاد میں اصغر خان کی تحریک استقلال اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ شامل تھیں۔ اس اشتراک عمل کے موقع پر اس نے اپنے مریدوں کو یقین دلایا کہ اس اقدام سے پاکستان کا سیاسی منظر بدل جائے گا لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ چند ہفتوں میں اصغر خان کی سیکولر' علامہ ساجد نقوی کی شیعہ اور اس کی بریلوی جماعت کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا------ اب اخبارات میں اس کے خلاف لکھا جانے لگا۔ اکا دکا بے خوف علماء نے بھی اس کے خلاف آواز اٹھانا شروع کی اور اس نے محسوس کرنا شروع کیا کہ وہ بعض غیر ملکی قوتوں کی نوازشوں کے باوجود زوال کا شکار ہو رہا ہے۔

یہ تھا وہ پس منظر جس نے اس پر قاتلانہ حملے کا ڈرامہ رچانے کی ضرورت محسوس کی۔ 22 اپریل کو رات ڈیڑھ بجے روزنامہ نوائے وقت لاہور' کے نیوز روم میں ٹیلی فون پر اس کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی------ اس کا کہنا تھا کہ اس کے گھر پر گولیوں کا مینہ برس رہا ہے اور یہ کہ اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت اسے قتل کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اسے کس نے بتایا تھا کہ حملہ آوروں کا تعلق اسلامی جمہوری اتحاد سے ہے؟ اگلے روز جب اخبار نویسوں نے اس سے سوال کیا تو اس کا جواب یہ تھا کہ اسے ان لوگوں کی طرف سے دھمکیاں موصول ہوتی رہی ہیں۔

پیپلز پارٹی کی مرکزی حکومت نے طاہر القادری سے اظہار ہمدردی کیا اور وزیر داخلہ اعتزاز احسن سمیت اس کے کئی نمائندے اس سے ملنے آئے۔ ٹیلی ویژن اس معاملے کو اچھالتا رہا۔ یہ اندازہ

لگانا مشکل ہے کہ اس معاملے میں اس کی پیپلز پارٹی سے پہلے ہی ملی بھگت تھی یا ان دونوں کو ان کے اپنے مفادات نے یکجا کر دیا تھا' لیکن عام لوگوں اور اخبار نویسوں کو ان سوالوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہی نہ تھے کہ علامہ طاہر القادری کے گھر پر حملہ ہوا ہے۔ بیشتر لوگوں کو یقین تھا کہ یہ محض ایک ڈرامہ ہے' جو سیاسی موت سے خوفزدہ ایک چالاک آدمی نے سٹیج کیا ہے------ میاں نواز شریف کی حکومت نے جو ایک سال بھر سے صبر کا مظاہرہ کر رہے تھے' ایک مختصر سے اعلان سے بساط اس پر الٹ دی۔ 30 اپریل کے اس اعلان کے مطابق پنجاب کی حکومت نے ہائی کورٹ کے ایک جج کے ذریعے واقعہ کی تحقیقات کرانے کا فیصلہ کیا تھا۔

25 مئی کو مینار پاکستان پر پاکستان عوامی تحریک کے جلسہ عام میں طاہر القادری خوب گرجے برسے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ وہ ستمبر سے ایک تحریک برپا کر کے مرکز میں پیپلز پارٹی اور صوبے میں اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومتوں کو ختم کر دیں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ آئندہ انتخابات میں ان کی جماعت پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کرے گی اور یہ کہ وہ 3 سے 6 ماہ کے عرصے میں عوام کی قسمت اور ملک کا ماحول بدل ڈالیں گے۔

ادھر تحقیقات کا سلسلہ جاری تھا۔ علامہ نے شروع شروع میں جسٹس فضل کریم کی عدالت میں جاری تحقیقات میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ اس کے پاس گولیوں کے خول اور گھر کے صحن میں خون کے دھبے تھے اور اسے یقین تھا کہ وہ اپنا موقف منوا لے گا۔

چار ہفتے کی سماعت کے بعد جس میں علامہ اور اس کے گواہوں نے اپنا موقف تفصیل سے پیش کیا غیر متوقع طور پر پیش آنے والے ایک واقعہ نے علامہ کو اور بھی بڑھ چڑھ کر بولنے کا موقع فراہم کیا۔ جسٹس فضل کریم مبینہ طور پر ایڈووکیٹ جنرل کی کسی بات سے بدمزہ ہو گئے اور انہوں نے تحقیقات سے الگ ہونے کا اعلان کر دیا۔ 16 جولائی کو علامہ نے اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اگر تحقیقات میں تعطل نہ آتا تو وہ 5 جون کو عدالت میں ایسے شواہد پیش کرنے والے تھے جن سے ثابت ہو جاتا کہ انہیں قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور اس کوشش کے پیچھے وزیر اعلیٰ نواز شریف کا ہاتھ تھا۔

مختصر وقفے کے بعد جسٹس اختر حسن کی سربراہی میں دوبارہ سماعت کا آغاز ہوا۔ یہ علامہ اور اس کے ساتھیوں پر بحث کا مرحلہ تھا' فوراً ہی علامہ نے فرار کا راستہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اول تو اس نے یہ مطالبہ کیا کہ اسے تحقیقات میں تعطل کے اسباب سے آگاہ کیا جائے' اور پھر یہ کہا کہ سرکاری وکیل اس سے متعلقہ سوال کرنے کی بجائے' اس کی کردار کشی کر رہے ہیں۔

اب اس نے یہ بھی کہا کہ اس نے تحقیقات کا سرے سے مطالبہ ہی نہیں کیا تھا اور یہ کہ حکومت

نے یہ سارا اہتمام اس کے منہ پر سیاہی ملنے کے لیے کیا ہے۔ علامہ کے بائیکاٹ کرنے کے باوجود عدالت نے تحقیق جاری رکھی۔ گواہوں کے بیانات قلم بند کرنے کے بعد ستمبر میں عدالت نے اپنی رپورٹ جاری کردی۔ اس پر وہ چیخا چلایا لیکن ظاہر ہے کہ یہ حکومت کا نہیں عدالت کا فیصلہ تھا۔ اسی ادارے کے ہفت روزہ جریدے نے' جس کے ماہنامے نے 3 سال پہلے اس کا 64 صفحات کا انٹرویو چھاپ کر اسے حضرت داتا گنج بخش" کے مرتبے کا شخص ثابت کرنے کی کوشش کی تھی' عدالت کی اس رپورٹ کو اس عنوان سے شائع کیا۔

"وہ ایک محسن کش' ناشکر گزار' خود غرض' جھوٹے' دولت کے پجاری' خود پرست اور شہرت کے بھوکے انسان ہیں۔"

- عدالت نے فائرنگ کی کہانی کو مسترد کردیا اور علامہ پر عائد کیے جانے والے الزامات کی تصدیق کردی۔

اپریل 1990ء کے آخری ہفتے سے اس نے اسلامی جمہوری اتحاد کے خلاف ایک مہم شروع کررکھی تھی' بظاہر وہ پیپلز پارٹی پر بھی نکتہ چینی کرتا تھا' لیکن وہ اپنے دلائل اس طرح پیش کرتا تھا' جس کی زد اسلامی جمہوری اتحاد پر پڑے۔ مذکورہ عدالتی فیصلے نے اسے اور بھی برہم کردیا' چنانچہ جب 6 اگست 1990ء کو صدر نے اسمبلیاں توڑ کر نئے انتخابات کرانے کا اعلان کیا تو اس نے مختلف حلقوں' خاص طور پر لاہور میں قومی اسمبلی کے نمایاں حلقوں میں اپنے امیدوار نامزد کردیے۔ اب وہ بڑی سرگرمی سے ان کی انتخابی مہم چلا رہا ہے۔ اپنے ہاتھ میں قرآن اٹھا کے وہ قسمیں کھاتا ہے' رسول اللہ ﷺ کا نام لے کر ان کی بشارتوں کے حوالے دے کر رقت آمیز واقعات سنا کر' وہ اپنی خطابت سے لوگوں کو مسحور کرتا اور ان سے خدا اور رسول ﷺ کے نام پر ووٹ کی التجا کرتا ہے۔ اس کی حکمت عملی یہ ہے کہ ہر حلقے میں چند ہزار ووٹ ضائع کر کے اسلامی جمہوری اتحاد کی چند نشستیں ضائع کردے------ یوں مرکز اور صوبے میں پیپلز پارٹی کی حکومت قائم کرنے کا راستہ ہموار کیا جاسکے------ صرف اسی صورت میں اس کی زخمی انا تسکین پاسکتی ہے اور اس کے مفادات کا تحفظ ہوسکتا ہے۔

علامہ کے مفادات اب بہت پھیلے ہوئے ہیں' اگرچہ اس نے ایک مدرسہ قائم کر رکھا ہے' جسے وہ پاکستان کی بہترین درس گاہ قرار دیتا ہے' لیکن اس کے اپنے بچے ایچی سن کالج میں تعلیم پاتے ہیں۔ وہ اپنے گھر سے متصل 50 لاکھ روپے کی کوٹھی خریدنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے گھر میں پجارو سمیت پانچ گاڑیاں ہیں۔ ان میں سے ایک سفید رنگ کی سوزوکی اس کے سکول جانے والے بچوں کے لیے مختص ہے۔ اس کے پاس تین کل وقتی محافظ ہیں' جو سفر کے وقت اس کے سامنے اور دائیں بائیں بیٹھتے

ہیں۔ منہاج القرآن میں اس کے دفتر کی آرائش پر جو پنجاب کے گورنر، وزیر اعلیٰ اور لاہور کے کسی بھی صنعت کار کے دفتر سے زیادہ کشادہ ہے' کم از کم دس لاکھ روپے صرف کیے گئے ہیں۔ اس کمرے میں ایک وقت میں 200 سے زیادہ ملاقاتی بیٹھ سکتے ہیں۔

علامہ زندگی کی آسائشوں کے لیے بڑی رغبت رکھتا ہے' وہ بہترین کھانا کھاتا' اعلیٰ لباس پہنتا' قیمتی قلم سے لکھتا اور انتہائی مہنگی گاڑیاں استعمال کرتا ہے' لیکن اس کا سب سے بڑا مرض دولت نہیں' شہرت ہے۔

ایک روز اس نے گذشتہ سال جاری کیے جانے والے اپنے جریدے کے مدیر سے کہا کہ وہ اس کے نام کے ساتھ قائد انقلاب کا لاحقہ ضرور لگایا کرے۔ جب کسی اخبار میں اس کی نمایاں خبر یا انٹرویو شائع ہو تو وہ اسے بار بار پڑھتا ہے۔ وہ اخبار میں شائع ہونے والی اپنی تصویروں کو دیر تک دیکھتا رہتا ہے۔ اخبار نویسوں کے ساتھ سیاست دانوں کے انٹرویو ایک طرح کی ذہنی مشق ہوتے ہیں۔ اخبار نویس عام طور پر تیکھے سوال کرتے اور سیاست دان تحمل اور سلیقے سے ان کا جواب دیتے ہیں لیکن وہ انٹرویو کے لیے ایسے اخبار نویس کو پسند کرتا ہے جو ایک مودب سامع کی طرح گھنٹوں اس کے ارشادات عالیہ سنتا رہے------ اور اگر ایسا کوئی اخبار نویس میسر آجائے تو اس کا ہر مطالبہ ماننے پر آمادہ رہتا ہے۔

اپنی ذاتی زندگی میں وہ کیسا شخص ہے؟ اس کے علاوہ کہ وہ خواب تراشتا اور سناتا رہتا ہے' وہ اکثر بے سروپا دعوے کرتا ہے۔ جس چیز پر گفتگو کرنا اسے سب سے زیادہ پسند ہے وہ اس کی اپنی ذات ہے۔ اس بارے میں گھنٹوں نہیں' وہ دنوں اور ہفتوں تک بات چیت جاری رکھ سکتا ہے اور اس کا دل کبھی اس سے سیراب نہیں ہوتا۔ اس طرح کی گفتگو میں وہ ہمیشہ خود کو ایک پارسا اور برتر عالم کے طور پر پیش کرتا ہے' جس کی تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔

کبھی کبھی اخبار اس پر بے رحمی سے نکتہ چینی کرتے ہیں اور کبھی کبھی کسی چھوٹی سی بات سے اس کا بھرم کھل جاتا ہے۔ وہ اس سے پریشان تو ہوتا ہے اور اس کا علاج کرنے کی تدبیر بھی کرتا ہے' لیکن وہ اس پر شرمندہ کبھی نہیں ہوتا------ اس کے ایک سابق رفیق نے بتایا کہ جب علامہ گھر ہوتے تو ان سے رابطہ کرنے میں اسے دشواری پیش آتی تھی۔ اسے بتایا گیا تھا کہ علامہ کے گھر میں فون نہیں ہے۔ ایک روز جب وہ ان کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ان سے استدعا کر رہا تھا کہ وہ اپنی رہائش گاہ پر فون لگوالیں اور علامہ اسے بتا رہے تھے کہ وہ اپنے آرام کی وجہ سے' ایسا کرنا نہیں چاہتے تو اچانک ساتھ والے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی' اس پر کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی------ لیکن چند ہی منٹ کے بعد وہ اس طرح گفتگو کر رہا تھا' گویا سرے سے کوئی واقعہ پیش ہی نہیں آیا۔ اگر سادہ دل اور نیک طینت فریدالدین زندہ ہوتے اور وہ یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو ان کے دل پر کیا گزرتی؟

(کتابچہ' شیطان یا فرشتہ از فرید انور مطبع تنویر پبلشرز شاہراہ قائد اعظم' لاہور)

نقلِ کفر، کفر نباشد

طاہر القادری کے ہوش ربا خواب

حضور اکرم ﷺ نے پاکستان میں مجھے اپنا مستقل میزبان مقرر کر دیا ہے

طاہر القادری کی گوہر افشانیاں

نصر اللہ غلزئی

جناب طاہر القادری قائد انقلاب کی حیثیت سے خود کو منوانے کے لیے اس وقت سے بھر پور جدو جہد کر رہے ہیں' جب سے انہوں نے عملی سیاست میں قدم رکھا ہے' اس دوران جہاں وہ اپنی جلی صلاحیتوں کو کام میں لا رہے ہیں' وہاں وہ اپنی پوشیدہ قوتوں سے بھی تسخیر اذہان کا کام لے رہے ہیں' خواب یا رویاء صالحہ کا بیان ان کی اس حکمت عملی کا حصہ ہے' جس کے تحت وہ کم از کم وقت میں زیادہ سے زیادہ اذہان وقلوب کو مسخر کرنا چاہتے ہیں۔ خواب یا رویاء اسلامی تصوف میں کوئی نئی چیز نہیں ہیں' لیکن علماء اور پیران طریقت نے ان کے بیان کو اپنی ان محفلوں تک محدود رکھا ہے' جن میں انتہائی قابل اعتماد' لیکن گنے چنے افراد شریک ہوتے تھے' ماضی میں جب بھی یہ سلسلہ عام ہوا' عامۃ الناس کی گمراہی کا سبب

بنا' حالانکہ تب دور جدید کے وہ آلات دستیاب نہیں تھے' جن کے ذریعے خواب یا رویاء بیان کرنے والے کی آواز کو ریکارڈ کیا جا سکتا تھا' اس لیے ان کا بیان حقیقت اور شک کے بین بین رہتا تھا' لیکن اب تو ویڈیو اور آڈیو کیسٹ ریکارڈنگ کے ذریعے کہنے والے کی ہر بات بعینہ ریکارڈ کر لی جاتی ہے اور اسے ایک نشری عمل کے تحت عوام تک پہنچایا جاتا ہے' سیاسی اور مذہبی خیالات کی ترویج کے لیے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ دور جدید کا ایک موثر ذریعہ بنتا جا رہا ہے' انقلاب ایران کو تو ''آڈیو کیسٹ انقلاب'' اسی بناء پر قرار دیا جاتا ہے کہ آیت اللہ خمینی کی آواز میں ریکارڈ کی ہوئی تقریریں' عوام کا ذہن تبدیل کرنے کا موثر ذریعہ بن گئیں' انہوں نے ایران سے ہزاروں میل دور بیٹھ کر ایرانی عوام کو شاہ ایران کے خلاف عوامی انقلاب برپا کرنے کے لیے آڈیو کیسٹ سے مہمیز کا کام لیا۔ پاکستان کے علماء بھی اس ذریعہ ابلاغ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تاہم جو گنے چنے علماء نہایت منظم طریقے سے کیسٹ کا استعمال کر رہے ہیں' علامہ طاہر القادری ان میں سے ایک ہیں۔

جناب طاہر القادری کے ''خوابوں کی دنیا'' کو ہم نے انہی کی آواز میں ریکارڈ کیے ہوئے کیسٹ سے درج ذیل سطور میں منتقل کیا ہے' اگرچہ اس سے کہیں کہیں عبارت میں روانی باقی نہیں رہی' کیونکہ گفتگو اور مربوط تحریر میں واضح فرق ہوتا ہے۔ اس کے باوجود جناب قادری کے تخیل کی پرواز کا اندازہ کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ سننے والے کو جھٹکا' ٹیپ کے اس بند پر لگتا ہے کہ ''پھر میری آنکھ کھل گئی۔'' ان کے بیانات اور خیالات کیا تاثر پیدا کرتے ہیں' ان پر تبصرہ کیے بغیر خواب اور ان کی تعبیر قارئین کی نذر ہیں۔

جناب طاہر القادری اپنے معتقدین کو بتاتے ہیں کہ

''یہ غوث الاعظم کانفرنس کا ذکر ہے' جس میں وزراء اور انتظامیہ کے اعلیٰ افسران بھی شریک ہوئے' جلسہ کے دوران وہ ظاہر کرتے رہے' جیسے وہ بڑے خدا مست اور فقراء پرست ہیں' لیکن جلسہ ختم ہونے کے بعد انتظامیہ کے لوگ جب وزراء اور دیگر اعلیٰ افسروں کے ساتھ چل دیئے اور میں وہاں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کھڑا رہ گیا' تو دل پر چوٹ لگی' بڑا دکھ ہوا' لیکن کبھی کبھی یہ دکھ اور بوجھ' جو دل کو توڑتے ہیں' شکستہ کر دیتے ہیں' بڑا کام کر جاتے ہیں ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر' ہے نگاہ آئینہ ساز میں

پھر اس رات آقائے دوجہاں ﷺ نے کرم فرمایا' کرم تو غوث پاک بھی فرما سکتے تھے' جلسہ ان کا تھا' لیکن زیادہ دلجوئی کے لیے اوپر عرض کیا ہوگا------- ہوا یہ کہ میں یہاں بیٹھا ہوں' مجھے

اطلاع ملی ہے' خیال ایسا گزرتا ہے کہ صوبہ سندھ کی طرف کراچی شہر ہے یا کراچی جیسا کوئی شہر ہے' سمندر کے کنارے اور یہ خیال گزر رہا ہے کہ اس جگہ حضور ﷺ تشریف لائے ہوئے ہیں اور لوگ زیارت کے لیے جا رہے ہیں۔ آج آپ کو وہ پوری بات بتا رہا ہوں کہ جس میں سے ایک چھوٹا سا جملہ بیان کیا تھا اور طوفان مچ گیا تھا۔ وہ جو قومی ڈائجسٹ میں چھپا تھا' وہ چھوٹا سا جملہ اس قصہ میں سے تھا' اب جو پورا سنا رہا ہوں' اس کا تعلق موجودہ ملکی حالات سے ہے' اس کے بعد آپ اندازہ کر سکیں گے اور فیصلہ کر سکیں گے کہ اب ہماری ذمہ داری کیا بنتی ہے' میں نے پہلے بھی کہا تھا اور مرتے دم تک کہوں گا کہ آپ شریک سفر ہوں نہ ہوں میں (اس ذمہ داری کو) نہیں چھوڑ سکتا۔ چھوڑوں تو میرا ایمان جاتا ہے۔

آقا ﷺ تشریف لائے ہوئے ہیں' لوگ زیارت کے لیے جا رہے ہیں' میں بھی پہنچ جاتا ہوں' دو کمرے ہیں' ان میں سے ایک میں بستر پر آرام فرما ہیں' دروازہ' دونوں کواڑ بند ہیں' تھوڑے سے کھلے ہوئے ہیں' ان کواڑوں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے کہ سامنے کھڑا ہو کر کوئی شخص دیکھتا ہے' تو حضور ﷺ نظر آتے ہیں' بہت سے لوگ کھڑے ہیں' ہجوم میں' پھر لوگ آہستہ آہستہ واپس جانے لگتے ہیں' میں پوچھتا ہوں کہ واپس کیوں جا رہے ہو' بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ ناراض ہیں' خفا ہیں' لوگوں کو زیارت نہیں کرا رہے ہیں' اس لیے لوگ واپس جا رہے ہیں' اچھا ------ میں کھڑا رہتا ہوں' لوگ واپس جاتے رہے' حتیٰ کہ آخر میں چند لوگ باقی رہ گئے' میں بھی ان میں تھا اور آقا باہر تشریف نہ لائے' اتنے میں جو باقی اکا دکا کھڑے تھے' وہ بھی سارے چلے گئے' کوئی شخص باقی نہیں رہ گیا' ایک تنہا میں کھڑا ہوں' اس کواڑ کے سامنے' اس میں سے میں حضور ﷺ کی طرف تک رہا ہوں' حضور ﷺ لیٹے لیٹے میری طرف تکتے ہیں اور تھوڑا سا مسکرا دیتے ہیں' دل میں آرزو آتی ہے کہ کاش آقا ﷺ باہر تشریف لے آتے، اتنے میں حضور ﷺ باہر تشریف لے آتے ہیں' سامنے سے گزر کر دوسرے کمرے میں تشریف لے جاتے ہیں' دوبارہ وضو فرماتے ہیں' واپس پھر اسی کمرے میں آتے ہیں اور مجھے اندر کمرے میں بلا لیتے ہیں' کوئی صوفہ کمرے میں پڑا ہوا ہے' اس پر حضور ﷺ تشریف رکھتے ہیں اور اب میں ان کے قدمین شریفین سے لپٹ کر نیچے بیٹھ جاتا ہوں' آقا ﷺ گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہیں' فرماتے ہیں۔

''طاہر! میں اہل پاکستان کی دعوت پر' یہاں کے دینی اداروں اور دینی جماعتوں اور علماء کی دعوت پر پاکستان آیا تھا' فرماتے ہیں کہ اہل پاکستان نے مجھے پاکستان آنے کی دعوت دی تھی۔

اور میں اب اہل پاکستان سے نالاں ہو کر واپس جا رہا ہوں' آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے مجھے بڑا دکھ دیا ہے' میں اہل پاکستان' یہاں کی دینی جماعتوں' اداروں اور علماء سے دکھی ہو کر واپس جا رہا ہوں' انہوں نے میری قدر نہیں کی' کوئی اہتمام نہیں کیا' میزبانی نہیں کی' مجھے بڑا دکھ پہنچا ہے' میں

نے دکھی ہو کر فیصلہ کر لیا ہے کہ ''میں اب پاکستان چھوڑ کر واپس جا رہا ہوں۔ اس لیے میں ان لوگوں سے نہیں ملا'' میں یہ بات سن کر حضور ﷺ کے قدموں پر گر جاتا ہوں' قدمین شریفین پکڑ لیتا ہوں' چومتا ہوں' روتا ہوں' چیختا ہوں' ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا ہوں کہ ''آقا ﷺ خدا کے لیے فیصلہ بدل لیجئے' پاکستان چھوڑ کر نہ جائیے' اپنے فیصلے پر نظر ثانی فرمائیے۔ آقا ﷺ فرماتے ہیں۔ تمہیں معلوم نہیں طاہر انہوں نے مجھے بڑا دکھ دیا ہے۔ بار بار یہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے مجھے دعوت دی تھی' میں ان کی دعوت پر یہاں آیا تھا اور انہوں نے بلا کر میری عزت نہیں کی۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب پاکستان چھوڑ کر واپس چلا جاؤں گا ------ ''میں روتا جا رہا ہوں اور التجائیں کر رہا ہوں کہ آقا ﷺ کرم کیجئے' پاکستان چھوڑ کر واپس نہ جائیں' میں پوچھتا ہوں کہ حضور ﷺ کیا کوئی صورت ایسی ہو سکتی ہے' آپ کے یہاں رہ جانے کی۔ بار بار فرماتے ہیں نہیں' میں اب واپس جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں' انہوں نے مجھے بڑا دکھ دیا ہے' یہ اصرار کے ساتھ فرما رہے ہیں اور میں روتا جا رہا ہوں' میں نے قدم پکڑے ہوئے ہیں اور کہتا ہوں کہ حضور نہیں' جانے دیں' آپ کرم فرمائیں' نظر ثانی فرمائیں' بڑی دیر تک رونے التجا کرنے کے بعد آقا ﷺ کی طبیعت مقدسہ میں کچھ پیار آتا ہے' شفقت آتی ہے' غصہ مبارک ذرا ٹھنڈا ہوتا ہے اور کہتے ہیں۔

''طاہر پاکستان میں مزید ٹھہرانا چاہتے ہو تو اس کی صرف ایک شرط ہے' تم اس شرط کو پورا کرنے کا وعدہ کر لو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ------

میں نے عرض کیا' حضور فرمائیں تو سہی' وہ شرط کیا ہے' جو کچھ ہو سکا' ہم کریں گے۔ آپ فرماتے ہیں' ''طاہر اگر تم چاہتے ہو کہ میں پاکستان میں رک جاؤں' تو شرط صرف یہ ہے کہ میرے میزبان تم بن جاؤ۔''

میں عرض کرتا ہوں' آقا مجھے انکار نہیں ہے' بڑی سعادت ہے' میں اس قابل کہاں' میں تو بڑا کمزور اور ناتواں آدمی ہوں' حضور میں میزبانی کیسے کر سکوں گا' مجھ سے کیسے میزبانی ہوگی' فرماتے ہیں کہ ''بس شرط یہ ہے کہ تم مجھ سے وعدہ کر لو میری میزبانی کا۔ تنہا تم وعدہ کر لو۔'' پھر میں وعدہ کر لیتا ہوں' رو کر ہاتھ جوڑتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ ''حضور ﷺ میں نے آپ سے وعدہ کر لیا ہے' میں میزبان بنتا ہوں حضور کا ------ حضور فرماتے ہیں کہ ''طاہر تم نے وعدہ کیا' تو میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ رک جاتا ہوں' اور فرمایا کہ تمہارے کہنے پر میں مزید سات دن پاکستان میں قیام کروں گا۔

میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ان سات دنوں سے مراد کیا ہے' وہ کتنی مدت ہے' وہ وہی جانتے ہیں' مجھے اس کی تفصیل نہیں معلوم۔ فرمایا ------ ''تمہاری میزبانی میں سات دن رکتا ہوں۔'' میں نے کہا

کہ حضور مجھے منظور ہے' لیکن یہ کیسے ہوگا' سب کچھ------فرمایا------''تم عہد کرلو سب انتظام ہو جائے گا۔'' پھر فرماتے ہیں' ایک اور وعدہ کرو مجھ سے------''میرے ٹھہرنے کا انتظام بھی تمہیں کرنا ہوگا' میرے کھانے پینے کا انتظام بھی تمہارے سپرد ہوگا' پاکستان میں جہاں کہیں آؤں گا' جاؤں گا' وہ ٹکٹ اور انتظام آمد و رفت بھی تمہارے سپرد ہوگا اور جب واپس مدینہ جانا ہوگا' تو مدینہ تک کا ٹکٹ بھی تم لے کر دو گے' یہ سارا انتظام تمہارے سپرد ہوگا' یہ وعدہ کرلو' میں نے عرض کیا' حضور یہ سارا وعدہ ہوگیا' فرماتے ہیں کہ پھر میرا وعدہ ہے کہ میں سات دن یہاں رک جاتا ہوں' اس وقت آقا نے فرمایا کہ تم اپنا ادارہ منہاج القرآن بناؤ' میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ادارے میں آؤں گا۔ حاضرین آپ خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ جو شخص وعدہ کرچکا ہو' اسے سفر تنہا ہی کیوں نہ کرنا پڑے' وہ اس سے کیسے پھر سکتا ہے' میرا تو ایمان جاتا ہے' یہ جو کچھ پاکستان میں دین کے ساتھ ہوگیا ہے' کیا یہ سب کچھ اس امر کی طرف اشارہ نہیں تھا کہ اہل پاکستان نے مجھے دکھ دیا ہے۔ دوستو مبارک ہو آپ کو کہ ان سب کے کیے کرنے کے بعد حضور نے اپنی میزبانی آپ کو سپرد کردی' منہاج القرآن کو میزبانی سپرد کی ہے اور وعدہ لیا ہے کہ کیا اس میزبانی سے اسلام کا نفاذ مراد نہیں ہے' اسلامی انقلاب نہیں ہے یا اس کے علاوہ کچھ اور ہے۔ دوستو اگر آپ اپنا تن من دھن اسلامی انقلاب کے لیے نہیں لٹاتے' تو ہمارا ایمان جاتا ہے' میں تو آقا سے وعدہ کرچکا ہوں' آپ بھی وعدہ کرتے ہیں۔

دوستو! سات دن کا اشارہ۔ میں واضح طور پر تو نہیں کہہ سکتا کہ اس سے مراد کتنی مدت ہے' مگر یہ قیام مشروط فرمایا ہے' سات دنوں سے چاہیں بڑھا دیں' چاہیں تو گھٹا دیں' کیا معلوم انہیں میزبانی بھی پسند آئے یا نہ آئے------ہمیں باطل قوتوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ اگر ہم انتظار کرتے رہے' تو یہ انتظار کہیں ہماری غفلت نہ شمار ہو جائے۔ آخری بات کان کھول کر سن لیں کہ ''ایک تو ادھر سے مہلت کم ہے کہ مشروط وعدہ ہے اور ایک آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں' دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ زندگی موت کا مالک اللہ ہے' اس کے ہاتھ میں ہے' مگر یہ مہلت بھی کوئی زیادہ نہیں ہے' میں چاہتا ہوں کہ کام وقت پر ہو جائے' ایسا نہ ہو کہ ادھورا چھوڑ کر چلا جاؤں اور مجھ سے باز پرس ہو کہ کیا کر کے آئے ہو؟ تم نے تو وعدہ کیا تھا------میرے پاس کوئی جواب نہ ہوگا' مجھے معلوم ہے کہ یہ مہلت کم ہے۔

آخری بات جو بتانا چاہتا ہوں' 83ء کی بات ہے' 17 رمضان المبارک' جسے یوم البدر' یوم الفرقان کہتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ 1982ء کے آخر میں مجھے دل کی تکلیف ہوئی تھی' دو اڑھائی تین ماہ میو ہسپتال میں زیر علاج رہا۔ مرض کی سمجھ نہیں آ رہی تھی' پھر علاج کے لیے نیویارک امریکہ چلا گیا۔ وہاں

علاج معالجہ ہوا' ٹیسٹ ہوئے۔ تکلیف کی نوعیت امریکی ڈاکٹروں نے یہ بتائی کہ اس عارضہ قلب کا علاج ابھی تک ایجاد نہیں ہوا' چونکہ آپ پاکستان سے امریکہ کا سفر طے کرکے آئے ہیں' دو تین قسم کی گولیاں دے دیتے ہیں' انہیں کھاتے رہیں' ورزش کریں' خوراک کا خیال رکھیں' بس معمول کی ہدایت' جو ہمارا فرض بنتا ہے دے دیں' میرے ساتھ جو ''صاحب'' گئے تھے' ان کو تو تفصیل سے نہیں بتایا' مجھے روانہ ہونے سے ایک دن پہلے' سرجن ڈاکٹر ٹال برگ اور پروفیسر روزن فیل نے الگ کمرے میں لے جا کر کہا کہ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کو دھوکے میں رکھیں' آپ کے دل کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ آپ کو چھ ماہ سے زیادہ زندہ نہیں رکھ سکتی۔ یہ جنوری 1983ء کی بات ہے۔ اب تک جتنے ٹیسٹ ہوئے ہیں' یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ دل کی یہ تکلیف کس وجہ سے ہوئی۔ دل کی حالت گرتی جا رہی ہے۔ عمر کی آخری حد چھ ماہ اور کم سے کم تین ماہ۔ یعنی تین ماہ سے چھ ماہ کے اندر آپ کسی وقت بھی فوت ہو جائیں گے۔ آپ کو یہ بات کھول کر بتا دی ہے تاکہ مغالطہ نہ رہے۔ بعد میں انہوں نے یہ بات غالباً کسی اور آدمی، وہ پاکستانی جو ساتھ گئے ہوئے تھے' انہیں بھی بتا دی' وہ بھی اپنے دل کے آپریشن کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے۔ اس نے آ کر یہاں کسی کو بتا دیا۔ بہرحال جب ادھر سے جواب ہوگیا تو میں نے شیخ سعید صاحب کو جنہوں نے ہمارے پریس کے لیے چار لاکھ روپے دیئے تھے اور وہی ہمیں وہاں واشنگٹن ڈی سی میں Deal کر رہے تھے' فون کیا کہ ادھر سے تو جواب ہوگیا' فلاں تاریخ کو میری واپسی ہے' تو میں پاسپورٹ بھیجتا ہوں' سعودی عرب کا ویزا لگوا دیں' تاکہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دیتا جاؤں۔ پھر جیسے ان کی مرضی------! وہ پاسپورٹ لے گیا لیکن سعودی سفارت خانے نے انکار کر دیا کہ ''ہماری پالیسی بدل گئی ہے' ہم امریکہ سے سعودی عرب کا ویزا نہیں دیتے۔ جس ملک سے آیا ہے' وہیں سے ویزا لگوا کر آنا چاہیے تھا۔'' پھر مجھے احساس ہوا کہ میں مدینہ منورہ میں ہوں۔ میں مزار اقدس میں داخل ہوتا ہوں۔ بڑی پیاری قبر انور ہے' چمک ہے' دمک ہے' عالی شان زیبائش ہے' اچانک جو مزار اقدس پر نظر پڑتی ہے تو میں حیرت زدہ ہو کر کانپ جاتا ہوں کہ قبر انوار کی خوبصورت تعمیر سر پاک سے شروع ہو کر جسم کے نصف حصے تک جاتی ہے اس کے بعد قبر انور شکستہ ہونا شروع ہوگئی ہے۔ آخری حصہ' پائنتی کا' قدمین شریفین کا، وہ بالکل منہدم ہو چکا ہے یعنی گر چکا ہے۔ یہ سارا رنگ' تاریخ اسلام کا نقشہ دکھایا جا رہا ہے۔ پہلا خلفائے راشدین کا دور ہے' جو خوبصورت ہے۔ نصف اوّل اسلام کی پہلی چھ سات صدیاں ہیں' جو دراصل قبر انور (کے خواب) کی تعبیر بھی ساتھ ساتھ بتا رہا ہوں۔ وہ اسلام کی عظمت کی پہلی صدیاں ہیں' پھر جوں جوں زوال آتا گیا ہے' قبر انور شکستہ ہوتی جا رہی ہے اور جو دور آخر ہے' یعنی آج ہے' اس دور زوال میں قبر اقدس منہدم ہو چکی ہے۔ یعنی دین اسلام کی اقدار بالکل منہدم ہوگئی ہیں اور امت کا شیرازہ بالکل منتشر

ہوگیا ہے۔ اس طرح قبرانور منہدم اور اس کے خواب منتشر ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ میں دل گرفتہ ہو جاتا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ پاک اچانک میرے دل میں خیال دیتے ہیں اور میں اس خیال سے قدمین شریفین کی طرف جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں تعمیر کیوں نہ کردوں۔ میرے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ مجھے آج تک کوئی خبر نہیں ہے کہ تعمیر کا سامان مجھے کہاں سے مل گیا' کس نے لا کر دیا' مجھے علم نہیں ہے' تاہم میں قدمین شریفین کی طرف بیٹھ کر تعمیر شروع کر دیتا ہوں۔ پختہ اینٹوں کے ساتھ۔ قبرانور کے چار کونے ہیں۔ سرانور کی طرف دو کونے اور قدمین شریفین کی طرف بھی دو کونے۔ یہ مجھے اچھی طرح محسوس ہوتا ہے کہ میں نے مشرق کی طرف دائیں کونے کی تعمیر شروع کی ہے۔ تعمیر شروع کرتے ہی وہاں ایک اور شخص آیا ہے۔ میں اسے نہیں پہچانتا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ وہ میرے ساتھ آ کر بیٹھ گیا ہے اور اس نے مغربی سمت کے کونے سے تعمیر شروع کر دی ہے۔ میری اس کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی وہ اپنے کام کو لگا رہا اور میں اپنے کام کو لگا رہا' ہم دونوں نے پختہ تعمیر کی۔ حتیٰ کہ وہ شکستہ حصہ پختہ تعمیر کر دیا اور اس کے بعد مزار پاک پر سیمنٹ سے پلستر کر دیا۔ میں خوش ہوں کہ مزار پاک پختہ تعمیر ہو گیا ہے۔ تعمیر مکمل ہو گئی ہے' مگر یہ جو نصف میں نے تعمیر کیا اور وہ جو پہلے سے تعمیر ہے اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں نے پختہ تعمیر کر کے سیمنٹ سے پلستر کیا ہے اور جو پہلے سے تعمیر شدہ ہے وہ بہت عالی شان ہے۔ بہرحال حضور پاک کے مزار کی تعمیر پختہ اور مکمل ہو گئی ہے۔ تعمیر مکمل ہوتے ہی وہ شخص خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔ میں پھر اندر تنہا رہ گیا۔ آیا بھی پہلے تھا اور آخر پر بھی میں رہ گیا ہوں۔ اب میں وہاں سے نکل کر قبرانور کے سامنے جہاں حضور ﷺ کا چہرہ ہے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا کہ اب حضور کیا حکم فرمائیں گے۔ تعمیر ہو چکی۔ مبارک ہو آپ کو کہ تعمیر ہو گئی۔ یعنی کام کی تکمیل ہو گئی۔ میں دست بستہ کھڑا ہو گیا ہوں۔ اتنی دیر میں مزار اقدس سرانور کی طرف سے کھلتا ہے اور آقا (مزار سے) باہر تشریف لے آتے ہیں۔ وہ کیا عالم ہے' کیا سراپا ہے' وہ تو میں بیان نہیں کر سکتا۔ حضور باہر تشریف لا کر میرے قریب آتے ہیں' میں حضور کی قدم بوسی کے لیے ان کی طرف بڑھتا ہوں اور حضور شفقت کے ساتھ اس عاجز کو اپنے سینہ اقدس کے ساتھ لگا لیتے ہیں اور بڑی دیر تک اپنے پیارے پیارے بازوؤں میں لے کر اپنے سینہ اقدس سے لگا کر' بھینچ کر' معانقہ کر کے کھڑے رہتے ہیں۔ دیر تک اپنے سینے سے لگائے رکھتے ہیں۔ معانقے سے جب فارغ ہوتا ہوں تو حضور فرماتے ہیں کہ ''طاہر تمہارے پاس کوئی کاغذ ہے'' میں عرض کرتا ہوں کہ نہیں ہے' حکم فرمائیں تو باہر سے جا کر لے آؤں۔ ''فرماتے ہیں'' جلدی جاؤ' ایک بڑا سا سفید کاغذ لے آؤ۔'' میں دوڑ کر باہر جاتا ہوں اور بڑے سائز کا ایک سفید کاغذ لے آتا ہوں۔ حضور علیہ السلام بدستور اس جگہ کھڑے ہیں' میں کاغذ پیش کرتا ہوں۔ آقا

کی قمیض مبارک پر یہاں ایک قلم اپنا لگا ہوا ہے' حضور اپنا قلم کھولتے ہیں اور وہ کاغذ میرے ہاتھ سے لے کر اپنے دست اقدس پر رکھ کر ایک سند لکھ کر دیتے ہیں' سند مکمل اپنے دست اقدس کے ساتھ لکھ کر نیچے دستخط کرتے ہیں' مہر لگاتے ہیں اور فرماتے ہیں'' طاہر تمہیں سند دے دی۔'' بس پھر اس کرم کے بعد آنکھ کھل جاتی ہے۔

دوستو! یہ بشارت اتنی واضح ہے کہ محتاج تعبیر بھی نہیں ہے۔ یہ خود خواب ہے' خود بشارت ہے اور خود اس کی تعبیر ہے۔ خوش نصیب ہیں آپ لوگ جن کو اس تحریک سے وابستگی نصیب ہوئی' جس کے ہاتھوں اللہ پاک نے احیائے اسلام کی تحریک کی تکمیل کو مقدر بنا دیا ہے اور جس پر سند قبولیت آقائے دو جہاں ﷺ نے عطا فرمائی۔ ہم سب مزدوری کر رہے ہیں' سامان بھی انہی کا ہے' کام بھی انہی کا ہے' مکمل کرنے والے بھی وہی ہیں' ہمتیں بھی انہی کی دی ہوئی ہیں' سارا کام بھی خود ہی کراتے ہیں۔ کرم یہ ہے' سند بھی خود ہی دیتے ہیں' خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس تحریک سے وابستہ ہیں اور جن کو آقا نے اپنی بارگاہ سے قبولیت کی سند عطا فرمائی۔ پھر وقت گزرتا گیا' بات آہستہ آہستہ کھلتی رہی۔ یہ سب چیزیں کسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی تھیں۔ ان چیزوں میں تسلسل تھا۔ ایک سمت تھی' ایک جہت تھی۔ یہ سوچ یہ فکر کیا شکل اختیار کرے گا' اس کی عملی شکل کیا ہوگی' یہ ابھی واضح نہیں تھا۔ لیکن وہ ہمیشہ بتاتے رہے' دہراتے رہے۔

پھر ایک وقت آیا کہ میں مسجد نبوی میں بصورت خواب' بصورت رویائے صالحہ' بصورت بشارت بلایا گیا۔ جمعہ کا دن ہے۔ بہت بڑا عظیم الشان اجتماع ہے۔ اجتماع عالمی نوعیت کا ہے۔ امت مسلمہ کے اطراف واکناف سے لوگ وہاں جمع ہیں۔ جمعہ کی اذان کا وقت ہے۔ موذن اذان دینے کے لیے کھڑا ہوا' خدا جانے وہ موذن کون ہے۔ (حضور کی طرف سے) حکم دیا جاتا ہے کہ اس موذن کو ہٹا دو' آج جمعہ کی اذان طاہر دے گا۔ پوری امت کا اجتماع ہے' یہ تمہارے سپرد کیا جاتا ہے' دعوت تم دو۔ اس سے متعلق کرم نوازیاں اور بھی ہیں' لیکن آپ سے متعلق حصہ اسی قدر ہے۔

وقت گزرتا رہا۔ ایسے بہت سے معاملات ہوتے رہے۔ دوستو! پھر وہ موقع آ گیا کہ اپنی فکر کے اعتبار سے میں شعوری دور میں داخل ہو گیا۔ پھر میں نے ''بیعت انقلاب'' کی۔ جب دوٹوک فیصلہ کر لیا۔ یہ احساس تھا کہ دشوار گزار راستہ ہے' میں نے اللہ رب العزت سے دعا کی کہ ابتداء وانتہا تک جو رکاوٹیں دشمنیاں پیش آتی ہیں' ایک بار دکھا ہی دے کہ کن کن مرحلوں سے گزریں گے۔ دعا کی اور استخارہ مسنونہ کیا۔ اسی رات اللہ پاک نے یہ کرم کیا کہ اس سفر کے پہلے قدم سے آخری قدم تک کے تمام مرحلے دکھا دیئے۔ یہ نمونہ کیا تھا کہ شہر کے کنارے ایک بہت بڑا بند ہے۔ اس بند میں پھر مشرقی جگہ

پر کھڑا ہوں' پاکستان مشرق ہے' مغرب کا آج تک معلوم نہیں ہو سکا' لیکن میرا اعتقاد اور ایمان ہے کہ مغرب میں (عرب' یورپ وغیرہ) کسی نے کام شروع کر رکھا ہے۔ ہم نے تعمیر مشرق سے شروع کی ہے اور وہ مغرب سے تعمیر کر رہا ہے۔ بالآخر وہ اوپر جا کر مل جاتے ہیں۔ تاہم یہ علم نہیں کہ وہ مشن کیا ہے۔ مجھے مغرب کی طرف ایک بہت بڑی پہاڑی دکھائی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ اس پہاڑی پر تمہیں چڑھنا ہے۔ یہ تمہاری منزل ہے۔ وہ پہاڑی بہت دور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سفر کا آغاز کرو۔ میں اللہ کا نام لے کر سفر کا آغاز کرتا ہوں۔ آغاز کرتے ہی تیز ہوائیں چلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ آپ ان تیز ہواؤں کے پہلے مرحلے میں ہیں۔ ابھی ہلکی پھلکی ہوائیں ہیں۔ تیز و تند نہیں ہوئیں۔ اتنے میں دیکھتا ہوں کہ وہ ایک اور آدمی اسی پہاڑی کی جانب چل رہا ہے۔ کچھ دیر میں دیکھتا ہوں۔ پھر تیز ہواؤں اور آندھی میں وہ شخص غائب ہو جاتا ہے۔ پھر تیز ہوائیں جھکڑ اور آندھی میں بدل جاتے ہیں۔ راستہ ناہموار ہے' کہیں کچا کہیں پکا۔ پُرخار راستہ ہے۔ جب سفر کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے تو یہ تیز ہوا اور آندھی' طوفان بن جاتی ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ اتنا تیز طوفان کہ میرے قدموں کو اکھاڑ دینا چاہتا ہے' لیکن اللہ کا فضل' حضور ﷺ کے صدقے سے ناکام رہتا ہے۔ طوفان کا سیاہ رنگ ہو جاتا ہے' پھر اچانک بڑی خوفناک آوازیں سنائی دینے لگتی ہیں۔ پھر سیلاب شروع ہو جاتا ہے' پانی کی اونچی دیواریں چاروں طرف سے آتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ یہ چوتھا مرحلہ ہے۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی ہے۔ پانی کی رفتار بھی تیز ہوتی جا رہی ہے۔ پانی کی دیوار بھی اونچی ہوتی جاتی ہے۔ اوپر سے بارش شروع ہو جاتی ہے۔ میں بھی پانی کے قریب ہوتا جا رہا ہوں۔ سفر تیز تر کرتا جا رہا ہوں۔ پہاڑی کے قریب ہوتا جا رہا ہوں۔ پانی بڑھتا بڑھتا قریب آ گیا ہے۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ پہاڑی پر پہنچ جاؤں۔ آندھی اور پانی کا اتنا زور ہو گیا' میرے قدموں کو اکھاڑنا چاہتا ہے' میں پہاڑی تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ جب پہاڑی اور میرے درمیان ایک تیر جتنا فاصلہ رہ گیا تو پانی کا ریلا میری کمر تک پہنچ گیا۔ اب میں توکل سے قدم رکھ رہا ہوں۔ میں نے قدم آگے رکھا' سیلاب کا ریلا آیا اور اس نے میرے قدموں کو لڑکھڑا دیا۔ میرے قدم اکھڑے پھر جم گئے۔ میں نے اللہ کا نام لے کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف توجہ کی اور پھر قدم اٹھایا' اب میرے اور پہاڑی کے درمیان صرف ایک قدم کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ ایک قدم اور اٹھایا تو پانی کا ریلا جو میری کمر تک پہنچ چکا تھا میرے قدم اکھاڑنے لگا' لیکن میں نے پاؤں جما کر قدم اٹھایا تو میرا پاؤں پہاڑی پر جا پڑا اور پچھلا پاؤں اٹھانا چاہتا ہوں' لیکن یہ خطرہ بھی ہے کہ یہ پاؤں اٹھا تو پانی کا ریلا مجھے بہا کر نہ لے جائے۔ اس وقت میں حسرت سے اوپر دیکھتا ہوں کہ میرا ہاتھ پکڑ کر پہاڑی کے اوپر کھڑا کر دیتے ہیں اور پھر میری آنکھ کھل جاتی ہے۔''

(ہفت روزہ تکبیر کراچی 19 جولائی 1990ء)

ویڈیو کیسٹ کے مطابق اپنی تقریر میں طاہر القادری صاحب کہتے ہیں میری پیدائش 51ء کی ہے' بچپن تھا' ڈائریاں لکھنے کا زمانہ نہیں تھا' عمر میری سات آٹھ سال ہوگی' دوسری یا تیسری جماعت میں پڑھتا ہوں گا' یہ اندازہ ہے۔ حضور ﷺ نے زندگی میں پہلا کرم فرمایا' وہ کسی احیاء اسلام کی تحریک کی خوشخبری تھی۔ کوئی واقعہ ہے جو آپ کے ایمان کی تازگی کے لیے بیک گراؤنڈ بھی بتا دیتا ہوں۔ جھنگ کے کسی دیہات میں میں گیا ہوا تھا' میں نے وہاں غالباً عصر کی یا مغرب کی اذان کہی۔ امام صاحب نے آ کر مجھے جھڑکا' ڈانٹا' مسئلہ کی رو سے اللہ پاک ان کو معاف کرے۔ ان کے درجات بلند فرمائے' کہا اذان نہیں ہوتی نابالغوں کی۔ میں جماعت نماز کے ساتھ پڑھا کرتا تھا۔ نماز میں نے پڑھی' دل میرا ٹوٹ گیا' شکستہ دل ہو گیا۔ میں چونکہ بچہ تھا نماز کے بعد آیا واپس گھر۔ مجھے یاد نہیں کہ اسی رات یا اس سے اگلی رات دل بوجھل رہا تا آنکہ آقا ﷺ نے آ کر بوجھ اتارا۔ بس پھر وہ بوجھ خوش بختی بن گیا۔ ہوا یوں کہ میں نے دیکھا خواب میں کہ میں مدینہ طیبہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور دور' موجودہ دور نہیں' وہی دور جو رسالت ﷺ کا دور تھا۔ اصل دور' بعد کا دور نہیں۔ وہی مدینہ ہے چھوٹا سا۔ صحابہ کرام کے گھر میں وہ رہتے ہیں۔ چھوٹی سی مسجد نبوی ہے اور اس میں حضور ﷺ خود تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے ہیں۔ ایک دن اور ایک رات غالباً آقا ﷺ نے 5 نمازیں صحابہ کرام کے ساتھ اپنے اقتدار میں اپنے ساتھ پڑھائیں۔ ہر نماز صاف ظاہر ہے حضور ﷺ ہی پڑھاتے تھے۔ صحابہ کرام شریک ہوتے چونکہ دور وہی تھا۔ پہلی صف میں مجھے بھی ان کے (صحابہؓ) ساتھ شریک فرمایا۔ نماز عصر کے بعد خلفائے راشدینؓ کو ساتھ لیا اور باہر ایک صحرائی علاقہ ہے' ریتلا ٹیلہ سا ہے۔ اس ٹیلے پر چلے گئے وہاں ایک نشست ہے۔ بتایا گیا کہ حضور ﷺ اپنے خلفاء کے ساتھ روزانہ وہاں نشست فرماتے ہیں۔ اس ٹیلے کی نشست پر جا کر بیٹھ گئے۔ حلقہ بن گیا' دائیں طرف سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بائیں طرف عثمان غنی رضی اللہ عنہ درمیان میں آقا ﷺ تشریف فرما ہیں' میں چھوٹا سا بچہ تھا۔ ازراہ شفقت اپنے دائیں طرف اپنے پہلو میں لے لیا' پیار سے بٹھایا تو ان چاروں کا' خلفائے راشدینؓ کا مجھ سے فرداً فرداً تعارف کروایا اور میرا نام لے کر فرداً فرداً ہر ایک سے تعارف کرایا۔

یہ الگ نشست میں خلفائے راشدین سے تعارف کرانے میں حکمت کیا ہے؟ یہ تو بعد میں جا کے بات کھلی کہ دین کا تمکن' غلبہ اور دین کی عظمت کی علامت کیونکہ خلفائے راشدین ہیں۔ دور زوال میں دین کے احیاء اور تمکن کی صورت جن جن شکلوں میں ہوگی وہ خلفائے راشدین کا فیض دینے' تعلق قائم کرانے کی ایک صورت ہوگی۔ بعد ازاں کچھ ایسے یاد پڑتا ہے کہ جیسے سیّدنا امام حسنؓ سے کچھ فرمایا' یہ کہ پھر مجھے ایک میدان میں لے جایا گیا۔ اس میدان میں ایک بہت بڑا الاؤ ہے' آگ جل رہی ہے

بڑے اکابر، تابعین، اولیائے کرام اپنی جگہ موجود ہیں۔ سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور غالباً سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی پہچان رہا ہوں اور باقی اولیائے کرام کا ہجوم ہے، آگ جل رہی ہے اور انہیں حکم ہوتا ہے کہ طاہر کو لے جاؤ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ جو آگ جل رہی ہے، اس میں سے بار بار اس طرح گزارا جائے کہ آگ سے اس کا خوف دور ہو جائے۔

مجھے سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ میرے ہاتھ کو اپنے دست مبارک میں پکڑ لیتے ہیں، باقی اکابرین اور اولیائے کرام وہ بھی پکڑ لیتے ہیں اور اپنی ہمراہی میں میرے ساتھ وہ آگ میں داخل ہو جاتے ہیں اور مجھے بھی داخل کرتے ہیں اور مجھے فرماتے ہیں ڈرنا نہیں ہے اس آگ سے اور حضور ﷺ پر درود پاک مسلسل پڑھتے جاتے ہیں۔ بار بار آگ میں داخل ہوتے ہیں اور دوسری طرف سے نکلتے ہیں اور درود پاک مسلسل پڑھتے ہیں۔ تین چار بار انہوں نے خود مجھے پکڑ کر آگ میں سے گزارا تین چار بار گزرنے سے آگ کا خوف ختم ہو گیا۔ فرماتے ہیں ہم تو گزرتے ہی رہتے ہیں، اب تم اکیلے گزرتے رہو، بس پھر وہ اپنے طور پر گزرتے ہیں اور میں پھر مسلسل خدا جانے کتنی بار درود پاک پڑھتا رہتا ہوں، گزرتا ہوں، نکلتا ہوں۔ آگ نہ نقصان دیتی ہے نہ جلاتی ہے بس پھر میں آگ سے گزرتا رہتا ہوں۔ پھر یہ خیال مجھے منتقل ہو جاتا ہے کہ پکڑ کر اس میں گزارنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں سے گزر گزر کے اس کا خوف دور ہو جائے۔ یہ وہ ابتدائی دور کی وہ بات میں نے بتائی۔

(روزنامہ خبریں لاہور 4 جولائی 1993ء)

❁❁❁❁❁

طاہر القادری کے خوابوں پر

علماء و دانشوروں کا تبصرہ

پروفیسر طاہر القادری نے اپنی کیسٹ میں رسول پاک ﷺ کی زیارت کے بارے میں جن خوابوں کا ذکر کیا ہے، وہ من گھڑت ہیں اور پروفیسر طاہر القادری کا یہ عمل قابل مذمت ہے اور جس طرح انہوں نے اپنے خوابوں کا ذکر کیا ہے وہ دیدہ دانستہ گستاخی ہے۔ ان خیالات کا اظہار مختلف علمائے کرام اور دینی شخصیات نے "خبریں" سے بات چیت کرتے ہوئے کیا۔

جے یو پی اور آئی جے ایم پنجاب کے سابق صدر جنرل ایم ایچ انصاری نے کہا: پروفیسر طاہر القادری کے خوابوں کی کیسٹ کے بارے میں پہلے بھی سنا تھا لیکن جو باتیں مجھے بتائی جاتی تھیں مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ پروفیسر طاہر القادری ذاتی تشہیر کے لیے ایسا راستہ اپنائیں گے۔ "خبریں" میں پروفیسر طاہر القادری کے خوابوں کی تفصیل پڑھ کر مجھے بہت دکھ اور افسوس ہوا۔ اس سے پہلے بھی بعض شخصیات کو حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی لیکن شاید ہی کسی نے اپنی تشہیر کے لیے ایسی زیارت کا ذکر کھلے بندوں کیا ہو۔ پروفیسر طاہر القادری نے حضور ﷺ کی زیارت کے دوران ہونے والی گفتگو کے واسطے سے جو باتیں بیان کی ہیں میری ذاتی رائے ہے کہ ان کے خوابوں کی تفصیلات جو سامنے آئی ہیں ان کا بہت سا حصہ من گھڑت ہے اور قابل مذمت ہے۔ حضور ﷺ کے بارے میں اتنی دیدہ دلیری سے یہ بات کہہ دی جائے کہ حضور ﷺ نے سفر کے لیے ٹکٹ کا مطالبہ کیا اور میزبانی کی خواہش ظاہر کی۔ میں چونکہ عالم دین نہیں اس لیے فتویٰ بھی جاری نہیں کر سکتا لیکن یہ بات واشگاف الفاظ میں کہوں گا کہ پروفیسر طاہر القادری کا یہ عمل حضور ﷺ کی شان میں دیدہ دانستہ گستاخی ہے۔

جے یو آئی فضل الرحمان گروپ کے رہنماؤں مولانا اجمل قادری، مولانا امجد خاں اور مولانا

سیف الدین سیف نے پروفیسر طاہر القادری کے خوابوں کو انسانی سوچ سے بالاتر قرار دیا ہے اور اس طرح کے خواب سرعام بیان کرنے پر شدید غم و غصے کا اظہار کیا ہے۔ ان رہنماؤں نے کہا: پروفیسر طاہر القادری جیسے عالم دین سے کم از کم ایسے خوابوں کی بنیاد پر اپنی جماعت کو آگے چلانا انتہائی غیر معقولیت ہے۔ کچھ عرصہ پہلے ان کے خوابوں پر مشتمل وڈیو اور آڈیوں کے بارے میں بہت کچھ سنا اور ہمارا خیال تھا کہ وہ خود ہی اپنی خوابوں والی کیسٹوں کو ضائع کر دیں گے۔ انہوں نے کہا ایسے خوابوں کی بنیاد پر اپنی پارٹی کو چلانے پر مذہبی حلقوں میں شدید اضطراب پیدا ہوا ہے۔ ایسے خوابوں پر معاذ اللہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ پروفیسر طاہر القادری کو چاہیے کہ وہ اپنی ان کیسٹوں کو فوری طور پر ضائع کر دیں ورنہ مذہبی حلقے پروفیسر طاہر القادری کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

ممتاز عالم دین علامہ محمود احمد رضوی نے کہا: حدیث پاک میں حضور ﷺ نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ اگر خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہو تو بھی اس کے لیے بہتر راستہ یہی ہے کہ کسی کو نہ بتایا جائے۔ انہوں نے کہا میں نے پروفیسر طاہر القادری کے بارے میں جو خبر پڑھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مہمان نوازی اور ٹکٹ وغیرہ کے لیے پروفیسر طاہر القادری کو فرمائش کی تو اس قسم کی باتیں بہت ہی غیر مناسب ہیں اور اگر پروفیسر طاہر القادری نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا بھی تو ایسی باتیں عوام میں پھیلانا مناسب نہیں۔ ایک حدیث مبارک کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر جھوٹ بات بنائی اس کا اپنا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

جامعہ نظامیہ کے مولانا غلام فرید نے پروفیسر طاہر القادری کے خوابوں کے بارے میں خبریں میں چھپنے والی تفصیل کے بارے میں کہا: پروفیسر طاہر القادری کو اس طرح کی باتیں کر کے مسلمانوں کے ایمان کمزور نہیں کرنے چاہئیں۔ پروفیسر طاہر القادری کا مقصد صرف اتنا ہے کہ وہ ایسی باتیں کر کے نام نہاد مشہوری اور اپنی لیڈر شپ چمکانا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ عمل غیر شرعی ہے۔ عوام کو چاہیے کہ وہ پروفیسر طاہر القادری کا فوری طور پر سوشل بائیکاٹ کریں۔

مفتی محمد حسین نعیمی کے صاحبزادے ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنے خواب کے بارے میں خیال یہ کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ناراض ہو کر پاکستان سے جا رہے تھے اور میں نے ان کو روکا۔ ان کی یہ بات انسانی عقل اور سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس خواب میں جہاں ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنی دینی شخصیت کا اظہار کیا ہے وہاں رسول ﷺ کی شخصیت کی توہین کی ہے۔'

جے یو آئی (س) کے مرکزی رہنما مولانا خلیل الرحمٰن حقانی نے کہا کہ ڈاکٹر طاہر القادری عالم دین نہیں ہیں اور انہوں نے آج تک دین اسلام کی خدمت کرنے کی بجائے اسے نقصان پہنچایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر طاہر القادری جیسے اسلام دشمن لوگوں کی وجہ سے پاکستان بیرونی دنیا میں بھی بدنام ہوا۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر طاہر القادری عوام کو مذہب کے نام پر دھوکا دے رہے ہیں اور جان بوجھ کر ایسی باتیں کرتے ہیں جن کی کوئی بھی تصدیق نہ کر سکے۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ فوری طور پر ڈاکٹر طاہر القادری کی ان کتابوں اور کیسٹوں کو ضبط کرے جن کی وجہ سے ملک میں فتنہ پھیلنے کا خطرہ ہے۔

جامعہ اشرفیہ کے مولانا عبد الرحمٰن اشرفی نے کہا کہ ہمیں ایسی باتوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس طرح کی باتوں پر توجہ دینی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ پروفیسر طاہر القادری کی کیسٹوں کو ضبط کر لینا چاہیے کیونکہ اس سے عوام میں فتنہ پڑے گا۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے مرکزی ڈپٹی سیکرٹری جنرل میاں محمد جمیل نے کہا کہ طاہر القادری نے ایک طرف تو نبی کریم ﷺ کی گستاخی اور بے ادبی کی انتہا کر دی ہے' بقول ان کے نبی کریم پاکستان میں اپنی میزبانی نہ پا کر سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں' دوسری طرف انہوں نے اہل پاکستان کی زبردست توہین کی ہے۔ اس بدگفتاری اور بدکرداری کی وجہ سے آج طاہر القادری لوگوں کی نظروں میں نفرت و حقارت کا نشان بن چکے ہیں' اور تخت پر پہنچتے پہنچتے تختہ ہو چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ طاہر القادری نبی کریم ﷺ کے نام نامی پر اپنی دکانداری سجانا چاہتے ہیں۔ ایسے دین فروش لوگ ہر دور میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کو اس گستاخ شخص کا فوری محاسبہ کرنا چاہیے۔

جمعیت علمائے پاکستان کے سینئر نائب صدر اور جماعت اہل سنت پاکستان کے مرکزی سیکرٹری جنرل صاحبزادہ حاجی فضل کریم نے کہا کہ یہ شان رسالت اور شان الوہیت کی توہین ہے اور اللہ کریم اس قسم کی توہین کے مرتکب کو معاف نہیں کریں گے۔ صاحبزادہ فضل کریم نے طاہر القادری سے کہا کہ وہ محض اپنا قد بڑا کرنے کی غرض سے ایسے خواب بیان کرنے کی بجائے اللہ تبارک و تعالیٰ سے اپنے کیے کی معافی مانگیں۔ مولانا عزیز الرحمٰن خطیب جامع مسجد سنت پورہ نے کہا کہ حضور کسی سواری کے محتاج نہیں۔ اس قسم کے خواب مصنوعی اور من گھڑت ہوتے ہیں۔

جمعیت علمائے اہل حدیث پاکستان کے رہنماؤں مولانا محمد اصغر فاروق' مولانا قاری شفیق الرحمٰن' مولانا حافظ محمد انور ساجد نے اپنے مشترکہ بیان میں کہا کہ طاہر القادری کی ایسی تضحیک آمیز خوابوں پر مشتمل تحریروں اور تقریروں پر پابندی نہ لگائی گئی تو ممکن ہے کہ وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ بھی

کردیں۔ انہوں نے کہا کہ طاہر القادری دوسرے غلام احمد قادیانی اور سلمان رشدی ہیں جس نے کھلے عام رسول کریم ﷺ کی توہین کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔

لاہور بار کے سینئر ایڈووکیٹ ثقلین جعفری نے کہا ہے کہ مولانا طاہر القادری توہین رسالت اور انکار توحید کے بھی مرتکب ہوئے ہیں جو اسلام کے علاوہ ہمارے ملکی نظام کا بھی ایک قابل دست اندازی جرم ہے۔ حکومت خود فوری طور پر مولانا کے خلاف قانونی کارروائی کرے۔

دریں اثناء مولانا طاہر القادری کے سابقہ ساتھی جنہوں نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی درخواست کی ہے، نے ایک پریس ریلیز میں علماء سے اپیل کی ہے کہ طاہر القادری نے حضور ﷺ کی طرف سے من گھڑت باتیں منسوب کر کے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے سوال کیا کہ جس شخص کی ذہنی حالت کے بارے میں ہائیکورٹ فیصلہ دے چکی ہو کیا ایسا شخص کسی اسلامی تحریک کی قیادت کا اہل ہو سکتا ہے۔

جمعیت علمائے اسلام پنجاب کے نائب امیر نعیم اللہ فاروقی نقشبندی نے ایک بیان میں کہا ہے کہ عالم اسلام کے طاہر القادری کے خواب سے جذبات مجروح ہوئے ہیں اور یہ خواب کفریہ ہے۔ طاہر القادری نئے سرے سے کلمہ پڑھیں۔ ایسے طرز عمل سے پرہیز کرنا چاہیے جو فتنے کا سبب بنے۔ جب تمام پاکستانیوں سے حضور ﷺ ناراض ہیں اور صرف طاہر القادری سے خوش ہیں تو پھر ایسے پاکستانیوں سے طاہر القادری چندے کیوں وصول کرتے ہیں؟ ان کی دعوتوں میں کیوں جاتے ہیں؟ ان کے اجلاس میں کیوں جاتے ہیں اور ان سے تعلقات کیوں رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ طاہر القادری نے بڑا بننے کے شوق میں حضور ﷺ کی عزت و ناموس بھی داؤ پر لگا دی اور خوابوں کا ڈرامہ رچایا۔ انہوں نے کہا کہ طاہر القادری کے مذکورہ خواب کا ایک ایک جملہ قابل گرفت ہیں انہیں قانون اور آئین کی روشنی میں توہین رسالت پر قرار واقعی سزا ملنی چاہیے۔

وفاقی شرعی عدالت کے مشیر الشاہ مفتی غلام سرور قادری نے کہا ہے کہ پروفیسر طاہر القادری اپنی جاہلانہ باتوں سے عوام کو بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور وہ سستی شہرت اور لیڈری کے چکر میں دین اسلام کو بھی متنازعہ بنانے کی ناپاک کوششوں میں مصروف ہیں اور ان کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے ناپاک عزائم کو پورا کرنے کے لیے حکمرانوں کا سہارا لیتے ہیں۔ مفتی غلام سرور قادری نے ایک خصوصی انٹرویو میں کہا: پروفیسر طاہر القادری نے شروع میں میاں نواز شریف کا سہارا لے کر شہرت حاصل کی اور ان کو اس وقت خوابوں میں بھی میاں محمد شریف اور میاں نواز شریف نظر آتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب شہرت کے لیے انہوں نے اپنے مقاصد حاصل کر لیے ہیں تو اس گھرانے کو بھی

دھوکہ دینے سے باز نہ آئے۔ مفتی غلام سرور قادری نے کہا کہ طاہر القادری دین اسلام سے بے بہرہ ہیں۔ وہ نہ تو آج تک قرآن کو سمجھ سکے اور نہ ہی انہیں دین اسلام کے بنیادی اصولوں سے واقفیت ہے۔ انہوں نے کہا پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کو اپنے قاتلانہ حملوں کی تشہیر کرنے کا پرانا شوق ہے۔ کبھی تو یہ لاہور میں اپنے اوپر قاتلانہ حملہ کرواتے ہیں اور کبھی جنوبی افریقہ کی من گھڑت کہانی بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ طاہر القادری نے منہاج القرآن کے متعلق حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس کی طرف سے ایک بشارت منسوب کرنے کا مقصد سادہ لوح عوام کے دل میں منہاج القرآن کے لیے ایک خاص عقیدت و احترام پیدا کرنا تھا تا کہ سادہ لوح عوام معتقد ہو کر اس کو زیادہ سے زیادہ چندہ دیں۔ انہوں نے کہا: ادارہ منہاج القرآن دراصل قرآن کا نہیں جہالت کا منہاج ہے۔ انہوں نے کہا: طاہر القادری روز قیامت اپنے گناہوں کے حساب کے لیے تیار رہیں۔ انہوں نے کہا: پروفیسر طاہر القادری نے اپنے خوابوں پر مشتمل جو کیسٹ جاری کی ہے اس میں تمام باتیں من گھڑت اور جھوٹی ہیں۔ اس طرح کی بچگانہ باتوں نے عوام کے سامنے ان کی شخصیت کا اصلی روپ ظاہر کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ طاہر القادری نے اپنے خوابوں کے ذریعے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور ﷺ ان کو صحابہ کرامؓ کے برابر سمجھتے تھے۔ انہوں نے کہا طاہر القادری مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح چالیں چلتے ہیں اور مسلمان ہو کر وہ ایسی سازشیں کر رہے ہیں جو شاید اسلام کے دشمن بھی نہ کر سکیں۔

مولانا حق نواز جھنگوی شہید نے فروری 1990ء میں کہروڑ پکا میں تقریر کرتے ہوئے مولانا طاہر القادری کے بارے میں کہا تھا کہ وہ باغیوں کے ایجنٹ اور نواز شریف کے نمک حرام ملا ہیں۔ انہوں نے کہا: ان کے تمام بیانات قومی دشمنی کے مترادف ہیں اور وہ پیسے کے بل بوتے پر بولتے ہیں اور مصطفوی انقلاب کا جھوٹا نعرہ لگا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا بعض لوگ "برائے نام" مسلمان ہوتے ہیں لیکن یہ تو برائے نام بھی مسلمان نہیں۔ انہوں نے اپنی کیسٹ میں جو یہ کہا ہے کہ رسول کریم نے مجھ سے روٹی، کرایہ اور رہائش مانگی ہے یہ سراسر جھوٹ ہے اور یہ کہ رسول پاک ﷺ دینی مدارس کے علماء کی دعوت پر پاکستان آئے اور پاکستان بھر میں ان کی میزبانی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ان کے اس جملے کا مطلب نعوذ باللہ پورا ملک کفر کا مرتکب ہوا ہے جس نے رسول پاک ﷺ کی میزبانی نہیں کی۔ مولانا جھنگوی نے کہا کہ نبوت کی زبان سے کبھی کوئی خلاف واقعہ جملہ نہیں نکلا اور یہ کہ رسول پاک ﷺ ناراض ہو کر جانے لگے، میں نے انہیں روکنے کی کوشش کی، حضور ﷺ نہ رکے۔ پھر ایک شرط پر رکے کہ میں ان کی میزبانی کروں۔ اس بارے میں انہوں نے کہا: یہاں یہ باغی ملا نعوذ باللہ حضور ﷺ کا دوغلا پن بیان کرتا ہے اور دور نبوت میں جب کافر حضور پر پتھر برسا رہا تھا، حضور ﷺ نے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی تو یہ

آج دعویٰ کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھ سے روٹی، رہائش اور کرایہ مانگا ہے۔ ان کی یہ باتیں قومی دشمنی اور قوم کو برباد کرنے کی سازش ہے لہٰذا یہ قوم کے نام پر دھبہ ہے۔ انہوں نے کہا: اس قسم کے لوگوں کو قطعاً معاف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ منافق ہیں۔

پیر فضل حق نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ ادارہ منہاج القرآن نے ''خبریں'' پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے ایک کروڑ روپیہ مانگا ہے، بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ادارہ منہاج القرآن نے ''خبریں'' کو کیسٹ شائع نہ کرنے پر ایک کروڑ روپیہ کی آفر کی تھی جو کہ ضیا شاہد نے رد کر کے صحافتی سچائی کا حق ادا کر دیا اور ضیا شاہد نے عاشقان مصطفےٰ کو صحیح راہ دکھا کر صحافت کا سر بلند کیا ہے۔ پیر فضل حق نے کہا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ خواب میں بھی محتاجی کی باتیں نہیں کرتے، وہ تو عطا کرنے والے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پروفیسر طاہر القادری نے سات برس کی عمر میں خواب دیکھا حالانکہ اس عمر میں بچہ نابالغ ہوتا ہے اور اس عمر میں بچے کے خواب میں حضور ﷺ آ ہی نہیں سکتے۔

پیر فضل حق نے کہا کہ کچھ عرصہ قبل سپریم کورٹ نے ختم نبوت کے بارے میں فیصلہ دیا تھا لیکن اس نے مرزائیوں کے حق میں ایک نئی دلیل پیدا کر کے شان رسالت میں گستاخی کی ہے۔ پیر فضل حق نے کہا کہ طاہر القادری نے کہا ہے کہ حضور تمام پاکستان سے ناراض ہیں لہٰذا اس کا مطلب ہے کہ پاکستان میں موجودہ اولیاء اللہ جن میں داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، بری امام رحمۃ اللہ علیہ، شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ، بہاؤ الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اولیاء شامل ہیں، نعوذ باللہ سب سے حضور ﷺ ناراض ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں مشائخ اور علماء حضرات سے اپیل کرتا ہوں کہ اس ناپاک آدمی کے خلاف بھرپور قوت کا مظاہرہ کیا جائے۔

بادشاہی مسجد کے خطیب اور ممتاز عالم دین پروفیسر مولانا عبدالقادر آزاد نے کہا ہے کہ دیت کے مسئلے پر امت مسلمہ کے علماء کرام سے الگ موقف رکھنے والا حضور ﷺ کی زیارت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ نبی کریم ﷺ کو روٹی، ٹکٹ کی رقم اور رہائش کی جگہ کا محتاج ثابت کرنا پیغمبر ﷺ کی بے حرمتی ہے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے گذشتہ روز طاہر القادری کے بیانات پر اپنے ردعمل میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے گذشتہ روز مختلف علمائے کرام اور عمائدین کے ساتھ روزنامہ ''خبریں'' کے دفتر میں طاہر القادری صاحب کی زبان سے ان کے فرمودات پر مشتمل ویڈیو کیسٹ سنی اور میرا یہ وہم دور ہو گیا کہ ان پر الزام لگایا گیا، بلکہ جو کچھ خبروں میں پڑھا من وعن ان کی آواز میں ان کی ذات سے سنا۔ امت مسلمہ میں صوفیائے کرام اور اولیاء کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اگر وہ اس قسم کے کسی خواب کو کبھی دیکھتے بھی تو اس کے اظہار کے لیے اس قسم کے جلسے منعقد کر کے اس طرح نمائش نہ کیا کرتے تھے۔ اکثر اولیائے کرام

نے تو اپنی بشارتوں کو چھپانے میں حد درجہ احتیاط برتی اور ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ محبت کے اسرار ہیں، ان کو اپنی ذاتی نمائش کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔ سات سال کا بچہ شرعی طور پر مکلف نہیں ہوتا اور نماز، زکوٰۃ، حج اور روزہ اس پر فرض نہیں ہوتے۔ جب نبی کریم ﷺ کی ظاہری شریعت پر عمل کرنا اس پر واجب نہیں تو اس عمر میں باطنی طور پر حضور ﷺ کا ہدایات دینا روایات اولیاء میں کہیں نظر نہیں آتا۔

انہوں نے کہا کہ میں نے تو جب طاہر القادری صاحب نے دیت کے مسئلے پر پوری امت سے اختلاف کیا، شیعہ، دیوبندی، اہل حدیث، بریلوی، حنبلی، شافعی اور مالکی سب کے نزدیک عورت کی دیت آدھی اور مرد کی سالم رہی ہے مگر جب طاہر القادری نے امت کے اس متفقہ مسئلے کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ میرے نزدیک عورت اور مرد کی دیت برابر ہے اور اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ جو بلاشبہ امام اعظم ہیں اور پوری امت کے سب سے بڑے امام ہیں، کو طاہر القادری نے اپنا مدمقابل کہہ کر پوری دنیائے احناف کی توہین کی، جبکہ امام الاولیاء حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المعروف حضرت داتا گنج بخش خود فرماتے ہیں کہ جب میں علوم ظاہری اور باطنی سے فارغ ہوا تو یہ خواہش دل میں پیدا ہوئی کہ میں کس کی تقلید کروں تو مجھے اللہ تعالیٰ نے خواب میں دکھایا کہ حضور ایک سفید ریش بزرگ کو اپنی گود میں یوں کھلا رہے ہیں اور میرے پوچھنے پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ تیرا اور تیرے مریدوں کا امام ہے۔ اس شان کے بزرگ کو اپنا مدمقابل کہنا سستی اور گھٹیا شہرت ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے اسی زمانے میں یہ بیان دیا تھا کہ جو شخص امام اعظم اور پوری دنیائے اسلام سے دیت کے مسئلے پر الگ موقف رکھتا ہو اور علمائے کرام کا مخالف ہو، اس کو حضور کی زیارت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔

انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ دینے والا ہے۔ جو کل کائنات کو اللہ سے رحمتیں لے کر تقسیم کرنے والے ہوں ان کو روٹی، ٹکٹ کے پیسوں اور رہائش کی جگہ کا محتاج ثابت کرنا پیغمبر ﷺ کی بے حرمتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کیسٹوں اور اخباری بیانات میں طاہر القادری مسلسل یہ کہتے رہے کہ تین سال کے بعد پاکستان میں ان کی جماعت کی حکومت ہو گی اور ان کا انقلاب نافذ ہو چکا ہو گا۔ یہ بھی نبی کی ذات پر تہمت ہے کیونکہ تین سال گزر چکے اور ابھی تک ان کا راج کسی محلے پر بھی قائم نہیں ہوا۔ چاروں صوبائی اسمبلیاں، قومی اسمبلی اور آزاد کشمیر اسمبلی ان کے اقتدار کی راہ تکتے تکتے تھک گئی ہیں۔

انہوں نے کہا کہ کائنات کے سب سے بڑے اور سچے نبی ﷺ پر اس قسم کی تہمت لگانے والے کا تعلق رُشدی جیسے لوگوں سے تو نہیں! انہوں نے کہا کہ وہ ملک کے ان تمام محترم علماء اور مشائخ کے ساتھ متفق ہیں جن میں مولانا ابوداؤد محمد صادق گوجرانوالہ، مولانا مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا ضیاء

الرحمان فاروقی، مولانا سید محمود احمد رضوی، مولانا صاحبزادہ فیض القادری، محترم پیر فضل حق، مولانا اعظم طارق، مولانا محمد اجمل خان، مولانا محمد اجمل قادری، مولانا عبدالرحمان اشرفی، مولانا ضیا القاسمی، علامہ زبیر احمد ظہیر، پروفیسر ساجد میر، علامہ عبدالقادر روپڑی، علامہ محمد حسین اکبر، الحاج حیدر علی، علامہ علی غضنفر کراروی، آغا مرتضٰی پویا، سید نوبہار شاہ اور دیگر تمام عمائدین افکار شامل ہیں کہ مولانا طاہر القادری گمراہ ہو چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جنرل محمد حسین انصاری نے جو تجویز پیش کی کہ ملک کے تمام مکاتب فکر کے جید علمائے کرام کا ایک بورڈ بنایا جائے جو طاہر القادری کی پانچ گھنٹے کی کیسٹ دیکھے اور متفقہ لائحہ عمل اختیار کرے تاکہ یہ فتنہ گوئی سر نہ اٹھا سکے اور عالم اسلام کے خلاف یہ سازش بے نقاب ہو سکے۔ میں اس سے متفق ہوں۔

جمعیت اہلحدیث کے سربراہ مولانا عبدالقادر روپڑی نے کہا ہے کہ ڈاکٹر طاہر القادری جہنمی ہیں۔ گزشتہ روز یہاں ایک بیان میں انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ میری نسبت سے جھوٹ بولنے والا جہنمی ہے۔ انہوں نے کہا کہ طاہر القادری نے رسول کریم ﷺ کے بارے میں خواب سنا کر جھوٹ بولا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں بیمار ہوں، اس کے باوجود یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ طاہر القادری سستی شہرت کے لیے کسی اور شخصیت کا انتخاب کر لیں یا کوئی اور راستہ اختیار کر لیں لیکن رسول کریم ﷺ کے بارے میں جھوٹ مت بولیں۔ ممتاز عالم دین وفاقی شرعی عدالت کے مشیر مفتی غلام سرور قادری نے فتویٰ جاری کیا ہے کہ اگر پروفیسر طاہر القادری فوری طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور پوری مسلمان قوم سے معافی نہ مانگیں تو وہ اپنے خوابوں میں توہین رسالت کے مرتکب ہونے کی وجہ سے شرعی نقطہ نظر کے لحاظ سے پھانسی کے مستحق ہیں۔ انہوں نے کہا کہ طاہر القادری نے تمام اہلیان پاکستان کی توہین اور تضحیک کی ہے اور رسول ﷺ کی بھی توہین کی ہے۔ اس حوالے سے طاہر القادری پر تعزیر لازم آتی ہے اور وہ سزا کے مستحق ہیں۔ ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنا ضروری ہے تاکہ کوئی اور شخص طاہر القادری کے نقش قدم پر چل کر شان رسالت ﷺ کو توہین کا نشانہ بنانے کی جرأت نہ کرے۔ پیر سید نصرت بخاری نے کہا ہے کہ طاہر القادری اپنے کیے پر پشیمان ہوں اور اللہ سے معافی کے علاوہ اپنی جائز کمائی میں سے صدقہ خیرات دیں ورنہ انہیں شدید عذاب الٰہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ انہوں نے کہا طاہر القادری اپنی علمیت اور روحانیت کے زعم میں کفر کا شکار ہو گئے ہیں۔ لہٰذا وہ دوبارہ سچے دل سے کلمہ طیبہ پڑھیں۔

سپاہ صحابہؓ کے راہنما، خبر نامہ "سنی اتحاد" کے چیف ایڈیٹر محمود الرشید حدوٹی نے مسجد ابوذر غفاریؓ میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا: طاہر القادری نے مال

اکٹھا کرنے، پچارو پر سیر سپاٹے کرنے، اور اچھے بھلے لوگوں کو الو بنا کر کوٹھی، جائیداد بنانے کے لیے رحمت کائنات ﷺ کی طرف غلط باتیں منسوب کی ہیں۔ مولانا محمود الرشید نے کہا کہ طاہر القادری عام معافی کا اعلان کریں اور جھوٹ بول کر جتنا سرمایہ اکٹھا کیا، جتنی جائیداد بنائی، اسے مستحقین کے حوالے کر دیں اور ادارہ منہاج القرآن کو ختم کر دیں۔

تنظیم اسلام پاکستان کے چیئرمین وسیم احمد گوہر نے کہا ہے کہ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ طاہر القادری آج سے تقریباً پانچ سال قبل گستاخی رسول ﷺ کا مرتکب ہوا، مگر حکومت کے نوٹس میں ہونے کے باوجود اس پر مقدمہ درج نہیں کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ اب جبکہ روزنامہ "خبریں" کی وجہ سے یہ گستاخی ہر خاص و عام کی زبان پر آ چکی ہے لہٰذا اس جرم کا تقاضا ہے کہ فوری طور پر طاہر القادری کے دماغ کا معائنہ کرایا جائے اور گستاخی رسول ﷺ پر قومی اسمبلی سے پاس شدہ بل کے مطابق اسے جلد از جلد سر عام موت دی جائے۔

پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کے خوابوں کے بیان پر مشتمل ان کی ویڈیو کیسٹ دکھانے کے موقع پر مقررہ وقت سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل روزنامہ "خبریں" کے دفتر کے سامنے منہاج القرآن کے تقریباً 25،20 افراد جمع ہو گئے جنہوں نے زبردستی سیڑھیاں چڑھنے کی کوشش کی جسے سیکورٹی ٹیم نے ناکام بنا دیا تاہم ان میں سے تین افراد کسی طرح دفتر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے لبرٹی فورم میں گھس کر ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ اس دوران "خبریں" کے دفتر میں ہلڑ بازی اور ریذیڈنٹ ایڈیٹر خوشنود علی خان پر حملے کی کوشش کی۔ اس موقع پر کیسٹ دیکھنے والے لوگوں نے کہا کہ تمام کیسٹ ہم نے دیکھی ہے۔ اگر اس میں تصویر بھی اور آواز بھی مولانا طاہر القادری کی ہے۔ ایسی صورت میں "خبریں" یا خوشنود علی خان کو قصوروار ٹھہرانا بذات خود اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس کیسٹ میں کوئی غلط بات یا قابل اعتراض مواد موجود ہے۔ اگر مولانا طاہر القادری اپنے خواب بیان کرتے ہوئے جوش خطابت میں کوئی قابل اعتراض بات کہہ گئے ہیں تو اس میں اخبار کے ایڈیٹر کا کیا قصور ہے۔ انہوں نے کہا کہ منہاج القرآن والے یا تو یہ ثابت کریں کہ یہ کیسٹ مولانا طاہر القادری کی نہیں ورنہ وہ بھی اس میں اتنے ہی ملوث ہیں جتنے طاہر القادری۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک اچھا قدم ہے کہ کیسٹ براہ راست علماء اور صاحب رائے حضرات کے سامنے پیش کر دی گئی ہے تاکہ ابہام و انتشار کی فضا ختم ہو۔ انہوں نے کہا کیسٹ دیکھنے اور سننے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نوجوانوں کو اپنے ادارے کی طرف راغب کرنے کی ناکام کوششیں کرتے ہوئے والہانہ طور پر بعض حساس معاملات پر غیر ذمہ دارانہ باتیں کہہ گئے ہیں۔ حالانکہ وہ پڑھے لکھے آدمی ہیں، انہیں محتاط رویہ اختیار کرنا چاہیے تھا،

کیونکہ ایسے حساس معاملات پر ان کا محاسبہ بھی ہوسکتا ہے اور بے شمار لوگ گمراہ بھی ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ طاہرالقادری کا یہ کہنا کہ نبی پاک ﷺ نے ان سے کہا کہ وہ ان کی رہائش' کھانے پینے اور پاکستان کے علاوہ جہاں کہیں بھی آنا جانا ہو تو وہ آپ کے ٹکٹ کا بھی بندوبست کریں بلکہ مدینہ شریف واپسی کا بھی ٹکٹ دیں' نہایت قابل اعتراض ہے۔ مولانا کے یہ الفاظ قابل اعتراض بھی ہیں اور قابل گرفت بھی۔ انہیں چاہیے کہ وہ کسی طریقے سے ان الفاظ کی وضاحت کریں یا غلطی کا اعتراف کر کے خدا سے معافی مانگیں۔

مولانا طاہرالقادری کے خوابوں کی اشاعت پر ردعمل کے طور پر ترجمان تحریک منہاج القرآن اور علامہ احمد علی قصوری کا بیان پڑھ کر بے حد دکھ اور افسوس ہوا۔ مولانا کے ایک سابق ساتھی جنہوں نے اپنا نام خفیہ رکھنے کی خواہش کی ہے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ ان میں خوف خدا اور ضمیر نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ یہ وڈیو کیسٹس میں نے صاف آواز کے ساتھ تین بار سنے اور دیکھے ہیں۔ ادارہ ''خبریں'' نے جو کچھ شائع کیا ہے' اس کا شہ سرخی سے لے کر پورے متن کا ایک ایک لفظ درست ہے اور حقیقت پر مبنی ہے۔ ادارہ منہاج القرآن کا کوئی ایک فرد بھی ''خبریں'' کی شائع کردہ رپورٹ کے ایک لفظ کی صداقت کو نہیں جھٹلا سکتا۔ یہ کیسٹ 25 جنوری 1989ء کو طاہرالقادری نے روحانی شخصیت بن کر اپنے پیروکاروں کی اندھی عقیدت حاصل کر کے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کی خاطر ضلعی صدور اور ناظمین کے اجتماع میں باقاعدہ منصوبے کے تحت تیار کروائی کیونکہ وہ 25 مئی 1989ء کو سیاسی میدان میں قدم رکھنے والے تھے۔ طاہرالقادری نے اس بات کو سچا ثابت کر دکھایا کہ وہ واقعی خوابوں کے سہارے سیاست میں آئے ہیں اور سائنسی سوچ سے بالکل عاری ہیں۔

شمالی لاہور میں معروف سماجی رہنما حاجی عابد نے کہا کہ ہماری دعا ہے کہ پروفیسر طاہرالقادری خوابوں کی دنیا چھوڑ کر پوری طرح جاگ جائیں۔ قرآن و حدیث کی ان کو توفیق مل جائے تو شاید ان کا ذہن ظاہر ہو جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو محبان رسول ﷺ کا فرض ہے کہ وہ ان کے علاج کا بندوبست کریں کیونکہ یہ روحانی کینسر میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

ممتاز عالم دین اور جے یو پی کے رہنما مولانا شمس الزمان قادری نے کہا کہ پروفیسر طاہرالقادری کو اب خود ہی سوچ لینا چاہیے کہ انہوں نے اپنی سیاست چمکانے کے لیے نبی کریم ﷺ کا نام جس طرح اپنے خوابوں کے ذریعے استعمال کیا ہے' اب ان کو خود ہی یا تو قوم سے معافی مانگ لینی چاہیے یا پھر اللہ کی طرف سے سزا کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔

ممتاز عالم دین تنظیم مشائخ پاکستان کے صدر صاحبزادہ فیض القادری نے کہا کہ ڈاکٹر

طاہرالقادری کے خواب من گھڑت ہیں' ان کا حقیقت سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ساری قوم میں علمائے کرام' اولیائے کرام اور قابل احترام مشائخ اور حضور ﷺ کے دیوانے موجود ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک طاہرالقادری کے لیے نبی کریم ﷺ اپنی امت کی ان محبوب ہستیوں سے بھی ناراض ہو جائیں۔ انہوں نے کہا کہ تعجب کی بات ہے کہ اولیائے امت ان کا کھائیں' ان کے محتاج ہوں اور وہ بے مثل نبی ﷺ اور آقائے کائنات ﷺ طاہرالقادری کے کرایہ کے محتاج ہوں۔ طاہرالقادری گمراہ ہو چکے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ وہ فوری طور پر اللہ سے توبہ کریں اور پوری امت مسلمہ کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے جرم کی معافی مانگیں۔

قانون دان مرتضیٰ رشید قریشی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میرے خیال میں ڈاکٹر طاہرالقادری نفسیاتی مریض بن چکے ہیں اور جس طرح وہ نفسیاتی مریضوں والی باتیں کر رہے ہیں' پروفیسر طاہرالقادری کو مرزا غلام احمد قادیانی والی بیماری لگ چکی ہے۔ طاہرالقادری ہو یا کوئی اور عالم دین' اگر وہ گستاخی رسول ﷺ کا مرتکب ہے تو کسی طرح بھی قابل معافی نہیں۔

مسلم لیگ علماء ونگ فیصل آباد کے جنرل سیکرٹری پیر ابراہیم نے کہا ہے کہ طاہرالقادری نے اپنی سیاسی دکانداری چمکانے کے لیے نبی کریم ﷺ کا سہارا لینے کی مذموم کوشش کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پروفیسر طاہرالقادری نے پوری دنیا کے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔

تحریک فہم القرآن کے میجر (ریٹائرڈ) محمد امین منہاس نے کہا کہ پروفیسر طاہرالقادری کا خواب واضح توہین رسالت ہے اور کئی سال سے مشتہر کردہ خواب کی تردید ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کی شرمناک مثال ہے۔ پروفیسر صاحب نے اپنے خواب بیان کرتے ہوئے دین کے تقاضوں کو تو الگ رکھا ہی تھا' عقل و فکر کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ انہوں نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا کہ اگر نبی کریم ﷺ اس طرح سے احکامات جاری فرمانے لگیں تو پھر یقیناً نہ ہی تو ختم نبوت ﷺ کے کوئی معنی رہیں گے اور نہ ہی وصال رسالت مآب کے۔ چودہ سو سال کی تاریخ واضح ہے کہ آقائے نامدار ﷺ سے کسی ذی شعور صاحب علم نے اس طرح کے احکامات پر عمل کرنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر اس قسم کی کوئی ترتیب ممکن ہوتی تو خلفائے راشدین' باغ فدک' جنگ جمل اور واقعہ کربلا کے فریقین رہنمائی کے کہیں زیادہ مستحق تھے۔ طاہرالقادری صاحب نے یہ بھی نہیں سوچا کہ بدنصیب نام نہاد علماء اپنی لیڈری چمکانے کے لیے ہمیشہ ایسے خوابوں کا سہارا لیتے رہے ہیں۔ متحدہ شریعت محاذ کے دنوں میں بھی ایک عالم دین اپنے لیڈر کے حق میں نبی کریم ﷺ کا خواب میں دیا ہوا پیغام لے کر آئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ مرزائی حضرات تک نے بھی اپنے برحق ہونے میں ایسے خواب گھڑے ہیں۔ طاہرالقادری صاحب کی نبی

کریم ﷺ کا علماء سے اپنی مہمان نوازی کی شکایت کی داستان عقل وفکر کے پیمانوں سے اس درجے میں گری ہوئی ہے کہ اسے پرائمری جماعت کا بچہ بھی قبول نہیں کر سکتا۔

نبی کریم ﷺ کی اس توہین کے بعد پھر طاہر القادری صاحب نے ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہیں سوچا کہ سات دن جو نبی کریم ﷺ نے طاہر القادری صاحب کے کہنے سے قیام کیا تو اس قیام کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟ نبی کریم ﷺ کی کیا مصروفیات رہیں؟ اسی طرح سے نبی کریم ﷺ پر یہ بہتان لگانا کہ انہوں نے اس سے کرایہ طلب کیا' ایک بہت بڑی جاہلانہ بات تھی۔ لیکن ان ساری چیزوں سے بڑھ کر سب سے بڑا ظلم جو طاہر القادری صاحب نے کیا ہے وہ اس کیسٹ کی تردید ہے۔ انہیں کم از کم اتنا علم تو ضرور ہونا چاہیے تھا کہ ان سے پہلے بھی غلطیاں اور لوگوں سے ہوتی رہی ہیں۔ شرفاء کے سامنے جب بھی ان کی کسی غلطی کو لایا گیا ہے تو انہوں نے رجوع کیا ہے' توبہ کی ہے' معذرت کی ہے۔ اگر یہ بہتان تھا تو طاہر القادری صاحب کو پتہ ہونا چاہیے تھا کہ بہتان پہلے بھی لگتے رہے ہیں اور ان کا جواب دینے کے کہیں اعلیٰ اور شریفانہ طریقے موجود ہیں۔

متحدہ جمعیت اہلحدیث کے رابطہ سیکرٹری سیف اللہ قصوری نے کہا کہ پروفیسر طاہر القادری کی تمام سیاست جھوٹ' منافقت اور اپنے قریبی ساتھیوں کو دھوکہ دے کر اپنی سیاسی و مذہبی دکانداری چمکانے پر قائم ہے۔ پروفیسر طاہر القادری کے نظریات اسلامی نہیں بلکہ لادینی قوتوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے ہیں اور انہوں نے مختلف لوگوں سے خدا اور رسول ﷺ کے نام پر دولت اکٹھی کر کے اپنے آپ کو مذہبی سکالر بنایا۔ انہوں نے اپنے خوابوں کے بارے میں جو کیسٹ جاری کی ہے' اس میں صاف طور پر وہ اللہ کے نبی ﷺ کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں۔

جمعیت اہلحدیث کے رہنما قاضی کاشف نیاز نے کہا کہ پروفیسر طاہر القادری نے اپنی تمام سیاسی و مذہبی سرگرمیاں خوابوں پر ہی قائم کر رکھی ہیں۔ ان کو بچپن سے ایسے خواب دیکھنے کی عادت ہے۔ اب جبکہ ''خبریں'' نے عوام کو پروفیسر طاہر القادری کی منافقانہ مذہبی سیاست کے بارے میں آگاہ کیا ہے تو وہ بوکھلاہٹ میں الٹے سیدھے بیان جاری کر رہے ہیں۔

جے یو پی کے رہنما قاری عبدالحمید قادری نے کہا کہ یہ پوری امت مسلمہ کے لیے افسوس کا مقام ہے کہ ایک مسلمان جو اپنے آپ کو مذہبی سکالر بھی کہلواتا ہے وہ ایسی بچگانہ حرکتیں اور باتیں کرے جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ یہ سب کچھ کسی لادینی قوت کے اشارے پر دین اسلام کے خلاف سازش کر رہا ہے۔ آفتاب احمد ایڈووکیٹ نے کہا کہ ''خبریں'' نے پروفیسر طاہر القادری کی نام نہاد مذہبی سیاست سے پردہ اٹھا کر پوری امت مسلمہ پر احسان کیا ہے اور اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ پروفیسر طاہر القادری

جیسا اسلام دشمن لوگوں کے خلاف متحد ہو کر کارروائی کرے۔

سماجی راہنما ملک عابد نے کہا کہ طاہر القادری نے اپنی خوابوں والی کیسٹ میں جو کچھ کہا ہے اس کے بعد مسلمانوں کو کسی اور مرزا غلام احمد قادیانی اور سلمان رشدی کی ضرورت نہیں اور اگر حکومت نے فوری طور پر پروفیسر طاہر القادری کے خلاف ایکشن نہ لیا تو عوام یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ وہ بھی طاہر القادری کی اسلام دشمنی میں برابر کے شریک ہیں۔

مدیر مجلۃ الدعوۃ مولانا امیر حمزہ نے کہا کہ ''خبریں'' نے پروفیسر طاہر القادری کی رنگ برنگی چالاکیاں اور کذب بیانیاں شائع کر کے عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر طاہر القادری کبھی سیاست میں آنے کی نفی کیا کرتے تھے مگر اچانک ہی انہوں نے اعلان فرمایا کہ حضور ﷺ نے ایک بشارت میں ان کو اجازت فرمائی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر طاہر القادری غیر ملکی اشاروں پر پاکستان میں نفاذ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔

ڈاکٹر طاہر القادری کے خوابوں پر مشتمل کیسٹ کے سلسلے میں عوامی ردعمل کا سلسلہ ہنوز جاری ہے اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے خوابوں کو توہین رسالت ﷺ قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر قادری کو سزا کا مستحق قرار دیا ہے۔ طاہر القادری کے ایک قریبی ساتھی نے جنہوں نے اپنا نام شائع نہ کرنے کی استدعا کی ہے' کہا ہے کہ ڈاکٹر طاہر القادری کا یہ کہنا کہ روحانی شہادتوں پر مبنی کیسٹوں کو جس شخص نے بھی تشہیر کے لیے عوام میں پھیلایا اسے بدنیتی سے اخبارات وجرائد میں چھاپا وہ شیطان ہے۔ قریبی ساتھی نے کہا کہ طاہر القادری نے بذات خود مختلف موقعوں پر ان خوابوں کو اخبارات وجرائد میں شائع کرایا ہے مثلاً نابغہ عصر نامی کتابچہ جو ادارہ کا رفیق بننے پر ملتا ہے میں مختلف خوابوں اور شہادتوں کا ذکر ہے۔ ''ایک اہم انٹرویو'' کے نام سے بکنے والے کتابچے میں بھی اسی طرح کی شہادتیں ہیں۔ قومی ڈائجسٹ میں بھی ان کا ایک انٹرویو چھپا تھا جس میں انہوں نے بتایا تھا کہ ادارہ منہاج القرآن بنانے کا حکم انہیں حضور پاک ﷺ نے دیا تھا۔ قومی اخبارات میں یہ بھی چھپا تھا کہ ہمیں (طاہر القادری کو) غوث الاعظم کے دربار سے چادر بھی عطا ہوئی ہے۔ یہ چادر ہمارے لیے علم فتح ہے اور جب طاہر القادری 25 مئی 1989ء کو عوامی تحریک کا اعلان کرنے اٹھے تو ان پر یہ چادر تانی بھی گئی۔ یہ سب کچھ ان کے ماہنامہ منہاج القرآن میں شائع بھی ہوا لہٰذا طاہر القادری کا یہ کہنا کہ انہوں نے اپنی روحانی شہادتوں کو عوام کے لیے کبھی شائع نہیں کیا' سراسر جھوٹ ہے۔ انہوں نے کہا ''خبریں'' پر یہ الزام کہ ہم اس اخبار کی مالی اعانت نہ کر سکے' اصل مسئلہ سے توجہ ہٹانے کی بھونڈی سازش ہے۔ تحریک میں ایک متفقہ قرارداد کے ذریعہ حکومت پاکستان سے پُرزور مطالبہ کیا گیا کہ توہین رسالت کے مرتکب

پاکستان کے سلمان رشدی طاہر القادری کو فی الفور گرفتار کر کے توہین رسالت آرڈیننس کے مطابق فی الفور قرار واقعی سزا دی جائے اور طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ہر قسم کی کیسٹوں پر مکمل پابندی عائد کی جائے۔ اجلاس میں تمام مذہبی وسیاسی تنظیموں کے رہنماؤں اور تمام مکاتب فکر کے علماء کرام سے اپیل کی گئی کہ وہ اس سلسلے میں اپنی عظیم دینی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور شاتم رسول طاہر القادری کے خلاف جمعہ کو یوم احتجاج منائیں۔

جمعیت علمائے پاکستان ملتان کے جنرل سیکرٹری محمد ایوب مغل نے کیسٹ دیکھنے کے بعد رائے دیتے ہوئے کہا کہ کیسٹ اصلی، صحیح اور ایک عرصے سے ہے۔ حضور ﷺ تو تمام کائنات کو دینے والے ہیں اور جہاں تک خرچ کا سوال ہے، یہ بہت بڑی گستاخی ہے اور عوام الناس میں بہت اضطراب پایا جاتا ہے۔ اب ''خبریں'' کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مفتی حضرات سے فتویٰ حاصل کرے اور حکومتِ وقت طاہر القادری کو قرار واقعی سزا دے۔ ایک کروڑ روپے کے الزام کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ اصل مسئلے سے توجہ ہٹانے اور صحافت کو دھونس اور دھاندلی سے حقائق کو شائع کرنے سے روکنا ہے۔

انجمن طلبائے اسلام کے مرکزی صدر عبدالرؤف مصطفائی نے لبرٹی فورم میں کہا کہ پروفیسر طاہر القادری نے شہرت اور مقبولیت کے حصول کے لیے نہایت اوچھا طریقہ اختیار کیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کو اپنا محتاج ثابت کرنا کھلم کھلا گستاخی ہے اور اس کی کوئی بھی تاویل قابل قبول نہیں ہے۔ مقام رسول ﷺ کے مسئلے پر بیان کرنے والے کی نیت نہیں دیکھی جاتی صرف ظاہری الفاظ پر فتویٰ لگایا جاتا ہے جیسے قرآن میں صحابہ کرام کو ''راعنا'' کہنے سے منع کر کے ''انظرنا'' کہنے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا کہ ایک کروڑ طلب کرنے کے الزام کا پاکستان کے کروڑوں عاشقان مصطفےٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ وہ اس کیسٹ اور اس کے الفاظ کو درست تسلیم کر رہے ہیں۔

شیخ عبدالستار قادری جنرل سیکرٹری پاکستان اسلامی تحریک نے کہا ہے کہ ''خبریں'' میں جو کچھ چھپا ہے بالکل صحیح اور سچ ثابت ہو گیا ہے اور اخبار میں جو لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے ٹکٹ مانگا ہم نے کیسٹ میں بھی دیکھ لیا ہے اور یہ کہ حضور ﷺ نعوذ باللہ پورے پاکستان سے ناراض ہیں، یہ بھی کیسٹ میں موجود ہے اور اگر حضور ﷺ ہم سے ناراض ہیں تو ہماری بخشش کیسے ہوگی۔ حضور ﷺ کے بغیر ہماری شفاعت نہیں ہوسکتی۔ پیر سعید احمد شاہ نے کہا کہ طاہر القادری مسلمان نہیں، مرتد ہے، اس پر توہین رسالت کا مقدمہ درج کیا جائے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کی بنیاد بشارتوں پر رکھی گئی۔ منہاج القرآن بھی بشارتوں پر اپنی بنیاد رکھ رہا ہے۔ طاہر القادری کا ماہر نفسیات سے علاج کروانا چاہیے۔

جامعہ مسجد عطاء المصطفےٰ مغل پورہ میں جمعہ کے عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مولانا

محمد فاروق انور نے طاہر القادری کے خوابوں اور بشارتوں کی سخت مذمت کرتے ہوئے کہا: مولانا کو اپنا علاج کروانا چاہیے۔ انہوں نے کہا طاہر القادری ہر سال ایران اور امریکہ سے پانچ کروڑ روپیہ لیتے ہیں۔ وہ یہودیوں کے ایجنٹ ہیں۔ مذہبی اجتماع سے مولانا حسام الدین انور، مولانا طلحہ عابد نے بھی خطاب کیا۔ نماز جمعہ کے بعد مغل پورہ چوک میں ایک مظاہرہ بھی ہوا۔ مظاہرین نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ طاہر القادری کو فی الفور پھانسی دی جائے۔ اہلحدیث سٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان کے صدر طارق عباس چودھری اور رانا تنویر قاسم نے اپنے مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ روزنامہ ''خبریں'' نے طاہر القادری کے چہرے سے نقاب الٹ کر ''سچ'' کی تشہیر کی ہے جو کہ صحافت کی اعلیٰ روایت ہے۔ اہلحدیث سٹوڈنٹس فیڈریشن اس کی مکمل حمایت کرتی ہے اور حق پرست صحافیوں سے اپیل کرتی ہے کہ ادارہ منہاج القرآن میں زکوٰۃ پر پلنے والے ملاؤں کے احتجاج کو خاطر میں نہ لائیں۔ اہلحدیث یوتھ فورس کی مجلس شوریٰ کا ایک اجلاس زیر صدارت امتیاز احمد صدر ہوا۔ اجلاس میں ایک متفقہ قرارداد کے ذریعہ حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ طاہر القادری کے گستاخانہ ویڈیو کیسٹوں اور آڈیو کیسٹوں اور دیگر کتابوں، جس پر اس نے بہت بڑے بڑے جھوٹ لکھے ہوئے ہیں، ان کو فوری طور پر ضبط کیا جائے۔ اس پر وفاقی شرعی عدالت میں مقدمہ درج کیا جائے۔

دریں اثناء اہلحدیث یوتھ فورس پاکستان کے مرکزی رابطہ سیکرٹری رانا عبدالوحید اور مرکزی ناظم مالیات ثناء اللہ خان نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں کہا کہ جمعۃ المبارک کے خطبات میں اہلحدیث علمائے کرام نے ملک بھر میں طاہر القادری کی گستاخانہ سازش کے خلاف شدید ردعمل کا مظاہرہ کیا ہے جو طاہر القادری نے اسلام میں فتنہ ڈالنے کی سازش کرتے ہوئے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ثناء اللہ خان اور رانا عبدالوحید نے کہا کہ اہلحدیث یوتھ فورس پاکستان، اہلحدیث سٹوڈنٹ فیڈریشن پاکستان نے ملک بھر میں طاہر القادری کے خلاف احتجاجی مظاہرے شروع کر دیئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ لاہور میں اہلحدیث یوتھ فورس، اہلحدیث سٹوڈنٹس فیڈریشن اور مرکزی جماعت اہلحدیث کی دیگر تنظیمیں لاہور میں ایک بہت بڑا احتجاجی مظاہرہ کریں گی۔ جمعیت علمائے اہلحدیث کے رہنما مولانا محمد اصغر فاروق نے کہا کہ طاہر القادری کا ادارہ منہاج القرآن نہیں بلکہ منہاج القادیان ہے۔ جمعیت طلبائے اسلام لاہور کے نائب صدر حافظ یاسین احمد عثمانی وسیکرٹری اطلاعات حمید الرحمٰن نعمانی، سیکرٹری مالیات محمد رفیق شاہ نے حلقہ علامہ اقبال ٹاؤن میں ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ روزنامہ ''خبریں'' نے نام نہاد قائد مصطفوی انقلاب کے گستاخانہ الفاظ اور من گھڑت خوابوں کو منظر عام پر لا کر امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ آخر میں تمام کارکنان حمید الرحمٰن نعمانی، حافظ یاسین احمد عثمانی، محمد ایوب گرنگی، محمد

شفیق، محمد رفیق ستار، ابرار احمد خٹک، رشید احمد قاسمی، عبدالشکور، محمد جاوید، محمد اکرم نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ خوابوں کے اس شہزادے کو کیفر کردار تک پہنچائے۔ تحریک مجاہدین اسلام تحصیل فیروز والہ کے امیر ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن، مرید کے سٹی کے امیر ڈاکٹر حبیب قادر، ڈاکٹر اکمل اور سیّد سیف اللہ شاہ نے اپنے مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ طاہر القادری مرتد، واجب القتل اور جہنمی ہیں۔ طاہر القادری کے جیالے ''خبریں'' کو دھمکانے سے باز آجائیں ورنہ طاہر القادری اور اس کے حواریوں کو عوام کے غیض و غضب سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم ضیا شاہد کو سلام پیش کرتے ہیں کہ جس نے انتہائی جرأت سے طاہر القادری کے مکروہ عزائم کو عوام تک پہنچایا ہے۔

تحریک دفاع صحابہ پاکستان کے مرکزی امیر علامہ محمد عطاء اللہ بندیالوی نے کہا ہے کہ منہاج القرآن کے سرپرست ڈاکٹر طاہر القادری سستی شہرت کی خاطر تمام دینی و مذہبی فرائض سے مجرمانہ چشم پوشی کرتے ہوئے سادہ لوح عوام کو لادینیت کی جانب دھکیلنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ وہ گذشتہ روز اخبار نویسوں سے ملاقات کے دوران ڈاکٹر طاہر القادری کی متنازعہ ویڈیو کیسٹ اور ان کے حالیہ طرز عمل پر گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر طاہر القادری مذہب سے روگردانی کی طرف مائل ہیں اور اپنے ساتھ امت مسلمہ کے دیگر سادہ لوح افراد کو بھی مذہب سے برگشتہ کر رہے ہیں۔ ان کے خلاف خصوصی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔

سجادہ نشین آلووال گوجرہ (فیصل آباد) صاحبزادہ سیّد محمد مرغوب علی شاہ مرغوب نے پروفیسر طاہر القادری کے من گھڑت اور مضحکہ خیز خوابوں کو کذب بیانی قرار دیتے ہوئے انہیں مقابلہ اور مباہلہ کا چیلنج دیا ہے۔ یہاں جاری کردہ ایک بیان میں انہوں نے کہا کہ شیطان کبھی نبی اکرم ﷺ کی شکل میں ظاہر نہیں ہو سکتا اور نبی ﷺ خواب میں بھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اہلسنّت کے عقیدہ کے مطابق مسئلہ حاضر و ناظر پر ایمان رکھتے ہیں۔ نبی آخر الزمان ﷺ اللہ کے بعد پوری کائنات پر قادر ہیں۔ جو نبی معظم ﷺ عرش معلیٰ پر بغیر کسی مادی وسائل کے ہو آئے وہ پاکستان سے مدینہ منورہ تک سفر کے لیے طاہر القادری کے محتاج کیوں ہوں گے اور نبی ﷺ مدینہ منورہ سے پاکستان کسی سے ٹکٹ لے کر کیوں آئیں گے؟ اگر نبی معظم ﷺ نے سات آٹھ برس کی عمر میں طاہر القادری کو زانو پر بٹھا کر امامین حضرات حسنؓ و حسینؓ اور حضرت اویس قرنی کو حکم دیا ہوتا کہ طاہر القادری کو آگ میں سے گزارو تاکہ اس کا خوف دور ہو تو وہ ڈر اور خوف کے مارے ہر وقت اپنے ہمراہ کلاشنکوف لیے نہ پھرتے۔ لہٰذا یہ بات کذب بیانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جس نسبت سے مولوی طاہر اپنے نام کے ساتھ القادری لکھتا ہے کیا حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی نے کبھی اسلحہ یا تلوار کے پہرہ میں تبلیغ فرمائی تھی؟ کیا

طاہر القادری حضرت غوث پاک سے بھی زیادہ (معاذ اللہ) حق بیان کرتا ہے حالانکہ حضرت غوث اعظم اپنے وقت کے بدترین دشمنوں میں ہمہ وقت گھرے رہے۔ طاہر القادری تو نماز جمعہ بھی خوف کے مارے کلاشنکوف کے سائے میں پڑھتا ہے۔ جس مسلمان کو زندگی میں صرف ایک بار بھی نبی کریم ﷺ کی ظاہری، باطنی یا خواب میں زیارت نصیب ہو جائے وہ اپنی کمر کے پیچھے کبھی بھی درود شریف پڑھا جانا برداشت نہیں کر سکتا جبکہ انہوں نے آزمانے کے لیے 31 جنوری 1992ء بروز جمعہ خطبہ کے بعد طاہر القادری کے پیچھے بیٹھ کر درود شریف پڑھا تھا لیکن طاہر القادری کو محسوس تک نہیں ہوا جس سے یہ ثابت ہوا کہ طاہر القادری باطن سے بالکل کورا ہے۔ جو شخص مسجد میں خطبہ اور تقریروں کی وی سی آر فلمیں بنوائے اس کی نبی ﷺ کے ساتھ کس حد تک وابستگی ہو سکتی ہے جبکہ نبی معظم ﷺ نے تصویر کو حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ فرمایا ہے کہ جہاں کسی جاندار کی تصویر ہو وہاں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ جس مسلمان کو نبی کریم ﷺ کی شفقت اور زیارت نصیب ہو جائے وہ دنیاوی مال و دولت کے پیچھے بھاگتا ہے نہ کبھی عیش و آسائش کی جانب راغب ہوتا ہے۔ انہوں نے مولوی طاہر القادری کے گمراہ کن اور مضحکہ خیز خوابوں کو دروغ گوئی قرار دیتے ہوئے انہیں مقابلے کا چیلنج کیا اور انہیں دعوت دی کہ وہ ان کے ساتھ حبیب پلازہ کراچی یا مینار پاکستان کے اوپر سے چھلانگ لگانے پہنچ جائیں جو سچا ہوگا وہ بچ جائے گا اور جو جھوٹا ہوگا وہ واصل جہنم ہوگا اور اگر وہ ان سے مباہلہ کرنا چاہیں تو وقت اور تاریخ خود مقرر کر کے دربار حضرت داتا گنج بخش آجائیں جہاں حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا۔

مولانا ضیاء الحق قاسمی نے کہا کہ اسلامی تاریخ میں مسیلمہ کذاب کے بعد طاہر القادری نے سب سے زیادہ امت مسلمہ میں گمراہی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ طاہر القادری گستاخی رسول ﷺ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ انہیں قرآن و سنت کے مطابق سرعام پھانسی دی جائے۔

اہلسنّت والجماعت کے مرکزی راہنما پیر محمد فضل نے کہا کہ طاہر القادری کو سرعام کوڑے مارے جائیں تاکہ آئندہ ایسی جسارت نہ ہو۔ مولانا محمد اشرف قادری نے کہا کہ طاہر القادری میرزا قادیانی کا اتباع کر رہے ہیں۔ جنرل مرچنٹس ایسوی ایشن نے متفقہ طور پر کہا کہ ڈاکٹر طاہر القادری پاگلوں سی باتیں کر رہے ہیں۔

(روزنامہ ''خبریں'' لاہور 7 جولائی 1993ء)

”کیسٹ اصل ہے اسے جعلی نہیں کہا جا سکتا“

مولانا احمد علی قصوری کا اعتراف

روزنامہ ”خبریں“ کے لبرٹی فورم ہال میں بدھ کے روز شہر کے ممتاز دینی و سیاسی اکابرین کو مولانا طاہر القادری کے خوابوں کی وڈیو کیسٹ دکھائی گئی۔ جن میں مولانا طاہر القادری نے سرور کائنات آنحضورﷺ کے ساتھ اپنی مبینہ ملاقاتوں کا حال بیان کیا ہے۔ تمام حاضرین محفل حتیٰ کہ خود پاکستان عوامی تحریک کے سینئر وائس چیئرمین اور مولانا طاہر القادری کے دست راست مولانا احمد علی قصوری نے تسلیم کیا کہ یہ کیسٹ اصل ہے' اسے جعلی نہیں کہا جا سکتا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس کیسٹ میں بیان کردہ تمام باتوں کو مولانا طاہر القادری کی باتیں تسلیم کرتے ہیں۔ پاکستان عوامی تحریک اور ادارہ منہاج القرآن کے عہدیداروں نے دعویٰ کیا تھا کہ روزنامہ ”خبریں“ نے نبی کریمﷺ کے ساتھ خواب میں ملاقاتوں کے بارے میں مولانا طاہر القادری کی جس کیسٹ کی تفصیلات شائع کی ہیں' وہ جعلی ہے۔ اس دعوے کے سلسلہ میں متعدد دینی اکابرین اور رہنماؤں کو لبرٹی فورم میں بلایا گیا تھا۔ ان میں بادشاہی مسجد کے خطیب مولانا عبدالقادر آزاد' ہائیکورٹ کے ریٹائرڈ جسٹس خلیل الرحمٰن' سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر اے کریم ملک ایڈووکیٹ' ریٹائرڈ میجر جنرل ایم ایچ انصاری' ممتاز شیعہ رہنما حافظ کاظم رضا نقوی' ممتاز قانون دان رفیق احمد باجوہ' جمعیت علمائے اسلام کے سیکرٹری اطلاعات حافظ محمد یوسف' جماعت اسلامی لاہور کے سیکرٹری اطلاعات احسان اللہ تبسم' جماعت اسلامی دعوت گروپ کے حیدر فاروق مودودی اور خود پاکستان عوامی تحریک کے سینئر وائس چیئرمین مولانا احمد علی قصوری کے علاوہ متعدد دوسرے اہم افراد شریک تھے۔

اس موقع پر روزنامہ ”خبریں“ کے چیف ایڈیٹر ضیا شاہد نے حاضرین سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ”خبریں“ نے اس کیسٹ کی تفصیلات اور اس پر مختلف حلقوں کا ردعمل چھاپا ہے۔ ادارہ ”خبریں“ اس تنازعہ میں خود فریق نہیں۔ ضیا شاہد نے کہا کہ اس کیسٹ کے سلسلہ میں پاکستان عوامی تحریک اور منہاج القرآن کی طرف سے اب تک جو بھی بیانات جاری کیے گئے ہیں' انہیں حرف بحرف چھاپا گیا ہے۔

گالیاں' دھمکیاں اور بلیک میلنگ کا الزام

حسن نثار

میں نے آج تک دو ایسے اداروں کے لیے کام کیا جن کی کامیابی حیران کن تھی۔

ماہنامہ ”دھنک“ دیکھتے ہی دیکھتے باقی تمام ماہناموں کیا' ہفت روزوں اور روزناموں تک پر بھاری پڑنے لگا۔ وہ ایک مہنگا ترین' مقبول ترین' منفرد ترین لیکن ساتھ ہی ساتھ متنازعہ ترین رسالہ تھا۔ اس کی زبان اور اٹھان ایسی تھی کہ انگریزی زدہ لوگ بھی اس کا انتظار کیا کرتے تھے۔

نتیجہ کیا نکلا؟ حاسدوں کی تعداد میں اس رفتار سے اضافہ ہوا جیسے تیسری دنیا کی آبادی میں ہوتا ہے۔

نوچتے رہتے ہیں اپنے ہی بدن کی بوٹیاں
حاسدوں کو خود ہی اپنا میزباں بننا پڑا

ہم جس کی پچھے دار دم اور لچھے دار زبان پر پاؤں رکھتے وہ اور اس کے حواری چلانے لگتے۔

”دھنک“ والے بلیک میلرز ہیں۔“

میں سرور بھائی (سرور سکھیرا جو دھنک کے مالک اور چیف ایڈیٹر تھے) کو دیکھتا تو میری ہنسی نکل جاتی۔ وہ اتنے پوتّم کے کیوٹ اور معصوم سے آدمی ہیں کہ انہیں بلیک میلر کہنا کسی لطیفے سے کم نہ تھا لیکن ایک تو سرور سکھیرا نام بڑا اجبڑ جنگ قسم کا تھا اوپر سے ”دھنک“ کی بے لگامیاں' سو کوئی کہتا ”بلیک میلر“ اور کوئی کہتا ”زرد صحافت کے بانی“ ------ لیکن عوام خوش تھے' ریڈرز راضی تھے اور ہم سرور بھائی کو اکثر چھیڑا کرتے تھے ------

''اکیلے اکیلے بلیک میلریاں''۔۔۔۔۔۔۔اور سرور بھائی کے والد اکبر سکھیرا صاحب ہم سب کو لعن طعن کرتے کہ ''کہلاتے بلیک میلر ہو اور میری زمینوں کی کلیئرنس بیل لگوائی ہوئی ہے۔''

بہر حال یہ تو ایک لمبی کہانی ہے۔ اس سے ملتا جلتا دوسرا تجربہ مجھے ''خبریں'' میں ہو رہا ہے۔ چند ماہ کے اندر اندر قومی سطح کے اخبارات کے ساتھ Neck To Neck مقابلے پر آ جانے والا ایک جنونی ورکر ایڈیٹر ضیا شاہد کا ''خبریں'' بھی اسی طرح کے الزامات کی لپیٹ میں ہے۔

''اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں''

ہمارے چیف ایڈیٹر ضیا شاہد کا تو عالم یہ ہے کہ اپنی تحریر میں نقطے ڈالنے کا وقت نہیں اور میں سلام پیش کرتا ہوں کمپیوٹر سیکشن کو جو ان کی تحریروں کو کمپوز کرتا ہے۔ وہ آدمی جو آفس میں ادھر ادھر آتے جاتے جوتے تک پہننا بھول جاتا ہو اور شاید یاد بھی نہیں رکھ سکتا کہ کیا لکھے گا تو کیا ہو گا؟

وہ تو بس۔۔۔۔۔۔۔ ''جہاں ظلم وہاں خبریں' یہ وزیر ہے اور رنگ رلیاں مناتے پکڑا گیا' چھاپ دو' بے نقاب کرو' ایکسپوز کرو۔''

یہ وڈیرا ہے اور آمر ہے' ظلم کرتا ہے' زیادتی کرتا ہے' اس کا ڈیرہ الٹا دو۔

یہ حاجی مقصود بٹ ہے' بیوہ روتی پیٹتی آتی ہے' پتہ کرو' تحقیق کرو' تفتیش کرو' اعداد و شمار لاؤ اور چھاپ دو۔

یہ کومیٹو کالج ہے' فراڈ ہے' استحصال ہے' لینا پکڑنا' بچ کے نہ جائے' تو ظاہر ہے بٹ صاحب 30 لاکھ کے مطالبے کا الزام نہ لگائیں گے تو کیا ہار پہنائیں گے؟ کومیٹو کالج والا بلیک میلر نہ کہے گا' 20 لاکھ کے مطالبے کا الزام نہ لگائے گا تو کیا تاج پہنائے گا؟ جس ایم پی اے کی ''قبرستان خوری'' کی چوری پر ہاتھ ڈالیں گے وہ ہاتھ پر بوسہ دے گا؟ جس وزیر کو ''خبریں'' رنگے ہاتھوں پکڑوا دے گا وہ اعلیٰ کارکردگی کا سرٹیفکیٹ دے گا؟ ظاہر ہے کہ وہ انگلی اٹھائے گا۔ بلیک میلنگ کا الزام لگائے گا اور غیر منافق صحافت کو زرد صحافت ہی قرار دے گا۔

آج مورخہ 9 جولائی کو مجھے گالیاں اور دھمکیاں موصول ہوئیں ''جان سے مار دیں گے'' ''ٹانگیں توڑ دیں گے'' ''بچے اٹھا کر لے جائیں گے اور گالیاں۔'' ظاہر ہے میں لکھ نہیں سکتا۔

میں ذاتی طور پر اس آدمی کا ممنون ہوں جس نے گالی ایجاد کی تھی کیونکہ ان سے دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے۔ کتھارسس ہو جاتا ہے اور میں خود خاصا ''قادر الگالی'' ہوں لیکن ان گالیوں کے جواب میں فون بند کر دیتا رہا۔ آفس آیا تو ضیا شاہد صاحب کو صورت حال سے آگاہ کیا کہ میرے کالم کے منطقی جواب کی جگہ ادارہ منہاج القرآن کے ورکروں سے گالیاں' دھمکیاں وصول ہو رہی ہیں تو

انہوں نے کہا ''میرے ساتھ تو یہ کئی دن سے مسلسل ہو رہا ہے۔ ہم نے ایک کیسٹ کی خبر چھاپی' ہم پارٹی نہیں ہیں' کیسٹ انہوں نے بھی تسلیم کر لی ہے۔ باقی سب خیریت ہے۔ گالی سن کر فون بند کر دیا کرو''

اور میں سوچتا ہوں کہ ان لوگوں کا یہ حال ہے جو مصطفوی انقلاب کا نعرہ لگاتے ہیں' یہ ان لوگوں کا مزاج ہے جو رسول پاک ﷺ کا نام لیتے ہیں جنہوں نے طائف میں پتھر کھا کے بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ وہ جو اپنی پاک ذات پر غلاظت پھینکنے والی بڑھیا کی بیمار پرسی کے لیے جاتے تھے' ان کے بارے میں یہ دعویٰ کرنے والے کہ معاذ اللہ خوابوں میں آ کر انہیں پاکستان میں اسلامائزیشن کا ٹھیکہ دے گئے ہیں۔ وہ اپنی نقاب کشائی پر کس طرح اور کس قسم کے ردعمل کا اظہار کر رہے ہیں۔ سوچتا ہوں کہ ''خبریں'' والوں کا قصور کیا ہے' یہ کہ کیسٹ کی خبر چھاپ دی۔ پہلے کہا کیسٹ جعلی ہے' پھر دیکھ کر تسلیم کیا کہ جعلی نہیں۔ پھر کہا سیاق و سباق سے ہٹ کر ہے' پھر وہ بھی دیکھ لیا کہ جملے پورے ہیں' کہیں کانٹ چھانٹ نہیں۔ پھر فرمایا کہ اصل کیسٹ پانچ گھنٹے کی ہے۔ اچھا بھائی وہ بھی دیکھ لیتے ہیں۔ ہمیں کب انکار ہے لیکن بات کرو تو علمی سطح پر۔ گالیاں کیوں دیتے ہو اور وہ بھی ماں بہن کی۔ یہ اچھی تربیت دے رہے ہیں جناب طاہر القادری اپنے نوجوانوں کو۔ اب ان کی نئی منطق سامنے آئی ہے کہ کیسٹ بھی ٹھیک ہے مگر لوگوں کو بتانے کی نہیں تھی۔ بند کمرے میں اپنے خاص لوگوں کو علامہ صاحب نے خواب سنائے تھے' عام مسلمان کے لیے تھوڑی تھے!

تو یہ استغفار' دین کے معاملے میں بھی طبقات کی بحث' یہ بحث عام آدمی کے لیے نہیں' عام مسلمان کے لیے نہیں' خاص آدمی کے لیے ہے۔ کیا عام آدمی ''عام مسلمان'' ہے اور جناب طاہر القادری ''خاص مسلمان'' تیار کر رہے ہیں۔

کیا یہ بہتر نہ تھا۔ گریس فل انداز میں تسلیم کر لیتے کہ کیسٹ درست ہے اور اس کے لیے ہم اپنے خدا' رسولؐ اور عوام سے معذرت خواہ ہیں یا اگر ہم نے کہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے لیکن یہ ہیں کہ مسلسل پینترے بدل رہے ہیں۔ اب میں یہ کالم لکھ رہا تھا کہ خبر آئی کہ کئی شہروں میں ''خبریں'' کے بنڈل لوٹ لیے گئے ہیں۔ یہ رویہ تو اتنا فاشسٹ ہے کہ مجھے ادارہ منہاج القرآن بھول گیا اور مہاجر قومی موومنٹ (MQM) یاد آ گئی۔

ایم کیو ایم کا انجام بھی یاد آ گیا۔

جو کسی بھی ذی ہوش کو بھولنا نہیں چاہیے۔ جناب طاہر القادری اور ان کے حامی بھی اس انجام کو سامنے رکھیں۔ کیا یہی وہ مثالی جمہوریت ہے جس کے لیے عوامی تحریک کوشش کر رہی ہے۔

(روزنامہ خبریں لاہور 11 جولائی' 1993ء)

عدالت کے سامنے

علامہ طاہر القادری

گذشتہ دنوں جناب ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری کی طرف سے اپنے گھر پر فائرنگ کی اطلاع اپنے مداحوں اور ناقدوں کو فراہم کی گئی۔ اس واردات کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے' اس کی تحقیق کے لیے پنجاب حکومت نے لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس فضل کریم کو مقرر کیا------ ان کے روبرو قادری صاحب نے اپنے بیان میں' اور جرح کے دوران جو کچھ فرمایا' وہ نذر قارئین ہے------- پروفیسر صاحب کی باتیں سنئے کہ پھر باتیں نہ ایسی سنئے گا۔

میرے والد نے دو شادیاں کیں۔ پہلی والدہ کا نام خورشید تھا اور دوسری کا نام بھی خورشید تھا۔ میری پہلی والدہ سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ میرے والد نے نرینہ اولاد نہ ہونے کی بنا پر دوسری شادی کی۔ خاندانی ناچاقی بھی دوسری شادی کی وجہ تھی۔ میرے والد کی پہلی شادی خاندان میں ہوئی تھی۔ دوہرا رشتہ تھا۔ میری پھوپھی ادھر بیاہی گئی تھی' وٹہ کی شادی تھی۔ والدہ کے بھائی کے ساتھ میری پھوپھی بیاہی گئی تھی۔ ان کے گھر میں ناچاقی ہوئی تھی۔ پھوپھی کو نکال دیا گیا تھا۔ اس بنا پر والدہ کچھ عرصہ کے لیے چلی گئی تھی۔ دوسری بیوی میں سے ہم دو بھائی اور تین بہنیں ہیں اور میں سب سے بڑا ہوں۔ دوسرا بھائی جاوید فوت ہو چکا ہے۔ میری اور میری چھوٹی ہمشیرہ کی پیدائش کے بعد میری پہلی والدہ کے گھر طارق پیدا ہوا۔ پہلی والدہ کے بطن سے رقیہ اور کلثوم ہمشیرگان ہیں۔ ان کے خاوند کے نام محمد حسین اور محمد یوسف ہیں۔ آصف ندیم محمد حسین کا لڑکا (میرا بھانجا) ہے۔ مسرت جبیں زوجہ جاوید' ثروت جبیں زوجہ صبغت اللہ' نصرت جبیں زوجہ محمد شعیب پرویز میری ہمشیرہ ہیں۔ فاروق میری کسی بہن کا لڑکا نہیں

ہے۔ وہ محمد حسین اور محمد یوسف کے بڑے بھائی کا لڑکا ہے۔

میرا بھائی جاوید 30 برس کی عمر میں گھر میں فوت ہوا۔ اسے ٹائفائڈ کی شکایت ہوتی رہتی تھی۔ فوتیدگی کے دن اسے پیشاب میں خون آیا جس سے خیال پیدا ہوا کہ گردے فیل ہو گئے۔ یہ غلط ہے کہ وہ کوئی کشتہ جو میرے والد صاحب بناتے تھے' کھانے کی وجہ سے فوت ہوا۔ یہ غلط ہے کہ میرے والد صاحب کشتہ بناتے تھے' روزانہ خون کے نمونے لیے جاتے تھے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو رپورٹ میں پتہ چل جاتا۔ اسے گھر میں علاج مہیا کیا گیا کیونکہ اس کی حالت ایسی خطرناک نہ تھی۔ میڈیکل سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر محمد احسن گھر پر دیکھتے تھے۔ یہ غلط ہے کہ اسے اسی بنا پر ہسپتال نہ لے گئے کہ اگر اسے ہسپتال لے جاتے تو کشتہ کے متعلق بات عام ہو جاتی۔

میرے چار سالے ہیں۔ صبغت اللہ میرا بہنوئی اور سالا بھی ہے۔ میری بیوی میرے چچا میر اسلام کی بیٹی ہے۔ صبغت اللہ کے علاوہ عظمت اللہ' قدرت اللہ اور شفقت اللہ اس کے بھائی ہیں۔

محمد حسین بہنوئی کا اب پتھروں کا کاروبار ہے۔ شروع میں اس کی صابن کی فیکٹری تھی' آڑھت بھی کی۔ صبغت اللہ پہلے ڈرافٹسمین تھا۔ اب وہ گورنمنٹ ووکیشنل انسٹیٹیوٹ جھنگ میں تعینات ہے۔ شفقت اللہ نائب تحصیلدار ہے۔ چار پانچ سال قبل بھرتی ہوا۔ شفقت اللہ 1985ء سے 87ء تک بغداد میں دو ڈھائی سال رہا۔ وہاں وہ سپروائزر تھا۔ یہ غلط ہے کہ وہ وہاں سابق وزیر محنت و افرادی قوت (حنیف طیب صاحب) کے زمانہ وزارت میں گیا تھا۔ وہ باہر اپنی کوشش سے گیا۔ میں اس کے باہر جانے کے خلاف تھا۔ اسی لیے میں نے کسی کو اس کے متعلق نہ کہا۔ میرے ایک چچا کا نام اسماعیل ہے وہ اس وقت ریلوے میں بطور سپیشل ٹکٹ ایگزامینر تعینات ہے۔ مجھے علم نہیں کہ اس کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا اور معاملہ عدالت میں گیا۔ میری بیوی کا نام رفعت ہے۔ یہ غلط ہے کہ اس نے میرے چچا کو گھر آنے سے روکا۔ وہ آج تک ہمارے گھر آتے ہیں۔ میری بیوی جب بھی وہ گھر آتے ہیں' ان کی بطور اولاد خدمت کرتی ہے۔

یہ غلط ہے کہ ریکارڈ پر میرا نام محمد اسحاق ہے۔ میرا نام شروع سے ہی محمد طاہر ہے۔ یہ درست ہے کہ پیر کرم شاہ صاحب ایک رسالہ "ضیائے حرم" کے نام سے چھاپتے تھے مگر یہ غلط ہے کہ میں نے محمد اسحاق کے نام سے اس رسالے میں کوئی تحریر چھپوائی۔ میں کسی دوسرے کا نام بدلنے کی بدنیتی نہیں کر سکتا۔ میرا بھانجا آصف اے ایس آئی پولیس ہے۔ اس کی تعیناتی کی صحیح تاریخ یاد نہیں ہے البتہ تین چار سال سے لگا ہوا ہے۔

یہ درست ہے کہ میرا آبائی مکان محلہ عیدگاہ جھنگ میں ہے۔ یہ قصائی والی گلی جھنگ میں نہیں

ہے البتہ میری گلی میں قصاب کا گھر آخر میں واقع تھا۔ یہ درست ہے کہ قادری سٹریٹ کا نام میرے والد کی 1974ء میں وفات کے بعد رکھا گیا۔ پہلے اس گلی کا کوئی نام نہ تھا۔ میرے والد کا نام فریدالدین قادری تھا۔ وہ ڈسٹرکٹ کونسل کے ملازم بطور ڈسپنسر نہیں تھے بلکہ وہ انچارج رورل ہیلتھ سنٹر تھے اور ڈسپنسر ان کے تحت کام کرتے تھے۔ ان کے پاس ڈاکٹری کی کوئی ڈگری نہ تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ میرے والد کی تنخواہ کیا تھی۔ پرائیویٹ پریکٹشنر کے طور پر ہزاروں روپے کماتے تھے۔ مجھے علم نہیں کہ ان کی آمدنی انکم ٹیکس پیڈ تھی یا نہیں۔ یہ درست ہے کہ میں نے اپنے والد سے متعلق بڑی پرانی باتیں بتائی ہیں۔ میرے والد صاحب کی تنخواہ تقریباً چار پانچ سو روپے تھی۔ یہ غلط ہے کہ میں جان بوجھ کر اس بات کو چھپا رہا ہوں کہ وہ انکم ٹیکس پیئر نہ تھے۔ یہ بھی درست نہ ہے کہ وہ صرف ایک گھر کے مالک تھے۔ ان کے دو گھر تھے۔ ایک پلاٹ منصور آباد فیصل آباد میں میرے نام سے لیا تھا' جو اپنی زندگی ہی میں فروخت کر دیا اور اس کی آمدنی دکان پر لگا دی۔ محکمہ مال کی رپورٹ کے مطابق ایک گھر غلط ہے۔ طارق کے پاس بھی ایک گھر ہے۔

میں نے گورنمنٹ کالج جھنگ میں بطور لیکچرار این ڈی وی پی سکیم کے تحت جائن کیا۔ مجھے اس کی صحیح تنخواہ یاد نہیں۔ چند سو روپے تھی۔ جب میں پبلک سروس کمیشن سے منتخب ہو کر بطور لیکچرار گریڈ 17 میں تعینات ہوا تو اس کی تنخواہ گیارہ سو روپے تھی۔ میرے والد 2 نومبر 1974ء کو فوت ہوئے۔ میں 1978ء میں لاہور آیا۔ مجھے ہوسٹل سپرنٹنڈنٹ لاء کالج کی ذمہ داری 1979ء میں دی گئی۔ میری تنخواہ 2000 روپے بنتی تھی۔

میں ڈیڑھ دو سال بطور ہوسٹل سپرنٹنڈنٹ رہا۔ یہ غلط ہے کہ مجھے وہاں سے نکالا گیا۔ اصل میں ایک کمرہ اسلامی جمعیت طلباء کے ایک طالب علم کے نام پر الاٹ تھا۔ چھٹیوں میں اطلاع ملی کہ اس کمرہ میں کچھ لڑکے ایک لڑکی کے ہمراہ ہیں جس پر میں نے دیگر لوگوں کے ہمراہ وہاں پر انہیں پکڑا۔ میں نے پولیس کو یہ کیس دینا چاہا۔ لیکن اس سے قبل اسلامی جمعیت طلباء نے انتظامیہ پر دباؤ ڈال کر میرے نکالے جانے کے احکامات جاری کیے جانے کا اہتمام کر لیا۔ اطلاع ملنے پر میں نے از خود وہاں سے چارج چھوڑ دیا۔ میں نے ابتدا میں سامان ملک فیض الحسن کے گھر سمن آباد میں رکھا۔ میری فیملی اس وقت جھنگ میں تھی۔ جب تک مجھے گھر نہ ملا میں ان کے ساتھ رہا۔ پھر میں نے شمع سینما کے پاس رسول پارک میں بالائی منزل پر گھر کرائے پر لیا۔ اس کا کرایہ آٹھ ساڑھے آٹھ سو روپے ماہوار تھا۔ اس گھر میں تقریباً آٹھ دس سال رہا۔ اس کے بعد میں نے شریف سکیم میں بالائی منزل پر کرایہ پر گھر لیا۔ اس کا کرایہ 1500 ماہوار تھا۔ اس وقت بھی میں لاء کالج میں کل وقتی لیکچرار تھا۔ اس مکان میں جو پہلا ائر کنڈیشنر

لگا اسے میں نے اپنے وسائل سے خریدا۔ میں نے اپنے دوستوں سے قرض لیا تھا۔ جن میں ملک فیض الحسن بھی شامل تھا۔ میری بچی بیمار تھی۔ اس کے مسام بند تھے جس کی وجہ سے بخار رہتا تھا۔ اس کے لیے ڈاکٹر نے ائر کنڈیشنر تجویز کیا تھا۔ بعد میں اعزا و اقربا سے لیا ہوا قرض 1983ء تک ادا کرتا رہا۔

میرے بہنوئیوں کے نام حسن اور حسین ہیں۔ یہ درست ہے کہ میں نے 83-1982ء میں حسین کارپوریشن کے نام سے لی تھی۔ میں نے 83ء میں لیکچرارشپ سے استعفیٰ دیا۔ میں نے ڈیڑھ لاکھ روپے سیکورٹی جمع کرایا۔ میں نے دس لاکھ روپے میاں محمد شریف سے قرض لیا جس سے شریف سکیم میں گھر خریدا۔ میں نے اپنے اعزا و اقارب سے دس لاکھ کے علاوہ بھی قرضہ لیا۔ جھنگ کی جائیداد فروخت کی زیورات بیچے۔ کمیٹیاں اکٹھی کیں۔ یہ درست ہے کہ میاں محمد شریف' میاں نواز شریف کے والد ہیں۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے شریف سکیم میں مکان نمبر 27 سیمنٹ ایجنسی سے پہلے یا بعد میں خریدا۔ میں نے مکان دس لاکھ روپے میں خریدا۔ سیمنٹ ایجنسی میں کاروبار کو چلانے کے لیے جو رقم لگائی وہ اپنے ذرائع سے اکٹھی کی۔ میں نے تمام قرضہ واپس کر دیا' جس میں میاں محمد شریف اور ملک فیض الحسن کا قرض بھی شامل ہے۔ دس لاکھ روپے جو میں نے میاں محمد شریف سے لیے وہ چار سال میں واپس کیے۔ آخری رقم گیارہ جون 1988ء کو ادا کی۔ پہلی قسط 18 مارچ 1986ء کو ادا کی۔ یہی درست ہے کہ کار نمبر 26 ایل اے جے ٹیوٹا نیلے رنگ کی 1984ء-1983ء میں میری عدم موجودگی میں یہ کار میاں شریف نے میرے بچوں کے عقیقے پر تحفہ دی۔ چند سال زیر استعمال رہی۔ اس سے قبل اتفاق مسجد کے ساتھ اکیڈمی بنی تھی۔ وہاں آنے جانے کے لیے ان کی کار معہ ڈرائیور آیا کرتی تھی۔

میں نے 82ء کے اختتام پر 83ء کے شروع سے لے کر فروری 89ء تک بغیر تنخواہ کے خطبہ جمعہ دیا۔ اتفاق اکیڈمی کا افتتاح ضیاء الحق نے کیا تھا۔

میں جنوری 1983ء میں پہلی مرتبہ امریکہ برائے علاج گیا' جہاں میاں محمد شریف نے بھیجا تھا۔ تمام اخراجات میاں محمد شریف نے برداشت کیے۔ واپسی پر عمرہ بھی ادا کیا۔

میں نے درس قرآن اور ذکر اذکار کا سلسلہ محمد علی کی کوٹھی میں شادمان میں شروع کیا۔ جب سامعین کی تعداد زیادہ بڑھ گئی تو یہ سلسلہ مسجد رحمانیہ شادمان میں منتقل ہو گیا۔ ادارہ منہاج القرآن کا کسی قسم کا کوئی تعلق اتفاق اکیڈمی سے نہ تھا۔ اتفاق مسجد کے ساتھ ملحقہ کمرہ میرا دفتر تھا لیکن اس کا منہاج القرآن سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ بطور ڈائریکٹر اتفاق اکیڈمی تھا۔ یہ غلط ہے کہ ادارہ منہاج القرآن 365 ایم کی زمین ہمیں میاں نواز شریف کے توسط سے ملی۔ ہم نے یہ ایل ڈی اے سے لی۔ مجھے علم نہیں کہ میاں نواز شریف نے بطور فنانس منسٹر ادارہ منہاج القرآن کے لیے سفارش کی۔ اس کا قبضہ ہمیں

1983ء میں دیا گیا۔ یہ ریزرو پرائس 55080 پر دیا گیا۔ مسجد 366 ایم پر ہی بنی۔ وہ بھی اس قیمت پر ہمیں دی گئی۔ یہ درست ہے کہ 100 کنال زمین اس وقت الاٹ ہوئی جب میاں نواز شریف وزیر اعلیٰ تھے۔ یہ 8,000 روپے کی قیمت پر دی گئی۔ یہ غلط ہے کہ زمین برائے سوک سنٹر ریزرو تھی۔ سوک سنٹر دوسری طرف ہے۔ یہ بات غلط ہے کہ مارکیٹ قیمت پانچ لاکھ روپے تھی۔ یہ درست ہے کہ ہمیں یہ زمین میاں نواز شریف نے بطور وزیر اعلیٰ چیئرمین ایچ وی پی پی دی۔ دراصل تمام زمین 162 کنال تھی۔ یہ درست کہ 62 کنال زمین ہمیں 22 ستمبر 1986ء کو الاٹ ہوئی۔ ہم نے 162 کنال زمین کے لیے درخواست دی تھی۔ ہم نے 24 اگست 1986ء کو درخواست برائے استعمال ملحقہ گراؤنڈ دی اور ہمیں اس کا انتظامی کنٹرول مل گیا۔

یہ درست ہے کہ میں نے میاں نواز شریف کو اپنے بھانجے آصف کو نوکری دینے کے لیے کہا اور اسے اپریل 1988ء میں اے ایس آئی رکھا گیا۔ شفقت اللہ کو نائب تحصیلدار دس جنوری 1987ء کو اس کی والدہ کی درخواست پر لگایا گیا۔ شفقت اللہ کا والد نائب تحصیلدار فوت ہوا تھا اور گورنمنٹ رولز کے مطابق نائب تحصیلدار بنایا جاتا تھا۔

یہ غلط ہے کہ اگر گورنمنٹ سوک سنٹر کا پلاٹ چھوٹے چھوٹے پلاٹ بنا کر فروخت کرتی تو زیادہ رقم حاصل کرتی۔ یہ زمین تعلیمی مقاصد کے لیے مخصوص تھی۔ یہ غلط ہے کہ زمین پہلے ہی دوسرے مقصد کے لیے مخصوص تھی اور بعد میں مجھے ممنون کرنے کے لیے زمین کی نوعیت تبدیل کی گئی۔

حافظ محمد خان قادری میرے رشتہ دار نہیں۔ منہاج القرآن میں رہتے ہیں اس سے قبل اتفاق اکیڈمی میں تنخواہ پر ملازم تھے۔ اور کئی سال وہاں کام کیا۔ 87-86ء میں جامعہ منہاج القرآن میں آئے۔ وہ تمام بچے جو اتفاق اکیڈمی میں زیر تعلیم تھے ان کو منہاج القرآن میں داخلہ دیا اور اتفاق اکیڈمی کو بند کر دیا۔ تمام اساتذہ کو بھی جامعہ میں تنخواہ پر ملازم رکھا۔

الطاف حسین شاہ جھنگ میں میرا ہمسایہ تھا۔ ہمارے خاندانی تعلقات ہیں۔ وہ میرا بچپن سے دوست رہا۔ الطاف کا ایک بھائی محمد غوث شاہ ہے۔ الطاف حسین کو سیشن جج خوشاب نے مقدمہ قتل میں بذریعہ حکم 10 فروری 86 سزائے موت سنائی۔ یہ غلط ہے کہ الطاف حسین شاہ ڈی ایس پی نے جمیل کانسٹیبل کو 26 فروری کو 89ء کو میری رہائش گاہ پر تعینات کیا۔ اسے ایس ایس پی رانا مقبول نے تعینات کیا۔ یہ درست ہے کہ یہ سیکورٹی کے انتظامات تھے' کیونکہ اس سے قبل بیڈروم کے باہر دو فائر ہوئے تھے۔ جس کی رپورٹ ماڈل ٹاؤن تھانہ میں درج کرادی تھی۔ مشکوک آدمی کو پکڑا مگر بعد میں چھوڑ دیا۔ یہ بھی غلط ہے کہ ذاکر حسین کانسٹیبل کو الطاف حسین شاہ نے تعینات کیا۔ پندرہ دن کے لیے ایک کانسٹیبل

آتا تھا اور پندرہ دن کے لیے دوسرا آتا تھا۔ اور ان کی ڈیوٹی میرے گھر کے باہر رہی۔ جمیل کانسٹیبل 25 اپریل 90ء تک میرے گھر تعینات رہا۔ دوسرے کے متعلق مجھے علم نہیں۔ چند ماہ قبل دونوں کانسٹیبل میرے گھر سے اجازت لے کر یہ بتا کر چلے گئے کہ حکومت نے انہیں واپس بلا لیا ہے۔ جمیل دو تین دن کے بعد دوبارہ حاضر ہوا۔ جمیل کو میں نے کہا کہ اب اس کی ضرورت نہیں' وہ حملہ کی سازباز میں شامل ہے۔ میں پولیس ریکارڈ کے متعلق نہیں جانتا ہوں کہ اس میں جمیل کی دو تین دن بعد واپسی کا ذکر ہے یا نہیں۔ الطاف حسین شاہ ڈی ایس پی لاہور میں کئی سالوں سے مختلف حیثیتوں سے تعینات ہے۔ مجھے علم نہیں ہے کہ وہ سیکرٹریٹ میں بوقت وقوعہ تعینات تھا یا نہیں۔ سیکرٹریٹ میں کافی عرصہ سے تعینات تھا۔ یہ غلط ہے کہ الطاف حسین شاہ ڈی ایس پی روزانہ میرے پاس آتا تھا۔ اکثر مہینوں ملاقات نہ ہوتی تھی۔ وقوعہ کے بعد پہلی دفعہ افسوس کرنے دو تین دن بعد آیا۔

میرے مرشد کا نام پیر طاہر علاؤالدین ہے۔ وہ کراچی اور کوئٹہ ہوتے ہیں۔ اکثر کراچی میں ہوتے ہیں۔ ان کی شادی مرحوم خان آف قلات میر احمد یار کی صاحبزادی سے ہوئی۔ مجھے علم نہیں کہ خان آف قلات کی وفات کے بعد لڑکیوں کی وراثت کے متعلق جھگڑا ہو گیا۔ طاہر علاؤالدین کے دو صاحبزادے خان آف قلات کے لڑکوں نے اغوا کیے' جس کا مقدمہ درج ہوا۔ چونکہ کارروائی نہ ہو رہی تھی' اس لیے ہم نے کفن بردار جلوس نکالنے کی دھمکی دی۔ جلوس نکالے اور تقریریں کیں۔ ملزمان گرفتار ہوئے اور ہمارا ان سے کوئی جھگڑا نہ رہا۔ مجھے علم نہیں کہ خان آف قلات کے خلاف وہ پہلا اور آخری مقدمہ درج ہوا۔ چونکہ معاملہ ختم ہو گیا اور خان آف قلات کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔

24 اکتوبر 1988ء کو مینار پاکستان پر کوئی مباہلہ نہیں ہوا۔ صرف ختم نبوت کانفرنس ہوئی' کیونکہ مرزا طاہر احمد امیر جماعت احمدیہ نہ آئے۔ مباہلہ کا چیلنج مرزا طاہر احمد نے دیا تھا۔ میرے علاوہ چند علماء نے اس کو قبول کیا۔ لیکن مرزا طاہر احمد کے نہ آنے کی وجہ سے صرف ختم نبوت کانفرنس ہوئی۔ مباہلہ سے قبل نامعلوم دھمکی آمیز خط آئے تھے۔ اس کے بعد کوئی دھمکی آمیز خط نہ آیا۔ یہ غلط ہے کہ پولیس کانسٹیبل میری رہائش گاہ پر 24 اکتوبر 1988ء کے بعد پوسٹ ہوئے تھے۔

جب میں نے پاکستان عوامی تحریک بنائی تو میں نے غیر مسلمانوں کو بھی ممبر بننے کے لیے کہا۔ وہ بھی پاکستانی ہیں۔ مجھے قاری محمد یونس کے 29 مئی 1989ء کے بیان کے متعلق علم نہیں۔

ہم نے جھنگ میں 15 اگست 1985ء کو جلوس نکالا اور دفعہ 144 کی خلاف ورزی پر 188 کا پرچہ درج ہوا۔ مجھے علم نہیں ہے کہ مجھے اس میں ملزم ٹھہرایا گیا یا نہیں۔ مجھے علم نہیں کہ وہ مجسٹریٹ قادیانی تھا۔ چار پانچ کارکن گرفتار ہوئے تھے۔ مقامی طور پر جلوس نکالے گئے اور وہ رہا ہو گئے۔ یہ غلط

ہے کہ ہم مولانا حق نواز جھنگوی کے گھر کے راستے سے جلوس نکالنا چاہتے تھے اور انتظامیہ ایسا نہ چاہتی تھی۔ میرے گھر کا بھی وہی راستہ ہے۔ یہ درست ہے کہ مولانا حق نواز جھنگوی شیعوں کے خلاف تھے۔ یہ غلط ہے کہ میں شیعوں کے حق میں ہوں' میں کسی کو کافر نہیں کہتا ہوں۔ ہم نے مختلف مسالک سے اتحاد کیا۔ یہ غلط ہے کہ اس بنا پر میرا مولانا حق نواز جھنگوی کے ساتھ اختلاف تھا۔ یہ درست ہے کہ جھنگ میں مظاہرہ ہوا تھا۔ یہ مظاہرہ بریلوی اور دیوبندی کے درمیان تھا۔ مولانا حق نواز جھنگوی اور مولانا محمد اشرف سیالوی کے درمیان ہوا تھا۔ جھنگ میں شدید قسم کی ''مذہبی مناظرت'' ہوئی تھی۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ اس مناظرے کو ریسٹ ہاؤس میں کرنے کے لیے کہا اور وہیں ہوا۔ مناظرہ سات آٹھ گھنٹے جاری رہا۔ میں نے چند سال قبل کتاب دیکھی جس میں مناظرہ کی تفصیلات چھپی تھیں۔ مجھے صحیح یاد نہیں ہو سکتا ہے گیارہ سال ہو گئے ہوں چونکہ میں اس مناظرہ میں بطور مناظر شریک نہ تھا' اس لیے میں نے کوئی تقریر نہ کی۔ میں نے بطور مناظر تقریر اس لیے نہ کی کیونکہ مناظرہ میں دو آدمی تقریر کرتے ہیں اور دو منصف ہوتے ہیں' جن کا کام کسی دوسرے شخص کو بولنے سے روکنا ہے۔ میں صرف اہلسنت جماعت ہوں، میں بریلوی اور دیوبندی کو مکتبہ فکر نہیں مانتا۔ میں مزارات پر فاتحہ و زیارات کے لیے حاضری دیتا ہوں۔ میں کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر صلوۃ والسلام پڑھتا ہوں۔ میرے نزدیک دونوں جائز ہیں۔

س: کیا آپ کے نزدیک حضور ﷺ نور ہیں بشر ہیں؟

ج: میرا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کو دونوں شانیں حاصل ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔

س: کیا حضور ﷺ کو غیب کا علم حاصل ہوتا تھا یا ہوتا ہے؟

ج: حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے مطلع فرمانے سے غیب کا علم حاصل ہوتا تھا۔ میرے عقیدے کے مطابق حضور ﷺ کو عالم الغیب نہیں کہنا چاہیے' بلکہ مطلع علی الغیب کہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر از خود علم کے مالک نہیں۔

س: کیا یہ درست ہے کہ بریلوی اور دیوبندی فرقوں کے درمیان بنیادی فرق یہی مسائل ہیں۔ دیوبندی مسلک کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں' جبکہ بریلوی حضرات کے نزدیک حضور ﷺ میں یہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں۔

ج: جن مقاصد کی تشریح میں نے اپنے عقیدے کے مطابق بیان کی ہے ان عقائد میں اکابر علمائے بریلوی اور اکابر دیوبند میں کوئی اختلاف نہیں۔ معمولی تفصیلات اور جزئیات کا اختلاف ہے۔ بریلوی اور دیوبندی حضرات کے درمیان اختلاف بعض عبارات کے معنی پر

ہے چونکہ جس حد تک بعض بریلوی اور بعض دیوبندی علماء بوجہ شدت عقیدہ اور تعصب جن انتہاؤں پر چلے جاتے ہیں میں ان سے علیحدہ رہتا ہوں اور ان کے درمیان ہم آہنگی کی راہ اسی طرح پیدا کرتا رہتا ہوں۔ بالکل اسی طرح حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے اپنی تعلیمات میں کیا ہے۔ فیصلہ ہفت مسئلہ کو بطور مثال پیش کرتا ہوں۔

س: کیا آپ حق نواز جھنگوی کو اکابرین اور علماء میں سے سمجھتے ہیں؟

ج: میں حق نواز جھنگوی کو اکابرین میں سے نہیں سمجھتا۔ وہ صرف ایک مولوی اور عالم تھا۔ میں حق نواز جھنگوی کے عقائد کے بارے میں نہیں بتا سکتا۔ مناظرہ میں یہ عقائد بحث میں نہ آئے تھے۔ ضمناً بحث میں آئے تھے۔ منصفین نے متفقہ طور پر مولانا سیالوی کو فاتح قرار دیا۔ میں مناظرہ سے پہلے کئی ماہ متواتر صلح کی کوشش کرتا رہا۔ مناظرہ کے بعد کسی سے مناظرہ کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی۔ یہ غلط ہے کہ میں نے مناظرہ میں بھرپور حصہ لیا اور مولانا حق نواز جھنگوی اپنی شکست پر میرے خلاف ہو گئے اور یہ رنجش تادم مرگ رہی۔ اس میں کسی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی کہ جس راستہ پر جھنگ میں ہم اپنا جلوس لے جانا چاہتے تھے وہاں پر مولانا حق نواز جھنگوی کے پیروکار چھتوں پر مسلح بیٹھے تھے۔ یہ غلط ہے کہ انتظامیہ نے جلوس نکالنے سے پہلے یا دوران مسلح افراد کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ انتظامیہ نے ہمیں دفعہ 144 کے بارے میں بتایا تھا۔ ہم نے حق نواز جھنگوی کے گھر کے راستے سے جلوس نکالا کیونکہ میرے گھر کا راستہ بھی یہی ہے۔ انتظامیہ نے مجھے اس بارے میں نہیں بتایا تھا کہ اگر جلوس اس راستے سے گزرا تو آگے نقصان کا خدشہ ہے۔ میں نے جلوس لے جانے کا فیصلہ کیا باوجود تنبیہ اور اطلاع کے کہ دفعہ 144 نافذ ہے کیونکہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ پنجاب گورنمنٹ کے کہنے پر دفعہ 144 لگائی گئی تھی۔ جلوس چھ گھنٹے تک رہا اور پُرامن رہا۔ میں انتظامیہ کے اس افسر کو نہیں جانتا جس نے مجھے دفعہ 144 کے متعلق بتایا۔ وارننگ کے بعد مجسٹریٹ نے جلوس پر لاٹھی چارج کا حکم دیا مگر پولیس نے انکار کر دیا۔

یہ درست ہے کہ مولانا حق نواز جھنگوی نے ایک فورس ''انجمن سپاہ صحابہ'' کے نام سے قائم کی تھی۔ میں اسے ایک تنظیم کہوں گا۔ یہ غلط ہے کہ میں نے اسی طرح ایک ''انجمن سپاہ مصطفیٰ'' قائم کر رکھی تھی۔ یہ جھنگ کے مقامی بریلوی علماء نے قائم کر رکھی ہے۔ جس کا میرے ساتھ کوئی انتظامی تعلق نہیں ہے' میں نے اس قسم کی کوئی تنظیم قائم نہیں کی ہے۔ میں نے ''سپاہ انقلاب'' تنظیم قائم کی ہوئی ہے۔ ابھی تک اس کا دستور بھی نہیں بنا۔ یہ غلط ہے کہ میں جب

پہلی دفعہ بیان دینے آیا تو تقریباً پچاس آدمی جنہوں نے نیلی اور سرخ ٹوپیاں پہنی ہوئی تھیں' ہائی کورٹ کے احاطہ میں موجود تھے۔ یہ جھوٹا الزام ہے' کبھی کوئی شخص وردی میں ہمارے ساتھ نہیں آیا ہے۔ یہ بھی غلط ہے کہ ان لوگوں نے میری گاڑی کو واپسی کے وقت گھیرے میں لے لیا تھا۔ ہم نے اب تک ''سپاہ انقلاب'' کے لیے کوئی وردی تجویز نہیں کی ہے۔ جناح یوتھ فورس نام کی کوئی تنظیم نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ الطاف شاہ کے بھائی کا نام غوث شاہ ہے۔ مجھے علم نہیں ہے کہ مقدمہ نمبر 56/88 تھانہ احمد پور سیال میں زیر دفعہ 302 درج ہے جس میں غوث نامزد ملزم ہے۔ مجھے علم نہیں کہ وہ ضمانت پر ہے۔ مجھے علم نہیں ہے کہ مولانا حق نواز جھنگوی مجھے گمراہ افراد میں سے کہا کرتے تھے۔ میں نے کبھی اس کی تقریر نہیں سنی۔ یہ درست ہے کہ میں نے اسلامی اتحاد کے لیے شیعوں کی دعوت پر تقریباً سات آٹھ سے پندرہ بیس سال قبل دو مرتبہ امام باڑوں میں جا کر تقاریر کیں۔

س: کیا یہ درست ہے کہ آپ 1982ء میں ایران تشریف لے گئے تھے؟

ج: ہاں ہفتہ وحدت کی تقریبات منائی گئی تھیں جن میں دنیا کے مختلف ممالک کے لوگ آئے تھے۔

س: پاکستان سے آپ کے علاوہ کتنے علماء گئے تھے؟

ج: پاکستان سے اس سال میں تھا۔

س: مولانا آپ کے علم میں ہے کہ مولانا حق نواز جھنگوی کی کتنی آڈیو کیسٹیں ہیں؟

ج: کوئی خاص علم نہیں۔

س: آپ کو یہ پتا ہے کہ ان کیسٹوں میں آپ کی مذمت کی گئی ہے؟

ج: جی نہیں۔

س: جھنگ میں آپ کے دفتر منہاج القرآن کے کسی آدمی نے آپ کو ان تقاریر کے بارے میں مطلع کیا؟

ج: جی نہیں------ مجھے کسی آدمی نے اطلاع نہیں دی۔

س: ایف آئی آر 332/87 آپ کے علم میں ہے؟

ج: مجھے اس کیس کے بارے میں معلوم نہیں۔

س: یہ صحیح ہے یا غلط ہے کہ غوث شاہ ''انجمن سپاہ مصطفےٰ'' میں شامل ہے؟

ج: یہ بریلویوں کی تحریک ہے انہیں سے پوچھیے۔

س: کیا یہ درست ہے کہ آپ نے ایک ایسا منصوبہ پکڑا جس کے مطابق قادیانیوں نے آپ کو' ڈاکٹر اسرار کو' مولانا منظور احمد چنیوٹی اور قاضی حسین احمد صاحب کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا؟

ج: ایسا کوئی منصوبہ نہیں پکڑا جس میں میرے سمیت چار آدمیوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہو۔

س: یہ درست ہے کہ ایک شخص کینیڈا سے آیا' وہ قادیانی تھا۔ آپ------

ج: یہ بھی غلط ہے۔ براہ راست کوئی بات نہیں ہوئی' میں نہیں ملا' بلکہ پولیس نے تفتیش کی اور پھر اس شخص کو چھوڑ دیا۔

س: کیا یہ درست ہے کہ اس واقعہ کی اطلاع دینے کے لیے ادارہ منہاج القرآن خود ڈاکٹر اسرار احمد تشریف لائے۔

ج: ڈاکٹر اسرار احمد میرے گھر میں آئے اور یہ اطلاع غیر مصدقہ تھی۔

س: آپ نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ مجھے اس سازش کا پہلے ہی علم ہے؟

ج: وہ ایک گمنام خط تھا جو مجھے بھی آیا اور ان کو بھی آیا۔

س: اس واقعہ کے بعد آپ نے سیکورٹی گارڈز زیادہ کر دیے؟

ج: سیکورٹی گارڈ پاکستان عوامی تحریک کے بعد بڑھائے۔

س: کیا یہ درست ہے کہ پچاس کے قریب آدمی آپ کے ساتھ چلتے ہیں؟

ج: غلط ہے۔

س: کیا یہ درست ہے کہ عورت کی دیت کے مسئلے پر آپ کا جو نقطہ نظر ہے اس سے ملک کے بہت سے علماء سے اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اور تقریباً تمام مکاتب فکر کے تمام علماء نے آپ کے خلاف بیانات دیے؟

ج: یہ بات غلط ہے۔ ملک کے مختلف مسالک کے بعض علماء نے مسئلہ دیت سے اختلاف کیا ہے مگر یہ محض ایک جزوی مسئلہ ہے۔ ایسے اختلافات اہل علم میں ہوتے ہی رہتے ہیں۔

س: آپ نے 7 جولائی 1989ء کو یہ بیان دیا تھا کہ ہر فرقے سے تین تین مولوی مار دیے جائیں تو ملک کو نجات مل جائے۔

ج: میں نے یہ بیان کبھی نہیں دیا۔ اگر کسی نمائندہ نے غلط چھاپ دیا تو میں نے اگلے دن نمایاں طور پر اس کی تردید کر دی تھی۔ جس اخبار میں یہ خبر چھپی بعد میں اس کی تردید اسی اخبار میں

چھپی۔

س: کیا آپ نے پریس سیکرٹری رکھا ہے؟

ج: مولانا احمد علی قصوری تحریک کے سیکرٹری انفارمیشن ہیں۔

س: کیا ان کا یہ فرض نہیں؟

ج: یہ ان کے فرائض میں شامل نہیں' یہ چھوٹے عملے کے فرائض میں شامل ہے۔

س: کیا یہ درست ہے کہ مفتی غلام سرور قادری نے ''طاہر القادری کا علمی اور تحقیقی جائزہ'' کے نام سے کتاب لکھی ہے؟

ج: مجھے اس کتاب کے نام کا علم نہیں' میں نے کتاب کو دیکھا نہیں' میں غلام سرور قادری کو جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں اس کتاب میں کیا مضمون ہے۔ یہ کتاب سرسری جائزہ لے کر لکھی گئی ہے۔ میں وہی چیزیں پڑھتا ہوں جن میں معقولیت ہو۔

س: آپ کو علم ہے کہ وہ وفاقی شرعی عدالت کے مشیر ہیں؟

ج: میں نہیں جانتا۔

س: قادیانیوں کو کافر سمجھتے ہیں یا مرتد؟

ج: اس وقت جو اسلام چھوڑ کر کسی اور مذہب میں جائے وہ مرتد ہے لیکن قادیانی کافر ہیں۔

س: آپ کی ادارہ منہاج القرآن کے چندے اور کتب کی فروخت سے آمدنی ہوتی ہے؟

ج: میں اس سے کچھ خرچ نہیں کرتا۔ اس میں ممبر شپ فیس 25 روپے اور کچھ 12 روپے اور کچھ ایسے ہیں جو 500 روپے دیتے ہیں۔ لائف ممبر ہیں (2) کتب (3) آڈیو وڈیو کیسٹوں سے آمدنی (4) رفقاء کے عطیات۔ تمام ملا کر 8 لاکھ سے 9 لاکھ تک ہوتی ہے اس میں سے میں کچھ نہیں لیتا' یہ وقف ہے۔ اس آمدنی کو کئی سال ہو چکے ہیں ادارہ منہاج القرآن' اتفاق اکیڈمی اور اتفاق فیملی سے تعلقات سے کافی عرصہ پہلے قائم ہو چکا تھا۔

میری مجاہد سینٹری پائپ سٹور برانڈرتھ روڈ میں پارٹنر شپ ہے' شروع میں پائپ سٹور تھا۔ سیمنٹ ایجنسی کے علاوہ اس میں رقم انویسٹ کی۔ اس وقت پائپ سٹور تقسیم ہو کر دو حصوں میں بٹ گیا ہے۔ میں نے قرض اتارنے کے لیے باہر کے ملکوں سے قرض لیا۔ جن لوگوں سے میں نے قرض لیا ان کے اعزا یہاں رہتے ہیں' ان کو ادا کر دیتا ہوں۔ انہیں رسید دی نہ واپسی کی رسید لی سوائے میاں محمد شریف کے' میں نے قرض لوٹاتے وقت کسی سے رسید نہ لی۔ میں نے شروع میں ساڑھے تین چار لاکھ روپیہ برانڈرتھ روڈ کے بزنس میں لگایا۔ میری ذاتی جائیداد صرف 299 ایم ماڈل ٹاؤن ہے' باقی تمام

پراپرٹی فروخت کر کے کاروبار میں لگائی۔ یہ گھر 1986ء میں بنایا۔ میں نے سمن آباد کا گھر بیچا۔ یہ میرا خیال ہے کہ زمین چار ساڑھے چار لاکھ روپے میں خریدی۔ رجسٹری زمین میرے نام ہے۔ زمین اور تعمیر پہ مکمل اخراجات تقریباً دس لاکھ روپے لگے ہوں گے۔ میری آمدنی تقریباً پانچ سات ہزار روپے ماہوار ہے۔ اس کے علاوہ بھی رقم منگوا لیتا ہوں۔ میں نے ہزار سی سی سوزوکی خریدی' مجیر و ادارہ کی ہے۔ 1983ء سے جب سے میں نے کاروبار شروع کیا' میں انکم ٹیکس اسسر ہوں' حاجی سعید میرا پارٹنر ہے' وہ اس کو ڈیل کرتا ہے۔ یہ غلط اور جھوٹا الزام ہے کہ میں نے اپنے لائف سٹائل اور اپنی پراپرٹی اور جو قرضہ میں نے واپس کیا اس کے مطابق ٹیکس ادا نہیں کیا۔ میں نے منظور حسین جو کہ دبئی کے رہائشی ہیں سے قرضہ لیا وہ میں انہیں واپس کر رہا ہوں۔ میں نے ساڑھے پانچ چھ لاکھ روپیہ لیا تھا میں انہیں اب بھی واپس کر رہا ہوں۔ میرا نیشنل ٹیکس نمبر 05-06-13091036 ہے۔ میری فرم (مجاہد سینٹری سٹور) کا نمبر 05-06-1300865 ہے۔ مجھے اپنے سرکل کا نمبر معلوم نہیں' وہ مجھے یاد نہیں' وہ میرے ریکارڈ میں موجود ہے۔ اس سال 90-1989ء میں 00-438 روپے انکم ٹیکس ادا کیا۔ اس سال کی آمدنی 72,000 تھی۔ یہ سب کچھ ریکارڈ میں بتایا ہوا ہے۔ جولائی 1988ء میں مجاہد سینٹری سٹور میں پارٹنر شپ شروع کی تھی' میرا حصہ 75 فیصد 3,50,000 لاکھ روپے ہے۔ میں وہاں سے اپنی ضرورت کے مطابق تقریباً چھ سات ہزار روپے لے لیتا ہوں۔ سوزوکی کار میری اہلیہ کی ملکیت ہے۔ وہ انکم ٹیکس ادا نہیں کرتی' میرے نام کی کوئی کرولا کار نہیں ہے۔ میں نے وہ کار جناب میاں محمد شریف کو واپس کر دی تھی۔ انکم ٹیکس والوں کو ابھی نہیں بتایا کہ میں نے کرولا کار واپس کر دی ہے۔ میرا ایک بچہ حسن ایچی سن کالج میں پڑھتا ہے۔ اس کا خرچ 900 روپے ماہانہ ہے۔ میرا کوئی ذاتی ملازم نہیں ہے۔ میرا خیال ہے میں شائد دو مرتبہ انڈیا گیا تھا۔ ایک بار علاج کے لیے اور پھر مزارات کے لیے پرائیویٹ طور پر گیا تھا۔ میرے جتنے بھی دورے ہوتے ہیں اس کے اخراجات تنظیم ادا کرتی ہے۔ کئی مرتبہ یہ اخراجات ممبر بھی ادا کر دیتے ہیں۔ ویمبلے کے لیے ٹکٹ لندن کی منہاج القرآن کی طرف سے دیا گیا جو کہ لندن کے ایک ممبر نے دیا۔ پجارو ادارہ منہاج القرآن کی ہے وہ میرے سفر کے لیے مخصوص ہے۔ اس کے علاوہ میری غیر موجودگی میں میرے بچے بھی سفر نہیں کر سکتے۔

میاں محمد شریف صاحب میرے پاس آتے رہے کہ آپ ہماری مسجد میں خطبہ دیں لیکن میں نے قبول نہیں کیا۔ میں نے دورہ ایران سے پہلے میاں شریف صاحب سے کہا تھا کہ میرے دورہ ایران سے واپس آنے کے بعد آپ ہماری تنظیم کے ممبران کے پاس آ کر بات کریں پھر ہم لوگ اس کے بارے میں غور کریں گے۔

میں نے جنرل ضیاء الحق کے خلاف جلوس نکالے اس کے بعد ظاہر رویے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اتفاق والوں کا رویہ اچھا نہیں تھا۔ 1988ء کے بعد مجھے ذہنی اذیت پہنچائی گئی۔ میاں شریف صاحب اور نواز شریف اور ان کی فیملی نے مختلف قسم کے الزامات لگائے تا کہ مجھے ذہنی اذیت پہنچے۔ میاں شریف اور ان کی بیوی نے میرے گھر آ کر بتایا کہ ہماری فیملی میں آپ کے لیے اچھی باتیں نہیں ہو رہی ہیں۔ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ آپ متکبر ہیں' مغرور ہیں۔ انہوں نے ہماری فیملی کی عزت نہیں کی اور اتنے سالوں کے تعلقات کو بھی نہ دیکھا۔

یہ غلط ہے کہ نواز شریف صاحب کے طیارے پر کوئٹہ گیا۔ صدر ضیاء الحق صاحب نے اپنا طیارہ بھیجا۔ وہ بھی اس وقت بھیجا گیا جب ان پر پریشر بہت بڑھ گیا۔ جنرل صاحب نے نواز شریف کو کہا آپ کی خلاصی تب ہوگی جب میر ظفر اللہ جمالی سے مل کر میرے پیر کے بچوں کو چھڑائیں۔

(ہفت روزہ زندگی لاہور 15 تا 21 جون 1990ء)



طاہر القادری فائرنگ کیس کے متعلق

لاہور ہائی کورٹ کے جج کا فیصلہ

عدالتی کارروائی کی مکمل تفصیلات

یہ یک رکنی ٹریبونل حکومت پنجاب کے نوٹیفکیشن بتاریخ 30 اپریل 1990ء کے مطابق پنجاب ٹریبونلز آف انکوائری آرڈیننس 1969ء کی دفعہ 3 کے تحت قائم کیا گیا۔ ٹریبونل نے اس امر کی تحقیقات کرنی تھی کہ علامہ ڈاکٹر طاہر القادری جو ایک معروف عالم دین اور پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین ہیں' کی رہائش گاہ بمقام بلاک ایم ماڈل ٹاؤن لاہور' پر 21 اپریل 1990ء کو صبح ایک بج کر پندرہ منٹ پر جو پراسرار فائرنگ کا سانحہ پیش آیا' کے پس پشت کون لوگ تھے' فائرنگ کرنے والے نامعلوم افراد کون تھے۔ تفتیش کی حدود کار یہ تھیں:

(i) یہ معلوم کرنا کہ علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کی رہائش گاہ پر ہونے والی پراسرار فائرنگ کا پس منظر اور نوعیت کیا تھی؟

(ii) یہ معلوم کرنا کہ علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کے باڈی گارڈ/ باڈی گارڈوں کی طرف سے کی گئی فائرنگ کی نوعیت کیا تھی؟ وہ اس ضمن میں کس حد تک گئے؟

(iii) یہ معلوم کرنا کہ فائرنگ کرنے والے کون تھے؟ اور یہ کہ متذکرہ فائرنگ کا محرک کیا تھا؟

(iv) یہ معلوم کرنا کہ متذکرہ فائرنگ میں علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کی املاک کو کتنا اور کس حد تک نقصان پہنچا۔

(v) (الف) متذکرہ فائرنگ میں ملوث مجرموں کی گرفتاری اور صورتحال میں مقامی پولیس اور انتظامیہ کا کردار۔

(ب) یہ معلوم کرنا کہ ہمسایوں میں اگر کوئی ہے متذکرہ سانحہ میں کون کون ملوث ہے۔

(vi) یہ معلوم کرنا کہ سانحہ کی تفتیش میں مقامی پولیس کا رویہ کیا تھا اور یہ کہ پولیس نے کس درجے کی تفتیش کا کام کیا ہے؟

(vii) یہ معلوم کرنا کہ مقدمے کی سفارشات کے حوالے سے تفتیش کے دوران کس مستعدی سے کام لیا گیا اور یہ کہ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کی سیکورٹی کور (Security cover) کے لیے سفارشات میں کہاں تک خیال رکھا گیا؟

(viii) متذکرہ بالا مسئلے سے متعلق دیگر نکات!

-2 ابتداء میں یہ میرے فاضل بھائی جناب جسٹس فضل کریم کو ٹربیونل کی ذمہ داری سونپی گئی۔ انہوں نے بارہ گواہوں کے بیانات قلم بند کیے۔ ایک ٹی ڈبلیو اور گیارہ پی ڈبلیو) جن میں خود مسٹر قادری شامل تھے' جبکہ آگے چل کر مورخہ 9 جولائی 1990ء کو فاضل ایڈووکیٹ جنرل اور مسٹر قادری کے درمیان جرح کے دوران میں' طاہر القادری نے تفتیش کا ساتھ دینے سے معذوری کا اظہار کر دیا----- اسی اثناء میں' ان کے اعلامیہ بتاریخ 14 جولائی 1990ء کے بعد حکومت پنجاب نے جزوی طور پر 30 اپریل 1990ء کے اصل نوٹیفکیشن میں ترمیم کرتے ہوئے مجھے جناب فضل کریم جج کی جگہ تعینات کیا کہ میں ''فائرنگ'' کے سانحہ سے متعلق عدالتی تحقیق کو جاری رکھتے ہوئے پایہ تکمیل تک پہنچاؤں۔''

-3 اس اہم نکتے کا اعادہ ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ مسٹر قادری نے 17 جولائی 1990ء کو ایک درخواست دائر کی جس میں ٹربیونل کے دوبارہ اجراء پر اعتراضات کیے گئے' انہوں نے شکایت بھی کی کہ میرے پیشرو فاضل جج متعلقہ معاملے میں ذہن بنا چکے تھے لیکن انہوں نے انسپکشن نوٹ میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا' اور انہوں نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ مقدمے کی سرنو کارروائی شروع کی جائے------ وہ (ڈاکٹر طاہر القادری) ان اعتراضات پر اس قدر بضد اور مُصر تھے کہ انہوں نے کھلے عام اس بات کا اظہار کر دیا کہ اگر ان کا مطالبہ نہ مانا گیا تو وہ عدالتی کارروائی کا بائیکاٹ کر دیں گے۔ اتفاق سے میرے تفصیلی حکم بتاریخ 6 جولائی 1990ء میں ان اعتراضات اور مطالبات کو رد کر دیا گیا تھا جس کی بنا پر مسٹر قادری نے کارروائی کا بائیکاٹ کر دیا۔ مسٹر قادری کے بائیکاٹ کے بالمقابل صوبائی حکومت نے اپنا

موقف تبدیل نہ کیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ مزید شہادتیں پیش کی جائیں۔ فی الحقیقت انہوں نے یہ درخواست کی تھی کہ مسٹر قادری کو (عدالت میں) بلا کر جرح کی جائے------ لیکن حکومت پنجاب کی یہ درخواست 23 جولائی 1990ء کے حکم نامے میں مسترد کی جا چکی تھی------ یہ خیال کیا گیا کہ چونکہ وہ (طاہر القادری) خود ساختہ رویئے کے تحت کارروائی سے قطع تعلق کر چکے ہیں' اس لیے غالباً وہ عدالت کے سوالات کے جوابات دینے کے لیے رضامند نہیں ہوں گے اور ٹربیونل کے پاس چونکہ توہین عدالت کے ضمن میں انہیں سزا دینے کا اختیار نہیں ہے اور ٹربیونل کے لیے زیادہ مناسب نہ سمجھا گیا کہ ان کے خلاف پنجاب ٹربیونلز آف انکوائری آرڈیننس 1969ء------ کی دفعہ 5(4) کے تحت شکایت درج کرے' رام کمار بنام شہنشاہ (اے آئی آر 1937ء اودھ 168) کے مقدمے کی مثال پر بھروسہ کرتے ہوئے فاضل ایڈووکیٹ جنرل نے مطالبہ کیا کہ چونکہ وہ مسٹر قادری سے رُودر رُو سوالات مکمل نہیں کر سکے' اس لیے موخر الذکر کے تمام بیانات زیر غور مسئلے سے خارج کر دیئے جائیں۔ یہ ایک سخت درخواست تھی لیکن اسے مسٹر قادری کی ہٹ دھرمی کے موجب قبول کرنا پڑا۔ نتیجتاً ان کے مکمل بیان کو خارج کرنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر قادری نے کارروائی میں حصہ لینے سے گریز کیا' جبکہ حکومت نے سولہ گواہوں کو پیش کیا۔ (جی ڈبلیوز ایک تا 16) اس کے علاوہ سی ڈبلیوز بالترتیب ایک تا دو بحیثیت عدالتی وعمارتی ماہرین کو بھی جرح کے عمل سے گزارا گیا۔ اس سے قبل پیشرو فاضل جج کی طرف سے انہیں یہ ہدایت کی گئی کہ وہ متعلقہ مسئلے کے حوالے سے بلڈنگ کے حدود اربع اور تعمیر کی صحیح صحیح نشاندہی کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کریں اور یہ کہ مختلف مقامات پر لگنے والی گولیوں کے بارے میں بھی بالتفصیل اظہار خیال کریں۔ شہادتوں کے آخر میں فاضل ایڈووکیٹ جنرل نے اپنے مقدمے کا مکمل جائزہ پیش کیا۔

-4 تحقیقات کا اہم سوال مسٹر قادری کے گھر نام نہاد بے تحاشہ فائرنگ کے بارے میں تھا۔ یہ سوال ریفرنس کے ابتدائی تین نکات میں بھی بہ تکرار موجود ہے۔ معلوم یہ کرنا تھا کہ فائرنگ کا پس منظر کیا تھا نوعیت کیا تھی' فائرنگ کس حد تک کی گئی؟ محرک اور نوعیت کیا تھی' اور یہ کہ ردعمل میں مسٹر قادری کے ذاتی محافظوں کی فائرنگ کا انداز کیا تھا؟ گھڑے گھڑائے بیانات داغے گئے کہ دشمن گروہ نے فائرنگ کا ارتکاب کیا ہے۔ سیّد اکرم شاہ نے ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ پاکستان کو اسلام اور جوہری طاقت کے حصول سے محروم کرنے کے لیے ایک بین

الاقوامی سازش تیار کی گئی اور چونکہ مسٹر قادری نے اسلام میں ایک قابل ذکر اور بین الاقوامی حیثیت حاصل کر لی ہے' اس لیے انہیں اس کا نشانہ بنایا گیا۔ قدرت اللہ (پی ڈبلیو) نے جو مسٹر قادری کی اہلیہ کے بھائی اور مسٹر قادری کے ذاتی محافظ ہیں' انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ مسٹر قادری کی مسلم لیگ' جماعت اسلامی اور اسلامی جمہوری اتحاد کے ساتھ سیاسی حریفانہ چشمک تھی' اس لیے یہی لوگ ان کے خون کے پیاسے تھے------مسٹر قادری نے اپنے ذاتی بیان میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ ان کے فقہ جعفریہ کے لوگوں کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں اور یہ کہ انہوں نے قادیانیوں کے خلاف مباہلہ میں شرکت کی آمادگی ظاہر کرنے کے باوجود انہیں ناراض نہیں کیا تھا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اسلامی جمہوری اتحاد اور جماعت اسلامی کے فدائیوں کی طرف سے ان پر حملہ کیا گیا۔ چونکہ مسٹر قادری رُو در رُو سوالات کے جوابات دینے سے انکار کرتے ہوئے کارروائی سے بھاگ گئے تھے' اس لیے رام کمار کے مقدمے کی مثال کے پیش نظر ان کے بیانات کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔

-5 دوسرے مکاتب فکر کے لحاظ سے اس طرح کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں کہ مذہبی معاملات میں مسٹر قادری کے خیالات خاصے مختلف ہیں۔ مفتی غلام سرور قادری' جی ڈبلیو 14 نے اپنے بیان میں کہا کہ مسٹر قادری قرآن پاک کی آیات مبارکہ کا ترجمہ غلط کرتے رہے ہیں' اور یوں انہوں نے خدائے عظیم و برتر پر کذب باندھا انہوں نے کہا کہ مسٹر قادری احادیث مبارکہ کا ترجمہ بھی غلط کرتے ہیں۔ غلام سرور قادری نے اپنے بیان میں مزید کہا کہ مسٹر قادری نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے اپنے ادارے (ادارہ منہاج القرآن) میں زیر تعلیم طلباء کی تعداد بارہ ہزار بتائی جبکہ وہاں صرف سو ڈیڑھ سو طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں' انہوں نے ایک بار جمعہ کی نماز میں 45 منٹ تاخیر کر دی کیونکہ اس روز صدر ضیاء الحق اس مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آ رہے تھے جہاں قادری صاحب خطیب تھے------لیکن اگلے جمعے میں اس دانستہ تاخیر سے مسٹر قادری مکر گئے۔ انہوں نے پہلے تو ایک خاتون کے حکمران ہونے کی مذمت کی لیکن بعد ازاں اپنے بیان کے برعکس کردار ادا کیا۔ میاں نواز شریف اور ان کے خاندان جس نے ان (قادری صاحب) کی ذات اور ان کے ادارے پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا' کے اس احسان کا بدلہ جس انداز سے انہوں نے دیا' وہ بھی قابل مذمت ہے۔ ملک فیض الحسن' جی ڈبلیو 15' نے جن کے مسٹر قادری کے ساتھ گہرے

تعلقات رہے ہیں اور جنہوں نے ادارہ منہاج القرآن کی تشکیل و تعمیر میں بنیادی کردار ادا کیا' اپنے بیان میں مسٹر قادری کو احسان فراموش' ناشکرا' خود غرض' جھوٹا' دولت کا پجاری' خود پرست اور شہرت کا بھوکا انسان قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنے بیان میں تفصیل کے ساتھ کہا کہ کس طرح انہوں نے مسٹر قادری کی ابتدائی دنوں میں مدد کی' انہیں میاں محمد شریف سے متعارف کروایا جنہوں نے مسٹر قادری کے بیرون ملک علاج و معالجے پر بھاری رقم خرچ کی' بھارت میں ان کی اہلیہ کا علاج کروایا' انہیں سیمنٹ کی ایجنسی نہ صرف لے کر دی بلکہ اس کے لیے نقد روپیہ بھی فراہم کیا۔ یہ نوازشات ان کے ادارے کو دی جانے والی ایک سو اسی (180) کنال اراضی کے علاوہ ہیں۔ انہوں نے اپنے بیان میں مزید کہا کہ مسٹر قادری سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے بڑے بے قرار تھے۔ سیاست میں آنے کا انہیں انتہائی شوق تھا اور یہ کہ مذہب سے ان کی محبت محض ایک ڈھونگ ہے۔ انہوں نے اس بات کی شدید مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ مسٹر قادری پر سیاسی بنیادوں پر حملہ کیا گیا ہے کہ ان کی جماعت کی عملی اعتبار سے کوئی شناخت ہی نہیں ہے اور نہ ہی آج تک کسی ممبر پارلیمنٹ نے ان کی جماعت میں شرکت کی ہے۔ اختر رسول شروع میں اس جماعت میں شریک ہوئے لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد اس سے نکل گئے۔ انہوں نے وضاحت کی کہ انہی بنیادوں پر انہوں نے کسی بھی ضمنی انتخاب میں نہ حصہ لیا اور سینٹ میں ان کی طرف سے کھڑے کیے گئے ایک امیدوار کو صرف تین ووٹ ملے۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ ان کی رہائش گاہ پر ہونے والی فائرنگ ان کے ذہن کی اختراع ہے تاکہ اس طرح شہرت حاصل کی جا سکے' بالخصوص پیپلز پارٹی کے ذرائع کے ذریعے!

بدقسمتی سے یہ تمام شہادتیں مسٹر قادری کے بائیکاٹ کی وجہ سے بے چیلنج رہ گئیں۔ یہ ان کا نجی فیصلہ تھا------ان کی طرف سے پیش کیے گئے عذر نے کم از کم مجھے مطمئن نہیں کیا' انہوں نے جلد بازی سے فیصلہ کیا۔ متعلقہ معاملے میں اگرچہ ان کے بیانات کو خارج کر دیا گیا لیکن شہادتوں نے ان کے کردار کو خاصا نقصان پہنچایا۔ ان کی طرف سے پیش کیے گئے عذر کے باوجود جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ انہوں نے کس انداز سے پیسہ اکٹھا کیا' ان جیسے عالم دین سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی تھی' یہ ان کی شاندار تعلیم' پیشہ ورانہ تفوق اور ابھرتے ہوئے عالم کی حیثیت تو ایک طرف' لیکن ان کے کردار کا یہ پہلو کمزور رہا جو ان جیسی مذہبی شخصیت سے کسی طرح بھی مطابقت نہیں رکھتا' کہ وہ اپنے ذاتی مالی معاملات میں ملک فیض الحسن پر انحصار

کرتے تھے، مکان کا کرایہ تک ان کی طرف سے ادا ہوتا تھا' میاں محمد شریف ایسے سرمایہ دار کی مدد سے انہوں نے گھر خریدا' اپنے بیٹوں کے لیے سیمنٹ کی ایجنسی حاصل کی' اسے چلانے کے لیے ان کی مدد سے سیمنٹ خریدا' اپنے علاج کے لیے بیرون ملک گئے اور اہلیہ کا علاج بھارت سے کروایا' ان (میاں محمد شریف) کی گاڑیاں استعمال کرتے رہے' اور ان سے قرضہ بھی حاصل کیا۔ مفادات کے حصول کے لیے یوں لگتا ہے جیسے مسٹر قادری نے جھکنا نامناسب خیال نہ کیا لیکن مسٹر قادری کا رویہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہیں احسان شناسی کی قطعی کوئی پروا نہیں۔ ان کے رویے اور بیان میں شکر گزاری اور احسان شناسی کا قطعی کوئی عنصر نظر نہیں آتا۔ اس کے بجائے ان کے (مسٹر قادری) اور میاں شریف کے درمیان' (ان کے بیانات کی روشنی میں یوں لگتا ہے جیسے) سخت دشمنی اور عناد کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ سانحہ کی کارروائی کا یہ ''پس منظر'' تھا۔ اور کسی بھی شخص سے زیادہ مسٹر قادری اس کی تخلیق کے ذمہ دار ہیں۔

قطعی سوال یہ تھا کہ آیا مسٹر قادری کی رہائش گاہ پر گولیاں برسانے کا عمل انہیں قتل کرنے کی ایک کوشش تھی؟ شہادت کی روشنی میں' ان کے گھر کے گیٹ پر دو مسلح محافظ موجود تھے۔ جو اتفاق سے فائرنگ کرنے والوں کو نہ دیکھ سکے۔ یہ دعویٰ کیا گیا کہ حملہ اچانک گھر کے عقب سے کیا گیا اور یہ حملہ آور متصلہ گھر کے غسل خانے کی چھت پر کھڑے تھے۔ جائے وقوعہ کا نقشہ مختلف مقامات کے تعین کے لیے خاصا مدد و معاون ہے۔ چھوٹے سے غسل خانے کی چھت سے 22 عدد خول اکٹھے کر کے دکھائے گئے۔ حتیٰ کہ کہا گیا کہ اس جگہ خون کی ایک خاصی مقدار بھی پائی گئی۔ پاؤں کے نشانات کے بارے میں دعویٰ کیا گیا کہ متصلہ گھروں' 262 اے اور 262 بی کی طرف جاتے ہیں۔ مسٹر قادری نے بذات خود دس عدد خول پولیس کے حوالے کیے (اگر مسٹر قادری کی رہائش گاہ بالخصوص ان کی خواب گاہ پیش نظر رہے تو یہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ متصلہ دونوں گھروں کے غسل خانوں کی چھتوں سے مسٹر قادری کی خوا ، گاہ کو نشانہ بنایا جا سکے۔ دونوں مقامات کے درمیان خاصا فاصلہ ہے' اور یہ بھی کہ وہ مخصوص حصہ ان (قادری صاحب) کے صحن' باورچی خانے' سے ڈھکا ہوا ہے' لاؤنج اور سب سے بڑھ کر خواب گاہ کی دیوار کے پار وہ سو رہے تھے------ ملک محمد اشرف' سپرنٹنڈنٹ پولیس اور فورنسک سائنس لیبارٹری کے انچارج (سی ڈبلیو ٹو) کا بیان خاصا تجسس انگیز ہے۔ انہوں نے متعلقہ معاملے کا گہری نظر سے جائزہ لیا۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ مسٹر قادری نے بذات خود ان جگہوں کی نشاندہی کی جہاں جہاں گولیاں لگیں۔ رہائش گاہ کے

اندر انیس کی تعداد تھی جبکہ بقیہ تین بیرونی مقابل دیوار پر ثبت تھے۔ انہوں نے یہ بات بھی بتائی کہ تین نشانات بیرونی دیوار کی باہر کی طرف تھے اور چار نشانات باورچی خانے کی بیرونی دیوار پر تھے جو گولیاں لگنے سے ثبت ہو گئے' بقیہ وہ نشانات جو مسٹر قادری کی خواب گاہ کی دیوار اور دروازے پر موجود ہیں' گولیوں کے نشان نہیں ہیں۔ اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے انہوں نے (ملک محمد اشرف نے) بتایا کہ وہ گولیاں جو متصلہ گھر کے غسل خانے کی چھت سے آ رہی تھیں' ترچھی تھیں اور وہ تو اس قابل بھی نہیں تھیں کہ لاؤنج میں داخل ہو سکیں چہ جائیکہ وہ مسٹر قادری کی خواب گاہ کو جا لگتیں۔

اس نے لاؤنج کی اندرونی چھت پر ایک نشان دیکھا جو اس کے اندازے کے مطابق ملحقہ مکان کے غسل خانے کی چھت پر سے چلائی جانے والی گولی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ شیشے پر چلائی جانے والی ایک گولی کا نمونہ یہ ظاہر کرنے کے لیے لایا کہ وہ فرق واضح کیا جا سکے جو مسٹر قادری کی کھڑکی کے شیشے پر بنائے گئے نشان اور اصل گولی کے نشان میں ہوتا ہے۔ اس ـ، یہ ثابت کیا کہ قادری صاحب کی کھڑکی کا نشانہ مصنوعی تھا کیونکہ اس سے شیشہ ریزہ ریزہ نہیں ہوا۔ یہ رائے بری ہو یا بھلی لیکن یہ ماہرانہ رائے تھی جو میرے فاضل پیش رو کے علم پر حاصل ؛ گئی تھی اور گولیوں کے نشانات کی جگہ کی نشاندہی اور ان کی گہرائی کسی اور شخص نے نہیں بلکہ خود مسٹر قادری نے کی تھی۔ اگرچہ اس کی شہادت یک طرفہ تھی لیکن اس کے لیے مسٹر قادری کو تحقیقات ـ سے علیحدگی اختیار کرنے پر خود کو الزام دینا چاہیے۔ 22 نشانوں میں سے سات یا آٹھ نشانوں کو آتشیں اسلحہ ـ کے نشانے قرار دیا جا سکتا ہے لیکن یہ بھی کلاشنکوف سے نکلی ہوئی گولیوں کے نشانوں کی باڑھ نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک ایک کر کے چلائی ہوئی گولیاں تھیں۔ ایک دشمن کبھی بھی یکے بعد دیگرے ایک ایک گولی چلانے پر اکتفا نہ کرتا اور رات کے اس آڑے وقت میں تو اسے 27 یا 28 گولیاں چلانے اور 8.62 قسم کے جدید ہتھیار کی میگزین خالی کرنے کی جلدی تھی۔ اس تاثر کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ موقع واردات سے بہت کم تعداد میں خول ملے ہیں۔ 22 میں سے 10 خول تو خود مسٹر قادری نے فراہم کیے۔ یہ 22 خول غسل خانے کی چھت سے جمع کیے گئے تھے۔ مسٹر قادری کے گواہ قدرت اللہ (پی ڈبلیو 1) نے بتایا کہ خود اس نے تین میگزین خالی کیے اور ہر میگزین میں 27 گولیاں تھیں۔ گویا اس نے جو گولیاں چلائیں' ان کی کل تعداد 81 بنتی ہے۔ اس کے برعکس پولیس نے موقعہ پر صرف 32 خول جمع کیے اور یہ 81 گولیوں کی تعداد سے کوئی مطابقت

نہیں رکھتے۔

8- مسٹر قادری کا موقف ایک اور وجہ سے بھی متزلزل ہو جاتا ہے۔ دس خول میں سے جو مسٹر قادری نے پولیس کو پیش کیے' ان میں سے چار کو فارینسک ایکسپرٹ نے مسٹر قادری کی کلاشنکوف سے متعلق بتایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دشمن نے موقع پر سب خول نہیں چھوڑے۔ مزید برآں چھت پر سے 22 خولوں کی برآمدگی ناممکن تھی کیونکہ فارینسک ایکسپرٹ نے بتایا کہ گولیاں 30 سے 35 فٹ کے فاصلے سے چلائی گئی تھیں۔ اس چھوٹے سے غسل خانے کی چھت 9-7 فٹ کے فاصلے پر جائیں۔۔۔۔۔۔ یعنی یہ ملحقہ مکان کے صحن میں جا کر گرتیں' اور ان میں سے کوئی گولی بھی چھت پر نہ ملتی۔ اس لیے انہیں چھت پر سے برآمد کرنا تکنیکی طور پر غلط ہے۔ دوسری مشتبہ بات چھت پر سے خاصی تعداد میں خون کی دستیابی اور پھر اس خون کے نشانات کی لکیر کا ساتھ کے دو تین مکانوں تک چلتے جانا۔ کیمیائی معائنہ کرنے والے نے بتایا کہ یہ خون جما ہوا نہیں تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خون ادویات کیمیائی اجزا سے بنایا گیا تھا تا کہ اسے محفوظ رکھا جا سکے۔ دو یا تین مکانوں تک جانے والے خون کے نشانات اتنے لمبے تھے کہ انہیں کوئی زخمی شخص اپنے پیچھے اتنی دور تک نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر اسے جلدی واپس جانا تھا تو خون کی لکیر مقدار میں چھوٹی ہوتی۔ پھر سوال یہ بھی ہے کہ زخمی شخص دائیں طرف دیوار پر دیوار کیوں پھلانگتا چلا گیا۔ مکان نمبر 261 سے باہر نکلنے کا آسان ترین رستہ اس کا صدر دروازہ تھا۔ لیکن یہ دروازہ استعمال ہی نہیں کیا گیا۔ اس بات کا جواب بھی درکار ہے کہ حملہ آوروں نے فرار ہونے سے پہلے متعدد مکانوں کو عبور کرنا کیوں مناسب سمجھا۔ یہ غیر معمولی بات اس کہانی کو غیر معتبر کر دیتی ہے۔

9- اگلا اہم نکتہ یہ ہے کہ کیا مقامی پولیس نے تحقیقات عمل میں لانے میں کوتاہی برتی ہے؟ ایس ایچ او (جی ڈبلیو 1) اور ڈی ایس پی (جی ڈبلیو ٹو) کی شہادت ظاہر کرتی ہے کہ تحقیقات کے معیار پر کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ تھانیدار کو تحریری شکایت مسٹر قدرت اللہ (پی ڈبلیو ٹو) نے دی اور اس نے خواہش کی کہ مسٹر قادری سے بھی اسی بارے میں دریافت کیا جائے لیکن انہوں نے خود (مسٹر قادری) اس قسم کے تعاون سے گریز کیا۔ ڈی ایس پی نے بھی اس کیس کی جزوی تحقیقات کے علاوہ پولیس گشت میں اضافہ کر دیا انہوں نے خول جمع کیے۔ خون آلود مٹی حاصل کی۔ موقع کا نقشہ تیار کیا۔ الیکٹرک ٹیسٹر حاصل کی اور اس چالان کی تکمیل کے لیے دیگر کارروائی کی لیکن وہ مسلسل شکایت کرتے رہے کہ مسٹر قادری نے ان

سے تعاون نہیں کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک مہمان محمد افضل گھر میں موجود تھا وہ اس سے بھی تحقیقات میں مدد حاصل کرنا چاہتے تھے تا کہ کچھ متعلقہ معلومات حاصل ہو سکیں لیکن اسے غا . کر دیا گیا اور پھر بھی تحقیقات افسر کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔ جس کی وجوہ صرف مسٹر قادری کو معلوم ہیں۔ خول فارینسک سائنس لیبارٹری کو بھیجے گئے اور خون آلود مٹی بھی معائنے کے لیے ارسال کی گئی۔ فارینسک ایکسپرٹ کی رائے قادری صاحب کے کیس میں معاونت نہیں کرتی۔ ان کی رائے مجموعی طور پر یہ ہے کہ قادری صاحب کے گھر پر جو نشانات ہیں' وہ مصنوعی طریقے سے بنائے گئے ہیں' خون کے کیمیائی معائنے نے بھی ظاہر کیا کہ موقعہ پر کسی کو گولی نہیں لگی کیونکہ اس خون میں قدرتی خون کی طرح جمے ہوئے عناصر نہیں تھے۔

چودھری ریاست علی ایڈووکیٹ (پی ڈبلیو 9) نے یہ دریافت کرنے کی ناکام کوشش کی کہ ان دنوں مختلف مقامی ہسپتالوں میں کہیں کوئی شدید زخمی داخل ہوا ہے؟ پولیس مقامی ہسپتالوں میں کسی شدید زخمی کے داخلے کا سراغ نہ لگا سکی۔ نتیجتاً واقعات کو گھڑنے کی بات درست تھی اور مسٹر قادری کے خلاف رائے کو تقویت ملتی تھی۔

10- ہم نے قرب وجوار میں رہنے والے لوگوں سے بھی تحقیقات کی، اس سلسلے میں ملحقہ مکان نمبر بی۔ 261 ماڈل ٹاؤن ایکسٹینشن لاہور کا معائنہ کیا گیا۔ اس شخص کے مکان کے غسل خانے کی چھت سے مسٹر قادری کے مکان پر مبینہ طور پر گولیاں چلی تھیں۔ تاہم اس نے کہا کہ میں نے اپنے غسل خانے کی چھت سے کسی کو گولیاں چلاتے ہوئے نہیں دیکھا' اگر گولیاں سوا ایک بجے سے سوا دو بجے تک چلتی رہی تھیں تو اس آبادی کے باشندگان اور بالخصوص ملحقہ مکان کے مالک (جی ڈبلیو 5) تو حملہ آوروں کو ضرور دیکھتے۔ یہ امر بھی اس واقعے کی صداقت کو مشتبہ بناتا ہے۔

11- مقامی پولیس کی تحقیقات سے غیر مطمئن ہو کر مسٹر قادری نے ایف آئی اے کے پاس ایک اور شکایت درج کرائی۔ مشتاق احمد بنام ایس ایچ او پولیس سٹیشن مناواں لاہور (پی ایل جے 1984ء کرمنل سی' 372۔ ڈی بی) ایک واقعے کے بارے میں دوسری یا اس کے جوابی درخواست دائر نہیں ہو سکتی۔ مزید برآں سیکشن 3 کو اگر ایف آئی اے ایکٹ 1974ء کے شیڈول کے ساتھ پڑھیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ 307 پی پی سی کے کیس میں ایف آئی اے دخل انداز نہیں ہو سکتا۔ فاضل ایڈووکیٹ جنرل کا یہ موقف درست معلوم ہوتا ہے۔ اس کے پاس

کیس درج کرانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ صوبائی حکومت سے بالادستی حاصل کریں۔ یہ اقدام معمول کی شکایت کے برعکس سیاسی نوعیت رکھتا ہے۔ تحقیق اگرچہ گواہ (جی ڈبلیو 16) کے مطابق کرائم برانچ ہی کر رہی تھی۔ لیکن متذکرہ تصور بے داغ نہیں ہے۔ پولیس تحقیقات میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ خصوصاً اس صورت میں جب کہ یہ خیال تقویت حاصل کر رہا تھا کہ مسٹر قادری عدم تعاون کر رہے تھے۔

-12 فاضل ایڈووکیٹ جنرل نے متعدد دوسرے نکات بھی پیش کیے جن کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ وقوعہ حقیقی نہیں تھا۔ شہادت یہ بھی پیش کی گئی کہ مسٹر قادری اور ان کے رفقاء نے ایک ہتھیار دار جلوس نکالا تھا اور دفعہ 144 کی خلاف ورزی کی تھی۔ چنانچہ ان کے اسلحہ کے لائسنس منسوخ کرنے کا معاملہ چل رہا تھا۔ ایڈووکیٹ جنرل کی رائے میں اسلحہ لائسنسوں کو بچانے کے لیے بھی متذکرہ واقعے کا ڈھونگ رچایا جا سکتا تھا اور یک طرفہ کارروائی اس موقف کو بڑی حد تک ثابت کرتی ہے۔ اس وقوعہ کو عمل میں لانے کی دوسری وجہ شہرت اور تشہیر حاصل کرنا بھی ہے جس کے مسٹر قادری شدید خواہش مند ہیں کہ اپنے آپ کو مریض قرار دینے سے بھی گریزاں ہیں۔ اس بات پر اصرار کیا گیا کہ جب میاں محمد شریف نے انہیں دولت کے بے پناہ وسائل فراہم کر دیئے تو مسٹر قادری جو اس میدان میں نہتے تھے قناعت نہ کر سکے، انہوں نے میاں محمد شریف ہی کے خلاف محاذ کھڑا کر دیا' حالانکہ وہ ان کے محسن تھے۔ ان (مسٹر قادری) کا معیار زندگی اچانک بلند ہو گیا ہے اور یہ ان کے ذرائع آمدن سے غیر متناسب ہے۔ فاضل ایڈووکیٹ جنرل کا خیال ہے کہ انہوں نے (مسٹر قادری نے) آئی جے آئی اور پیپلز پارٹی کے اختلافات کو ایکسپلائٹ کیا اور پی پی پی سے اس کی بہت بڑی قیمت وصول کی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ مرکزی حکومت نے آسانی سے ان کی ایف آئی آر درج کر لی' حالانکہ وہ جانتے تھے کہ مسٹر قادری کی درخواست (ایف آئی اے) کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ اس کے علاوہ اس انکوائری میں وکلاء کے اس گروہ کی طرف بھی توجہ دلائی گئی جو مسٹر قادری کی مدد کر رہا تھا۔

راجہ محمد انور ایڈووکیٹ وغیرہ جیسے کئی افراد وکیل تھے' جن کی وابستگیاں پیپلز پارٹی کے ساتھ ڈھکی چھپی نہیں۔ پھر یہ دلیل لائی گئی کہ پیپلز پارٹی کو اپنی سرگرمیوں میں مذہبی رنگ بھرنے کے لیے کسی مذہبی آدمی کی ضرورت تھی' جو ان کو جناب قادری کی شکل میں بڑی آسانی سے مل گیا جو مواقع کے حصول کے لیے اپنی تیزی کے باوجود اسلامی جمہوری اتحاد اور اس کی

لیڈر شپ کو ضرر پہنچانے کے لیے پیپلز پارٹی کے بہترین مددگار بن سکتے تھے۔ مندرجہ بالا نکات میں ہر ایک اپنی جگہ کچھ وزن رکھتا ہے' اور مقدمہ کے خاص حالات میں انہیں بالکل ہی بے [illegible]ت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان میں سے ہر ایک نکتہ کو جناب قادری کے خلاف نتیجہ خیز بنانے کے لیے مناسب مواد موجود تھا۔ ایک گواہ نے انکشاف کیا کہ جناب قادری کے پاکستان پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت کے ساتھ بے تکلفانہ تعلقات تھے کہ یہ مقدمہ ایک ایسی ایجنسی کے ہاں بھی رجسٹر ہو جو کہ اختیار سماعت کی مجاز نہ تھی۔ اگرچہ انہیں وکلاء کے پینل کی مدد حاصل تھی' پھر بھی ایسے اشارات موجود تھے جیسے وہ اسلا[illegible] جمہوری اتحاد کی قیادت کو ضرر پہنچانے سے پوری طرح باخبر ہیں۔

-13 آخری نکتہ جناب قادری کی ذہنی کیفیت کا آئینہ دار [illegible]۔ ان کے خوابوں کا حوالہ دیا گیا جو سرِ دن نہیں دیکھے گئے تھے۔

-14 ان تمام وجوہ کی بنا پر میرے جوابات بحوا[illegible] حالات درج ذیل ہیں:

(i)(ii)(iii) بیان کردہ فائرنگ' حقیقی واقعہ نہیں تھا۔

(iv) مسٹر قادری کا نقصان ان کی اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

a(v) مقامی انتظامیہ نے ہر ممکن طریقے سے صورتحال میں اپنا ضروری کردار ادا کیا۔

b(v) ان کے ہمسایوں میں سے کوئی شخص اس واقعہ میں ملوث نہیں تھا۔

(vi) مقامی پولیس نے مقدمہ کی تفتیش کے لیے مناسب اقدامات کیے تھے۔

(vii) برق رفتاری سے کی گئی تفتیش کے دوران میں کوئی خصوصی ہدایت نہیں دی جا سکتی تھی۔ یہ پولیس اور کرائمز برانچ کی ذمہ داری تھی کہ وہ جلد از جلد مقدمے کو نمٹائے۔ بہر حال مسٹر قادری کے حفاظتی انتظامات کو ایک سے زائد وجوہ کی بنا پر مزید بہتر بنایا جا سکتا تھا۔

(viii) مسٹر قادری نے کارروائی کا بائیکاٹ کر دیا لیکن اپنی پریس کانفرنس میں انہوں نے اس بارے میں تبصرہ بازی میں ذرا ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔ بالخصوص گواہان ملک فیض الحسن اور مولانا غلام سرور قادری کو ناقابلِ اعتماد قرار دیا۔ اصرار کیا گیا کہ ان کے بعض خواب آنحضور ﷺ کی شان میں گستاخی کے مترادف ہیں (مثلاً یہ کہ) انہوں نے دعوی کیا کہ ایک خواب میں آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ان کی عمر 33 برس سے بڑھا کر 66 برس کر دی گئی ہے لیکن پھر ان کے اعتراض پر کہ ان کی عمر آنحضور ﷺ کی اپنی عمر سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے چنانچہ عمر کم کر کے 63 سال کر دی گئی۔ ان کے اس لایعنی طرزِ عمل سے یہ نتیجہ

نکالا گیا کہ مسٹر قادری ذہنی طور پر ایک بیمار آدمی ہیں' اس لیے وہ اپنے دشمنوں سے' جو کوئی بھی ہو سکتے ہیں' حد درجہ خوفزدہ ہوئے بلکہ ''دشمن فوبیا'' میں مبتلا ہو گئے۔ لیکن ان دلائل کو آسانی سے زیر بحث لایا جا سکتا تھا۔

یہ واقعہ کہ مسٹر قادری اپنے مخصوص خوابوں کو بیان کرنے کے لیے بے قرار رہتے ہیں یا ان کے غیر صحت مندانہ ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کو خواب آتے بھی ہوں۔ لیکن ان کے تعصبات کو بھی بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جبکہ وہ اپنے خوابوں کو ایک خاص انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اور اپنی شخصیت کو ایک خاص رنگ دیتے ہیں۔ اس ذہنی ساخت کی حامل شخصیت سے ہر چیز ممکن ہے۔ نصف رات کے سمے ان پر مسلح آدمیوں کے حملے کے ڈرامے کو بھی اس میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آرڈیننس میں ٹریبونل کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی توہین پر کوئی سزا دے سکے (قانون میں) اس خلاء کی بنا پر میرے فاضل پیش رو جسٹس فضل کریم نے انکوائری کو مزید آگے بڑھانے سے معذوری ظاہر کر دی تھی۔ مزید یہ کہ انکوائری کے دوران جناب قادری نے عدالت کے اندر اور باہر سخت تنقید کی۔ ان خامیوں کے ازالہ کے لیے آرڈیننس میں مناسب ترامیم کی ضرورت ہے۔

دستخط اختر حسین جج یک رکنی ٹریبونل مورخہ 90-8-8

(ہفت روزہ زندگی لاہور 21 تا 27 ستمبر 1990ء)

❁❁❁❁❁

مولانا طاہر القادری پر حملہ

محمد اسلم اعوان

اخبارات میں حضرت مولانا طاہر القادری پر قاتلانہ حملہ کی خبر پڑھ کر افسوس بھی ہوا اور ساتھ ہی یادش بخیر آنجہانی بھٹو پر ہونے والے ''قاتلانہ حملوں'' کی یاد تازہ ہو گئی! جب 1969ء کے اواخر میں صادق آباد میں عوامی لیڈر پر ''قاتلانہ'' حملہ ہوا تھا------! لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ اس نوع کے ہونے والے دیگر ''قاتلانہ حملوں'' میں مذکورہ عوامی لیڈر کو کہیں خراش تک نہ آئی' البتہ یہ فائدہ ضرور ہوا کہ موصوف کی پورے مغربی پاکستان میں ایک وسیع' پبلسٹی ضرور ہو گئی تھی' جس میں اپنی ہی پیپلز پارٹی کے مصنوعی ہمدردانہ بیانات نے اس پروپیگنڈے کے رنگ کو اور بھی چوکھا کر دیا------حتیٰ کہ موصوف اسی طرح کے ''قاتلانہ حملوں'' ''اعلان تاشقند'' کے ڈراموں اور دیگر ہتھکنڈوں سے مغربی پاکستان کے دو صوبوں یعنی پنجاب اور سندھ میں جزوی کامیابی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے------ جسے بعد میں یہود و ہنود' کمیونسٹ روس اور صیہونی لابی کی سازشوں سے ''ادھر ہم ادھر تم'' تک آتے آتے آخرکار مشرقی پاکستان کو موت کے گھاٹ اتار کر مغربی پاکستان کا اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے تھے۔ بقول حضرت داغ ؎

افشائے عشق میں بہت رسوائیاں ہوئیں
لیکن وہ مہ لقا ہمیں جان تو گیا

چشم بددور حضرت القادری کی نئی نویلی پارٹی کے نام نامی کا ایک جزو بھی ''عوامی'' ہے------ گمان اغلب ہے کہ حضرت العلامہ الفہامہ ایک سال ہی کے عرصے میں لیلائے اقتدار و

شہرت کے حصول میں ناکامی دیکھ کر ''عوامی لیڈر بھٹو'' کے نقش قدم پر چل کر اپنی سیاسی کامیابیوں کا راستہ تلاش کرنے پر اتر آئے ہیں!

ویسے ہمیں بھی حضرت العلامہ القادری صاحب سے پوری ہمدردی اور پاکستان کے ارباب صحافت وسیاست سے سخت تنبیہی شکایت ہے کہ حضرت قادری صاحب کو قومی سیاست میں آئے ہوئے ایک سال کا عرصہ ہو چکا ہے اور ہمارے ارباب ابلاغ ہیں کہ ان کا کوئی نوٹس ہی نہیں لے رہے------ اب اگر حضرت پر ''قاتلانہ حملے'' نہ ہوں تو اور کیا ہو؟ محلے کی اس روایتی سڑیل بڑھیا کی طرح جسے روزانہ تنگ کرنے والے لڑکے ایک دن اپنی روش سے چوک گئے تھے' تو وہ چلا اٹھی تھی۔ ''اے اللہ آج محلے کے لڑکے کہاں مر گئے؟ آج کوئی بھی چھیڑنے کے لیے نہیں آیا......!''

قاتلانہ حملہ کرنے والوں کا فائرنگ کے بعد فرار ہو جانا' تفصیلات پڑھ کر ہم ''حضرت القادری'' کی روحانی فتوحات کے بارے میں بھی اندیشہ ہائے دور دراز کی تنگناؤں میں گھر کر رہ گئے ہیں------ کہ حضرت کی روحانی قوتوں کے تو خود انہی کی زبانی بہت ''چرچے'' تھے------ کیوں نہ وہ نام نہاد بدنہاد ''حملہ آور'' وہیں ''آستانہ عالیہ قادریہ'' کی دہلیز پر منجمد ہو کر رہ گئے------؟ اصل میں ان ''حملہ آوروں'' نے حضرت کی روحانی قوتوں کا پول بھی کھول دیا ہے------ اور وطن عزیز پاکستان کے اکثر خوش اعتقاد لوگ ''حملہ آوروں'' کے فرار کی خبر پڑھ کر سلسلہ عالیہ ''طاہریہ قادریہ'' سے اپنی عقیدتوں میں ضعف واضمحلال محسوس کرنے لگے ہیں------!

حضرت نے گذشتہ سال یوم اقبالؒ کے موقع پر اپنے محسن شہید ضیاء الحق کو جی بھر کر کوسا------ لیکن اخبارات نے کوئی نوٹس نہیں لیا کہ ''حضرت'' کے اس جمہوری ویاکھیان کو اپنے اخبارات وشذرات کی شہ سرخیوں کا عنوان بنا کر ان کی ''جمہوریت نوازی'' پر خراجِ تحسین پیش کرتے------ پھر آنجناب نے ''عوامی تحریک'' کو کوریج نہ دینے پر اخبارات کے دفاتر کو جلا دینے کی دھمکیاں دیں------ لیکن اخبارات اس پر بھی ٹس سے مس نہ ہوئے------! آخر آج ''قاتلانہ حملہ'' ہو ہی گیا------

علامہ صاحب نے اپنی عوامی تحریک کو ایک سابقہ ''عوامی لیڈر'' کے نقش قدم پر ڈال ہی دیا ہے------ تو دیکھیں کیا ظہور میں آتا ہے۔ بقول شاعر ؎

آگے آگے جھومتا جاتا ہے وہ محشر خرام
پیچھے پیچھے نقش پا کو چومتا جاتا ہوں میں

لیکن ازراہ خیر خواہی ہم حضرت قادری صاحب سے یہ کہنے ہی والے تھے کہ خدارا اس

''عوامی لیڈر'' کے نقش قدم پر کہیں پورا پورا نہ چل پڑنا بلکہ اس کے راستوں سے دو چار قدم ادھر ادھر ہی کہیں محشر خرامی کرتے ہوئے رک جانا کہ اس ''عوامی لیڈر'' کا ایک بیچ کے قاتلانہ حملہ میں ملوث ہو کر انجام------ الخ حکایات صوفیہ میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ بندہ جیسا گمان اپنے رب سے کرتا ہے' ویسی ہی صورت حال اس پر وارد ہو جاتی ہے------ اور اگر اپنی زبان سے شکر واستحسان کے قول کے بجائے ناشکری کی اور خلاف حقیقت باتیں نکالتا ہے' تو بارگاہ ایزدی سے اس کی ناشکری اور احسان ناشناسی کی پاداش میں اس پر نکبت وذلت وارد کر دی جاتی ہے جیسا کہ حضرت بابا فریدالدین مسعود اجودھنیؒ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ قطار در قطار سینکڑوں اونٹوں پر لدے ہوئے مال تجارت (شکر) کے قافلے کے مالک سے ازراہ محبت پوچھا کہ بھلے میاں ان اونٹوں پر کیا لدا ہوا ہے؟ وہ تاجر کثرت مال کی بنا پر استکبار میں مبتلا اور مردم بیزاری کے سبب کسی بھلی سے بھلی بات کا جواب سیدھے منہ دینے کا روادار نہ تھا۔ اس نے انتہائی بے رخی سے جواب دیا کہ ان اونٹوں پر لدی ہوئی بوریوں میں نمک بھرا ہے؟ ''اچھا بھلے میاں! نمک ہی ہو گا؟'' اب اس حکایت کے بقیہ حصے سے حضرت قادری صاحب بخوبی آگاہ ہیں کہ کس طرح وہ قافلہ منزل پر پہنچا اور جب سامان تجارت اتروانے کے بعد بوریاں کھولی گئیں تو ان میں بجائے شکر کے نمک ہی نمک تھا------ اور پھر کن حالات میں اس ناشکرے تاجر نے توبہ کی نیت کرتے ہوئے وہ بورے دوبارہ اونٹوں پر لدوا کر واپس اجودھن میں حضرت فریدالدین مسعودؒ کی خدمت میں رجوع کیا اور حضرت مسعود کی دعا سے دوبارہ وہی نمک شکر بنا------!

حضرت قادری صاحب کو اخبارات میں اس ''قاتلانہ حملہ'' کے بارے میں اپنے بیانات سے رجوع کر لینا چاہیے------ کہ فطرت کی تعزیریں بڑی سخت ہیں۔ یہاں سیکولر ''قاتلانہ حملوں'' کے ڈھونگ رچاتے' اسی قاتلانہ حملوں میں ملوث ہو کر درس عبرت بن گئے------ جب کہ قادری صاحب تو دین کے نام پر سیاست کرنے چلے ہیں' انہیں اپنے قول وعمل میں بہت احتیاط کرنی چاہیے!

هم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں
وماعلینا الا البلاغ

(ہفت روزہ زندگی لاہور 11 تا 17 مئی 1990ء)

مولانا طاہرالقادری ''قاتلانہ حملے'' میں تو بچ گئے
مگر خود اپنے ہی ہاتھوں مارے گئے

منیرالقادری
سابق پی آر او مولانا طاہرالقادری

یہ اتفاق مسجد ہے۔ جمعہ کا مبارک دن ہے۔ ساڑھے بارہ بجنے والے ہیں لوگوں کی نگاہیں مسجد کے ساتھ والے گیٹ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ چند ہی لمحوں کے بعد گیٹ کے سامنے گاڑی رکتی ہے' ایک خوش شکل' خوش وضع' خوش لباس نوجوان گاڑی سے باہر نکلتے ہیں۔ یہ پروفیسر طاہرالقادری صاحب ہیں' وہ مسجد کے گیٹ کی طرف بڑھتے ہیں۔ گیٹ کے پاس والے افراد احتراماً کھڑے ہو جاتے ہیں' ان کھڑے ہونے والے لوگوں میں ایک وجیہہ چہرے والے' سرخ و سفید رنگت کے مالک' سفید ریشمی داڑھی والے' سفید کپڑوں میں ملبوس سر پر سفید کپڑے کی ٹوپی پہنے ہوئے بزرگ بھی آگے بڑھ کر طاہرالقادری صاحب کا استقبال کرتے ہیں۔ میاں شریف صاحب والد محترم میاں نواز شریف میں نے یہ نظارہ 1986ء سے دیکھنا شروع کیا' اس وقت میں پنجاب یونیورسٹی میں سوشیالوجی کا طالب علم تھا۔ میں طاہرالقادری صاحب کو دیکھنا عبادت سمجھتا تھا' دل میں طاہرالقادری صاحب کے بارے میں سوال آنے کو گناہ تصور کرتا۔ جون 1989ء کو میں نے ایک دوست کی سفارش سے پاکستان عوامی تحریک کے شعبہ پریس انفارمیشن بیورو میں اسسٹنٹ کی حیثیت سے ملازمت اختیار کرلی تھی۔ اس ملازمت کو میں نے اپنی پہلی اور آخری ملازمت سمجھ کر جوائن کیا۔ یہ ملازمت نومبر 1990ء تک جاری رہی، اس دوران

پروفیسر صاحب کا پی آر او بھی رہا۔

طاہرالقادری صاحب پر قاتلانہ حملے تک میری عقیدت ومحبت قدرے برقرار رہی اگر پہلے کبھی کوئی سوال ذہن میں آتا تو اسے شیطانی خیال تصور کرکے جھٹک دیتا مگر بہت جلد یہ سلسلہ ختم ہوگیا' ان میں سوالات بڑھتے گئے اور شدت اختیار کرتے گئے۔ طاہرالقادری صاحب سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں مگر اپنے اوپر تنقید برداشت نہیں کر سکتے' اب تو انہوں نے مجلس عاملہ کے ایک اجلاس میں برملا کہہ دیا ہے کہ ''''جس نے میرے ساتھ چلنا ہے وہ غیر مشروط طور پر چلے' میرا غیر مشروط وفادار رہے اور میری ذات کو میری پشت پیچھے ہرگز زیر بحث نہ لایا جائے۔''

اب قادری صاحب اپنی آمرانہ روش میں بالکل بے نقاب ہو چکے ہیں اور اسلام کے شورائی نظام کے تصور کا یہ کہہ کر مذاق اڑا رہے ہیں۔ کہ بانی قیادت' کسی کے مشورے کی پابند نہیں ہوتی۔

(مجلہ منہاج القرآن شمارہ اپریل 1992ء)

بہرحال وسط دسمبر 1990ء میں' میں نے اس وقت کے ناظم اعلیٰ اور ادارہ کے دو دوسرے معتمد حضرات کے سامنے اپنے جذبات' احساسات اور اعتراضات بیان کیے۔ ان حضرات نے میری تمام گفتگو بڑے اطمینان اور کھلے دل سے سنی۔ کسی موقع پر نہ جھڑکا نہ ڈرایا۔ آخر میں اپنے منصب کا پاس کرتے ہوئے میرے تمام سوالات اور اعتراضات کا اپنے تئیں بھرپور انداز میں جواب دیا اور مجھے مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی مگر یہ تو میں ہی جانتا تھا کہ میں کس حد تک مطمئن ہو رہا ہوں' ان کے اپنے طور پر اطمینان بخش جواب دینے کے باوجود میں ان کے چہرے پڑھ رہا تھا کہ یہ حضرات خود بھی مطمئن نہیں ہیں اور تحریک کو روبہ زوال کرنے والے اسباب اور اصل خرابی کی تہہ تک پہنچ چکے ہیں۔ انہوں نے مجھے تلقین کی کہ چونکہ یہ تمہارے دل کی تشکیک ہے اس لیے تم ان باتوں کو آگے بیان نہ کرنا------12 دسمبر 1990ء کو نظامات کتاب وکیسٹ میں چوری ہو جاتی ہے۔ 12 دسمبر 1990ء سے 22 جنوری 91ء تک طاہرالقادری صاحب (بقول ان کے' منزل کے بارے میں ہدایت کے لیے) خلوت نشین (چلہ کشی) رہے۔ اس دوران ادارہ کی منتظمہ نے چوری کے بارے میں پوری چھان بین اور تفتیش کے بعد ایک شخص کو چور قرار دیا مگر میرے خیال میں وہ شخص بھی چور نہیں تھا خیر جب طاہرالقادری صاحب خلوت نشینی سے باہر آئے تو یہ دو بڑے واقعات ان کے سامنے تھے' چوری کے بارے میں تو انہیں خلوت نشینی میں ہی بتا دیا گیا تھا مگر میری صورتحال انہیں اب بتائی گئی۔ اب طاہرالقادری صاحب نے اس چوری کی آڑ میں ادارہ میں سے ناپسندیدہ افراد کو نکالنے کا پروگرام بنایا اور ان ناپسندیدہ افراد میں' میں سرفہرست تھا کیونکہ میں دل کی بات زبان پر لا چکا تھا۔ مگر ادارہ کی منتظمہ آڑے آئی۔ منتظمہ کو طاہرالقادری صاحب

کی انتظامی روش کا علم تھا' وہ جانتے تھے کہ صرف منیر القادری کو ان کی باتوں کی سزا دینا مقصود ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا احسان کہ کسی کے خلاف بھی چوری کا مقدمہ درج نہ ہوا۔ طاہر القادری صاحب کی مہربانی کہ انہوں نے کسی کو چور ثابت کرنے کے لیے کسی خواب کا سہارا نہیں لیا مگر مجھے 10 مارچ 1991ء کو یہ کہہ کر ملازمت سے برخاست کر دیا گیا کہ آپ کی خدمات کی مزید ضرورت نہیں ہے۔ میں نے ملازمت سے اس وقت استعفیٰ اس لیے نہ دیا تھا کہ اس وقت چوری کا معاملہ چل رہا تھا' میرا استعفیٰ مجھے مشکوک بنا سکتا تھا۔

مجھے اپنے موقف کی صحت کا یقین اس وقت ہوا جب سالہا سال سے طاہر القادری صاحب کے ساتھ کام کرنے والے ناظم اعلیٰ اور ان کے مزید تین معتمد ساتھی جنہیں ادارہ کے ستون تصور کیا جاتا تھا' میرے جانے کے تقریباً تین ماہ بعد طاہر القادری صاحب سے اختلافات کی بناء پر مستعفی ہو گئے۔ ان حضرات کے چھوڑنے کے بعد طاہر القادری صاحب نے نجی مجلس میں ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے کہ چور تھے' پیسے کھا گئے' منافق تھے' بک گئے' مشن کے خلاف تھے مگر افسوس انہیں ان سب باتوں کا علم ان کے استعفیٰ دینے کے بعد ہوا؟ نجی مجالس کے یہ الزامات ان کی "سرگوشی مہم" کے ذریعے دوسروں کی زبانوں سے آگے بڑھائے جاتے ہیں لیکن کھلی مجالس میں کہتے ہیں کہ تحریکوں میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ اپنا سارا کاروبار چھوڑ چھاڑ کر اعلیٰ ملازمتوں سے استعفیٰ دے کر اور اپنے بیوی بچوں سے بے نیاز ہو کر سالہا سال سے کام کرنے والے جب قیادت کو چھوڑنا شروع کر دیں تو ایسی قیادت کو عبرتناک انجام سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

میرا ان باتوں کے لکھنے کا مقصد ہرگز وابستگان تحریک منہاج القرآن کی دل آزاری نہیں مجھے ان لوگوں سے محبت ہے' یہ معصوم اور بے خبر لوگ ہیں' میرا مقصد ان افراد کی آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھولنا ہے کہ یہ حضرات آنکھیں کھول کر چلیں اور چھوڑ کر جانے والے حضرات کا موقف بھی سنیں تاکہ مصطفوی انقلاب کے داعی طاہر القادری صاحب کا اصل چہرہ سامنے آ سکے۔ کہیں یہ لوگ اپنے کاروبار اور ملازمت وغیرہ کا نقصان نہ کر لیں' اپنا وقت' پیسہ اور صلاحیتیں ضائع نہ کریں۔

طاہر القادری صاحب چھوڑ کر جانے والے حضرات کے بارے میں' یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ مجھ سے اتنی محبت کرتے تھے' اتنی عقیدت تھی' میرے جوتے اٹھاتے تھے' مجھے بڑے بڑے القابات سے نوازتے تھے' اب برا کہتے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے جب ظاہر سامنے تھا تو جوتے چومتے تھے مگر جب باطن سامنے آیا تو متنفر ہو گئے۔ میری ابتدائی عقیدت کی طرح اب بھی کئی نوجوان اس طرح کی عقیدت رکھتے ہوں گے۔ عقیدت کیوں نہ ہو؟ جب آنے والے کے سامنے "نابغہ عصر" کتابچہ رکھا جائے جس

میں بیان کیا گیا ہے کہ (بقول طاہر القادری صاحب) میرے والد صاحب کو میری پیدائش کی خوشخبری حضور نبی اکرم ﷺ نے دی۔ میرا نام "طاہر" بھی حضور ﷺ نے تجویز کیا اور یہ کہ جب میں نے روضہ رسول ﷺ پر حاضری دی تو مجھے دودھ کا مٹکا دیا گیا" جاؤ طاہر تقسیم کرو۔" وغیرہ وغیرہ۔ ساتھ ساتھ کیسٹوں کے ذریعے ان کی نام نہاد کرامات اور بشارتیں آنے والے تک پہنچتی ہیں۔ تو لامحالہ وہ شخص طاہر القادری صاحب کے بارے میں یہی تاثر لے گا کہ طاہر القادری صاحب کو حضور ﷺ کا کتنا قرب حاصل ہے؟ ایسی ہی باتوں کے ذریعے طاہر القادری صاحب کی نام نہاد روحانیت کے بُت کو خوب ابھارا گیا ہے' یہ بعد میں معلوم ہوا کہ "نابغہ عصر" نامی کتابچہ طاہر القادری نے خود لکھا ہے۔ پہلے یہ راجہ محمود صاحب کے نام سے چھپتا تھا جب وہ چھوڑ گئے تو یہ رانا جاوید القادری صاحب کے نام سے چھپنا شروع ہو گیا۔ اب یہ بھی چھوڑ گئے ہیں' معلوم نہیں اب یہ کس کے نام سے چھپے گا؟ طاہر القادری صاحب نے اپنے خوابوں اور بشارتوں کے بیان پر مشتمل ایک وڈیو کیسٹ تیار کروائی ہے۔ جب خواب اور بشارتیں حقیقت کا روپ نہ دھار سکیں بلکہ معاملہ بالکل الٹ ہو گیا تو فرماتے ہیں کہ خواب کوئی حجت نہیں ہوتے۔ اگر خواب حجت نہیں ہیں تو بیان کرنے کا مقصد؟ گو مجموعی طور پر "بشارتوں والی کیسٹ" کے اب یہ انہیں لینے کے دینے پڑ گئے۔ بشارتوں والی اس کیسٹ کو طاہر القادری نے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ تو دیکھتا ہے۔ ان کے وہ خواب اور بشارتیں زبان زد عام ہے۔ ایک خواب میں عمر کے بڑھائے جانے کا ذکر ہے۔ دوسرے میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پاؤں کی جانب گری ہوئی قبر انور کو سیمنٹ سے پختہ بنانے اور ساتھ ہی آپ ﷺ کی طرف سے کامیابی کی سند عطا کرنے کا ذکر ہے' تیسرے خواب میں راہ انقلاب میں آنے والی مشکلات اور بالآخر غیبی ہاتھ سے کامیابی کا ذکر ہے' چوتھی میں حضور ﷺ کا پاکستان کے علمائے کرام سے ناراضگی اور طاہر القادری صاحب کے مہمان بننے کا بیان ہے۔ اسی خواب کو بنیاد بنا کر طاہر القادری صاحب نے قومی ڈائجسٹ میں کہا تھا کہ "مجھے ادارہ منہاج القرآن بنانے کا حکم حضور نبی اکرم ﷺ نے دیا ہے۔" حالانکہ والی کیسٹ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ خود ان کے بیان کردہ اس خواب میں ایسا کوئی مطلق حکم نہیں ہے۔ لوگوں کی عقیدت و محبت بڑھانے کے لیے اسی خواب کی بنا پر ادارہ منہاج القرآن کو حضور کا مہمان خانہ قرار دیا گیا۔

طاہر القادری صاحب اپنے اوپر ہونے والے تمام اعتراضات اور ساری تنقید کو تیسرے خواب کے مطابق راہ انقلاب میں آنے والی مشکلات کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں اور اپنے کارکنوں کو یہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مجھے تو یہ سب کچھ پہلے ہی بتا دیا گیا ہے کہ تمہارے

ساتھ کیا ہوگا اور تم اکیلے رہ جاؤ گے۔ (سبحان اللہ) پاکستان عوامی تحریک کے نام رکھنے کے موقع پر طاہر القادری کی معیت میں 50 رفقاء کار کا قافلہ عمرہ کے لیے جاتا ہے اور روضہ انور پر حاضری ہوتی ہے۔ طاہر القادری صاحب واپسی پر سفر کی روداد سناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "میں نے جماعت کا نام اور پروگرام حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ بس اذن مل گیا۔" اب ذرا غور کریں کہ دوسرے خواب میں کامیابی کی سند کا ذکر اور اس اذن سے کیا مراد ہے' صاف ظاہر ہے کہ طاہر القادری کو یہ کہا جا رہا ہے کہ جماعت کا نام درست ہے اور پروگرام بھی ٹھیک ہے۔ اس پروگرام پر کام شروع کرنے کی اجازت ہے اور کامیابی کی سند تو پہلے ہی عطا کر دی گئی ہے لہٰذا حضور اکرم ﷺ کے اذن سے طاہر القادری صاحب اپنے پروگرام پر عملدرآمد شروع کر دیتے ہیں۔ نتائج' دنیا کے سامنے ہیں۔ ان کی بیان کردہ بشارتوں اور بعد میں نتائج کو دیکھ کر آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ جاتا ہے۔ میرے خدایا! یہ سب کیا ہے؟ کیا حضور ﷺ کا کسی کام کے بارے میں اذن اور اس کام کے ظاہری نتائج میں کوئی تعلق نہیں ہے؟

اگر نتائج کو وقتی مان لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو تحریک اپنے عروج میں کچھ نہیں کر سکی وہ زوال و انحطاط کے دور میں کیا کرے گی؟ مزید دکھ اور افسوس کہ طاہر القادری صاحب اپنی شکست کو غزوہ احد اور حنین میں مسلمانوں کی بالکل لمحاتی شکست کے ساتھ لاتے ہیں اور اپنے کارکنان کو حوصلہ دینے کے لیے کہتے ہیں کہ کوئی بات نہیں' تحریکوں میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔

اگر دوسرے (خاص کر مذہبی جماعتیں) شکست کھاتے ہیں تو وہ مطلق ناکام قرار پاتے ہیں اگر کوئی دوسرا جھوٹ بولتا ہے تو وہ جھوٹا کہلاتا ہے۔ اگر خود جھوٹ بولتے ہیں تو یہ حکمت اور مصلحت قرار پاتا ہے۔ اگر آئی جے آئی اور پی پی والوں کے پاس پجارو گاڑیاں' کلاشنکوفیں' اعلیٰ کوٹھیاں اور ٹھاٹھ باٹھ ہے تو وہ عیاش اور بدمعاش کہلاتے ہیں' اگر یہ سب کچھ اپنے پاس ہے تو یہ تحریکی ضرورت اور دین کے وقار کا تقاضا کہلاتا ہے۔ (سبحان اللہ)

خرد کا نام جنون رکھ دیا جنون کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

لوگوں نے ان کی اعلیٰ کوٹھی' دفاتر اور امیرانہ بود و باش ٹھاٹھ باٹھ پر بارہا سوالات کیے مگر ان کی طرف سے ایک ہی جواب دیا گیا کہ یہ وقت کا تقاضا ہے اور تحریک کی ضرورت ہے۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسجدیں کچی ہوا کرتی تھیں' اب دوسرے لوگوں کے گھر پختہ ہونے کی وجہ سے مسجدیں پختہ بنانا وقت کی ضرورت ٹھہرا۔ اسی طرح ہمارا یہ سب کچھ تحریکی ضرورت ہے' میں یہ نہیں کہتا کہ طاہر القادری کچے مکان میں رہیں۔ کچا دفتر ہو اور گھوڑے پر سواری کریں مگر اتنا کہنا ہے کہ کیا

طاہر القادری کے انداز زندگی کو سادگی کا نام دیا جا سکتا ہے جو کہ اسلام کا شعار ہے؟ اگر ہاں تو کس طرح؟ کیا طاہر القادری کی بود و باش انقلابیوں والی ہے اور پھر مسلم انقلابیوں والی؟

اسی طرح طاہر القادری صاحب اپنی سیکورٹی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے دین کا وقار بلند ہوتا ہے۔ یہ حفاظتی تدابیر ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ نے بھی گارڈ رکھے۔ اپنے وقار کو دین کے وقار کے ساتھ منسلک کرنے کا فلسفہ بھی بڑا عجیب ہے۔

اس طرح تو ہر ایک دین کا نام لے کر اپنے ساتھ کلاشنکوف بردار دستہ رکھنے کا جواز فراہم کر سکتا ہے۔ اگر وقار ہی رکھنا ہے تو کام ایک دو گارڈ کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے' کلاشنکوف بردار دستہ رکھنے سے تو یہی نکلتا ہے کہ اپنی زندگی کے بچاؤ کا سارا انحصار انہی پر ہے' اللہ تعالیٰ پر بھروسہ بھی شد و مد کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جو دن قبر میں آئے گا' وہ قبر میں ہی آئے گا۔ خواب میں حضور ﷺ کی طرف سے اپنی عمر میں بڑھائی جانے والی مدت کی بھی بشارت سناتے ہیں' یہ سب کیا ہے؟ طاہر القادری صاحب اپنے مرکزی سیکریٹریٹ کے اندر جب اپنے دفتر میں جلوہ افروز ہوتے ہیں تو سیکریٹریٹ کے اگلے اور پچھلے دونوں بڑے مین گیٹوں پر گن مین کے علاوہ اپنے دفتر (کمرہ) کے دروازے اور پچھلی طرف بھی مسلح گارڈ موجود ہوتے ہیں ایک طرح سے دفتر (کمرہ) کو گھیرے میں لیا ہوتا ہے جیسے طاہر القادری صاحب پر بس حملہ ہونے والا ہے؟ طاہر القادری صاحب سے اب کس کو خطرہ ہے؟ (الیکشن 1990ء سے پہلے تو بات بنتی تھی کہ شاید یہ پنجاب کی سطح پر آئی جے آئی کے ووٹ توڑ دیں گے مگر وہ بھی بھانڈا پھوٹ گیا) پہلے حضور ﷺ کے ساتھ گارڈ ہوا کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ ﷺ نے غزوہ خندق کے موقع پر ہٹا دیئے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دین کے وقار' حفاظتی تدابیر اور سنت رسول ﷺ پر عمل کرتے ہوئے گارڈ کیوں نہیں رکھے؟ کیا ان کے دور میں فتنہ پردازی کم تھی؟ ان کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا نہیں کیا حتیٰ کہ وہ شہید کر دیئے گئے اس کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا نہیں کیا' وہ بھی شہید کر دیئے گئے (حسنین کریمینؓ وقتی طور پر دروازے پر محافظ تھے) ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دارالحکومت بنایا' آپ نے وہاں بھی ایسا نہیں کیا۔ کیوں؟

اپنے خطبات میں قرآن مجید کی وہ آیات جو مسلمانوں کے لیے ہیں' وہ اپنے اوپر' جو منافقین کے لیے ہیں، وہ آئی جے آئی اور دوسری مذہبی جماعتوں پر اور وہ آیات جو کافروں کے لیے ہیں' وہ پی پی پی پر بڑی دیدہ دلیری سے منطبق کرتے ہیں' اپنے عمل کو قرآن کے مطابق ڈھالنے کی بجائے قرآن کو مختلف تاویلوں اور بے محل مثالوں سے اپنے عمل کے مطابق ڈھال لیتے ہیں' ویسے یہ اپنے علم سے ایسے

معاملات میں خوب استفادہ کر رہے ہیں۔

ذرا غور کریں تو الیکشن 1990ء میں ان کے امیدواروں اور آئی جے آئی اور پی پی پی کے امیدواروں میں کردار کے لحاظ سے کیا فرق تھا (الا ماشاء اللہ) طاہر القادری صاحب بالکل مروجہ سیاست کر رہے ہیں بلکہ مروجہ سیاست کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں' ان کے پاس وہ بھی نظر نہیں آتے۔ یہ بالکل روایتی قسم کے بیانات داغ دیتے ہیں۔ الیکشن مہم کے دوران اپنے خطابات میں بڑے زور و شور کے ساتھ کہتے تھے کہ دوسرے لیڈران عوام کی خدمت میں مخلص نہیں ہیں' وہ صرف اقتدار حاصل کرنے کے لیے خود الیکشن نہیں لڑتے ہیں مگر میں پاکستان میں کسی نشست پر بھی الیکشن نہیں لڑ رہا۔ یہ مثال تو ان سے پہلے ایم کیو ایم اور جماعت اسلامی نے بھی قائم کی ہوئی ہے۔ نہ الطاف حسین صاحب الیکشن لڑتے ہیں نہ ہی جماعت اسلامی کا کوئی امیر (قاضی حسین احمد امیر بننے سے پہلے سینیٹر تھے) پھر طاہر القادری صاحب کے خود الیکشن نہ لڑنے میں کیا تخصص؟ ایک اور روایتی بلکہ بازاری دعویٰ کہ اگر "میں (طاہر القادری) نے اپنے دور حکومت میں ایک پائی کا بھی مفاد اٹھایا تو مجھے چوراہے میں کھڑے کر کے گولی سے اڑا دینا۔" خدانخواستہ اگر ان کا دور حکومت آ جاتا تو ان کی پائی کو کون ثابت کرے گا اور کون ان کو چوراہے پر گولی مارے گا؟ اتفاق فیملی سے لاکھوں روپے کے مفادات اٹھائے۔ عدالت میں دس لاکھ روپے مان بھی گئے مگر پھر بھی بضد ہیں کہ یہ کوئی مفاد نہیں ہے۔ سبحان اللہ فی زمانہ اگر کوئی کروڑ پتی مجھے بوقت ضرورت دس لاکھ روپے قرض دے اور میں اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد اپنی مرضی سے وہ رقم واپس کر دوں تو کیا اس کا مجھ پر احسان نہ ہوگا؟ آج تو کوئی دس ہزار ایسے نہیں دیتا۔ خیر لاکھوں روپے لیے' پلاٹ لیے' اپنے سالوں کو نوکریاں دلوائیں' ان کے خرچہ پر امریکہ علاج کے لیے گئے' ان کے خرچ پر اپنی اہلیہ کو علاج کی غرض سے بھارت لے کر گئے' گھر میں لگے ہوئے ایئر کنڈیشنرز' واشنگ مشین کارپٹس' قالین وغیرہ اتفاق فیملی نے دیئے' مگر ایک ہی رٹ ہے کہ میں نے اتفاق والوں سے ایک پائی کا بھی مفاد نہیں لیا حالانکہ ان کی حکومت بھی نہیں ہے پھر بھی نہیں مان رہے۔ نہ جانے ان کی "پائی" سے مراد کیا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پائی کچھ یوم قیامت کی طرح ہے۔

الیکشن 1990ء میں بھرپور پروپیگنڈا مہم کے زور پر اپنے آپ کو تیسری قوت قرار دینے والوں سے پوچھو کہ تم نے پاکستان بھر سے کل کتنے ووٹ حاصل کیے؟ فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھ دھاندلی ہوئی ہے۔ دھاندلی کس طرح ہوئی؟ اگر بالفرض مان لیا جائے کہ دھاندلی ہوئی تو یہی ہوا ہوگا کہ بوگس ووٹ بڑے پیمانے پر ڈالے گئے' خواہ جس طرح بھی ڈالے گئے مگر ڈالے ہوئے ووٹ نکالے تو نہیں گئے؟ پولنگ کے دوران عوامی تحریک کے امیدواران کی طرف سے پولنگ ایجنٹ ایک

ثبوت بھی نہیں دے سکتے کہ جہاں بیلٹ بکس تبدیل کیے ہوں یا ان سے ووٹ نکالے گئے ہوں، میں وضاحت سے کہتا ہوں کہ تیسری قوت کا دعویٰ کرنے والوں نے پورے ملک میں سے قومی اسمبلی کی ایک نشست کے برابر بھی ووٹ نہیں حاصل کیے۔ یہ ان کے عروج کا دور تھا۔

روحانیت کے نام پر سادہ لوح افراد کا روحانی استحصال کرنے والی اس عظیم شخصیت کے کردار کا ایک اور رخ پاکستان عوامی تحریک کے اعلان کے بعد مرکزی سیکریٹریٹ میں "تحریکی ضرورت" کے نام پر اپنے پہلے دفتر سے ملحقہ ایک نیا دفتر تعمیر کروایا جس پر لاکھوں روپے لاگت آئی اور اس میں رکھی ہوئی میز کی قیمت ہزاروں روپے ہے۔ آج کل پروفیسر صاحب اس دفتر کی بجائے پہلے والے دفتر میں بیٹھتے ہیں' وجہ معلوم نہیں؟ پہلے بھی یہ نیا دفتر عام آدمی کو دکھانے کی اجازت نہیں تھی؟ چونکہ عام آدمی نہ تو پروفیسر صاحب سے مل سکتا ہے تو نہ دفتر دیکھ سکتا ہے۔ تحریکی ضرورت کے نام پر ٹھاٹھ باٹھ اپنی جگہ مگر لاکھوں روپے کے دفتر (کمرہ) میں ہزاروں کی میز پر بیٹھ کر مٹی کے پیالے میں پانی پینے کے فلسفہ کی سمجھ نہیں آتی؟ دور رہنے والوں کو تو اس فلسفہ کی سمجھ نہیں آئے گی مگر قریب رہنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ باقی سنتوں پر عمل کرنے کے بارے میں بھی ان کے عموی مزاج کا یہی انداز اور حال ہے۔ طاہر القادری صاحب کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ چار پائی پر نہیں سوتے بلکہ نیچے سوتے ہیں، مجھے ان کا بیڈ روم دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ یہ واقعی نیچے سوتے ہیں' خدا کرے ایسا سونا سب پاکستانیوں کو نصیب ہو جائے۔ صورتحال یہ ہے کہ کمرے میں اے سی لگا ہوا ہے اور بہترین بیش قیمت قالین بچھا ہوا ہے۔ ایک کونے میں بیڈ لگا ہوا ہے جو کہ موٹے گدے پر مشتمل ہے۔ ایک بات جس کا بطور خاص ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ گدے کے نیچے ایک کھجور کا مصلیٰ بھی بچھایا ہوا ہے جو کہ گدے سے بڑا ہے اور باہر نظر آتا ہے۔ کھجور کے مصلے پر سونا چونکہ سنت رسول ﷺ ہے لہٰذا مولانا صاحب نے اس کا بھی اہتمام کیا ہوا ہے۔ یہاں بھی سنت رسول ﷺ پر عمل کا کیا خوب انداز پایا؟

ایک دفعہ ادارہ منہاج القرآن کی منتظمہ نے ادارہ کی آمدنی کم ہونے پر کہا کہ جامعہ (مدرسہ) کے میس کا خرچہ کم کیا جائے تو فرمانے لگے کہ تمام طلبہ کو اکٹھا کرو' میں تصوف اور تزکیہ نفس پر درس دیتا ہوں۔ لہٰذا پروفیسر صاحب نے اپنے درس میں طلبہ کو تلقین کی کہ جو لڑکے دو دو روٹیاں کھاتے ہیں' وہ ایک ایک کھایا کریں جو ایک کھاتا ہے وہ آدھی کھایا کرے اور ساتھ اپنی مثال بھی دی کہ میں دوپہر اور شام ایک ایک روٹی کھاتا ہوں مگر یہ کون کہے کہ حضور آپ صبح ناشتے میں باداموں والی لسی پیتے ہیں' فروٹ کھاتے ہیں۔ روزانہ کئی جگ دودھ' جوس اور یخنی کے پیتے ہیں' وہ کس کھاتے میں ڈالتے ہیں' بے شک یہ سب کچھ اپنے گھر سے ہی کھاتے ہیں اور کھانے پینے پر کوئی اعتراض بھی نہیں ہے مگر صبح شام

ایک ایک روٹی کھانے کے تاثر دینے کو کیا کہیں؟ ایک دفعہ اپنے جود وسخا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک عورت جس کی بیٹی کی شادی ہونے والی تھی مگر اس کے پاس زیورات نہیں تھے وہ ہمارے آئی تو میں نے اہلیہ سے کہا کہ اس کو پرانے زیورات دے دیں۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی زیورات دیئے گئے مگر وہ پرانے چاندی کے زیورات تھے جنہیں آثار قدیمہ کے طور پر محفوظ رکھا گیا تھا۔ قاتلانہ حملے کی عدالتی انکوائری کو موقع پر انہوں نے اپنے شعبہ ریکارڈنگ کے ایک اہلکار کو عدالتی کارروائی ریکارڈ کرنے کو کہا ہوا تھا مگر وہ کارروائی ریکارڈ کرتے ہوئے سرکاری وکیل کی نشاندہی پر پکڑا گیا تو طاہر القادری صاحب اسے فرماتے ہیں "بھئی تم کون ہو؟" ادارہ میں دوسو افراد کے کنونشن کو دو ہزار لکھ کر پریس میں بھیجنا' دو لاکھ نوجوانوں کے ساتھ "سپاہ انقلاب" کا اعلان جس کا وجود بھی نہیں' 25 مئی 1989ء کو تاسیس انقلاب کانفرنس کے موقع پر بھاٹی گیٹ سے دوموریا پل تک پھیلے ہوئے افراد کو ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر کہہ دینا' اپنے اندرون ملک اور بیرون ملک دوروں کو کراماتی انداز میں کامیاب بیان کرنا' اپنے پیچھے لگے ہوئے "موساد" کے ایجنٹوں کے واقعات بیان کرنا' امریکہ سے ٹکر لینے کی باتیں اور بڑے بڑے دعوے' حکمت و مصلحت کی موشگافیاں ہیں' اگر یہ سب کچھ حکمت ہے تو جھوٹ کیا ہوگا؟! اپنے فن خطابت پر عاجزی وانکساری کا اظہار ایک مثال کے ذریعے کچھ اس طرح سے کرتے ہیں جیسے کوئی غیبی ہاتھ ان کے پیچھے ہے' ان کا کوئی کمال نہیں' فرماتے ہیں کہ "ہماری مثال تو ایسی ہے جیسے پتلیوں کا تماشہ' پتلیاں' سامنے ناچتی ہوئی نظر آتی ہیں' یہ ان کا کمال نہیں ہوتا بلکہ پردے کے پیچھے ان ہاتھوں کا کمال ہوتا ہے جو باریک ڈوری کے ذریعے ان پتلیوں کو حرکت دیتے ہیں۔" یہ اکثر اس طرح کی باتوں کے ذریعے اپنی نام نہاد روحانیت کا تاثر بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے خطاب میں کسی غیبی ہاتھ یا کسی روحانی قوت کا کوئی عمل نہیں ہے۔ خطاب کرنا ایک فن ہے جو کہ ان کے پاس ہے اور یہ کوئی ان ہونی بات بھی نہیں ہے۔ ان سے پہلے ان سے بڑے بڑے مقرر ہو گزرے ہیں' ان کو عروج تک پہنچانے والے عوامل میں سے فن خطابت اور اتفاق فیملی کی سپورٹ سرفہرست ہیں۔ درحقیقت اتفاق فیملی سے تعلق کا سبب بھی ان کا فن خطابت ہی بنا۔ ان دو عوامل کے بل بوتے پر طاہر القادری صاحب بہت تیزی سے عروج تک پہنچے اور اس عروج کا سبب غیبی اور روحانی بتا کر سینوں کے دلوں میں اپنی روحانیت کا سکہ جماتے رہے۔ انہی عوامل کی بناء پر جب طاہر القادری کا طوطی بولتا تھا تو انہوں نے "منتخب نبی" (یعنی اکرم ﷺ کا انتخاب) ہونے کا دعویٰ کیا مگر بالکل اندر کی سطح تک' اگر اس وقت مذہبی حلقہ (مشائخ عظام اور علماء کرام) ان کا ساتھ دیتا تو کچھ بعید نہ تھا کہ دعویٰ بیانگ دہل کر دیا جاتا۔ ایک بات تو بڑے زور سے بیان کی جاتی ہے کہ طاہر القادری صاحب نذرانہ نہیں لیتے۔ یہ واقعی نذرانہ نہیں

لیتے مگر غریبوں سے' امیروں سے چندہ تو وصول کرتے ہیں۔ ان نذرانوں (تحائف) کے علاوہ انہوں نے اپنے لیے ایک سیکورٹی فنڈ بھی قائم کر رکھا ہے جس کا بیلنس لاکھوں روپے بنتا ہے۔ اس کا حساب صرف طاہر القادری صاحب کے پاس ہے' اسے کیا کہیں' کان سیدھے ہاتھ سے نہیں' الٹے ہاتھ سے پکڑنا۔ ایک عقیدت مند نے ایک سونے کی عینک "حضور" کی خدمت میں تحفتاً پیش کی آپ نے کسی حکمت و مصلحت کی وجہ سے قبول نہ کی مگر چھوڑنے کو بھی دل نہ چاہا' لہٰذا پوچھا کیا یہ عورتیں بھی پہن سکتی ہیں' مثبت جواب پانے پر اسے قبول کر لیا اور اندر بھجوا دیا۔ بہرحال یہ تو طاہر القادری صاحب کی عادت ہے کہ جب کوئی ان کو اس طرح تحفہ (نذرانہ) پیش کیا جائے تو خود نہیں لیتے' اکثر اہل وعیال کے نام پر لے لیتے ہیں تاکہ یہ "سچ" بولا جاسکے کہ میں تو کچھ نہیں لیتا؟! اس فلسفے کے تحت اتفاق فیملی کی طرف سے ملنے والی کار کی رجسٹری بھی اپنی اہلیہ محترمہ کے نام کروائی تھی۔ یہ وہی کار ہے جس کا ذکر قاتلانہ حملے کی انکوائری کے دوران ہوا تھا اور طاہر القادری صاحب نے کہا تھا کہ اتفاق والوں نے مجھے زبردستی کار دی مگر ہم نے واپس کر دی۔ اس کار کی آمد اور واپسی کا قصہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں جب طاہر القادری اتفاق فیملی سے وابستہ ہوئے تو میاں محمد شریف صاحب نے ان کی سہولت کے لیے ایک نیلے رنگ کی کار نمبر ایل ایچ جے 26' دی۔ یہ کار عرصہ دراز تک ان کے پاس رہی اتفاق مسجد سے خطبہ جمعہ چھوڑنے سے کچھ دیر پہلے کی بات ہے کہ انہوں نے اپنے قریبی چند رفقاء کار سے بات کی کہ میں یہ کار فروخت کر دینا چاہتا ہوں اور کچھ جمع شدہ پونجی ساتھ ملا کر نئی گاڑی خریدنا چاہتا ہوں تاکہ ایک تو یہ گاڑی پرانی ہو گئی ہے' دوسرا لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ اتفاق والوں کی ہے' اس سے جان چھوٹ جائے گی۔ رفقائے کار نے کہا ٹھیک ہے' آپ ایسا کر لیں۔ لہٰذا چند دن کے بعد نئی ہنڈا اکارڈ کار طاہر القادری کے پاس آ گئی۔ جب کسی نے پوچھا کہ نئی کار کہاں سے آئی تو رٹی رٹائی بات کہہ دی جاتی کہ پرانی فروخت کی ہے' ساتھ جمع شدہ پونجی ملا کر نئی کار خرید لی ہے۔ بات ختم ہو جاتی مگر طاہر القادری کی بدقسمتی کہئے کہ جلد بھانڈا پھوٹ گیا۔ ہوا یہ کہ ادارہ کے ایک سابق ناظم اعلیٰ نے انہی رفقاء کو نئی ہنڈا اکارڈ کار کے کاغذات لا کر ثابت کر دیا کہ یہ تو اتفاق والوں نے دی ہے اور پہلی گاڑی اتفاق والوں کی فیکٹری میں دکھانے کی پیشکش کر دی۔ رفقاء کار کے پاؤں تلے زمین نکل گئی۔ انہوں نے ساری بات طاہر القادری سے کی۔ طاہر القادری نے رفقاء کار کی پریشانی اور متجسس انداز کو بھانپ کر ساری بات کھول دی۔ پھر انہی میں سے ایک ساتھی سے کہا کہ یہ کار میرے ضمیر پر بوجھ ہے' لہٰذا اسے واپس کر آؤ (سبحان اللہ) خلوت اور رات کے اندھیرے میں سودا کرتے وقت ضمیر پر بوجھ نہ آیا مگر راز کے افشا ہونے کے خوف سے ضمیر پر بوجھ آ گیا' ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا۔ وہ صاحب ان کے کہنے پر کار واپس کر آئے۔ میاں

شریف نے بہت اصرار کیا کہ حضرت کیا بات ہوگئی' وہ پوچھنے میں حق بجانب بھی تھے کہ جب ایک دفعہ کار قبول فرمالی تو اب کیوں واپس کر رہے ہیں مگر حضرت صاحب انہیں کیا بتائیں؟ اس طرح کار آئی اور پھر واپس ہوئی۔

قاتلانہ حملے اور بعد میں ہونے والی عدالتی انکوائری پر روشنی ڈالنے سے پہلے کچھ ذکر اشتراک عمل کا۔ پاکستان عوامی تحریک کے قیام کے بعد طاہر القادری نے سیاسی میدان میں اپنی قیادت کا سکہ جمانے کے لیے مختلف سیاسی جماعتوں سے استحاد کے لیے رابطے شروع کیے۔ طاہر القادری دینی' سیاسی جماعتوں کے درمیان اتحاد نہ ہونے پر کہا کرتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں کہ یہ جماعتیں جب بھی اکٹھی ہوتی ہیں تو قیادت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے' ان کے لیڈروں کے اندر انانیت کے بُت ہیں اور قیادت کے لالچ کی وجہ سے اتحاد نہیں ہوتا۔ اب ذرا اس حوالے سے ان کا کردار دیکھئے' اتحاد کے لیے دو سیاسی جماعتیں ان کے ہتھے چڑھ گئیں' تحریک استقلال اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے ساتھ اتحاد کے لیے باضابطہ بات چیت شروع ہوتی ہے اتحاد کا اصولی فیصلہ ہو جاتا ہے' نام بھی تجویز ہو گیا ''پاکستان عوامی محاذ'' اتحاد کے الیکشن میں کامیاب ہونے کی صورت میں ایئر مارشل اصغر خان کو پارلیمانی لیڈر مان لیا گیا۔ اب مسئلہ اتحاد کی قیادت کا پیدا ہوا' طاہر القادری صاحب اتحاد کی سربراہی سے نیچے نہیں مانتے۔ اتحاد کی قیادت کے لیے اصغر خان نے بڑی درست بات کی کہ تینوں جماعتوں کے سربراہوں پر مشتمل ایک سپریم کونسل تشکیل دے دی جائے اور جو بھی نئی جماعت اتحاد میں شامل ہو' اس کا سربراہ سپریم کونسل کا ممبر بنایا جائے مگر حضرت صاحب پر اپنی قیادت مسلط کرنے کی دھن سوار تھی۔ میں اس سلسلہ میں پاکستان عوامی تحریک کے ہونے والے آخری اجلاس میں شریک تھا جو پروفیسر کے گھر ہوا تھا۔ اگلے دن تینوں جماعتوں کا مشترکہ اجلاس ہونا تھا اور اس سے اگلے دن مشترکہ پریس کانفرنس میں اتحاد کا اعلان ہونا تھا۔ اس آخری اجلاس میں پروفیسر صاحب نے دوٹوک کہہ دیا کہ اگر وہ لوگ میری قیادت مانتے ہیں تو ٹھیک ہے' ورنہ یہ کہہ کر بات ختم کر دی جائے کہ ابھی ہمارے درمیان اتحاد کے لیے اعتماد پیدا نہیں ہو سکا۔ اگلے دن تینوں جماعتوں کا اجلاس ہوا' لہٰذا طاہر القادری صاحب کی قیادت نہ ماننے کا نتیجہ اشتراک عمل کی صورت میں نکلا' اتحاد نہ ہو سکا ''اشتراک عمل'' کا اعلان کرنے کے لیے پریس کانفرنس کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ اس پریس کانفرنس کے انتظامات پاکستان عوامی تحریک نے اپنے ذمہ لیے۔ اب تینوں جماعتوں کے تین سربراہ تھے جو سربراہ درمیان میں بیٹھتا ہے' وہ بڑا تصور ہوتا ہے' بات تو اتنی بڑی نہ تھی مگر طاہر القادری نے یہ موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ انہوں نے پاکستان عوامی تحریک پنجاب کے اس وقت کے صدر صاحب کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ پریس کانفرنس کے لیے رکھی جانے والی

کرسیوں میں درمیان کی کرسی کے بالکل سامنے کھڑے رہیں جب اصغر خان صاحب اور ساجد نقوی صاحب آئیں تو انہیں ''احترام کے ساتھ'' دائیں بائیں بٹھا دیں لہٰذا ایسا ہی ہوا' اصغر خان اور ساجد نقوی نے اتحاد میں ان کی قیادت تو نہ مانی مگر طاہر القادری نے اس طرح اپنے آپ کو بڑا منوا لیا۔

اب ذرا ''قاتلانہ'' حملہ کا ذکر ہو جائے' یہ واقعہ 21 اور 22 اپریل 1990ء کی درمیانی شب اور 25,24 رمضان المبارک کی درمیان رات یعنی 25 ویں طاق رات کو ہوا رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو مولانا طاہر القادری نے ایک بڑے روحانی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حملے کی تفصیلات بیان کیں اور فرمایا کہ 50 منٹ تک اندوہناک موسلا دھار گولیاں میرے بیڈروم پر برسائی گئیں۔ ''قاتلانہ حملے'' کے بعد اس حملے اور انکوائری کے معاملات کو نپٹانے کے لیے ہونے والے فیصلوں میں مولانا صاحب کی قائدانہ صلاحیتیں کھل کر سامنے آئیں؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ طاہر القادری صاحب نے ایف آئی آر صرف آئی جے آئی کے خلاف کیوں درج کروائی حالانکہ یہ تو دونوں کے خلاف بیان دیتے تھے۔ حکمت کا تقاضہ یہ بنتا تھا کہ ایف آئی آر دونوں کے خلاف درج کروائی جاتی' دوسری بات یہ کہ عدالتی انکوائری کیوں جوائن کی گئی؟ اگر جوائن کی گئی تو درمیان میں کیوں بائیکاٹ کیا گیا؟ جس وقت انکوائری کے بائیکاٹ کا فیصلہ ہوا تو میں میٹنگ میں موجود تھا۔ طاہر القادری نے فرمایا کہ ''انکوائری بذات خود ایک سازش ہوتی ہے' اس کے کبھی کوئی نتائج نہیں نکلتے'' پھر وہی سوال کہ انکوائری جوائن کیوں کی گئی؟ تیسری بات یہ کہ انکوائری کے دوران طاہر القادری صاحب کا عدالت میں تین دن تک اپنا بیان دینے میں کیا حکمت تھی؟ حالانکہ یہ خود لاء کے استاد رہے ہیں' لگتا ہے کہ طاہر القادری صاحب عدالت میں اپنی سوانح حیات بیان کر کے شہرت حاصل کرنا چاہتے تھے یا جلسہ میں خطاب کی طرح عدالت میں فن خطابت کے جوہر دکھا کر عدالت کو قائل کرنا چاہتے تھے؟ چوتھی بات کہ ہائیکورٹ ٹریبونل کی رپورٹ (فیصلے) کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیوں نہیں کیا گیا؟ گو اس ''قاتلانہ حملے'' میں بظاہر طاہر القادری صاحب بالکل محفوظ رہے لیکن درحقیقت طاہر القادری صاحب اس ''قاتلانہ حملے'' میں مارے گئے اور اپنے ہی ہاتھوں۔ منہاج القرآن کا کوئی ممبر کم از کم یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ یہ سب کچھ طاہر القادری نے خود کروایا پھر رمضان المبارک میں اور اس سے بڑھ کر طاق رات میں۔ بس طاہر القادری کا یہی انداز تھا مگر اللہ تعالیٰ تو دیکھتا ہے اس ڈرامے کو مزید پختہ کرنے کے لیے طاہر القادری صاحب نے بعد میں اخبارات میں اشتہارات دیے کہ ''جھوٹے پر اللہ کی لعنت' اللہ تعالیٰ اس پر جنت کے دروازے بند کرے، اسے حضور ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہو۔'' وغیرہ وغیرہ جنت اور شفاعت کا تو مرنے کے بعد معلوم ہوگا البتہ آپ کی پہلی مراد بر آئی ہے جب انکوائری کے دوران طاہر القادری کے

اپنے بیانات کے ذریعے بڑے بڑے انکشافات' اخبارات کی زینت بنے تو مولانا بہت تلملائے' بڑا شور مچایا کہ اخبارات نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے ہمارے جوابات میں ''ہاں'' کو ''نہیں'' لکھا اور ''نہیں'' کو ''ہاں'' لکھا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ''حقائق بولتے ہیں'' کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی شائع کروایا مگر نہ اس وقت اور نہ ہی اب کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں کہ اخبارات نے ان کے کون سے جواب میں ''ہاں'' کو ''نہیں'' اور ''نہیں کو'' ہاں'' لکھا۔

میں ''حملہ'' کے بعد خود کوٹھی کے اندر گیا اور ساری صورتحال کا جائزہ لیا بلکہ کئی دن تک کوٹھی پر پہرہ بھی دیتا رہا حقیقت یہ ہے کہ جہاں جہاں گولیوں کے نشان لگے' وہاں کچھ جگہوں پر فائرنگ پوائنٹ سے گولیاں لگ ہی نہیں سکتی تھیں جو خون پڑا تھا' وہ بھی ایک تو تازہ نہیں تھا' دوسرا اس کا فلو (Flow) بھی فطری نہیں تھا۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب حملہ آوروں کی طرف سے طاہر القادری صاحب کو پیشگی خط مل گیا اور اس خط کے ملنے پر بقول طاہر القادری میں نے ایک ایس ایچ او سے فون پر بات کی اور اس نے صبح آنے کا وعدہ کیا مگر رات کو ہی حملہ ہو گیا تو طاہر القادری صاحب نے اپنی سیکورٹی سخت اور گارڈ الرٹ کیوں نہ کیے؟ اور کوٹھی کے اوپر پہرہ دینے والے نیم مسلح کیوں تھے؟ یہ بات سب کو معلوم تھی کہ طاہر القادری کی کوٹھی کے اوپر چھت پر ہمیشہ پہرہ رہتا ہے اور پہرہ دینے والوں کے لیے جگہ مخصوص ہے' کیا اس بات کا علم حملہ آوروں کو نہیں تھا؟ مگر جو انہوں نے حملہ کے لیے جگہ چنی' وہ سو فیصد اوپر پہرہ دینے والوں کی زد میں تھی' اناڑی حملہ آور بھی ایسی جگہ نہیں چن سکتا' اس حملہ کی آڑ میں طاہر القادری نے لاکھوں روپے لیے' اپنے گھر میں ایک زیر زمین بنکر (تہہ خانہ) تعمیر کروایا۔ ان حقائق کی روشنی میں اور لاہور ہائی کورٹ کی انکوائری رپورٹ کو سامنے رکھ کر ''متاثرین طاہر القادری'' ہائیکورٹ' سپریم کورٹ یا وفاقی شرعی عدالت میں یہ سوال اٹھانے میں حق بجانب ہیں کہ آیا ایسے کردار کا حامل شخص اسلامی تحریک چلانے کا مجاز کس طرح ہے؟

حرف آخر کے طور پر ایک بات کہ اب بھی کچھ سادہ لوح میرے بھائی ان کے روحانی چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں اور کسی انقلاب کی آس لگائے بیٹھے ہیں حالانکہ انقلاب آ چکا ہے؟ ایک متوسط طبقے کا نوجوان جھنگ سے آ کر لاہور میں رہائش پذیر ہو گیا' ماڈل ٹاؤن میں عالیشان کوٹھی ہے' سائیکل پر یونیورسٹی جانے والے نوجوان کے پاس پجارو گاڑی ہے' آگے پیچھے کاریں اور کلاشنکوف بردار دستہ ساتھ ہے' مریدین کی ٹیم ہاتھ چومنے کے لیے موجود ہے' بچے ایچی سن کالج میں پڑھتے ہیں۔ لاکھوں کا کاروبار ہے' منہاج القرآن کے نام پر کروڑوں کی زمین ہے اور ساتھ ساتھ دین کی خدمت بھی ہو رہی ہے؟ اور انقلاب کسے کہتے ہیں؟ ملک میں امیر و غریب کا غیر فطری تفاوت کم کرنے کا دعویٰ کرنے والے ذرا اپنا

جائزہ لیں کہ کیا ان (طاہر القادری) کے اور ان کے پیروکاروں کے درمیان تفاوت فطری ہے؟ جو اپنے اور چاہنے والوں کے درمیان امارت اور غربت کا غیر فطری تفاوت کم نہیں کر سکے بلکہ اس فرق کو مزید بڑھانے کے لیے ''تحریکی ضرورت'' اور نہ جانے کیا کیا جواز پیش کیے جاتے ہیں' انہوں نے ملک میں خاک معاشی انقلاب لانا ہے اور پھر مصطفوی انقلاب کا دعویٰ۔ اگر یہ انقلاب تحریر و تقریر سے آنا ہوتا تو آ چکا ہوتا کیونکہ طاہر القادری نے ساری زندگی بولنے پر ہی صرف کر دی ہے حتیٰ کہ لکھنے لکھانے کا کام بھی دوسروں کے سپرد ہے تاکہ وہ وقت بھی بولنے پر خرچ کریں البتہ اوروں کی ان کاوشوں پر اپنا نام ضرور لکھوا لیتے ہیں تاکہ ان کی کتب میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے۔ افسوس انقلاب سیرت و کردار سے آتا ہے' تحریر و تقریر سے نہیں۔ طاہر القادری اگر سیرت مصطفیٰ ﷺ پر عمل پیرا رہتے تو کتابیں اور کیسٹیں بنائے بغیر بھی انقلاب لا سکتے تھے' اگر وہ انقلاب کے لیے مخلص ہیں تو سیرت طیبہ کو اپنائیں ورنہ قوم کا وقت' پیسہ اور صلاحیتیں ضائع نہ کریں اور مصطفوی انقلاب کے تصور کو مسخ نہ کریں۔ تقریر کا فن ان کے پاس ہے لہٰذا سیدھے سادھے طریقے سے دین کے نام پر اپنی دوکان چمکائے رکھیں۔

سرسبز خوابوں کے جو محل تعمیر کرتے ہیں
علاج غم نہیں ، فقط تقریر کرتے ہیں

(ماہنامہ ساحل کراچی اگست 1992ء)

نامور شخصیات کی ناقابل یقین جعل سازیاں

ہینڈ رائیٹنگ ایکسپرٹ محمد اشرف ملک کے چونکا دینے والے انکشافات

صابر شاکر

محمد اشرف ملک نے 1955ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم ایس سی کا امتحان پاس کیا اور ویسٹ پاکستان پبلک سروس کمیشن سے منتخب ہو کر فورنسک سائنس لیبارٹری لاہور میں بطور اسسٹنٹ ڈائریکٹر تعینات ہوئے۔ شکاگو سے D.I.A سائنس اور واشنگٹن سے فائر آرمز ایکسپرٹ اور Questioned Documents میں مزید مہارت کی تعلیم حاصل کی ہے۔ 1973ء سے 1979ء تک سعودی عرب میں کریمنلسک ایکسپرٹ کے طور پر خدمات سرانجام دیں اور وہاں کی فورنسک لیبارٹریز سے بھرپور استفادہ کیا۔ بین الاقوامی فورنسک کانفرنسوں میں بہت سے ممالک میں پاکستان کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ شناخت کے ماہرین کی بین الاقوامی تنظیم کے علاقائی نائب صدر ہیں۔ مغربی پاکستان صوبہ سرحد اور پنجاب میں ایس پی ٹیکنیکل کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ 1979ء سے 1992ء تک فورنسک سائنس لیبارٹری لاہور میں بطور ایس پی ڈائریکٹر تعینات رہے اور اپنی مدت ملازمت پوری ہونے پر یہیں سے ریٹائر ہوئے۔

زندگی میں پہلی بار ”ندائے ملت“ کے قارئین کی دلچسپی اور استفادے کے لیے پاکستان کی تاریخ کے اہم رازوں سے پردہ اٹھایا ہے۔

”اپنی زندگی کے ایک حیرت انگیز کیس کے بارے میں اشرف ملک نے بتایا کہ 22 اپریل 1990ء کو اخبارات میں ایک دینی رہنما کے گھر ماڈل ٹاؤن میں نامعلوم افراد کی طرف سے اندھا دھند

فائرنگ اور قاتلانہ حملے کی خبر چھپی۔ کہا گیا کہ حملہ حکومت نے کرایا ہے اور ساتھ ہی مطالبہ کیا گیا کہ ہائی کورٹ کے جج سے تحقیقات کرائی جائے۔ پنجاب حکومت نے ایک جج صاحب کو واقعہ کی تحقیقات کرنے کی ذمہ داری سونپی اور آئی جی پنجاب نے مجھے آتشیں اسلحہ کے ماہر کی حیثیت سے تحقیقاتی کمیشن کی معاونت کرنے کا حکم دیا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق میں مقررہ وقت پر جائے واردات کا معائنہ کرنے اس دینی رہنما کے گھر پہنچا اور کوٹھی کے باہر موجود محافظوں نے میری آمد کی اطلاع اندر پہنچائی۔ کچھ دیر بعد وہ رہنما باہر آئے۔ اپنے محافظ کو مخاطب ہو کر کہا۔ ”کون سا ایس پی معائنہ کرنے آیا ہے“ میں چونکہ سول کپڑوں میں تھا اور داڑھی بھی رکھی ہوئی تھی‘ اس لیے میں نے خود ہی ان سے اپنا تعارف کرایا کہ میں ایس پی ٹیکنیکل ہوں اور فائرنگ کیس کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔ کچھ دیر بعد تحقیقاتی جج بھی تشریف لے آئے اور معائنہ کرنے کے لیے کہا‘ رہنما موصوف کا اصرار تھا کہ ”پہلے کچھ خاطر تواضع ہو جائے‘ معائنہ تو ہوتا ہی رہے گا۔“ اتنے میں کولڈ ڈرنکس آ چکی تھیں۔ اس سے فارغ ہوئے تو ہمیں کچھ ہی فاصلے پر موجود ایک چھوٹے سے باتھ روم کے پاس لے جایا گیا۔ سیڑھی کے ذریعے باتھ روم کی چھت پر پہنچے۔ چھت اتنی چھوٹی تھی کہ ہم تینوں بمشکل پورے آئے‘ وہاں کھڑے کھڑے انگلی کے اشارے سے ہمیں بتایا گیا کہ ”وہ سامنے بیڈ روم ہے۔ اس کے ساتھ وہ عبادت کرنے کی جگہ ہے۔ وہاں جائے نماز ہوتا ہے۔ مزید کہا گیا کہ ”حملہ آوروں کو پتا تھا کہ اس وقت عبادت کا وقت ہے اس لیے انہوں نے جائے نماز کو نشانہ بنایا۔ لیکن مقام شکر ہے کہ میں وضو کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا۔“

میں اپنے طور پر جائزہ لے رہا تھا اور کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ وہ پھر گویا ہوئے ”اس باتھ روم کی چھت سے فائرنگ کی گئی‘ 350 گولیوں کے خول یہیں سے ہم نے اٹھائے۔“ انہوں نے زور دے کر کہا ”ایس پی صاحب اسی چھت پر سے۔“ میں نے دل میں کہا‘ اس سے بڑا جھوٹ کیا ہوگا۔ کلاشنکوف تو خالی خول دس فٹ سے زائد فاصلے پر پھینکتی ہے اور یہاں اتنی جگہ بھی نہیں۔ چند اور سوال کیے پھر ہم صحن میں آ گئے جہاں پر میں نے فائرنگ سے متاثرہ حصوں کا بغور جائزہ لیا۔ لاؤنج کی کھڑکی کے شیشے ٹوٹ کر بکھرے ہوئے تھے‘ جیسے ڈنڈا مار کر توڑے گئے ہوں۔ کلاشنکوف کی گولی شیشے کو چیرتی ہوئی دراڑیں ڈال کر آر پار ہو جاتی ہے‘ اس میں شیشے یوں ریزہ ریزہ ہو کر نہیں بکھرتے۔ اسی طرح لاؤنج کی اندرونی چھت پر گولیوں کے جو نشانات نظر آئے وہ بھی حقیقت کے منافی اور خود ساختہ لگ رہے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا ہتھوڑی سے چھت کو کھرچا گیا ہے۔ اتنے میں ہماری توجہ بیڈ روم کے دروازے کی طرف دلائی گئی ”دیکھیں دروازے کو کس طرح نشانہ بنایا گیا ہے‘ پورے چھ فائر کیے گئے۔ شکر ہے میں

حملہ آوروں کے شر سے محفوظ رہا۔" میں بیڈروم کے اندر داخل ہوا۔ دروازے کے اندرونی جانب صرف تین سوراخ تھے۔ میں سوچنے لگا یہ کیا معمہ ہے۔ جج صاحب مجھ سے مخاطب ہوئے اور کہا "آپ کو حتمی رپورٹ تیار کرنے میں کتنے روز درکار ہیں؟" میں نے جواب "سر تین سے چار روز تک اپنی رپورٹ آپ کے حوالے کردوں گا۔" انہوں نے کہا "اوکے گڈ لک" اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔

میں بھی جانے کے لیے باہر نکلنے لگا تو متذکرہ رہنما نے میرا ہاتھ پکڑ کر روک لیا اور کہا "ایس پی صاحب آپ کو کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دوں گا۔ آپ جیسے نیک اور شریف افسر میں نے پولیس میں نہیں دیکھے۔" یہ کہہ کر انہوں نے مجھے متاثرہ بیڈروم میں بٹھا لیا اور مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "ایس پی صاحب کیا رپورٹ تیار کریں گے؟" میں نے کہا جناب۔ یہ میری سرکاری ڈیوٹی ہے اور مجھے ادا کرنے دیں۔" میرا دھیان ابھی تک دروازے کی طرف تھا۔ میں نے ان سے پوچھ لیا۔ "محترم! باہر کی طرف دروازے پر چھ نشان ہیں اور اندر صرف تین' جبکہ اتنے کم فاصلے سے کلاشنکوف کی گولی تو موٹی جستی چادر کو بھی چیرتی ہوئی نکل جاتی ہے۔" میری بات پر جو فوری ردعمل سامنے آیا' وہ خاصا ناخوشگوار تھا۔ "کیا آپ سمجھتے ہیں یہ سب کچھ فراڈ ہے۔ یقین نہیں آتا تو ابھی اس دروازے کو چیر کر دیکھ لیں۔" میں نے کہا جی ہاں! اب تو اس دروازے کو چیر کر ہی دیکھنا پڑے گا۔" فوراً آری منگوائی گئی اور ایک ملازم کو حکم ملا۔ "دروازہ چیر دو۔" دروازہ جب مخصوص جھوں پر سے چیرا گیا تو اندر سے ایک بھی سکہ برآمد نہ ہوا۔ اس پر وہ رہنما پریشان ہو گئے تاہم انہوں نے جلد ہی اس کیفیت پر قابو پا لیا اور ہم کھانے کی میز پر آبیٹھے۔

اگلے روز میں پھر کچھ کارروائی مکمل کرنے کے لیے ان کے گھر پر موجود تھا۔ اس دوران وہ میرے بارے میں خاصی معلومات اکٹھی کر چکے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی میری آؤ بھگت شروع ہو گئی۔ سوال ہوا "ایس پی صاحب! سنا ہے کہ آپ ریٹائر ہو رہے ہیں؟" میں نے کہا "جی ہاں میں ریٹائر ہو رہا ہوں۔" اس پر پیشکش ہوئی "دراصل میں چاہتا ہوں ریٹائرمنٹ کے بعد آپ ہمارے ساتھ آ کر دینی ادارے کی انتظامی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ مجھے بے حد خوشی ہو گی اگر آپ میری پیشکش قبول فرمالیں۔" میں خاموش رہا اور ابھی اس پیشکش کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ پھر بولے "تنخواہ کی فکر مت کریں' آپ کو توقعات سے بڑھ کر مراعات ملیں گی۔" میں نے ازراہ تجسس کہا "اندازاً کتنا دے سکتے ہیں آپ مجھے۔" انہوں نے میری آمادگی محسوس کرتے ہوئے اپنی مخصوص معنی خیز مسکراہٹ چہرے پر بکھیرتے ہوئے کہا "ملک صاحب! میں آپ کو بلینک چیک دے دوں گا۔ اس پر جتنی رقم آپ لکھ دیں گے' ہر ماہ آپ کو اتنی رقم مل جایا کرے گی۔ دیگر سہولتیں اور مراعات اس کے علاوہ ہوں گی۔ میں نے کہا جناب! ریٹائرمنٹ کے بعد میں ملازمت نہیں' پرائیویٹ پریکٹس کروں گا' کچھ رقم پنشن سے مل

جائے گی اس سے کوئی چھوٹا سا کاروبار کرلوں گا۔" وہ پھر مخاطب ہوئے اور کہا "آپ کو کتنی پنشن ملے گی۔" میں نے کہا "یہی کوئی سات آٹھ لاکھ روپے۔" وہ ایک قدم اور آگے بڑھے اور سرگوشی کرتے ہوئے کہا "ہم آپ کو اس سے بیس گنا زیادہ دے سکتے ہیں۔ پتا ہے بیس گنا کتنا بنتا ہے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ روپے۔ ملک صاحب! آپ کی نسلیں سنور جائیں گی۔ زندگی بھر بھی لگے رہیں تو آپ اتنی دولت اکٹھی نہیں کرسکتے۔ آپ صرف ہاں کریں جس کرنسی میں جہاں کہیں گے رقم کیش کی صورت میں پہنچ جائے گی۔" فرط حیرت سے لمحہ بھر کے لیے میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ پھر میں اپنے حواس سمیٹتے ہوئے بولا۔ "حضور! یہ آپ کیا کیا کہہ رہے ہیں' آپ سے ایسی توقع نہ تھی۔" انہوں نے جھنجھلا کر کہا "زیادہ وکالت مت کریں' اپنے کام سے کام رکھیں۔ میں ایک ذمہ دار آدمی ہوں' جو بات کہوں گا وہ پوری بھی کروں گا۔" میں نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے سوال کیا' یہ پیشکش رپورٹ عدالت میں پیش کرنے کے بعد بھی برقرار رہے گی۔" انہوں نے کہا "چھوڑیں رپورٹ کو جو ہونا تھا وہ ہو گیا' بس ایک گول مول سی رپورٹ عدالت میں داخل کردیں اور ہمارے ساتھ کام شروع کردیں۔" میں سنجیدہ ہو گیا اور کہا آج کے بعد رپورٹ کے بارے میں آپ مجھ سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ میری درخواست ہے مجھے دیانتداری سے اپنا کام کرنے دیں اور آپ جو کچھ کر رہے ہیں، وہ کرتے رہیں۔" یہ کہہ کر میں واپس اپنے دفتر آ گیا اور رپورٹ کو آخری شکل دینے میں لگ گیا۔

اگلے روز دفتر میں ایک پرانے دوست کا فون آیا۔ اس نے اپنے گھر مجھے فیملی سمیت کھانے پر مدعو کرلیا۔ اس اچانک دعوت پر بڑی حیرت ہوئی۔ برسوں سے ہمارا آپس میں کوئی رابطہ نہیں تھا اور اب بھی وہ ایک امیر شخص تھا اور میں ایک غریب ملازم پیشہ آدمی۔ تاہم وقت مقررہ پر میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ دوست کے گھر پہنچ گیا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو میرا دوست مجھے ایک طرف لے گیا اور کہا "سنا ہے آج کل آپ فلاں صاحب کے گھر پر ہونے والی فائرنگ کا معمہ حل کر رہے ہیں۔" میں فوراً تاڑ گیا کہ کھانے کی دعوت کا اصل مقصد کیا ہے۔ میں نے اپنے دوست سے کہا "ہاں میں یہ رپورٹ کل عدالت میں پیش کرنے والا ہوں اور بیان بھی ریکارڈ کراؤں گا۔" دوست نے کہا "دراصل ان صاحب سے میرے بڑے پرانے مراسم ہیں اور ان سے کئی حوالوں سے تعلق ہے' اس لیے آپ اپنی رپورٹ پر نظرثانی کریں۔ نیچے تہ خانے میں وہ موجود ہیں' ان سے ذرا اچھے طریقے سے بات کرلیں اور اپنے تعاون کی یقین دہانی کرا دیں تو ممنون ہوں گا۔" یہ کہتے ہوئے میرا دوست مجھے تہ خانے کے ڈرائنگ روم میں لے گیا' وہاں متذکرہ رہنما اپنے پچیس تیس مسلح افراد کے ساتھ پریشانی کے عالم میں ہمارے منتظر تھے۔ بڑے تپاک سے ملے اور پھر وہی رام کہانی شروع کردی۔ میں نے چڑ کر قدرے سخت لہجے

میں کہا ”جناب محترم میں اپنی رپورٹ لکھ چکا ہوں اور مجھے اس کی صداقت پر پورا یقین ہے۔ میں اس میں اب کوئی ردوبدل بھی نہیں کروں گا‘ اس لیے صرف ایک طریقہ ہے جس سے آپ جگ ہنسائی اور رسوائی سے بچ سکتے ہیں۔ آپ کل عدالتی کارروائی کا بائیکاٹ کر دیں اور اپنے وکیلوں سے کہیں کہ وہ میری رپورٹ اور عدالتی بیان کے حوالے سے مجھ پر جرح نہ کریں کیونکہ میں 22 نکات کی مدد سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ خود ساختہ فائرنگ کا ڈرامہ رچا کر سستی شہرت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میرا جواب سن کر وہ طیش میں آ گئے اور کہا ”ہم کسی سے نہیں ڈرتے‘ ہم عدالت کا سامنا کریں گے اور آپ کو بھی کل عدالت میں دیکھ لیں گے۔“ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھیں کہ آپ اور آپ کے وکیل مجھ پر جتنی زیادہ جرح کریں گے اتنے ہی زیادہ حقائق بے نقاب ہوں گے اور آپ کی رسوائی ہوگی۔ میں واپس اپنے دفتر چلا گیا اور مقررہ تاریخ پر عدالت میں اپنی رپورٹ اور بیان قلمبند کرا دیا۔ بیان کے اختتام پر جرح کا وقت آیا اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں نہ وہ رہنما تھے اور نہ ان کا وکیل۔ انہوں نے میری بات مان لی تھی۔“

(ہفت روزہ ندائے ملت لاہور‘ 20 تا 26 اپریل 2000ء)



ادارہ منہاج القرآن کے طلباء بھنگڑا ڈالتے ہوئے

میرے والد صاحب قبلہؒ

پروفیسر محمد طاہر القادری

میرے والد صاحب قبلہؒ کی 1918ء میں پیدائش ہوئی‘ جھنگ میں! ان کا اسم گرامی تھا حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ۔ یہ پانچ بھائی تھے‘ جن میں سے دو بھائی محمد فرید اور محمد صدیق اوائل عمر میں ہی انتقال کر گئے۔ تین بھائی حیات تھے۔ والد صاحب قبلہؒ سب سے بڑے تھے۔ جھنگ کے اسلامیہ ہائی سکول میں انہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل فرمائی۔ ساتھ ہی ایک بزرگ حضرت مولانا غلام فرید صاحب‘ جو درس نظامی کے فاضل اساتذہ میں سے تھے‘ سے صرف‘ نحو‘ منطق کی ابتدائی کتب‘ درس نظامی کی پڑھیں۔ سکول کا زمانہ تھا۔ مڈل تک وہاں پڑھے۔ بعد ازاں ان کے والد گرامی نے‘ یعنی ہمارے دادا جان نے ان کو سکول سے اٹھا لیا‘ کیونکہ خود ان میں (دادا جان میں) سکول کی تعلیم کا مذاق نہیں تھا۔ ویسے والد صاحب قبلہؒ بچپن ہی سے بڑے ذہین تھے‘ بہت فطین تھے‘ بڑے طباع تھے۔ سکول میں ہر کلاس میں ہمیشہ اوّل آتے تھے۔ وہ زمانہ ایسا تھا‘ متحدہ ہندوستان کا‘ سکول میں انگریز بھی طلباء تھے‘ ہندو بھی کثیر تعداد میں تھے اور مسلمان بھی تھے مگر تھوڑی تعداد میں۔ باوجود اس کے والد صاحب قبلہؒ ہر کلاس میں اوّل آتے تھے‘ ہمیشہ وظیفہ حاصل کیا۔ بڑی امتیازی پوزیشن میں وہ ہر امتحان میں کامیاب ہوتے تھے اور ایک مسلمان طالب علم ہونے کے ناطے سے تمام مسلمانوں کے لیے بڑے وقار اور فخر کا باعث بنتے۔

دادا جان نے سکول کی تعلیم کا مذاق نہ رکھنے کی وجہ سے ہمارے والد صاحب قبلہؒ کو سکول سے اٹھا لیا۔ جب وہ غالباً آٹھویں کلاس میں تھے اور جھنگ میں ہی کوئی حکیم صاحب تھے‘ ان کے پاس ان

کو بٹھا دیا اور ان سے کہا کہ ان کے پاس بیٹھ کر کچھ حکمت عملاً سیکھیں، سمجھیں، مزید تعلیم کی کوئی ضرورت نہیں۔ والد صاحب قبلہؒ نے اس وقت تک کچھ کتابیں درس نظامی کی بھی پڑھ لی تھیں۔ وہ کچھ دن تو حکیم صاحب کی دکان پر گئے اور اندازہ کیا کہ یہاں تو میری زندگی ضائع ہو جائے گی' چنانچہ آپ چند دن وہاں جانے کے بعد واپس گھر آئے تو کہا کہ میں اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتا ہوں' یہاں تو میری زندگی بالکل تباہ ہو جائے گی۔ اسی اثناء میں ان کے سکول کے اساتذہ اور ہیڈ ماسٹر' وفد کی شکل میں ان کے گھر آئے اور دادا جان سے کہا کہ یہ تو ہمارے سکول کا سب سے زیادہ لائق بچہ ہے اور مسلمانوں کے لیے باعث فخر ہے اور اگر آپ کو اس بچے کے لیے کسی مالی مشکل کا مسئلہ ہے' تو آپ اس طرف سے بے فکر ہو جائیے' ہم تمام بندوبست کر لیں گے۔ کتابیں' سکول کی فیس' ہم سب کچھ برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہمارے لیے تو یہ بچہ باعث فخر ہے' ہم اسے کسی قیمت پر جانے نہیں دیں گے۔ دادا جان نے کہا کہ یہ مسئلہ نہیں ہے۔ بس ان کا ایک رجحان تھا۔ کہا کہ اس کو عملاً کچھ سکھاتے ہیں' تعلیم سے کیا ہوگا؟

بہرحال سکول کے اساتذہ کا یہ وفد بار بار دادا جان کے پاس آیا لیکن وہ نہ مانے۔ والد صاحب قبلہؒ نے اپنے والد صاحب کے حکم کی تعمیل کی۔ کچھ دن مزید حکیم صاحب کے پاس گئے لیکن پھر اندازہ کیا کہ اس سے تو میری زندگی برباد ہو جائے گی۔ انہوں نے بار بار اپنے والد صاحب سے اپنی تعلیم کے دوبارہ جاری کرنے کے بارے میں کہا لیکن ان کے والد صاحب نے اس طرف توجہ نہ فرمائی۔ انہوں نے پھر اپنی والدہ صاحبہ سے ذکر کیا' یعنی ہماری دادی جان سے۔ دادی جان کا اسم گرامی تھا، مائی صاباں! ایک دیہات ہے ٹوبے کی طرف چک نمبر 478، اس گاؤں کی وہ رہنے والی تھیں! بڑی صالحہ خاتون تھیں۔ بڑی اللہ اللہ کرنے والی۔ بڑی درویش منش' درویش صفت اور زاہدہ، عابدہ! مزاج کے اعتبار سے بڑی سادہ تھیں۔ ان کے انتقال کو کم و بیش ساٹھ برس ہو گئے ہیں۔ پچھلے دنوں میں جھنگ میں قبلہ والد صاحبؒ کے مزار کی تعمیر نو کروا رہا تھا۔ مزار کے حجرے کے لیے' جس پر اوپر گنبد بننا تھا' بنیادیں کھودی جا رہی تھیں۔ مستری مزدور لگے ہوئے تھے۔ یہ مستری' مزدور اور دوسرے کافی سارے لوگ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے مجھے جھنگ جانے پر بتایا۔ والد صاحب قبلہؒ کی قبر کے بالکل متصل ہماری دادی جان کی قبر تھی تو جب مزار کے حجرے کے لیے درمیان میں بنیادیں کھودی گئیں' دونوں ماں بیٹے کی قبروں کے درمیان چونکہ فاصلہ زیادہ نہ تھا' اس لیے جب بنیادیں گہرائی میں گئیں تو مزدوروں کے پھاوڑوں سے دادی جان کی قبر اندر سے کھل گئی۔ نیچے لحد بھی کھل گئی۔ دادی جان کی قبر کی لحد کا کھلنا تھا کہ اندر سے خوشبو کا ایک جھونکا آیا جس نے پلک جھپکنے میں اردگرد کی فضا کو معطر کر کے رکھ دیا۔ یہ واقعہ مجھے وہاں کام کرنے والے مزدوروں اور مستریوں نے بتایا۔ وہ سب حیران ہوئے کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ انہیں

قطعاً اس بات کا علم نہ تھا کہ یہ قبر کس کی ہے۔ وہ نیچے جھکے' قبر کے اندر دادی جان کا کفن بالکل محفوظ' سلامت حالت میں تھا۔ ساٹھ برس دفن ہونے کے بعد بھی ان کے کفن کو کوئی گزند نہیں پہنچا تھا۔ کہیں سے ذرا بھی گلا سڑا نہیں تھا اور جسم اندر محفوظ لپٹا پڑا تھا۔ مزدوروں نے جلدی سے لحد کو بند کیا اور دوڑتے ہوئے ہمارے رشتہ داروں کے پاس جو جھنگ میں ہیں' گئے اور انہیں جائے وقوعہ پر لائے اور پوچھا کہ یہ قبر کن کی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: یہ تو قادری صاحب کی دادی جان کی قبر ہے۔ پھر مزدوروں نے ان کو سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ یہ ایسا واقعہ ہوا ہے اور ہم سب نے ان کی زیارت کی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد میں جھنگ گیا۔ وقفے وقفے سے میں چکر لگاتا رہتا تھا۔ تعمیر کے دیکھنے کے سلسلے میں' تو ان سب احباب نے یہ چشم دید واقعہ مجھے سنایا۔ اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کتنا کرم تھا' کتنی رحمت تھی! یہ سب کچھ ان کے تقویٰ اور صالحیت کی وجہ سے تھا۔

ہمارے والد صاحب قبلہؒ نے اپنی والدہ ماجدہ سے ذکر کیا کہ میں اس طرح تو اپنی زندگی ضائع نہیں کرنا چاہتا اور اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتا ہوں۔ یہاں رہتا ہوں تو والد صاحب قبلہؒ پڑھنے نہیں دیتے' اور میں ان کی بے ادبی نہیں کر سکتا' آپ اگر والد صاحب سے بات کر لیں اور آپ اجازت دے دیں تو میں آپ کی اجازت سے جھنگ سے کہیں باہر چلا جاتا ہوں جہاں میں اپنی تعلیم کو جاری رکھ سکوں۔ والدہ ماجدہ خوشی سے رضامند ہو گئیں۔ اور انہوں نے بیٹے سے فرمایا کہ بیٹا! تم چلے جاؤ۔ ساتھ ہی اپنے تمام زیورات جو چاندی کے تھے' بیٹے کو دے دیے اور ان سے فرمایا بیٹے! یہ میرے زیورات چاندی کے لے جاؤ' میرے پاس پیسے نہیں ہیں' تم ان زیورات کو بیچ دو' کچھ پیسے مل جائیں گے تو کچھ دن تمہارا خرچ، اخراجات' کرائے کا سلسلہ جاری رہ سکے گا' پھر اس کے بعد اللہ مسبب الاسباب ہے۔ تم جلدی سے اپنی تعلیم کا آغاز کر دو۔ تو میرے والد صاحب قبلہؒ اپنی والدہ کی رضامندی اور اجازت سے وہ زیورات لے کر چلے گئے اور ان کو فروخت کر دیا۔

مجھے والد صاحب قبلہؒ نے بتایا کہ اس زمانے میں یہ زیورات بیس روپے میں بکے تھے۔ یہ 1930ء یا 31ء کی بات ہے۔

جھنگ سے والد صاحب قبلہؒ سیدھے سیالکوٹ پہنچے اور یہاں ایک سکول میں داخلہ لے لیا اور بقیہ دو سال یہاں بسر کیے اور یہیں سے میٹرک کیا۔ ان دو سالوں میں انہوں نے اپنی درس نظامی کی تعلیم کو بھی جاری رکھا جو منقطع ہو گئی تھی۔ وہاں ایک فقیہ اعظم کے نام سے ایک بزرگ بڑے مشہور تھے' مولانا محمد یوسف سیالکوٹی۔ بہت نامور عالم دین اور بہت بڑے فاضل تھے۔ اکابر علماء میں سے تھے' والد صاحب نے درس نظامی کی تعلیم ان سے جاری رکھیں اس اثناء میں انہوں نے ساتھ ٹیوشن پڑھائی کیونکہ

اس عرصے میں زیورات کے جو پیسے تھے وہ ختم ہو گئے تھے اور دوبارہ انہوں نے گھر اطلاع ہی نہیں بھجوائی تھی۔ اطلاع انہوں نے اس ڈر سے نہیں کی تھی کہ والد صاحب کو پتہ چل گیا کہ میں یہاں ہوں تو وہ مجھے یہاں سے جھنگ لے جائیں گے۔ پیچھے دادی جان نے دادا جان کو بتا دیا تھا کہ میرا بیٹا میری اجازت سے خالصتاً حصول علم کے لیے گھر سے باہر گیا ہے اس لیے بھی ان کے والد صاحب کو اتنی فکر نہیں تھی اور انہیں اطمینان تھا کہ خدانخواستہ کوئی حادثہ انہیں پیش نہیں آ گیا۔ یہ بھی مزے کی بات ہے کہ والد صاحب اپنی خیر خیریت کا خط گھر بھیج دیتے تھے لیکن اپنا پتہ نہیں لکھتے تھے کہ میں کہاں ہوں۔ تعلیم کا شوق اتنا تھا کہ وہ کسی طرح بھی اپنی تعلیم کا سلسلہ منقطع نہیں ہونے دینا چاہتے تھے۔ گھر والوں کو بیٹے کی خیر خیریت کا خط چونکہ مل جاتا تھا اس لیے انہیں اطمینان تھا کہ وہ جہاں کہیں ہیں اللہ کے فضل سے بخیریت ہیں۔ دو سال والد صاحب قبلہؒ سیالکوٹ میں مقیم رہے۔ وہاں کوئی ڈاکٹر قریشی صاحب تھے جن کا پورا نام میرے ذہن میں نہیں آ رہا ہے ان کے ہاں رہائش رکھی اور Self Support کی بنیاد پر ٹیوشن پڑھائی اور دینی و دنیوی تعلیم دونوں کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری رکھا۔ شام کو درس نظامی پڑھتے اور صبح کو سکول کی تعلیم حاصل کرتے۔ شدید محنت شاقہ سے کام کیا۔ دو سال میں یہاں سے درس نظامی کی کچھ کتب پڑھنے اور میٹرک پاس کرنے کے بعد والد صاحب قبلہ لکھنؤ تشریف لے گئے۔

لکھنؤ پہنچے تو وہاں مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ کا دارالعلوم ہے بہت بڑا۔ یہ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ برصغیر پاک و ہند کے اکابر علماء اور فضلاء میں سے ہو گزرے ہیں بلکہ اجل فقہا میں سے۔ برصغیر کے جو چوٹی کے علمی مراکز ہیں ان میں فرنگی محل بھی ایک ہے تاریخی جگہ ہے۔ تو اس دارالعلوم فرنگی محل میں درس نظامی کی مزید تعلیم کے حصول کے لیے والد صاحب قبلہؒ نے داخلہ لے لیا شام کی کلاسوں میں! اساتذہ نے ان کی ذہانت سے متاثر ہو کر بڑی محبت سے ان کو داخل کر لیا۔ ساتھ ہی دن کو انہوں نے جوامیٹ کالج میں داخلہ لے لیا جس کے پرنسپل شفاء الملک حکیم عبدالحلیم لکھنوی تھے۔ متحدہ ہندوستان کے دور اواخر کے بہت بلند پایہ حکماء اور اطباء میں سے تھے۔ یہ شفاء الملک حکیم عبدالحلیم لکھنوی، حکیم اجمل خان، حکیم نابینا انصاری یہ ایک ہی پائے کے لوگ تھے۔ والد صاحب قبلہؒ نے ان کے طب یونانی کالج میں داخلہ لے لیا چار پانچ سال کے کورس میں۔

لکھنؤ میں طبیہ کالج اس طرح واقع تھا کہ اس کے بالکل سامنے کنگ جارج میڈیکل کالج واقع تھا جہاں ایل ایس ایم ایف، ایم بی بی ایس ہوتا تھا۔ یہاں یہ Arrangement تھا کہ ایل ایس ایم ایف اور طبیہ کالج کورسز برابر تھے اور دونوں کالج کے طلبہ ایک دوسرے کالج میں Exchange ہوا کرتے تھے۔ والد صاحب قبلہؒ کے کلاس فیلوز ان کو ملنے آتے تھے تو یہ باتیں مجھے بتایا کرتے تھے۔ کنگ

جارج میڈیکل کالج کے ایل ایس ایم ایف اور ایم بی بی ایس کے طلباء ادھر یعنی طبیہ کالج میں کلاسز لیتے تھے نبض کا علم سیکھنے کے لیے 'تشخیص کا' تجویز کا------ وہ فنون جو علم ادویات میں ان کے ہاں تھے۔ اور یہاں کے طلبہ (طبیہ کالج کے) وہاں کنگ جارج میڈیکل کالج میں باقاعدہ انرول منٹ ہوتی تھی اور کچھ کلاسز دونوں کالجز کی کامن ہوتی تھیں۔ دونوں کی ڈگری برابر ہوتی تھی------ والد صاحب قبلہ نے چار سال کنگ جارج میڈیکل کالج میں پڑھ کر میڈیکل کی ڈگری لی۔ اس کے ساتھ ہی انہیں طبیہ کالج سے بھی سند مل گئی۔ اس میں انہوں نے ٹاپ کیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے دورہ حدیث کی بھی تکمیل کی۔ درس نظامی کی بھی تکمیل کر لی۔ موقوف علیہ تک کتابیں پڑھ کر کچھ اور بھی علوم و فنون پڑھے۔ دارالعلوم فرنگی محل سے! اس طرح انہوں نے چار پانچ سال کے عرصے میں بیک وقت تین بڑی کامیابیاں حاصل کیں: جوامیٹ والا طبیہ کالج سے طب کی سند حاصل کی کنگ جارج میڈیکل کالج سے ڈگری لی اور درس نظامی مکمل کیا۔ یعنی دینی، طبی اور ایلو پیتھک کورس بیک وقت مکمل کیے صرف چار سال کے عرصے میں!

اسی دوران میں ان کا علمی اور ادبی ذوق بڑا ڈویلپ ہوا۔ چونکہ لکھنؤ میں تھے اس لیے لکھنؤ کی ادبی فضا کا ان پر بھی اثر ہوا۔ اس زمانے میں شکیل مینائی کا لکھنؤ میں بڑا نام تھا۔ وہ امیر مینائی کے بھتیجے یا بھانجے تھے۔ ان سے والد صاحب قبلہؒ نے شاعری میں تلمذ کیا۔ ان سے اصلاح لی۔ انہوں نے شاعری میں اتنا کمال حاصل کر لیا کہ لکھنؤ کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا تھا جس میں ان کی شرکت چوٹی کے شعراء کے طور پر نہ ہوتی تھی۔ یہ زمانہ بھی انہوں نے بڑی محنت شاقہ سے گزارا۔ اس عرصے میں بھی انہوں نے ٹیوشن کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ فرماتے ہیں: میں نماز فجر کے بعد ایک دو ٹیوشن پڑھاتا تھا علی الصبح! اس سے اتنا گزارا ہو جاتا تھا کہ وہ اپنی گزر اوقات کر لیتے تھے۔ بقایا اوقات ان کے تحصیل علم کے لیے وقف ہوتے۔ پانچ سال کا عرصہ لکھنؤ کا میں نے اتنی شدید محنت اور مصروفیت میں گزارا کہ آج میں اس کا تصور کرتا ہوں تو دنگ رہ جاتا ہوں۔ جوانی کا دور تھا۔ فرماتے ہیں کہ اس دوران مجھے کئی بار فاقے آئے کیونکہ گھر میں تو وہ خط لکھتے تھے صرف خیر خیریت کا اور پتہ درج نہیں کرتے تھے۔ ان کے گھر والوں کو بھی علم ہو گیا تھا کہ وہ کہیں دور تحصیل علم کے لیے نکل گئے ہیں یہ برٹش انڈیا کا دور تھا۔ والد صاحب قبلہؒ فرماتے ہیں اس زمانے میں کئی بار فاقے آ جاتے کئی بار! کبھی دو دو دن، تین تین دن کھانے کو نہ ملتا تھا۔ لیکن علم کی تشنگی بجھانے کے لیے یہ سب کچھ برداشت کیا۔ اس زمانے میں قیام لکھنؤ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ والد صاحب قبلہؒ فرماتے تھے کہ ٹیوشن میرے پاس کوئی نہیں تھی۔ ٹیوشن کا بھی تو ایک موسم ہوتا ہے ناں۔ ٹیوشن کے اس خالی موسم کے لیے وہ کچھ پیسہ پس انداز کر کے رکھتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ کالج کے

لیے کچھ زیادہ اخراجات ہو گئے۔ کتابوں' لٹریچر پر زیادہ رقم خرچ ہو گئی۔ ادھر ٹیوشن کوئی نہیں تھی۔ جیب پیسے سے بالکل خالی تھی۔ نتیجتاً فاقہ آ گیا۔ ایک دن بھی فاقہ آیا۔ دوسرا دن بھی فاقے میں گزرا۔ فرماتے ہیں جب تیسرا دن بھی فاقے میں گزرنے لگا' صرف پانی پر گزارا تھا' تو جسم میں کمزوری' نقاہت آ گئی شروع ہو گئی۔ میرے لیے چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا۔ دو قدم چلنا بھی ناممکن تھا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ کالج بھی فاقے کی وجہ سے نہ جا سکا۔ فرنگی محل بھی نہ جا سکا۔ اسی فاقے کی وجہ سے دونوں کالجوں میں حاضری نہ دے سکا۔

فرماتے تھے کہ میں نے کبھی غیر حاضری نہ کی تھی۔ والد صاحب قبلہؒ دونوں کالجوں میں صف اوّل سے بھی اگلے درجے کے طالب علم تھے۔ دونوں کالجوں میں کسی بھی فن اور میدان میں ان کا ساتھی اور مثیل نہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے بہت کمال درجے کی ذہانت و فطانت' فہم' نکتہ سنجی' استخراج و استنباط' حافظہ کمال درجے کا عطاء کیا تھا انہیں۔ فرماتے تھے' اس زمانے میں' میں ایک رات میں تین تین' چار چار سو صفحات کی کتاب پڑھ لیتا تھا' تو پھر سالوں تک اس کتاب کا نقش ذہن پر یوں مرتسم ہو جاتا تھا کہ کتاب کا ایک ایک حرف' ایک ایک سطر حافظے میں محفوظ رہتی تھی۔ وہ یقیناً عبقری روزگار تھے۔ فرماتے ہیں' فاقے کی شدت کی وجہ سے میں کالج میں نہ جا سکا تو اساتذہ کو تشویش ہوئی۔ شفاء الملک حکیم عبدالحلیم صاحب کو پتہ چلا تو انہوں نے ایک طالب علم کو ان کے پاس بھیجا۔ یہ کرائے پر ایک کمرہ لے کر رہائش پذیر تھے۔ حکیم صاحب نے والد صاحب قبلہؒ کو شام کے وقت اپنی رہائش گاہ پر بلایا اور پوچھا کہ بیٹے کیا بات ہے کہ آج تم کالج میں نہیں آئے۔ پھر ان کا چہرہ دیکھ کر متفکر ہو گئے' پیلا زرد چہرہ! نقاہت بہت زیادہ تھی۔ دیکھ کر پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے؟ والد صاحب قبلہؒ فرماتے ہیں کہ حکیم صاحب نے دو تین بار پوچھا لیکن میں نظریں نیچے کیے خاموش رہا۔ وہ سمجھ گئے ماجرا سارا۔ پھر انہوں نے براہ راست مجھ سے سوال کیا کہ آپ نے آج کیا کھایا۔ میں خاموش رہا۔ پھر پوچھا کہ کل کیا کھایا تھا؟ میں خاموش۔ پھر پوچھا پرسوں کیا کھایا۔ میں خاموش! پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے' تو میں نے اپنی ساری داستان سنا دی اور عرض کیا کہ میں تو گزشتہ چار سال سے گھر سے باہر ہوں' خالصتاً حصول علم کے لیے۔ وہ سب ماجرا سن کر کانپ اٹھے۔ انہیں بڑا رشک آیا۔ شفاء الملک صاحب کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کا ایک چھوٹا سا بیٹا تھا: متین! ان کو سب متین بابو کہتے تھے۔ بعد میں وہ بھی حکیم ہوئے۔ پاکستان بننے پر وہ لاہور منتقل ہو گئے تھے۔ ان کا مطب لاہور میں تھا۔ مجھے دھندلا سا خیال آ رہا ہے کہ والد صاحب ایک بار مجھے جب میں چھوٹا سا بچہ تھا' ان کے مطب پر لے گئے تھے اور مجھے بتایا کہ بیٹے یہ متین بابو ہیں جن کے والد صاحب کا میں شاگرد ہوں اور انہیں میں نے اپنی گود میں پالا ہے۔ والد صاحب قبلہ حکیم شفاء الملک

صاحب کے طالب علم تھے اور یہ متین صاحب بالکل چھوٹے سے بچے تھے۔ والد صاحب قبلہ کالج کے بڑے ذہین طالب علم تھے' اس لیے حکیم صاحب ان کو بڑی محبت سے گھر بلا کر بھی سبق پڑھاتے' انہیں کنسلٹ کرتے تھے جس طرح عام طور پر لائق طالب علموں کو اساتذہ خصوصی طور پر کنسلٹ کرتے ہیں۔ بہرحال والد صاحب حکیم شفا صاحب کے گھر اکثر جایا کرتے تھے۔ اس دوران میں متین بابو ان سے بڑے مانوس ہو گئے تھے۔ حکیم شفاء الملک نے جب والد صاحب قبلہؒ کی یہ ساری داستان سنی تو انہوں نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ بیٹے! آج سے میرا یہ حکم ہے کہ تم وہ رہائش چھوڑ کر میرے گھر میں منتقل ہو جاؤ اور آج سے تم میرے بیٹے ہو۔ چھوٹا بیٹا میرا متین ہے اور بڑا بیٹا فرید! حکیم صاحب نے والد صاحب قبلہؒ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ اس دن کے بعد والد صاحب قبلہ حکیم صاحب کے بیٹے بن کر ان کے ہاں رہنے لگے۔ پھر وہ جتنا عرصہ لکھنؤ میں رہے' انہی کے ہاں رہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں بیس بائیس گھنٹے روزانہ کام کرتا تھا۔ اور سونے کا وقت مشکل سے ہی ملتا تھا۔ کبھی ظہر کے بعد آنکھ لگ جاتی تو وہی غنیمت خیال کرتا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں آرام کرنے کا تصور ہی زندگی میں بھول گیا تھا۔ اس دوران اگر چھٹیاں ہوتیں تو وہ سیر کو بھی نکل جاتے لیکن ان کی سیر بھی مقصد سے کبھی خالی نہ ہوتی۔ وہ کبھی مزارات کی زیارت کے لیے سرہند شریف تشریف لے جاتے' کبھی اجمیر شریف اور کبھی دلی کے اکابر اولیاء و صوفیاء عظام کے مزارات پر حاضری دے کر روحانی سکون حاصل کرتے۔ اس دوران والد صاحب قبلہؒ دو مرتبہ حضرت علامہ اقبالؒ کو ملنے کے لیے لکھنؤ سے لاہور تشریف لائے اور یہاں سے دوبارہ واپس گئے۔ دونوں بار وہ علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مختلف موضوعات اور مسائل پر حضرت علامہ اقبالؒ سے تبادلہ خیال کیا------استفادہ کیا حضرت علامہ کے ملفوظات سے۔ لیکن ان مجلسوں میں کیا کیا باتیں ہوئیں' کیا کیا گفتگو ہوئی' یہ مجھے مستحضر نہیں رہی۔ بڑی مدت پہلے والد صاحب قبلہؒ نے مجھے ان ملاقاتوں کے بارے میں فرمایا تھا مگر ان کی تفصیلات مجھے یاد نہیں رہیں۔ اسی زمانے میں والد صاحب قبلہ دو بار لکھنؤ سے صرف حضرت پیر مہر علی شاہ کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے گولڑہ شریف آئے۔ ان کے ذوق میں بڑا تنوع تھا۔ یعنی علمی ذوق بھی ہے' ادبی اور شعری ذوق بھی ہے۔ فکری ذوق بھی ہے' طبی ذوق بھی ہے' عالمانہ' فقہی اور تحقیقی ذوق بھی ہے' اور روحانی اور صوفیانہ ذوق بھی ہے۔ ان کی شخصیت میں بڑی جامعیت تھی ہمہ گیریت تھی۔ ان کے انہی مشاغل میں مجاذیب سے ملنا بھی شامل ہے۔ اگر پتہ چلتا کہ کہیں کوئی مجذوب ہے تو دور دراز کا سفر طے کر کے ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیتے۔

طبیہ کالج میں والد صاحب قبلہ فرسٹ آئے تھے۔ یہاں سے فارغ التحصیل ہوتے' تخصص

حاصل کرنے کے بعد شفاء الملک حکیم عبدالحلیم صاحب نے ان کو نبض میں مزید تخصص حاصل کرنے کے لیے ------ حکیم شفاء الملک عبدالحلیم لکھنوی کے والد تھے: مسیح الملک مولانا حکیم عبدالعزیز لکھنوی بڑے فاضل بھی تھے اور بہت بڑے اجل طبیب بھی۔ ان کے والد کس پائے کے حکیم تھے' اس کا ایک واقعہ میں آپ کو بتاتا ہوں:

وہ ایک گلی میں سے گزر رہے تھے۔ ایک گھر سے رونے کی آواز آرہی تھی۔ گھر میں کوئی مرگ ہوگئی تھی اور گھر والے میت کو نہلا رہے تھے اور غسل کا پانی باہر نالی میں بہہ رہا تھا۔ آپ رک گئے۔ اندر سے آنے والے پانی کو غور سے دیکھتے رہے' دیکھتے رہے۔ اور اس کے بعد فرمانے لگے کہ یہاں گھر میں کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اندر' اس گھر میں مرگ ہوگئی ہے حکیم صاحب نے کہا کہ یہ پانی جس جسم سے مس ہوکر آرہا ہے' وہ لگتا نہیں ہے کہ مرا ہے' وہ زندہ ہے۔ یہ میت کا پانی نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ میت کے غسل کا پانی ہے۔ حکیم صاحب نے کہا' یہ مردے کے جسم کا پانی نہیں ہے' کسی زندہ آدمی کے غسل کا پانی ہے۔ لوگوں نے باصرار کہا کہ یہ مردے کے جسم کا پانی ہے۔ حکیم صاحب نے کہا دروازہ کھلوایئے۔ دروازہ کھولا اور اندر میت کو نہلاتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے لوگوں سے کہا ذرا پرے ہٹ جایئے اور خود جاکر تختے پر پڑے جسم کی نبض دیکھی اور فرمایا یہ تو زندہ ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ شخص تو صبح مرگیا تھا۔ حکیم صاحب نے کہا۔ نہیں یہ زندہ ہے اور ساتھ ہی سکتے ایسی کسی مرض کا نام بتلایا کہ اسے یہ مرض لاحق ہے اور فرمایا کہ اس مرض میں تین دن تک انسان زندہ رہ سکتا ہے۔

اس پائے کے بصیرت کے مالک تھے شفاء الملک کے والد صاحب! میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض طبی بصیرت نہ تھی بلکہ قلبی بصیرت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے لوگ خواہ وہ علماء تھے خواہ وہ اطباء تھے۔ وہ علماء ہوں یا اطباء' وہ ساتھ ہی ساتھ عرفاء بھی ہوتے تھے۔ وہ قلبی اور روحانی بصیرت رکھتے تھے۔ صاحب نظر ہوتے تھے۔ چونکہ ان کے اندر بڑا تقویٰ' بڑی پرہیزگاری تھی۔ رزق حلال کا حصول ان کا شیوہ تھا۔ تہجد تک ترک کرنے کا ان میں تصور نہیں تھا۔ رات کے پچھلے پہر ایک دو بجے اٹھ جانے والے ہوتے تھے۔ ہمیشہ کثرت کے ساتھ وظائف کرنا ان کی زندگی کا معمول تھا۔ تو اللہ انہیں قلبی اور روحانی بصیرت عطاء فرما دیتا تھا۔ تو وہ بصیرت اور طبی فراست مل کر کام کرتے تھے۔

تو یہ خاندان' جس کا میں نے یہ واقعہ سنایا ہے' طب میں خاندان عزیزی کہلاتا ہے۔ جب میرے والد صاحب قبلہ'' فارغ ہوگئے تو ان کے استاد شفاء الملک صاحب نے ان کو ریفر Refer کیا حکیم نابینا انصاری کی طرف! حکیم نابینا صاحب کا پورا نام حکیم عبدالوہاب انصاری تھا۔ یہ وہی حکیم نابینا صاحب ہیں جو اقبال'' کی زندگی کے آخری دنوں میں ان کے معالج رہے تھے۔ یہ دہلی کے رہنے والے

تھے اور نظام حیدرآباد دکن نے انہیں حیدرآباد میں افسر الاطباء مقرر کر رکھا تھا۔ حکیم نابینا انصاری سال کا کچھ عرصہ حیدرآباد میں گزارتے تھے اور کچھ عرصہ دہلی میں۔ تو شفاء الملک صاحب نے میرے والد صاحب قبلہ'' کو ان حکیم نابینا انصاری کی طرف (Refer) ریفر کیا اور ساتھ ایک رقعہ لکھ کر دیا جس میں حکیم نابینا صاحب کو تحریر تھا کہ میں آپ کی خدمت میں اپنے دارالعلوم اور طبیہ کالج کا ایک چوٹی کا طالب علم جو ہمارے کالج کا مغز ہے' اور جس پائے کا طالب علم آج تک ہمارے کالج میں کوئی نہیں آیا' اس کو نبض میں مزید تخصص حاصل کرنے اور استفادے کے لیے آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں' اس کو اپنی خصوصی توجہات کے ساتھ نوازیں۔

ان دنوں حکیم نابینا انصاری حیدرآباد دکن میں تھے' اس لیے والد صاحب'' لکھنؤ سے حیدآباد چلے گئے۔ پھر جب حکیم صاحب دہلی آئے تو ان کے ساتھ وہ بھی دہلی آگئے۔ یوں پورا ایک سال والد صاحب قبلہ حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر رہے۔ اب وہ چونکہ فارغ التحصیل تھے۔ پڑھنے والا معاملہ تو تھا نہیں' اب کو مشق تھی' نبض میں تخصص حاصل کرنا تھا۔ اور تخصص عملی تجربے کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ حکیم عبدالوہاب عرف حکیم نابینا صاحب کا یہ معمول تھا کہ دو چار طالب علم چوٹی کے جو ان کے تلامذہ میں سے فارغ ہوتے تھے' وہ مستقل ان کے ساتھ رہتے تھے اور جب وہ مطب میں بیٹھتے تو دو شاگردان کے بائیں طرف بیٹھتے اور دو دائیں طرف۔ اور وہ یعنی حکیم نابینا انصاری بیک وقت دو مریضوں کو دیکھتے تھے۔

اب میں بتاتا ہوں کہ وہ کس طرح اپنے شاگردوں کی تربیت کرتے تھے' بیک وقت دو مریضوں کو دیکھتے اور نبض پر ہاتھ رکھ کر دونوں مریضوں کا مرض جو بھی ہوتا' بول دیتے۔ پہلے علامات بولتے چلے جاتے' علامات کے بعد مرض بھی بول دیتے۔ مرض بول دینے کے بعد ان کا علاج' مرکبات' مفردات' جو کچھ بھی مریض کے لیے ضروری ہوتا' بولتے چلے جاتے اور یہ ہرگز نہ بتاتے' کہ یہ علاج سامنے بیٹھے دونوں مریضوں میں سے کس مریض کے لیے ہے۔ یہ بات شاگردوں پر چھوڑ دیتے۔ جب مریض کو دیکھ کر فارغ ہوجاتے تو حکیم نابینا صاحب شاگردوں سے پوچھتے کہ اپنے نوٹس پڑھو کہ تم لوگوں نے کس مرض کے لیے کون سی دوائی تجویز کی ہے۔ وہ نوٹس بتاتے' اپنے نسخہ جات بتاتے تو اگر اس میں کہیں غلطی ہوتی تو حکیم صاحب اصلاح کر دیتے۔ اس طرح شاگردوں کو خود محنت کرنا پڑتی تو انہیں حکمت میں زیادہ درک حاصل ہوتا چلا جاتا۔ والد صاحب قبلہ مجھے فرماتے ہیں کہ جب میں پہلے دن حکیم نابینا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے پہلے میرا انٹرویو کیا۔ ٹیسٹ لیا' اسباق سنے اور جب ہر ٹیسٹ میں ان کو مکمل پایا تو پہلے ہی دن اپنے دائیں بائیں بیٹھنے والے شاگردوں میں ان کو شامل کرلیا اور یوں

والد صاحب قبلہ پورا ایک سال حکیم نابینا انصاری کے ساتھ شریک رہے ------ اس طرح تربیت پائی نبض میں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نبض میں والد صاحب" کو وہ مہارت نصیب ہوئی کہ میں نے اپنی زندگی میں حکماء اور اطباء میں اتنا بڑا نباض نہ دیکھا ہے اور نہ اس دور میں سنا ہے۔ نبض پر حکیم نابینا انصاری کی ایک کتاب بھی ہے۔ وہ کتاب والد صاحب قبلہ" نے مجھے بھی دی تھی پڑھنے کے لیے۔

حکیم نابینا انصاری کے بارے میں والد صاحب نے مجھے ایک واقعہ سنایا جو شاید ان کی کسی کتاب میں بھی مندرج ہے لیکن یہ واقعہ والد صاحب کے عین سامنے پیش آیا اور وہ خود اس کے گواہ اور عینی شاہد ہیں۔ والد صاحب قبلہ" فرماتے ہیں کہ ہم حکیم نابینا انصاری کے دائیں بائیں معمول کے مطابق بیٹھے تھے، مطب کا وقت تھا۔ مریض آتے اور حکیم صاحب بیک وقت دو دو مریضوں کو دیکھتے چلے جاتے جیسا کہ ان کا معمول تھا۔ ایک دن ایک جوڑا میاں بیوی حکیم صاحب کے مطب پر آئے اور آ کر شوہر نے حکیم صاحب کو نبض دکھائی حکیم صاحب نے نبض دیکھ کر اس کی تکلیف اور مرض کے علاج کے لیے دوائی وغیرہ تجویز کر دی۔ وہ شخص جب اپنی نبض دکھا چکا تو حکیم صاحب سے کہنے لگا کہ جناب میرا بیٹا جس کی عمر نو سال ہے۔ وہ بھی میرے ساتھ آیا ہوا ہے اس کی بھی نبض دیکھ لیجئے' اسے بھی تکلیف رہتی ہے۔ حکیم صاحب نے اس شخص کی یہ بات سنی تو چونک اٹھے اور اس آدمی سے کہنے لگے کہ بھئی آپ کا بیٹا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ بات ہمارے ڈاکٹر ایم بی بی ایس کرنے والے صاحبان نہیں مانتے کیونکہ انہیں نبض کا علم پڑھایا ہی نہیں جاتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نبض صرف سرکولیشن آف بلڈ کے نظام کو ٹیسٹ کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ حکیم نابینا صاحب نے اس آدمی کی نبض تو محض کسی دوسری تکلیف کو جاننے کے لیے دیکھی تھی لیکن نبض پر ہاتھ رکھنے سے ہر چیز سامنے آ گئی تھی! تو جب اس شخص نے کہا کہ حکیم صاحب میرے بیٹے کو ذرا دیکھئے! تو حکیم صاحب نے کہا آپ کا بیٹا! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا' یہ میرا بیٹا ہے؟ انصاری صاحب نے کہا کہ آپ کا بیٹا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس اصرار و انکار میں لوگوں کا ایک اژدہام وہاں اکٹھا ہو گیا۔ تلامذہ جمع ہو گئے۔ عجیب تماشا شروع ہو گیا۔ مریض کا اصرار تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ حکیم صاحب کا ارشاد تھا کہ یہ آپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ حکیم صاحب نے آخر میں چیلنج سے کہا کہ اگر آپ کا یہ بیٹا ہو تو میں ساری عمر کے لیے حکمت و طبابت کے پیشے سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ یہ پیشہ ہی چھوڑ جاؤں گا۔ بیوی اس کے ساتھ تھی' اس سے پوچھا تو اس نے قسمیہ کہا کہ انہیں کا بیٹا ہے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس خاتون کی کہیں پہلے شادی ہوئی ہو اور یہ بیٹا پہلے شوہر سے ہو اور آپ نے پالا ہو۔ انہوں نے کہا' نہیں جی ------ میری بیوی کی نہ تو پہلے شادی ہے اور نہ ہی میری اپنی دوسری کہیں شادی ہوئی ہے۔ یہ میرا ہی بیٹا ہے۔ حکیم نابینا انصاری نے قلم رکھ دیا اور فرمایا میں قسمیہ کہتا ہوں کہ یہ آپ کا بیٹا

نہیں ہے۔ مجھے سچ سچ بتایئے کہ اصل ماجرا اور حقیقت کیا ہے؟ اب عجیب صورت حال پیدا ہو گئی۔ یوں اس صورت کی وجہ سے بیوی کی عصمت پر' کردار پر حرف آنے کا اندیشہ ہو گیا۔ آخر بیوی کا شوہر بول اٹھا کہ آپ کی نبض کی تشخیص درست ہے۔ آپ بھی سچے اور ہم بھی سچے ہیں۔ حکیم صاحب کہنے لگے کیسے' اللہ کیا ہے؟ تو اس پر شوہر کہنے لگا۔ میری شادی کو بارہ سال سے بھی زائد عرصہ گزر چکا تھا لیکن میں اولاد سے محروم تھا۔ بڑے علاج کروائے دنیا بھر کے طبیبوں' ڈاکٹروں سے علاج کرایا۔ ہر قسم کے علاج کروائے اپنے بھی' اہلیہ کے بھی لیکن اولاد سے پھر بھی ہم محروم ہی رہے' یہ واقعہ بھی حیدر آباد دکن کا ہے ہم بالکل مایوس ہو گئے تھے۔ حیدر آباد میں جہاں ہمارا گھر تھا' اس گلی میں ایک مجذوب آ کر بیٹھا کرتا تھا۔ روزانہ صبح اٹھ کر ساڑھے آٹھ بجے وہ گلی کے کونے میں آ کر بیٹھ جاتا۔ دو تین گھنٹے مسلسل بیٹھا رہتا' مراقبے کی حالت میں' مست وار' اس کے بعد اٹھ کر کہیں چلا جاتا۔ ہر روز۔ میری اہلیہ نے جب دیکھا کہ مجذوب روزانہ آ کر وہاں بیٹھتا ہے تو وہ کوئی ڈش کھانا وغیرہ پکا کر اس مجذوب کی خدمت میں پیش کر دیتیں۔ وہ کبھی کھا لیتے اور کبھی طبیعت نہ ہوتی تو انکار میں سر ہلا دیتے۔ اسی طرح خدمت کرتے کرتے کافی عرصہ گزر گیا۔ ایک روز جو میری اہلیہ نے کھانا اس مجذوب کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے سر اٹھا کر اہلیہ کی طرف دیکھا۔ اور پوچھا کہ بیٹی ہر روز تم ہی کھانا لاتی ہو۔ اہلیہ نے عرض کیا کہ جی میں لاتی ہوں۔ مجذوب نے پوچھا کہ کیوں لاتی ہو؟ کیوں تکلیف کرتی ہو؟ اس وقت میری اہلیہ کے دل میں وہی اولاد کی خواہش مچل اٹھی اور وہ اولاد کی محرومی کی وجہ سے رو پڑیں' آنسو گرنے لگے تو مجذوب نے پوچھا کہ کیوں روتی ہو؟ لیکن میری اہلیہ زار زار روتی رہیں۔ مجذوب کے دل میں بڑا رحم آیا اور انہوں نے پوچھا کہ بیٹی کیوں روتی ہو؟ تو اس وقت اہلیہ نے عرض کیا کہ حضرت میری شادی کو بارہ سال ہو گئے ہیں اور ابھی تک اولاد سے محروم ہوں۔ ہم نے بڑے علاج کروائے ہیں لیکن کچھ نہ ہو سکا۔ سب کہتے ہیں یہ ممکن نہیں۔ آپ اللہ کے محبوب و مکرم بندے ہیں' آپ اللہ کے حضور دعا کر دیں۔ آپ نے آج پوچھ ہی لیا ہے تو عرض یہ ہے کہ آپ اللہ کے حضور دعا کر دیں' وہ تقدیریں بدلنے والا ہے' بنانے والا ہے' آپ التجا کر دیں تو اللہ جو چاہے مجھے بیٹا بیٹی عطا کر دے' اولاد دے۔ یہ میرا ماحصل ہے سارا۔ یہ سن کر بزرگ مراقبے میں چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور کہا کہ بیٹی یہ ہمارے بس سے باہر ہے۔ یہ معاملہ ہو چکا ہے تو اہلیہ نے عرض کیا کہ حضرت! اب آپ نے پوچھ ہی لیا ہے' اب میرے زخم آپ نے کرید دیے ہیں' اب میں کہاں جاؤں؟ مجذوب فرمانے لگے: بیٹی ہم نے تمہارا کام کر دیا ہے' یہ معاملہ حضرت بابا فرید گنج شکر" کے بس کا ہے۔ ہم نے بابا جی سے کہہ دیا ہے۔ آپ لوگ پاک پتن چلے جائیں بابا جی کے حضور اور وہاں چالیس دن اور چالیس راتیں شب بیداری میں گزاریں۔ بابا جی آپ کا کام کر دیں

گے۔ ہر روز وہاں اللہ اللہ کریں۔ بابا جی کے مزار اقدس پر تہجد کے وقت اللہ سے دعا کریں۔ انشاء اللہ بابا جی کی وساطت سے تمہارا کام بن جائے گا' چنانچہ ہم دونوں میاں بیوی پاک پتن چلے گئے اور وہاں مزار شریف پر حسب حکم مسلسل چالیس روز جاگے۔ مسلسل عبادت میں گھڑیاں گزاریں۔ تہجد کے وقت ہم اللہ کے حضور رو رو کر دعا کرتے' التجا کرتے اور انہیں بابا جی کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ کہتے ہیں چالیس راتیں گزر گئیں۔ آخری چالیسویں رات تھی اور جس کی صبح ہمیں واپس چلے جانا تھا' میری اہلیہ کے خواب میں بابا حضور تشریف لائے اور خواب میں اہلیہ کو فرمایا بیٹی اٹھو' تمہیں مبارک ہو اور اس کے ساتھ ہی ان کے ہاتھ میں گلاب کا پھول رکھ دیا۔ بابا فرید گنج شکرؒ کا میری اہلیہ کے ہاتھ پر گلاب کا پھول رکھنا کہ اہلیہ کی آنکھ کھل گئی۔ فوراً میری بیوی نے مجھے بیدار کیا اور خواب بتلایا۔ ہم نے فوراً اللہ کے حضور شکرانے کے نفل ادا کیے۔ بابا حضور کا شکر ادا کیا۔ نماز کے بعد فوراً ہم نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ آتے ہی میری اہلیہ امید سے ہوئیں اور اس کے نو دس مہینے کے بعد ہمارا یہ بیٹا پیدا ہوا۔ ہماری شادی کے تیرہویں سال یہ بیٹا پیدا ہوا۔ اب پھر نو سال گزر گئے ہیں۔ لیکن اس بیٹے کے بعد دوبارہ ہمارے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اب آپ نے نبض دیکھ کر جو کچھ بتایا' بالکل ٹھیک ہے۔ طبی اصول اور جسمانی نقطہ نگاہ سے واقعتاً اس بیٹے کی پیدائش ہوئی ہی نہیں۔ آپ بھی سچے ہیں اور ہم بھی کہ یہ بیٹا تو ہمارا ہی ہے مگر ہوا بابا حضورؒ کے توسل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بچہ کرامتاً عطاء کیا۔ یہ واقعہ والد صاحبؒ نے مجھے سنایا۔ یہ غالباً ان کی کسی تصنیف میں بھی مندرج ہے۔

کچھ عرصہ قبل میں گھر میں بیٹھا اپنے بیٹے حسن کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ حسن اور میرے درمیان اس موضوع پر مکالمہ ہو رہا تھا کہ ہم دونوں میں سے کون اچھا ہے' یعنی مزاح میں بچے کے ساتھ مزاح ہو رہا تھا۔ میں نے اس کو کہا کہ اس معاملے میں بھی تم مجھ سے بہتر ہو' اس میں بھی تم مجھ سے اچھے ہو۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ہر معاملے میں وہ مجھ سے اچھا ہے۔۔۔۔۔۔ مگر میں نے کہا' ایک معاملے میں تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتے' اس میں' میں تم سے اچھا ہوں۔ وہ چونکا۔ کہنے لگا کہ ہر بات میں تو آپ نے ہار مان لی ہے اور میں جیت گیا ہوں' لیکن ایک معاملہ کون سا ہے جس میں' آپ کہتے ہیں' میں نہیں جیت سکتا۔ میں نے کہا: بیٹے ایک معاملہ ایسا ہے کہ تم اگر سونے کے بھی بن جاؤ' اور جو کچھ چاہو کما لو' اس معاملے میں تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس نے پوچھا: وہ کون سی بات ہے؟ میں نے کہا: وہ یہ کہ تمہارا والد میرے والد سے کسی بھی قیمت پر' کبھی بھی بہتر نہیں ہو سکتا' تمہارا والد کبھی بھی' ساری زندگی جو چاہے بنتا پھرے' وہ میرے والد کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چھوٹا بچہ تھا' بات اس کی سمجھ میں آ گئی' وہ ہنس پڑا۔

ابا جی قبلہ رحمت اللہ علیہ تعالیٰ کے وصال کے دس روز بعد خواب میں مجھے ان کی زیارت ہوئی

تو میں نے ان سے تین سوال کیے۔ وہ تین سوال یہ تھے: پہلا سوال یہ کیا کہ جنازے کے بعد جب ہم نے آپ کے چہرہ مبارک کی زیارت کی تو آپ بے ساختہ مسکرا رہے تھے۔ آپ کی آنکھیں اس وقت کھل گئی تھیں' لب وا ہو گئے تھے اور چہرے پر اتنی بھرپور مسکراہٹ تھی کہ ہمیں' خود مجھے' واقعتاً یہ گمان ہو گیا کہ کہیں ہم نے غلطی تو نہیں کر دی' شاید تکلیف کی شدت سے ڈاکٹروں کو مغالطہ ہو گیا ہو کہ آپ وفات پا گئے ہیں اور ہم غسل دے کر آپ کو یہاں لے آئے ہیں' اب کیا کریں؟ لوگ مبارک دینے لگ گئے۔ ایک تو یہ سوال کیا کہ یہ جو یکایک مسکراہٹ ہو گئی' اس کا کیا سبب تھا؟ یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ جنازے سے پہلے' وصال کے بعد درمیانی عرصے میں' چہرے کی جو کیفیت تھی وہ مسکراہٹ کی نہیں تھی' نہ پریشانی کی تھی۔۔۔۔۔۔ پرسکون نیند کی کیفیت تھی۔ اور ہم نماز جنازہ پڑھانے سے پہلے' ان کے ارشاد کے مطابق جیسا کہ انہوں نے مجھے ارشاد فرمایا تھا' ایک منٹ پہلے تک پوری دنیا ان کے چہرے کی زیارت کرتی رہی تھی۔ چہرہ مبارک کھلا ہوا تھا۔ جب نماز جنازہ کے لیے صفیں بن گئیں' ہم نے ان کے چہرہ مبارک پر کپڑا ڈال دیا۔ اب نماز جنازہ میں کتنا وقت لگ جاتا ہے؟ دو یا تین منٹ! دعا ہوئی۔ اور پھر ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا گیا۔ بس یہ جو دو منٹ لگے' اس کے بعد جو چہرہ کھولا تو کیفیت ہی بدل گئی تھی۔ وہ مسکرا رہے تھے اور بے پناہ مسکرا رہے تھے۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ وصال کے دس روز بعد آج آپ ملے ہیں' دس روز جو ملاقات نہیں ہوئی' اس کی وجہ کیا تھی؟ تیسرا سوال میرا یہ تھا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو قبر میں نکیرین سوال کے لیے آتے ہیں' وہ سوال پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تو ابا جان! آپ یہ فرمائیے کہ جب نکیرین یہ سوال کرنے کے لیے آئے تو آپ نے کیا جواب دیا؟ اور وہ معاملہ کیسے ہوا؟

پہلے سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ بیٹے! جب آپ لوگ جنازہ پڑھ کر فارغ ہوئے اور آپ نے کپڑا میرے چہرے سے ہٹایا اور مسکراتا ہوا پایا' اس وقت پردے اٹھا دیئے گئے تھے اور وہ عالم آخرت اور عالم عقبیٰ کے مقامات اور باغات جنت اور وہ علیین کی اعلیٰ سیرگاہیں اللہ پاک نے مجھے دکھانا شروع کیں اور میں جب ان کو دیکھنے لگا' تکنے لگا تو ان خصوصی انعامات کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا اور مسکرا رہا تھا اور آپ میری مسکراہٹ کا تعلق ادھر سمجھ رہے تھے۔ میری مسکراہٹ کا سبب یہ تھا کہ اسی وقت عالم بالا کی سیر شروع ہو گئی تھی۔

دس روز تک نہ ملنے کا سبب یہ فرمایا کہ مجھے دس روز تک اس عالم کی سیر کرائی جاتی رہی۔ اور آج فارغ ہوا تو آپ کو ملنے کے لیے آ گیا ہوں۔

تیسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: بیٹے! نکیرین سوال کے لیے میری قبر میں آئے تو

میں اس وقت عصر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ انہوں نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا تو واپس چلے گئے اور آج دس دن ہو گئے' میں انتظار کر رہا ہوں کہ آ کر سوال تو کریں لیکن وہ مڑ کر ہی نہیں آئے------ اور وہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت اور آپ ؐ کا قرب و معیت اولیاء کو نصیب ہو جاتا ہے اور وہ قیامت تک جاری و ساری رہتا ہے۔ پھر معیت صحیحین و صدیقین و شہدا اور صالحین شروع ہو جاتی ہے۔

ان کا جب وصال ہوا تو رمضان المبارک کے آخری تین روزے رہ گئے تھے۔ ستائیسویں شب ان کو ہارٹ اٹیک ہوا۔ ستائیسویں شب کی تراویح میں اس وقت ختم قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی۔ میں جب ابتدائی مصروفیات و معاملات سے فارغ ہوا تو میں نے ان کی طرف سے ان کے جو روزے رہ گئے تھے' روزے رکھنے شروع کیے۔ تو اس دن میں نے ان کی طرف سے پہلا روزہ رکھا تھا کہ وہ خواب میں تشریف لے آئے۔

ان کی زندگی کے چند اوراق گوشے اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم سے بچپن سے اللہ پاک نے ان کو یہ طبیعت اور رجحان عطا فرما دیا تھا۔ ہماری فیملی کی بزرگ خواتین ہمیں یہ بتایا کرتی تھیں' میں نے خود سنا' کہ آپ کے والد جب ان کی عمر تو یا دس یا گیارہ برس تھی' وہ اپنے شہر سے تین چار میل دور دریائے چناب کے کنارے پر چلے جاتے اور وہاں گھنٹوں گھنٹوں حضرت خضرؑ سے ملاقات کے لیے وظائف کرتے تھے۔ دس گیارہ برس کی عمر میں یہ ان کی طبیعت کا رجحان اور میلان تھا۔ بچپن ہی سے ان کی طبیعت کے اس طرف رجحان سے آپ ان کی پرواز کا اندازہ لگائیں اور یہ بھی کہ آگے معاملہ کیسے چلا!

علوم دینیہ میں ان کے اساتذہ میں مولانا سردار احمد علیہ رحمت اور مولانا ابو البرکات رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ لکھنؤ' حیدر آباد دکن اور دہلی سے دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد والد گرامی دین کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بغداد تشریف لے گئے۔ بغداد شریف میں انہوں نے اپنے شیخ طریقت سے بیعت بھی کی اور وہاں جامعہ قادریہ کے بعض اساتذہ سے بعض کتب کو پڑھا۔ پھر شام میں رئیس رابطہ علمائے اسلام الشیخ محمد المکی الکتانی سے شیخ اکبرؒ کی ''فتوحات مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' پڑھیں۔ الشیخ محمد المکی اپنے وقت میں تصوف کے بہت بڑے امام تھے۔ محمد المکی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ مدینہ طیبہ آئے اور وہاں کے علماء سے تلمذ حاصل کیا' اور حدیث میں اور دوسری کتابوں کے فضائل سے نسبت حاصل کی اور علم حاصل کیا۔ یہ ان کے علوم دینیہ کی تکمیل کا ایک سفر تھا۔ مجھے جب قبلہ والد صاحب نے حدیث پڑھائی اور دورہ حدیث اور شفا' تو مجھے جو سند دی حدیث کی' وہ مدینہ طیبہ کے علماء والی سند دی جو انہوں نے مدینہ کے علماء سے حاصل کی تھی۔ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی میں علامہ

سید احمد سعید کاظمی شاہؒ کی شخصیت کو چھوڑ کر پاکستان کے اندر اس جیسا استدلال و استنباط و تبحر و استخراج نہیں دیکھا جتنا خدا نے ان ''والد گرامی'' کو عطا فرمایا تھا۔ یہ ان کا عالم تھا۔

اللہ پاک کا بڑا کرم تھا کہ وہ علم لدنی سے بھی نوازے گئے تھے۔ پروفیشن کے اعتبار سے وہ ڈاکٹر تھے۔ عمر بھر ان کا یہ معمول رہا کہ وہ ہسپتال میں روزانہ مریضوں اور خلق خدا کی خدمت سے فارغ اوقات دو تین گھنٹے خالی رکھتے ------ نماز ظہر سے عصر تک اور عصر سے نماز مغرب تک کا وقت! اس وقت میں ہسپتال کے اندر پانچ چھ دس طلباء اور علماء ان کے تلمذ میں رہتے۔ دو تین گھنٹے ہر روز وہ ہسپتال کے اندر پڑھاتے تھے۔ اس میں' میں نے دیکھا کہ کوئی طالب علم ان سے مشکوٰۃ شریف پڑھ رہا ہے' کوئی مسلم شریف کا درس لے رہا ہے' کوئی بخاری شریف پڑھ رہا ہے' کوئی ہدایہ کا' کوئی منطق کا درس پڑھ رہا ہے' کوئی صرف و نحو کا چھوٹا سا کتابچہ لیے بیٹھا ہے اور وہ سب کو نہایت محبت و شفقت اور لگن سے درس دے رہے ہیں۔ ملازمت کے دوران میں' عمر میں' انہوں نے اس سلسلے کو قائم رکھا۔ پھر وہ وقت آ گیا کہ انہوں نے مجھے پڑھانا شروع کر دیا۔ اور جب یہ دور شروع ہوا تو وہ سارا وقت مجھے ہی پڑھانے پر صرف کرنے لگے۔ یہ سلسلہ نماز ظہر کے بعد سے شروع ہو کر رات کے گیارہ بجے تک جاری رہتا۔ مجھے پڑھانے کے بعد وہ پھر خود پڑھنے لگتے۔ والد گرامی رات کو بہت تھوڑی دیر کے لیے سوتے۔ اکثر ان کی ایک ڈیڑھ دو گھنٹے کے لیے ہوتی' موسموں کی تبدیلی کے ساتھ وہ نماز فجر سے بہت پہلے بیدار ہو جاتے۔ فجر سے لے کر اشراق اور چاشت تک وہ مسلسل مصلے پر چھ سات گھنٹے اللہ کی عبادت میں گزارتے۔ یہاں کا مجاہدہ تھا۔ ان کے معمول میں سے کہ وہ کبھی کھڑے ہو کر' کبھی بیٹھ کر قصیدہ بردہ شریف کے 162 اشعار ہر رات' مدینہ طیبہ کی طرف متوجہ ہو کر پڑھتے' دست بستہ! اس کے بعد سیدنا غوث اعظمؒ کی طرف متوجہ ہو کر قصیدہ غوثیہ شریف کا ورد کرتے۔

ان کی زندگی کے تین دور گزرے۔ دو دور میں نے دیکھے' ایک نہیں دیکھا۔ پہلا ان کی جوانی کا دور تھا۔ اس میں اردو ادب' فارسی ادب اور عربی ادب ان پر بڑا غالب رہا۔ وہ صاحب دیوان شاعر بھی تھے۔ بڑا استادانہ کلام تھا ان کا۔ چوٹی کے اس زمانے کے شعراء ان سے اصلاح لیتے تھے۔ اگر شاعری کے میدان میں وہ اپنے کام کو جاری رکھتے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس دور کے غالب ہوتے۔ ان کے دیوان کا نام تھا: ''دیوان فرید!'' جو بچپن میں مجھ سے کہیں گم ہو گیا لیکن میں نے اسے پڑھا ہوا ہے۔ بچپن میں ان سے میں نعتیں یاد کیا کرتا تھا۔ غزلیں بھی پڑھتا تھا۔ اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوا۔ اس میں شاعری اول ترک کر دیا۔ ملکہ رہا لیکن توجہ میں بہت کمی آ گئی۔ ان کا دوسرا دور خالصتاً علم و فضل کا' تحقیق و تدقیق کا' دعوت و تبلیغ کا' خطابت کا' درس و تدریس کا اور علم و استدلال کا دور تھا۔ اس دور میں انہوں نے

مطالعہ کثرت سے کیا۔ آپ اگر ان کی کتابیں جو ہزاروں کی تعداد میں ہیں، دیکھیں تو آپ کو ان کتابوں کے صفحات سیاہ نظر آئیں گے۔ جگہ جگہ حاشیے دیکھیں گے۔ یعنی اس کثرت سے مطالعہ کتب اور ہر کتاب کا ایک ایک لفظ کھنگال کر دیکھنا، کم از کم، ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، بڑے بڑے اکابر علماء جو ان کے ہمنشین تھے، جو ان کے حلقہ احباب میں سے تھے، جو ان کے مصاحب تھے، بڑے بڑے اہم مسائل پر حوالہ جات کے لیے، مختلف ائمہ کے اقوال وتحقیقات واعتراضات کے رد کے لیے اباجی قبلہؒ کی طرف رجوع کرتے۔ میں بھی ان اہم علمی مجالس میں بیٹھتا۔

ایک بڑے اہم مسئلے پر قبلہ کاظمی شاہ صاحبؒ اور قبلہ اباجیؒ کے مابین علمی اختلاف تھا۔ وہ مسئلہ یزید تھا۔ والد صاحب قبلہؒ یزید کے کفر کے قائل تھے، اور اس پر لعنت بھیجنے کے جواز کے بھی قائل تھے۔ میرا مذہب بھی یہی ہے۔ میں یزید کی تکفیر اور جواز لعن کا قائل ہوں۔ جب کہ ہمارے اکثر علماء بشمول قبلہ کاظمی شاہ صاحبؒ اور اعلیٰ حضرت اور بہت سے علماء، وہ یزید کو لعنتی اور جہنم کا حق دار تو سمجھتے ہیں مگر فتوے تا سکوت اختیار کرتے ہیں۔ بہر حال یزید کے اس مسئلے پر قبلہ کاظمی صاحبؒ اور والد صاحب قبلہ کے درمیان دو ڈھائی گھنٹے گفتگو ہوئی۔ میں بھی اس مجلس میں شریک تھا۔ اور بھی جھنگ کے چند علماء وہاں موجود تھے۔ قبلہ والد صاحبؒ نے اپنے موقف کے حق میں بیسیوں کتابوں کے حوالہ جات، عبارات اور مقامات کاظمی شاہ صاحبؒ کے سامنے رکھے، ان پر بحث کی۔ والد صاحبؒ جو حوالہ، جو عبارت پیش کرتے قبلہ کاظمی شاہ صاحبؒ فرماتے: یہ میری نظر سے نہیں گزرا، آپ دکھائیں۔ والد صاحبؒ دوسرا حوالہ دیتے لیکن کاظمی شاہ صاحبؒ فرماتے کہ یہ بھی نظر سے نہیں گزرا، آپ دکھائیں۔ متعدد کتب جو والد صاحب نے انہیں دکھائیں، تو کاظمی شاہ صاحبؒ انہیں اپنے ساتھ لے گئے اور فرمایا: میں ان کو مزید دیکھوں گا، پڑھوں گا۔ فرمایا کہ اگر یہ چیزیں سامنے آئی ہیں تو اس مسئلے پر سوچنا پڑے گا۔

مولانا عبدالغفور ہزارویؒ کے ساتھ بھی قبلہ والد صاحبؒ کی بڑی دوستی تھی۔ وہ جب بھی جھنگ تشریف لاتے تو قبلہ والد صاحبؒ سے ملاقات کیے بغیر کبھی واپس نہ جاتے۔ حضرت مولانا محمد عمر اچھرویؒ بھی ان کے بہت قریبی دوستوں میں سے تھے۔ ہمارے گھر آ کر ٹھہرتے، رکتے۔

والد صاحب قبلہؒ اعلیٰ پائے کے مقرر بھی تھے۔ وہ جس مسئلے پر خطاب کرتے، اس مسئلے پر ان کا خطاب فیصلہ کن تصور کیا جاتا۔ جن احباب کو ان کا خطاب سننے، ان کی مجلس میں بیٹھ کر ان کے دلائل سننے اور استدلال کو جاننے کا موقع ملا ہے، وہ گواہ ہیں کہ وہ جس مسئلہ پر خطاب کرتے، ایسا محسوس ہوتا اب اس پر مزید بحث کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ وہ فیصلہ کن گفتگو اور حتمی خطاب ہوتا۔

یہ ان کا علمی دور تھا۔ یہ میں نے دیکھا اور اسے میں نے ایک شاگرد کے طور پر بھی دیکھا۔

کیونکہ میں ان کا بیٹا ہی نہیں، ان کا شاگرد بھی تھا۔ 62ء سے لے کر 70ء تک، آٹھ سال مختلف وقتوں میں وہ مجھے پڑھاتے رہے۔ زیادہ انہوں نے مجھے پڑھایا اور مقابلتاً کم میں نے اپنے استاد مولانا عبدالرشید صاحب کے پاس پڑھا۔ میں نے انہیں اس روپ میں بھی استاد اور عالم کے روپ میں دیکھا۔ کئی مسائل پر ''دوران تلمذ'' پڑھتے ہوئے میں بھی ان سے اختلاف کرتا۔ ایک مرتبہ مجھے بخوبی یاد ہے، وما اهل له لغير الله پر حرف ل پر بحث ہوگئی کہ یہ کس کے لیے ہے؟ پڑھاتے ہوئے مجھے کھل کر اختلاف کرنے کا موقع دیتے۔ آداب سکھانے کا یہ عالم تھا کہ پڑھاتے ہوئے جب حیض ونفاس کے ابواب آتے اور طہارت کے ابواب آتے، جس میں غسل واجب ہو جاتا ہے، تو ابواب مجھے چھڑا دیتے اور فرماتے: بیٹے! جب استادوں کے پاس جاؤ گے تو ان سے کہنا کہ یہ ابواب اباجی نے چھڑوا دیے تھے۔ آپ مجھے یہ ابواب پڑھا دیں۔ پڑھاتے ہوئے حیا کا یہ عالم تھا۔

تیسرا دور جوان پر آیا اور جو تادم وصال رہا، وہ صوفیانہ ذوق تھا۔ یہ دور عشق ومستی کا، درد وسوز کا اور گریہ وزاری کا دور تھا۔ اس آخری دور میں سب کتابیں چھوٹ گئی تھیں، میں خود اس کا گواہ ہوں اور وہ راتوں کا پڑھنا جب ان کے اردگرد چار چار سو کتابوں کا ڈھیر لگا رہتا تھا، سب چھوٹ گیا۔ وہ مطالعہ کا ذوق جو سالہا سال پر محیط تھا، اب اسے سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔ آخری زمانے میں صرف ایک کتاب ان کی رفیق تھی، اور وہ تھی مولانا رومؒ کی مثنوی شریف! یہ کتاب تادم وصال ان کے ساتھ رہی۔ یہ وہ دور تھا: ؎

علموں بس کریں او یار
سانہوں اکو الف درکار

یہ تیسرا دور اک الف درکار والا آ گیا۔ صوفیانہ ذوق وشوق ان پر اس قدر غالب آ گیا کہ باقی سارے مشاغل سے دست کش ہو گئے اور ساری توجہ ادھر ہو گئی۔ مثنوی شریف وہ رات گئے تک پڑھتے، ایک خاص لے کے ساتھ! آج بھی میں تصور کرتا ہوں تو وہ مخصوص لے میرے کانوں میں گونج اٹھتی ہے۔ مثنوی پڑھتے ہوئے وہ بار بار ہچکیاں لے کر روتے۔ رات کو مقررہ وقت پر مثنوی شریف کا ورد کرنے کے بعد وہ مصلے پر کھڑے ہو جاتے اور پھر مسلسل چھ سات گھنٹے اسی پر گزارتے۔

زندگی کی آخری گھڑیوں میں جب ان پر تین مرتبہ ہارٹ اٹیک ہوا تو اس وقت بھی وہ مصلے پر تھے۔ پہلا دورہ پڑا تو انہیں بستر پر لٹا دیا گیا۔ میں جب آیا تو مجھے الگ لے گئے اور آہستہ سے فرمایا: بیٹے! بہن بھائیوں سے بیان نہ کرنا، بچے ہیں روئیں گے، میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ میرا مرض الموت ہے۔'' پھر تھوڑے سے توقف کے بعد فرمایا: ''مجھے گزشتہ تیس سال سے اللہ پاک نے آگاہ کر رکھا

ہے کہ زندگی میں صرف ایک بار ہی عارضہ قلب ہوگا اور اسی میں میری وفات ہو جائے گی۔ بس وہ عارضہ قلب ہو گیا' مجھے اسی کا انتظار تھا۔ اب میرا دم رخصت ہے۔" اس کے بعد کچھ نصیحتیں فرمائیں' کچھ وصیتیں کیں۔ پھر فرمایا: "اب میرے ساتھ اس طرح دن گزارو کہ میں مسافر ہوں۔" ان ایام میں مجھے "طاہر صاحب" اور "آپ" کہہ کر پکارتے۔ یہ بھی ان کی تربیت کا ایک حصہ ہے۔

اللہ پاک نے ابا جی قبلہؒ کو حضور پاک کی نوازشات کے سمندر میں غوطہ زن کیا تھا۔ بہت کرم تھا ان پر۔ اور اولیائے کرام کی بھی بڑی بڑی توجہات تھیں ان پر! پاکستان میں ان کو تین اولیائے کرام کے ساتھ بڑی خاص نسبت رہی' زندگی بھر: ایک سلطان العارفین حضرت باہوؒ دوسرے حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور تیسرے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ! سلطان العارفین حضرتؒ باہو کے لطف و کرم کا تو یہ عالم تھا کہ اس وقت کے سجادہ نشین ابا جی قبلہؒ کے دوست تھے' رات کے ڈیڑھ دو بجے تک ابا جی کے پاس بیٹھے رہے۔ چاندنی راتیں تھیں۔ اس کے بعد اٹھ کر گئے' کچھ تھکن تھی: اندر جا کر لیٹ گئے اور دل میں یہ خیال تھا کہ تھوڑی دیر لیٹ کر تہجد کے لیے اٹھوں گا۔ فرماتے ہیں: جا کر لیٹ گئے اور نماز فجر کا وقت ذرا قریب ہو گیا۔ یعنی ابھی تہجد کے لیے تھوڑا سا وقت باقی تھا اور قریب تھا کہ وہ وقت گزر جاتا اور نماز فجر کا وقت شروع ہو جاتا کہ سلطان العارفینؒ عالم حیات میں تشریف لے آئے اور آ کر کے ان کو اٹھایا اور فرمایا: "فرید الدین! اٹھ تہجد کا وقت جا رہا ہے۔" چاندنی راتیں تھیں' ابا جی قبلہؒ فرماتے ہیں کہ میں اٹھا اور میری آنکھوں کے سامنے سلطان العارفینؒ چل کر باہر کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے ان کی زیارت کی۔ اور میں پھر ان کے پیچھے چلا۔ میں نے انہیں آواز نہ دی کیونکہ یہ خلاف ادب تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ تھوڑے سے فاصلے پر تو آپ ہیں' ابھی چل کر مصافحہ کر لیتا ہوں۔ وہ میرے سامنے گھر کی ڈیوڑھی میں داخل ہوئے' دروازہ کھولنے کے لیے! میں بھی اسی وقت ان کے پیچھے ڈیوڑھی میں داخل ہوا لیکن دروازہ بدستور بند رہا اور وہ غائب ہو گئے۔ اولیائے کرام کی بیداری میں' ایسی فیوض و برکات انہیں میسر تھیں۔

والد صاحب قبلہ فرماتے ہیں ------ سیدنا غوث الاعظمؒ کی نوازشات بھی بے پناہ تھیں۔ فرماتے ہیں' وہ لکھنؤ اور حیدر آباد دکن سے پڑھ کر آئے تو گھر پر ہی کلینک قائم کر لیا۔ ابھی ملازمت کا آغاز نہیں کیا تھا۔ یہ غالباً 30ء کی بات ہے۔ ہاں یاد آیا' انہوں نے بھی پنجاب یونیورسٹی سے گولڈ میڈل لیا تھا۔ وہ گولڈ میڈل آج بھی ہمارے گھر میں محفوظ ہے۔ بچپن میں مجھے والد صاحب قبلہؒ یہ میڈل اکثر دکھایا کرتے اور ساتھ ہی فرماتے: بیٹا! دیکھو یہ گولڈ میڈل میں نے پنجاب یونیورسٹی سے لیا تھا اور تم بھی پنجاب یونیورسٹی سے گولڈ میڈل لینا ہے۔ یہ بچپن کی باتیں ہیں۔ والد صاحب قبلہؒ کی یہ بات سن کر

میں کہا کرتا تھا: آپ بے فکر رہیں' آپ نے ایک گولڈ میڈل لیا ہے' میں کئی لوں گا۔ الحمد للہ' جب میں نے بھی پنجاب یونیورسٹی سے گولڈ میڈل لیا تو بڑے خوش ہوئے اور ساتھ ہی فرمایا ------ "اس نے حق ادا کیا ہے!" تو تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے گھر پر ہی ایک چھوٹا سا کلینک قائم کر لیا۔ فرماتے ہیں: میرا کلینک چھوٹا سا تھا' بالکل اسی طرح کا جیسے ڈاکٹرز اور اطبا شروع شروع میں بنایا کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک سالک مجذوب ہوا کرتے تھے۔ ان کا نام غلام شاہ صاحب تھا۔ ایک روز وہ مجھے پوچھنے لگے' کتنے پیسے روز کما لیتے ہو؟ میں نے الحمد للہ کہہ کر جواب دیا تو وہ سالک مجذوب نے فرمایا' یہ وظیفہ پڑھ لیا کرو' روزانہ پانچ روپے ہو جایا کریں گے اور ساتھ ہی وظیفہ بھی بتا دیا۔ چنانچہ میں نے وظیفہ شروع کر دیا۔ مجذوب کی بات سچ ثابت ہوئی۔ میں جب شام کو مغرب کی نماز کے وقت کلینک بند کرتا تو پانچ روپے میری کمائی میں ہوتے تھے۔ نہ اس سے کم ہوئے نہ زیادہ"! یہ اس زمانے کی بات ہے جب اچھے سرکاری ملازم کو دس بیس روپے ماہانہ تنخواہ ملا کرتی تھی۔

ابا جی قبلہؒ فرماتے ہیں کہ یہ پانچ روپے والا سلسلہ خاصی دیر جاری رہا۔ مریض کم آتے یا زیادہ' مجھے شام کو پانچ روپے ہر صورت میں مل جاتے۔ فرماتے ہیں کہ یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ ایک شب خواب میں سیدنا غوث الاعظمؒ تشریف لائے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب ابا جی قبلہؒ سیدنا غوث الاعظمؒ کے خاندان کے بیعت بھی نہ ہوئے تھے۔ اس خواب کے آٹھ سال بعد وہ 48ء میں استخارہ کرنے کے بعد بغداد کے سیدنا شیخ ابراہیم سیف الدین نقیب الاشرافؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے' یہ ہمارے پیر حضور سیدنا طاہر علاء الدین القادری الگیلانی کے چچا زاد بھائی اور بڑے بہنوئی تھے اور پروردہ اور تربیت یافتہ تھے' حضور پیر قبلہ کے والد ماجد کے! قبلہ والد صاحبؒ فرماتے ہیں' ایک شب سیدنا غوث الاعظمؒ اس حالت میں خواب میں تشریف لائے کہ میں اپنے کلینک میں بیٹھا ہوں اور آپ مغرب کی طرف سے کلینک میں داخل ہوئے اور آتے ہی ارشاد فرمایا کہ وہ وظیفوں والی کاپی لاؤ۔ ابا جی قبلہؒ فرماتے ہیں' میں نے وہ پانچ روپے والا وظیفہ اور دوسرے کئی وظائف ایک کاپی پر لکھے ہوئے تھے' میں وہ کاپی اندر سے اٹھا لایا تو دوبارہ ارشاد فرمایا کہ وہ پانچ روپے والا وظیفہ نکالو۔ میں نے وہ صفحہ نکال کر پیش کر دیا۔ انہوں نے اپنی جیب سے قلم کھولتے ہوئے اور اس وظیفے پر پھیرتے ہوئے فرمایا: یہ پڑھو گے تو ساری عمر پانچ روپے ہی ملیں گے' کبھی پانچ سو کی ضرورت پڑ جائے گی اور کبھی پانچ ہزار کی تو پھر کیا کرو گے؟ یہ وظیفہ آج سے پڑھنا چھوڑ دو' اور زندگی میں ہزاروں اور لاکھوں کی ضرورت ہو گی تو خزانے کھل گئے تمہارے لیے آج سے! ابا جی قبلہؒ فرماتے ہیں: میں صبح اٹھا' وہ کاپی دیکھی تو پانچ روپے کے وظیفے والا صفحہ قلم زد تھا! وظیفہ کاٹا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سیدنا غوث الاعظم بہ نفس نفیس تشریف

لائے تھے۔ یہ عالم تھا ان پر اولیائے کرام کی شفقتوں کا! اس کے بعد ہم نے کمی نہیں دیکھی۔ میں پنجاب یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ چھٹی والے دن میں گھر چلا جاتا اور ادھر سے چھوٹا بھائی جاوید جس کا انتقال ہو گیا، ملتان میں پڑھتا تھا، وہ بھی وہاں سے آجاتا۔ میں والد صاحب قبلہؒ سے عرض کرتا: ابا جی! اسے پیسوں کی ضرورت ہے اور ادھر جاوید کہتا کہ مجھے اتنی رقم درکار ہے۔ ہم دونوں کو والد صاحب قبلہ فرماتے: کل کتنی ضرورت ہے؟ میں اگر کہتا کہ ایک ہزار کی تو شام سے پہلے پہلے وہ رقم مہیا ہو جاتی۔ کبھی انہوں نے قرض نہیں لیا۔ سیدنا غوث الاعظمؒ کے خواب میں تشریف لانے کے بعد واقعتاً خزانوں کے منہ کھل گئے تھے۔

دمشق میں، جامعہ اموی میں، سیدنا حضرت یحییٰؑ کا مزار ہے۔ والد صاحب قبلہؒ فرماتے ہیں: میں 1962ء میں دمشق میں تھا۔ میں ہر نماز کے بعد سیدنا حضرت یحییٰؑ کے مزار مبارک پر حاضری دیتا۔ ایک روز خیال آیا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ملک شام میں ہر وقت چالیس ابدال رہتے ہیں، نماز ظہر کے بعد یہ خیال آیا تو میں نے وہیں دعا کی: باری تعالیٰ میں آج تیرے اس ملک شام میں ہوں جہاں ہر وقت چالیس ابدال رہتے ہیں، آج کسی ایک ابدال سے ملاقات ہی کرا دے۔ فرماتے تھے، نماز ظہر کے بعد دعا مانگی اور پھر میں دوبارہ نماز عصر پڑھنے کے لیے آیا۔ بعد از نماز سیدنا حضرت یحییٰؑ کے مزار مبارک پر حاضری دے کر سلام عرض کر رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے کہا: ”السلام علیکم ورحمت اللہ برکاتہ یا دکتور“! (ڈاکٹر صاحب! السلام علیکم!) میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو میرے سامنے ایک جوان آدمی کھڑا تھا۔ کالی سیاہ داڑھی، نورانی چہرہ، 32 یا 35 سال کی عمر۔ میرے پیچھے مڑتے ہی انہوں نے فرمایا: اسمک فریدالدین (آپ کا نام فریدالدین ہے؟) انت من الباکستان؟ (آپ پاکستان سے ہیں؟) والد صاحب قبلہؒ فرماتے ہیں کہ میں جواب دیتا گیا۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟ اس پر سامنے کھڑے جوان رعنا نے فرمایا: ”یا دکتور! ما تعارفنی؟ (ڈاکٹر صاحب! آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟) میں نے عرض کیا: حضرت میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ اس پر وہ بولے: قصدک دعاک (جو آپ نے ارادہ کیا تھا، میں آپ کی دعا ہوں۔) والد صاحب قبلہؒ فرماتے ہیں کہ پھر میں سنبھل گیا اور پھر چند راز دارانہ باتیں ہوئیں اور ان سے ایک خاص معاملے میں ایک درس لیا۔ بعد ازاں میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت! کیا آپ سے دوبارہ ملاقات بھی ہوگی؟ فرمانے لگے ہاں ملاقات ضرور ہوگی مگر مدینہ طیبہ میں رمضان شریف میں، تراویح کے دوران!! اندازہ لگایئے کہ ایک ابدال کی نظر کہاں کہاں تک دیکھ رہی ہے۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں پھر مدینہ شریف حاضری دینے گیا تو ایک شب تراویح کے بعد آخری دو نوافل پڑھ کر فارغ ہو کر پچھلی صف کی طرف دیکھا

تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں وہی، میرے عین پیچھے، دمشق کی جامعہ اموی والی نورانی نوجوان شخصیت مشغول نماز کھڑی تھی۔

اسی طرح والد صاحب قبلہؒ نے سلطان بایزید بسطامیؒ، فریدالدین عطار، حضرت بلالؓ، حضرت اویس قرنیؓ اور خصوصی طور پر مولانا جلال الدین رومیؒ کے مزار اقدس سے بے پناہ فیض حاصل کیا اور سیدنا غوث الاعظمؒ کے مزار اقدس پر تو وہ باقاعدگی سے حاضری دیتے اور کئی کئی ماہ تک وہاں قیام کرتے۔ 48ء میں وہ بغداد شریف تشریف لے گئے۔ وہاں کئی روز قیام کیا۔ ایک روز دل میں خیال آیا کہ حرمین شریفین کی زیارت بھی اگر ہو جائے تو کتنا اچھا ہو لیکن جیب میں پچاس روپے سے زیادہ رقم نہ تھی اور پاسپورٹ بھی نہ تھا۔ فرماتے ہیں، اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ حرمین شریف کی زیارت کیونکر ممکن ہے کہ اچانک خیال آیا کہ کیوں نہ یہ مسئلہ اپنے پیر و مرشد کے حضور پیش کیا جائے! چنانچہ ایک مناسب وقت میں والد صاحب قبلہؒ نے اپنے پیر حضرت ابراہیم سیف الدین کی خدمت میں اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا۔ والد صاحب قبلہؒ فرماتے ہیں کہ میری عرضداشت سن کر حضرت صاحبؒ نے مراقبہ فرمایا اور تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر ارشاد فرمایا: ”فریدالدین! آپ کا معاملہ حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا ہے۔ آپ نجف اشرف پہنچ جائیں اور حضرت علیؓ شیر خدا کے مزار مبارک پر مراقب ہو جانا“! قبلہ والد صاحبؒ فرماتے ہیں، میں پیر و مرشد کا یہ حکم سن کر فوراً نجف اشرف کی طرف روانہ ہو گیا۔ چند روز کے بعد میں سیدنا حضرت علیؓ کے مزار پاک کے سامنے حاضر تھا۔ سیدنا الشیخ ابراہیم سیف الدین کے حکم کے مطابق میں حضرت علیؓ کے مزار پاک پر مراقبے میں بیٹھا رہا۔ فرماتے ہیں: اچانک سیدنا حضرت علیؓ شیر خدا کی روح مبارک ایک نور بن کر چمکی۔ انہوں نے بیداری کے عالم میں، مراقبے میں، اپنی زیارت کروائی اور مجھے اس مراقبے کی حالت میں پکڑ کر مدینہ پاک پہنچا دیا۔ بیٹھے وہیں رہے نجف اشرف میں! یعنی حالت مراقبہ میں مشاہدہ یوں کروایا، جیسے خواب کا ایک مشاہدہ ہوتا ہے کہ مدینہ پاک پہنچا دیا۔ مراقبہ ختم ہوا تو والد صاحب قبلہؒ واپس بغداد شریف تشریف لائے۔ الشیخ نے پوچھا کہ وہاں کیا دیکھا۔ عرض کیا کہ حضرت علیؓ نے یوں کرم کر دیا۔ ارشاد مرشد ہوا! تو بس پھر آپ کی آرزو کا انتظام ہو گیا۔

بعد ازاں الشیخ ابراہیم سیف الدین نے والد صاحب قبلہؒ کے لیے کوئی ویزہ وغیرہ کا ایسا بندوبست کر کے انہیں ایک قافلے کے ساتھ کر دیا اور فرمایا کہ تم بآسانی حجاز تک پہنچ جاؤ گے۔ آگے اللہ تعالیٰ کوئی اور بندوبست فرما دے گا۔ چنانچہ والد صاحب قبلہؒ قافلے کے ہمراہ سوئے حجاز روانہ ہوئے۔ جب قافلہ حجاز کی سرحد پر پہنچا تو وہاں اس زمانے کے سعودی بادشاہ کے کارندے اہل قافلہ کے ایک ایک فرد سے پوچھ رہے تھے کہ تم میں کوئی ڈاکٹر ہے؟ بات دراصل یہ تھی کہ سعودی بادشاہ کے بھائی کو کوئی ایسا

مرض لاحق تھا کہ یورپ تک علاج کروانے کے باوجود صحت یاب نہ ہو سکا تھا۔ اب وہ زندگی کی آخری گھڑیاں گزار رہا تھا لیکن بادشاہ نے ہمت نہ ہاری اور مسلسل کوشش میں لگا رہا کسی طرح اس کا بھائی صحت مند ہو جائے۔ اب جب وہ قافلہ جس میں والد صاحب قبلہؒ بھی ایک مسافر کی طرح سفر کر رہے تھے سرحد حجاز پر پہنچا اور بادشاہ کے کارندے فرداً فرداً ہر مسافر سے پوچھنے لگے کہ تم میں سے کون ڈاکٹر ہے؟ والد صاحبؒ نے فرمایا: میں ڈاکٹر ہوں۔ وہ انہیں اپنے ساتھ ریاض لے گئے اور شاہی محل میں مریض کے پاس پہنچا دیا۔ والد صاحب قبلہؒ نے بادشاہ کے مریض بھائی کی نبض کو دیکھا تو فرمایا: چند گھنٹوں میں ان شاء اللہ انہیں آرام آ جائے گا۔ والد صاحب فوراً بازار گئے' اپنے مطلب کی چند ایک اشیاء جو دوا میں استعمال ہو سکتی تھیں' خریدیں اور واپس محل تشریف لائے اور ایک ٹب پانی کا بھروا کر اسے گرم کروایا اور اس میں متعلقہ دوائی ڈال دی گئی اور ملازموں سے فرمایا کہ مریض کو علیحدہ کمرے میں کپڑے اتروا کر اس ٹب میں بٹھا دیا جائے اور جب پانی ٹھنڈا ہو جائے تو نئے سرے سے پانی گرم کر کے اس میں یہ دوائی ملا کر دوبارہ اس میں مریض کو بٹھا دیا جائے۔ اس عمل کو بار بار دہرایا جائے۔ چنانچہ ملازموں نے اس ہدایت پر عمل کیا اور صرف دو گھنٹوں کے بعد مریض صحت یاب ہو کر اپنے پاؤں پر چلتا ہوا کمرے سے باہر ہشاش بشاش آ گیا۔ بادشاہ اور شاہی خاندان کی تو خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس خوشی میں بادشاہ نے والد صاحب قبلہؒ کو سات دن کے لیے اپنے پاس بطور شاہی مہمان ٹھہرایا۔ اس دوران میں جب انہیں پتہ چلا کہ وہ بلند پایہ عالم دین بھی ہیں اور اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں' تو انہوں نے عرب کے چوٹی کے علماء کو بلایا اور والد صاحب سے کئی اہم مسائل' مثلاً توسل' شفاعت وغیرہ پر' کئی مناظرے کیے۔ ہر روز مناظرہ ہوتا اور ہر روز بادشاہ بھری مجلس میں اعلان کرتا: اے علمائے عرب! تم ہار گئے اور ڈاکٹر فریدالدین جیت گئے۔ بادشاہ کے بھائی کے مرض کا علاج کرنے کی خوشی میں شاہ سعودی عرب نے ان کو ایک سپیشل کارڈ جاری کیا جس پر لکھا تھا کہ ڈاکٹر فریدالدین اور ان کا خاندان جب تک زندہ رہے گا سعودی عرب آمد پر ان پر کسی قسم کا ٹیکس لاگو نہ ہوگا۔ چنانچہ جب ہم 62ء میں پورے خاندان کے ساتھ حج کے لیے سعودی عرب گئے تو ہم پر کوئی ٹیکس نہ لگایا گیا اور ہمیں پورے سعودی عرب میں بغیر روک ٹوک کے پھرنے کی اجازت تھی۔ والد صاحب قبلہؒ جب تک حیات رہے' وہ سرٹیفکیٹ نما کارڈ ان کے پاس رہا' بعد ازاں نہ جانے بے احتیاطی میں ہم سے وہ کہاں گم ہو گیا!

اللہ تعالیٰ نے اپنے صلحاء' مقبولین' مقربین اور اولیائے کرام پر ہمیشہ بے حساب انعام اور الطاف فرمایا ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ اگر ہم اپنی زندگی اس طرح اللہ کے حضور نذر کر دیں اور اپنے آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں سپرد کر دیں اور عبادت و ریاضت' زہد و ورع' توکل اور اخلاص

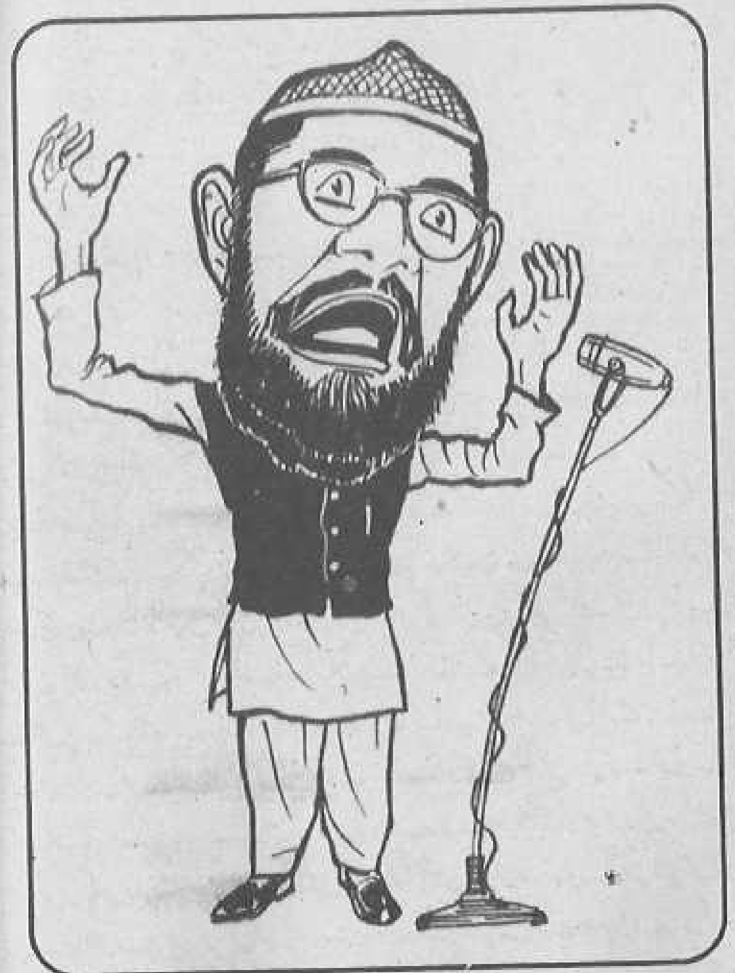
کے زیور کو اپنا لیں تو اس کی نوازشات کے دروازے آج بھی بند نہیں ہوئے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ کرم' یہ الطاف و انعام و احسانات آج بھی جوں کے توں قائم ہیں۔ وہ جس کو جس طرح چاہیں' نواز دیتے ہیں۔ اباجی قبلہ حضورؐ کے روضہ انور پر اعتکاف میں بیٹھے تھے۔ چھبیسویں شب رمضان المبارک کی آئی تو حضورؐ تشریف لے آئے اور فرمایا: "فریدالدین! اٹھو آج لیلۃ القدر ہے اور آج بارہ بج کر پچاس منٹ پر وہ مبارک گھڑی ہے قبولیت کی!" والد گرامیؒ فوراً اپنے ساتھی کے پاس گئے اور اسے فرمایا: "اٹھو آج لیلۃ القدر ہے۔ حضورؐ نے خوشخبری دی ہے۔" ساتھی ان کی طرف متوجہ ہو کر بولا: ہاں' آج لیلۃ القدر ہے اور وقت بارہ بج کر پچاس منٹ ہے۔ اباجی قبلہؒ نے ان سے پوچھا کہ آپ کو اس کی خبر کیسے ہوئی؟ وہ بولے: میں بھی حضورؐ کا مہمان ہوں۔ جس طرح آپ کو انہوں نے اس مبارک گھڑی کی خوش خبری دی' جاتے ہوئے حضورؐ مجھ پر بھی کرم فرما گئے۔"

ان کا جو کرم ہے' وہ بند نہیں ہوا۔ صرف ہم اس قابل نہیں رہے۔ ہم نے اپنے دروازے حصول فیض کے بند کر لیے ہیں۔ اگر ہم اپنے قلب و باطن کی صفائی کر لیں' اصلاح کر لیں اور فیض لینے والے بن جائیں' تو انؐ کے انعامات جس طرح پہلے تھے' صدیوں پہلے' وہ آج بھی جوں کے توں قائم ہیں۔ وہ خواب میں بھی نوازنے والے ہیں اور بیداری میں بھی آ کر نوازنے والے ہیں۔ ایک بزرگ تھے' ہمارے پڑوس میں رہا کرتے تھے۔ حضرت میاں صالح محمد! عالم بیداری میں انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی تھی۔ جس وقت حضورؐ نے ان پر یہ عظیم کرم فرمایا' اس وقت حضرت میاں صالح محمد مسجد میں جھاڑو دے رہے تھے۔ میاں صالح محمد کو ملائکہ کی زیارت بھی ہوتی تھی۔ ایک سو دس سال کی عمر میں انتقال ہوا تھا۔ مجھ سے بڑی شفقت فرماتے تھے۔ آنکھ والے تھے۔ اللہ نے انہیں بڑے بلند درجات عطاء فرما رکھے تھے۔ ان کے شیخ' ایک مجذوب نے انہیں بڑے کٹھن مجاہدوں میں گزارا تھا۔ ان کا یہ عالم تھا' ہمیشہ جب کبھی میرے اباجی قبلہؒ گلی یا کسی کوچے میں جا رہے ہوتے' خواہ ذوفرلانگ کا فاصلہ کیوں نہ ہوتا' تو میاں صالح محمد انہیں دیکھ کر اس گلی میں چلتے نہیں تھے۔ ان کی طرف پشت نہیں کرتے تھے' دیوار کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ والد گرامیؒ چلے جاتے تو وہ بھی وہاں سے چل پڑتے۔ میں نے ایک دو بار ان سے پوچھا کہ آپ اللہ والے ہیں' اتنے بڑے بزرگ ہیں۔ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس پر مجھے فرماتے: "آپ کو ابھی معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد کے کتنے اونچے درجات کیے ہیں۔ ہم ان کو بڑے بڑے اولیاء اللہ کی مجالس میں دیکھتے ہیں۔ بڑی بڑی اونچی کچہریوں میں یہ حاضر ہوتے ہیں۔ مگر کچھ حکمتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ان درجات پر پردے ڈال رکھے ہیں کہ جس طرح دوسرے اولیاء اللہ کی دنیا میں شہرت ہو جاتی ہے' اس طرح اللہ نے

ان کی شہرت نہیں ہونے دی۔ اللہ پاک جب چاہے گا' اس کا اظہار فرما دے گا۔"

وصال کے وقت انہوں نے جو وصیتیں فرمائیں' ان میں کچھ تو خاص میرے لیے تھیں جن کا اظہار یہاں ناممکن ہے لیکن ان میں سے ایک آپ کو بتاتا ہوں۔ ابا جی قبلہؒ نے فرمایا: "بیٹے! زندگی میں ہر حال میں صدقہ ضرور کرتے رہنا۔ پاس کچھ ہو یا نہ ہو صدقہ ضرور کرتے رہنا۔ یہ حضور نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ ترین سنتوں میں سے ایک ہے۔"

(انٹرویو نگار: تنویر قیصر شاہد ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور اپریل 1989ء)



مسٹر طاہر القادری

کے الہامات اور شیطانی وساوس

علامہ محمد بشیر القادری

جناب طاہر صاحب کے جو ارشادات گزشتہ کئی سال سے شائع ہوئے اور اپنے والد گرامی کے بارے میں قومی ڈائجسٹ صفحہ 38 میں جو تحریر فرمایا۔ اُن کے خوابوں کی داستان ویڈیو کیسٹ میں ریکارڈ ہوئی۔ ان سے ان کی شخصیت کے نفسیاتی اور سماجی مطالعے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ ویسے تو اخبارات و رسائل اور کتابوں میں جو تقریریں یا تحریریں شائع ہوئی ہیں۔ تقریباً سننے پڑھنے والے تمام جانتے ہیں۔ طاہر صاحب کے خیالات اگر نہ چھاپے جاتے تو اُن کی شخصیت کے مختلف گوشے کھل کر سامنے نہ آتے۔ وہ اپنے والدِ گرامی کے بارے میں جو تحریر فرماتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اپنے والد سے ہر ایک کو محبت ہوتی ہے۔ یہ ایک فطری چیز ہے، اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کوئی بُری بات نہیں اس پر کوئی انگشت نمائی کی گنجائش نہیں۔ لیکن طاہر القادری صاحب کی چند باتوں نے ایسا چونکا دیا ہے کہ عدیم الفرصتی کے باوجود راقم چند گزارشات پیش کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔

1- طاہر صاحب موصوف نے اپنے والد صاحب کے فضائل و مناقب کے بیان میں افراط و غلو کا ایسا مظاہرہ کیا ہے جو کسی طرح بھی ایک ذمہ دار شخصیت کے شایانِ شان نہیں اپنے دور کا جو شخص بھی چھوٹی کا ادیب و شاعر ہو یا ڈاکٹر و حکیم ہو یا فقیہ و عالم ہو یا ولی باکرامت ہو یا خطیب و مقرر ہو یہ ایک ایک حیثیت ایسی ہے کہ وہ شخص اس کی وجہ سے اپنے اقران و اماثل میں

نمایاں اور ممتاز ہوتا ہے۔ اس کی ایک خاص شہرت اور تاریخ ہوتی ہے اور اس کا ایک ریکارڈ ہوتا ہے۔ جس سے پہچانا جاتا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ طاہر صاحب کے والد کے اندر بیک وقت مذکورہ تمام خوبیاں اونچے درجے میں پائی جاتی تھیں۔ وہ غالب کے ہم پلہ چوٹی کے شاعر تھے۔ فقہ ومجتہد بھی ایسے تھے کہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ حکیم وڈاکٹر بھی بڑے اعلیٰ درجے کے تھے۔ حدیث وفقہ کے ماہر استاد بھی تھے۔ کامیاب مقرر وخطیب بھی تھے اور سب سے بڑھ کر صاحب کشف وکرامات بزرگ بھی تھے۔ 15 اپریل 1989 ماہنامہ قومی ڈائجسٹ خود طاہر کی تحریر لیکن ان سب باتوں کا انکشاف صاحبزادہ گرامی قدر کو کرنا پڑ رہا ہے؟ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ لوگ اس نادرہ روزگار شخصیت کے ناواقف رہے اور اب تک ہیں۔ اتنی عظیم تر صلاحیتوں کے ساتھ یہ گمنامی اور مجموعہ خوبی کے باوجود ان کی شخصیت کا پردہ خفا میں رہنا اور اب یک بیک بیساکھیوں کے سہارے انہیں نمایاں کرنے کی کوشش کرنا بڑی عجیب بات ہے...... لیکن جن موجودہ شہادتوں سے مذکورہ دعوؤں کو جانچا جاسکتا ہے۔ ان کی گمشدگی کا اعلان بھی کر دیا ہے، مثلاً ان کی شاعری کا دیوان "دیوان فریدہ" کے نام تھا وہ گم گیا۔ اب کسی تضاد کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ اس دعوے کو نقد وتحقیق کی کسوٹی پر پرکھ سکے۔

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

-2 دوسری بات جو سب سے زیادہ اہم ہے جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ساری داستانیں زیب داستان کے لئے مثلاً طاہر صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ وفات کے دس روز بعد مجھے اباجی قبلہ کی زیارت نصیب ہوئی تو میں نے ان سے تین سوال کئے۔ پہلے سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ مرنے کے بعد سارے پردے اٹھا دیئے گئے تھے اور اسی وقت عالم بالا کی سیر شروع ہو گئی تھی۔ دس روز تک یہ سیر کرائی جاتی رہی اور آج فارغ ہوا تو آپ کو ملنے کے لئے آ گیا ہوں۔ تیسرے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بیٹے انکیرین سوالات کے لئے میری قبر میں آئے تو میں اس وقت عصر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ انہوں نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا تو واپس چلے گئے اور پھر مڑ کر ہی نہیں آئے۔ گویا سوال وجواب سے ان کے والد صاحب مستثنیٰ ہو گئے۔ خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے۔ ۱؎

حالانکہ نبی کریم کی حدیث ہے کہ مُردہ دفنانے کے بعد اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کی ثابت قدمی کی دُعا کرو۔ کیونکہ اُسی وقت اس سے باز پرس شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن واہ

مسٹر صاحب کے والد گرامی ہیں جن سے حساب وکرام بالکل ہی نہیں ہوا۔

حضرات گرامی یہ خواب جیسے ایک حقیقت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ بالکل نص صریح سے متصادم ہے، اصل میں یہ ساری گپ گوئیاں ہیں جو اپنے والد کی قد آوری ثابت کرنے کے لئے گھڑی گئی ہیں۔ شاید یہی وہ مصطفوی انقلاب ہے۔ جس کا علم لے کر طاہر صاحب باوجود کہ سو بار سیاست میں نہ آنے کی قسمیں کھاتے رہے کہ میں سیاست میں نہیں آؤں گا۔ اللہ کی قسم میں سیاست میں نہیں آؤں گا۔ کود پڑے ہیں، معلوم ہوتا ہے یہ ساری کی ساری داستانیں اس شیطانی سیاست کو پروان چڑھانے ہی کے لئے تھی۔

سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے اور جلد از جلد سیاست کے زینہ پر سوار ہونے کے لئے جمہوریت کے ناطے جو راہ اختیار کی ہے۔ مسلک اہلسنت کو بدنام کرنے کے لئے ہر غیرت مند سُنی خرافات بالکل سننے تک تیار نہیں۔

ہم مشورہ دیتے ہیں کہ طاہر صاحب سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر کے پہلے اپنا عقیدہ درست کریں اور جب عقیدہ کا قبلہ درست کر لیں تو پھر تبلیغی میدان یا سیاسی میدان جہاں چاہیں قدم رکھیں۔ ایسے خواب مرزا غلام احمد قادیانی بھی بتاتے تھے۔



علامہ طاہر القادری اور میاں منظور وٹو جلوس کی قیادت کرتے ہوئے

''لارنس آف پاکستانیہ''

علامہ ابوٹیپو خالد الازہری

جولائی 1998ء میں سٹینفورڈ یونیورسٹی (کیلی فونیا) امریکہ میں سات روزہ ''اتحاد بین الادیان کانفرنس'' منعقد ہوئی جس میں دنیا بھر سے تقریباً 300 کے قریب خواتین و مرد شریک ہوئے۔ اس کانفرنس کے روح رواں ولیم سوئنگ تھے جو کیلی فونیا کے بشپ ہیں۔

بشپ کے بقول انہوں نے خواب میں حضرت عیسیٰؑ کو دیکھا جو انہیں تلقین کر رہے تھے کہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو قریب لاؤ تاکہ وہ مستقبل میں امن و آشتی اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے سرگرم عمل ہوں۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد، بشپ ولیم سوئنگ نے 1995ء میں اقوام متحدہ کی طرز پر ''ادیان متحدہ'' (یونائیٹڈ ریلیجنز) کے نام سے تحریک کا آغاز کیا جس کی پہلی کانفرنس اسی سال (1995ء) سان فرانسسکو میں منعقد ہوئی۔ اقوام متحدہ کا قیام بھی یہیں عمل میں آیا تھا۔ اتحاد ادیان کی کانفرنس ہر سال منعقد ہوتی ہے۔ بشپ ولیم سوئنگ چند سال پیشتر لاہور تشریف لائے تو ان کی ملاقات جناب قاضی حسین احمد، ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک اور ڈاکٹر رشید جالندھری سے ہوئی۔ ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک اور ڈاکٹر رشید جالندھری نے ان کے خیالات سے اتفاق کیا جبکہ قاضی حسین احمد نے نہ صرف ان کے خیالات سے اختلاف کیا بلکہ ان کے ساتھ تصویر بنوانے پر رضامند نہ ہوئے۔ قادیانیت کے بعد اس دوسری خودکاشتہ تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے دنیا کی مختلف شخصیات کام کر رہی ہیں، جن میں برطانیہ کے پرنس چارلس، ان کے والد ڈیوک آف ایڈنبرا، اردن کے پرنس حسن، انڈیا کے متنازعہ مصنف وحیدالدین خان، آسٹریلیا کے بشپ، رومن کیتھولک سمیت امریکہ اور اسرائیل کے یہودیوں کی

اہم شخصیات شامل ہیں۔ اس تحریک میں مختلف مذاہب اور ان کے فرقوں کو شامل کیا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ بہائی، پارسی، سکھ، ہندو، قادیانی اور بدھ مت کے پیروکار بھی! یہ تحریک نیو ورلڈ آرڈر کا ایک حصہ ہے جس کا واحد مقصد اسلام کو روکنا ہے جو دیار مغرب میں ایک بہت بڑی قوت بن کر پھیل رہا ہے۔ پاکستان میں یہ باطل تحریک کامیاب بنانے کے لیے دو شخصیات کا انتخاب کیا گیا۔ ایک ریٹائرڈ جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال اور دوسرے منہاج القرآن کے پروفیسر طاہر القادری۔

جسٹس جاوید اقبال کے گمراہ کن نظریات و افکار سے کون ناواقف ہے؟ موصوف اسلام کی جو تشریح کرتے ہیں، وہ اسلام دشمن طاقتوں کے مقاصد کو کما حقہ پورا کرتی ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال قانون توہین رسالت ﷺ، امتناع قادیانی صدارتی آرڈیننس، حدود آرڈیننس، قانون شہادت، قانون قصاص و دیت اور کسی بھی جرم میں موت کی سزا کے نہ صرف خلاف ہیں بلکہ ان کو ختم کروانے کے لیے سرگرم عمل بھی ہیں۔ پاکستان میں اس باطل تحریک کے دوسرے پُر جوش سرپرست جناب پروفیسر طاہر القادری ہیں جن کا موقف ہے کہ قرآن پاک، اسلام، عیسائیت اور یہودیت میں تعاون کی بات کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں گذشتہ دنوں پاکستان عوامی تحریک اور تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام مسلم عیسائی قائدین کی گول میز کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ''مسلم عیسائی ڈائیلاگ فورم'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی جس کا پہلا کنوینر پروفیسر طاہر القادری کو منتخب کیا گیا جبکہ ڈپٹی کنوینر بشپ سیموئیل ابرٹ عزرایا ہوں گے۔ باقی ممبران میں عیسائیوں کی طرف سے فادر جیمز چنن، پروفیسر آرتھر جیمز اور مسلمانوں کی طرف سے مرکزی جماعت اہل حدیث کے امیر حافظ زبیر احمد ظہیر، منہاج القرآن کے امیر مسکین فیض الرحمٰن اور میجر آفتاب احمد خاں لودھی کو فورم میں شامل کیا گیا ہے۔

دریں اثناء کانفرنس کی صدارت پروفیسر طاہر القادری نے کی جبکہ اس میں بشت یوناویز، مسٹر آرتھر جیمز، بشپ سموئیل رابرٹ عزرایا، گروپ کیپٹن (ر) سیسل چودھری، کنولی فیروز، شہباز بھٹی، یونس راہی، پیٹر جیکب، الحاج سلیم شیخ، چودھری محمد شریف، میجر (ر) آفتاب لودھی، آفتاب مغل، نوید عالم، افتخار علی کلچہ، پرویز اسلم چودھری، ایکا فرانسس، روزینہ دران، مس مونا لیزا، ایڈگر بی را، ڈاکٹر جارج ولیم، ریونڈر فادر جیمز چنن، علامہ زبیر احمد ظہیر اور جان سموئیل نے شرکت کی۔ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر طاہر القادری نے کہا کہ ''آج پاکستان کے عیسائیوں کے نمائندوں نے مجھے اس فورم کا سربراہ نامزد کیا ہے اور میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں ان کے حقوق کے لیے اسی طرح جنگ لڑوں گا جیسے کہ وہ خود اپنے حقوق کی خاطر لڑتے ہیں۔''

گول میز کانفرنس کے اختتام پر طاہر القادری نے بریفنگ دیتے ہوئے بتایا کہ عرصہ دراز

سے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان معاشرے میں مذہبی انتہا پسندوں کی وجہ سے جو فضا پیدا ہو گئی تھی، اس سے غیر مسلم بھائیوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ اس میں حکمرانوں کی پالیسیوں کی وجہ سے مزید تحفظات و خدشات پیدا ہو رہے تھے۔ ہم نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان اتحاد و یگانگت کو فروغ دینے کے لیے بات چیت کا آغاز کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا آج کی گول میز کانفرنس میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر ملک کی بقاء کے لیے اب تک غیر مسلم پاکستانی باشندوں کی قربانیاں برابر کا درجہ رکھتی ہیں اور ملکی آئین کے مطابق انہیں تمام حقوق یکساں حاصل ہیں۔ اس لیے اس فورم کا قیام ''میثاق مدینہ'' کے عظیم معاہدہ اور ایثار کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ''ایم سی ڈی ایف'' نہ صرف پاکستان بلکہ عالمی سطح پر بھی مسلم عیسائی اتحاد اور امن کے لیے بھرپور کوشش کرے گا۔

کانفرنس میں نو نکاتی قرارداد بھی منظور کی گئی۔ اس قرارداد میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ جداگانہ طرز انتخاب کو ختم کیا جائے۔ ایک دوسری قرارداد میں کہا گیا کہ فورم شریعت بل کو مسترد کرتا ہے۔ 1973ء کے آئین کی موجودگی میں اس شریعت بل کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس فورم کی کوریج کے لیے قومی پریس کے علاوہ غیر ملکی میڈیا ٹیمیں بھی آئی ہوئی تھیں۔ بی بی سی، رائٹر، زی ٹی وی، اور سٹار ٹی وی نے بھی گول میز کانفرنس اور طاہر القادری کی پریس بریفنگ کی کوریج کی۔ گول میز کانفرنس کا آغاز قرآن مجید کی تلاوت سے ہوا۔ بعد از اں انجیل کی تلاوت بھی کی گئی۔ کرسچین لبریشن فرنٹ کے سربراہ شہباز بھٹی نے کانفرنس کے دوران اتحاد و امن کے حوالے سے قرآن مجید کی متعدد آیات پڑھ کر جبکہ پروفیسر طاہر القادری اور میجر (ر) آفتاب لودھی نے انجیل کی متعدد آیات پڑھ کر کانفرنس کے شرکاء کو حیران کر دیا۔

اقلیتی حق پرست پارٹی نے ''مسلم کرسچین ڈائیلاگ فورم'' میں شمولیت سے انکار کر دیا۔ اقلیتی حق پرست پارٹی کے چیئر مین پطرس غنی نے اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بائبل کو ''سٹوری بک'' کہنے والوں سے کسی قسم کا اتحاد یا تعاون ممکن نہیں۔ انہوں نے کہا کہ کرسچین لبریشن فرنٹ یا نیشنل کرسچین پارٹی کی فورم میں شمولیت کو اقلیتی جماعتوں کا فورم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انہوں نے مخلوط طریقہ انتخاب کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ درحقیقت یہ طریقہ انتخاب چور دروازے سے اقتدار حاصل کرنے کا راستہ ہے۔

''مسلم کرسچین ڈائیلاگ فورم'' کے نتیجہ میں جناب طاہر القادری اور کرسچین لبریشن فرنٹ کے سربراہ شہباز بھٹی کے مفادات مشترکہ ہو گئے۔ آئے دن ان دونوں راہنماؤں کی ملاقاتوں کا احوال

اخبارات کی زینت بننے لگا۔ اہل علم جانتے ہوں گے کہ یہ وہی شہباز بھٹی ہیں جنہوں نے 12 اگست 95ء کو آئین پاکستان سے بغاوت کرنے کا اعلان کرتے ہوئے پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ ہم توہین رسالت، تنسیخ نکاح، حدود آرڈیننس، توہین قرآن، C295 اور قانون شہادت ایسے قوانین کو نہیں مانتے کیونکہ یہ تمام قوانین امتیازی ہیں، کالے ہیں، اقلیتوں کے سر پر لٹکتی ہوئی تلوار ہیں اور اقلیتوں کا سراسر استحصال ہیں۔ انہوں نے یوم آزادی کی تقریبات کا بائیکاٹ کرنے کا بھی اعلان کیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ آئندہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی بجائے اسے عوامی جمہوریہ پاکستان لکھا جائے۔

7 جون 1998ء کو جناب طاہر القادری نے کرسچین لبریشن فرنٹ کے صدر شہباز بھٹی سے اپنی رہائش گاہ پر ایک خصوصی ملاقات میں کہا کہ حکومت قانون توہین رسالت ﷺ پر اقلیتوں کے خدشات دور کرنے کے لیے اقلیتوں کو اعتماد میں لے۔ گویا یہ طاہر القادری کی طرف سے پہلی دفعہ قانون توہین رسالت ﷺ پر عدم اعتماد تھا، جس کا مقصد اسلام دشمن قوتوں کو خوش کرنا اور خود کو بنیاد پرستی کے الزام سے بری الذمہ قرار دینا تھا۔

اپریل 2000ء میں عیسائیوں کے ایسٹر کے موقع پر جناب طاہر القادری نے عیسائی اقلیت کے نام جو پیغام دیا، اسے پڑھ کر ہر مسلمان کو نہ صرف ذہنی کوفت اور شرمندگی اٹھانا پڑی بلکہ وہ جناب طاہر القادری کی شخصیت کے بارے میں بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوئے۔

جناب طاہر القادری کے بارے میں لاہور ہائی کورٹ کے جج جناب جسٹس اختر حسن نے 18 اگست 90ء کو ''فائرنگ کیس'' میں اپنے ریمارکس دیتے ہوئے کہا تھا کہ ''وہ ایک محسن کش، ناشکرے، خود غرض، جھوٹے، دولت کے پجاری، خود پرست اور شہرت کے بھوکے انسان ہیں۔'' انہیں 'مذہبی نوابوں کا شہزادہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ کئی سال پہلے انہوں نے سیکولرازم کا نعرہ لگانے والی، افغان جہاد کو فساد کہنے والی اور قادیانی نواز جماعت تحریک استقلال اور اہل تشیع کی تحریک نفاذ جعفریہ سے اتحاد کیا تھا۔ حال ہی میں انہوں نے پیپلز پارٹی سے اتحاد کیا اور فرمایا کہ ہم نے اسلامی نظام کے لیے پیپلز پارٹی سے اتحاد کیا ہے۔ اب اسلام دشمن قوتوں نے ان میں مرزا قادیانی ایسی ''خصوصیات'' دیکھ کر ان سے ''اتحاد بین الادیان'' کا پرکشش نعرہ لگوایا ہے۔ اتحاد ادیان ایک پرفریب، خطرناک اور ناپاک دعوت ہے کیونکہ حق و باطل میں اتحاد ممکن ہی نہیں۔ روئے زمین پر اسلام سے بڑھ کر کوئی سچا مذہب نہیں ہے۔ یہ تمام دوسرے مذاہب، شرائع اور ادیان کا خاتم ہے۔ اسی طرح قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری اور مکمل کتاب ہے جو اپنے سے قبل تمام کتب سماویہ تورات، زبور، انجیل وغیرہ کو منسوخ کرنے والی ہے۔ انجیل تو تبدیل شدہ اور منسوخ کتاب ہے، قرآن کے مقابلہ میں اس کی تلاوت کروانا ''مصطفوی انقلاب''

کے داعیوں کا ہی حوصلہ ہوسکتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کا ایک کاغذ دیکھا تو غصہ میں آ گئے۔ فرمایا "اے خطاب کے بیٹے! میرے بارے میں شک میں ہو؟ کیا میں اس شریعت کو روشن وسفید لے کر نہیں آیا۔ اگر آج میرے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا" ایک اور موقع پر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس امت میں کسی یہودی یا عیسائی نے میری اس دعوت کو سنا جو میں لے کر آیا ہوں پھر میری رسالت پر ایمان نہ لایا تو وہ دوزخی ہے۔" ان احادیث کی روشنی میں اتحاد ادیان کی دعوت، اسلام کو کمزور کرنے اور اہل اسلام کو مرتد جماعت میں شامل کرنے کی ناپاک سازش ہے۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایسی کانفرنس وغیرہ میں شرکت کرے یا اسے مسلمانوں میں رائج کرے۔ جہاں تک مخلوط انتخابات کے مطالبہ کا تعلق ہے، اہل فکر جانتے ہیں کہ یہ اسلام دشمن طاقتوں کا دیرینہ مطالبہ ہے۔ مخلوط انتخاب آئین کے آرٹیکل 51 اور 106 کے صریحاً خلاف ہے۔ اس کے علاوہ یہ آرٹیکل 2، A-2 اور 227 کے بھی خلاف ہے۔ کسی اقلیتی نمائندہ کو مسلمانوں کے حلقہ انتخاب سے الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ لاکھوں مظلوم مسلمانوں کی لازوال قربانیوں کے نتیجے میں معرض وجود میں آنے والا وطن عزیز پاکستان آج طاہر القادری کی زد میں ہے۔ قیام پاکستان سے قبل مسلمانان ہند نے جس اہم مطالبے کو انگریز حکومت اور ہندوؤں سے تسلیم کروایا، وہ جداگانہ طرز انتخاب کا مطالبہ تھا۔ جداگانہ طرز انتخاب کا یہی مطالبہ بعدازاں قیام پاکستان کی بنیاد بنا۔ اس ضمن میں جناب طاہر القادری کا موقف یہ ہے کہ "مخلوط طرز انتخابات" اپنایا جائے۔ ہر پاکستانی اچھی طرح جانتا ہے کہ 1970ء کے انتخابات مخلوط بنیادوں پر منعقد ہوئے تھے اور مشرقی پاکستان کی اقلیت نے عوامی لیگ کی کامیابی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ جس کے نتیجے میں یہ ملک ٹوٹ گیا، جس پر اندرا گاندھی نے کہا تھا کہ "آج ہم نے دوقومی نظریہ کو خلیج بنگال میں غرق کر دیا ہے۔" طاہر القادری صاحب یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ مخلوط طرز انتخابات ملک کو مزید تقسیم کرنے کا باعث بنیں گے لیکن پھر بھی ان کا اس موقف پر برقرار رہنا قابل حیرت ہے۔ طاہر القادری صاحب کی پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی یہ خواہش محب وطن افراد کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔

1973ء کے آئین کی رو سے غیر مسلموں کو صرف 6 اور چاروں اسمبلیوں میں کل 9 نشستیں دی گئی تھیں جبکہ 8ویں آئینی ترمیم کے بعد انہیں قومی اسمبلی میں 10 اور صوبائی اسمبلیوں میں 23 نشستیں مل گئی ہیں۔ دنیا کی کسی بھی جمہوریت میں ایک فرد کو، بیک وقت ایک ہی اسمبلی کے لیے دو ووٹ دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ مخلوط طرز انتخاب کا مطالبہ قادیانیوں کو مسلمان قرار دینے کی سازش ہے۔ اب وہ خود کو مسلمان ظاہر کر کے مسلم نشستوں پر الیکشن لڑ کر قانون ساز اسمبلیوں میں اسلام کے خلاف قانون سازی کریں گے جو ہر مسلمان کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

دسمبر 1998ء میں برطانوی حکومت نے مسلم عیسائی ہم آہنگی کے پیش نظر مساجد میں مسلمان خطیبوں کے علاوہ عیسائی پادریوں کی تعیناتی کا بھیانک منصوبہ ترتیب دیا اور اس سلسلہ میں آکسفورڈ وسنٹرل مسجد لندن میں ایک پادری کا تقرر بھی کر دیا۔ مسلمانوں نے اس گھناؤنے منصوبہ کو اسلام کے خلاف گہری سازش قرار دے کر مسترد کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومت کا یہ اقدام "اتحاد بین الادیان" کی آڑ میں مسلمانوں کے عقائد پر کاری ضرب لگاتا ہے۔

معتبر ذرائع کے مطابق مختلف مذاہب کے پیروکاروں میں ہم آہنگی اور اخوت ومحبت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے فروری 2001ء میں تمام مذاہب کے اتحاد کی مذہبی کانفرنس منعقد ہونا تھی۔ وزارت مذہبی امور کے مطابق پوری دنیا سے تقریباً 100 اہم مذہبی علماء کو کانفرنس میں بلایا جانا تھا۔ کانفرنس میں پوپ، جان پال، نیلسن منڈیلا، پرنس کریم آغا خان، آرچ بشپ آف کنٹربری اور یاسر عرفات شریک ہونے تھے، مگر ناگزیر حالات کی بناء پر یہ کانفرنس ملتوی کی دی گئی۔

جھوٹے مدعی نبوت...... بہاء اللہ نے جو نیا دین پیش کیا اس میں مندرجہ ذیل پانچ تعلیمات بہت نمایاں ہیں:

1- وحدتِ ادیان
2- وحدتِ اوطان
3- وحدتِ لسان
4- امنِ عالم بذریعہ ترک جہاد
5- مساوات مرد وزن

بہاء اللہ کے خیال میں اس کے مذہب کے یہی پانچ ارکان ہیں اور اس نے یہ دعویٰ کیا کہ تمام انسان اس کے محتاج ہیں اور انہی تعلیمات کے پیش کرنے کی بنیاد پر وہ نبی اور معبود بن گیا۔

اس کی پہلی تعلیم وحدت ادیان ہے۔ اس کے متعلق یہ کہتا ہے کہ "اے اہل زمین ظہور اعظم میں ساری فضیلت ہے۔ ہم نے کتاب میں سے وہ مٹا دیا جو تفریق کا سبب تھا اور وہ باقی رکھا ہے جو کہ اتحاد واتفاق کا سبب ہے۔

ایک مقام پر اس نے یہ کہا ہے کہ ہم نزاع اور جدال سے کتاب میں آپ کو روکتے ہیں۔ یہ

اللہ کا حکم ہے، اس ظہور اعظم میں کہہ دیجئے، اے میرے بندو! آپ افتراق نہ کریں، اہل بہاء سے میں توقع رکھتا ہوں کہ وہ اس کلمہ کو مضبوطی سے پکڑیں گے۔ اسی کلمے کے ساتھ مختلف جماعتیں اتحاد حقیقی کے نور سے کامیاب ہو جائیں گی اور ایک مقام پر اس نے یہ بات کہی ہے کہ باقی ادیان کے ساتھ خوشی کے ساتھ رہو۔

اس کا بیٹا عبدالبہا بھی اتحاد کا دعویٰ کرتا ہے۔ "تمام کے لیے ضروری ہے کہ وہ تعصبات کو چھوڑ دیں۔" اور ایک شخص کے جواب میں عبدالبہا کہتا ہے کہ جس نے اس سے سوال کیا تھا کہ میں اسی طریقے پر رہوں جس میں، میں نے اپنی زندگی گزاری ہے۔

"آپ کے لیے یہ لائق ہے کہ آپ اس سے اس طریقے سے الگ نہ ہوں جو کہ آپ نے اپنایا ہوا ہے۔ بے شک بادشاہی کسی خاص گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ یہ آپ کے لیے ممکن ہے کہ آپ بہائی عیسائی ہوں اور آپ بہائی یہودی ہوں اور آپ بہائی مسلمان ہوں یا آپ بہائی ماسونی ہوں۔ ایک مقام پر بہاء اللہ نے یہ کہا ہے: تمام عالم ایک دین پر متحد ہو جائے اور تمام لوگ آپس میں بھائی بھائی بن جائیں اور محبت اور اتحاد کی کڑیاں آپس میں مضبوط ہو جائیں اور دینی اختلافات مٹ جائیں اور تمام انسانوں کے اختلافات ختم ہو جائیں۔

لوح ملکہ وکٹوریہ میں کہتا ہے: کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اتحاد اور ایک شریعت کا حکم دیا ہے۔

"تحریک وحدت ادیان" کی زہرناکیوں کے بارے میں معروف کالم نگار جاوید چوہدری اپنے کالم "بامیان سے کیسٹل لین" تک میں لکھتے ہیں۔

"سارے مذاہب میں خدا موجود ہے تو پھر لوگ مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے سے نفرت کیوں کرتے ہیں۔"

یہی بوردین کے دماغ میں سلگنے والا وہ سوال تھا جو آگے چل کر مینڈروم فرقے کی بنیاد بنا۔ بوردین کا خیال تھا مغرب اور مشرق، شمال اور جنوب اسی صورت میں ایک ہو سکتے ہیں۔ عیسائی اور مسلمان، یہودی اور ہندو بھی صرف اسی شرط پر یکجا ہو سکتے ہیں جب وہ ایک خدا پر متفق ہو جائیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے نظریے میں پختگی آتی گئی۔ یہاں تک کہ 1967ء میں اس نے مینڈروم فرقے کی بنیاد رکھ دی۔

اس فرقے کی تین چار خصوصیات تھیں، یہ لوگ سمجھتے تھے تمام فرقوں اور مذہبوں کے لوگ ایک ہیں۔ ان کا خیال تھا پوری انسانیت میں اتحاد ہونا چاہیے اور ان کا کہنا تھا خدا نے جب انسان کو بنایا تو اس نے اسے "اوم" کہہ کر مخاطب کیا گویا، "اوم" (نعوذ باللہ) خدا کے منہ سے نکلنے والا پہلا لفظ تھا لہذا

اوم ہی وہ آفاقی طاقت ہے، جو انسانوں کو ایک دوسرے سے جوڑ سکتی ہے۔ اس فلسفے کی بنیاد پر بوردین اور اس کے پیروکاروں نے عبادت و ریاضت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ لوگ ہندو پنڈتوں کی طرح جامنی رنگ کا لباس پہنتے اور ہمہ وقت "اوم" کا ورد کرتے تھے۔ ان کی تعلیمات میں کوئی ایسی انوکھی چیز تھی جس نے جلد ہی یورپ بالخصوص فرانس کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور پڑھے لکھے لوگوں کی ایک معقول تعداد جلبرٹ بوردین کے گرد جمع ہو گئی۔ ان لوگوں نے کچھ عرصے بعد اپنی عبادت گاہ بنا لی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا مینڈروم فرقے کے بنیادی فلسفے میں تبدیلیاں آتی گئیں، حتیٰ کہ 80ء کی دہائی میں پہنچ کر بوردین نے ایک نیا اعلان کر دیا، اس نے کہا (نعوذ باللہ، نعوذ باللہ) خدا انسان کا روپ دھار کر زمین پر آ سکتا ہے۔ اس کے پیروکاروں نے اس کی دوسری باتوں کی طرح یہ بات بھی مان لی۔ یوں جلبرٹ بوردین نے کیسٹل لین میں اپنا گیارہ سو ٹن وزنی اور ایک سو دس فٹ اونچا بت بنوایا اور اپنے پیروکاروں سے اس کی پوجا شروع کرا دی۔ اس دوران بوردین پر بدکاری کا الزام لگا اور 1998ء میں اس کی موت تک عدالت میں اس کے خلاف اس الزام میں مقدمہ چلتا رہا۔ 1993ء میں فرانسیسی حکومت نے بوردین کا بت توڑنے کے لیے عدالت سے رجوع کیا، حکومت کا دعویٰ تھا "اس فرقے اور اس بت کی وجہ سے ملک میں بے چینی پھیلنے کا خدشہ ہے۔ مینڈروم کے پیروکار بظاہر پر امن لیکن بباطن بہت خطرناک لوگ ہیں۔ یہ اس عبادت گاہ کو کچے اذہان کے لوگوں کی برین واشنگ کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ بت شکنی کا یہ کیس آٹھ سال تک مسلسل عدالت میں چلتا رہا۔ 1998ء میں 74 سال کی عمر میں بوردین کا انتقال ہو گیا۔ اس کی موت کے بعد بھی مقدمے کی پیشیاں جاری رہیں یہاں تک کہ 2001ء میں عدالت نے بت توڑنے کی اجازت دے دی۔ عدالتی حکم کے بعد حکومتی اہلکار مینڈروم فرقے کی عبادت گاہ پہنچے اور اس ماہ کی سات تاریخ یعنی سات ستمبر کو بوردین کا بت توڑ دیا۔ ایک سو دس فٹ اونچے اور گیارہ سو ٹن وزنی بت کو توڑنے کے لیے حکومت نے ایک لاکھ 35 ہزار ڈالر خرچ کیے۔

(روزنامہ جنگ لاہور 13 ستمبر 2001ء)

تحریک وحدت ادیان کا دراصل مقصد یہ ہے کہ اس عقیدہ کو ختم کر دیا جائے کہ "ان الدین عند اللہ الاسلام" اور اس آیت ربانی کو بھی عملاً منسوخ کر دیا جائے "هو الذی ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون."

مزید اس کا مقصد اسلام اور کفر کے مابین قائم امتیازی فرق کو مٹا کر اسلام کو دیگر باطل مذاہب

کے برابر کر دینا ہے تاکہ شراب نوش، خنزیر خور، زناکار، جنس پرست اور لوطی قسم کے لوگوں کے سا
وحدت ادیان میں شریک ہو کر ہر اس کام کو جائز اور حلال قرار دیا جائے جسے عوام اور پارلیمنٹ جا
وحلال قرار دے حالانکہ اسلام میں حلال وحرام اور جائز وناجائز کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے ی
انسان حتیٰ کہ کسی پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ حلال وحرام کا از خود تعین کرے۔

وحدت ادیان ایسا پُر فریب جاذب نظر نعرہ ہے جس سے وہ لوگ بہت تیزی سے متا
ہو رہے ہیں جنہیں ہمارے ہاں اونچی سوسائٹی کے لوگ یا مراعات یافتہ مغربی طبقہ کہا جاتا ہے۔ تمام
کے ترقی پذیر خاص کر اسلامی ممالک میں یہ اصطلاح بڑی تیزی سے پھیلائی جا رہی ہے اس وقت
ممالک میں وحدت ادیان کے دفاتر قائم کیے جا چکے ہیں۔

شیخ عبدالعزیز بن باز عالم اسلام کے عظیم عالم اور فقیہ تھے، ان کی درجنوں کتب شائع ہو
اطراف عالم میں پھیل چکی ہیں۔ مئی 1999ء میں شیخ بن باز اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ ذیل م
شیخ بن باز کی زندگی کا آخری معرکۃ الاراء فتویٰ اس لحاظ سے انتہائی اہم ہے کہ اس کے ذریعے نہ صر
اسلام کی عظمت وحقانیت کو مدلل انداز سے واضح کیا گیا ہے بلکہ ارتداد اور گمراہ کن نظریات کی بیخ ک
کر کے عالم اسلام کو ایک شیطانی منصوبے سے بچانے کا فریضہ بھی انجام دیا گیا ہے۔ اس فتویٰ کا
منظر یہ ہے کہ ایک مذموم سازش کے تحت مختلف مقامات سے تین سوالات بھیجے گئے اور انہیں ذ
ابلاغ نے شائع بھی کیا۔ ان سوالات میں وحدت ادیان، وحدت کتب اور وحدت معابد کا ذکر تھا جن
تشکیل کے بعد مشرق ومغرب میں اس نظریہ کو عام کرنے کی ترغیب دی گئی۔ مملکت سعودیہ عرب کی
علمی اور تحقیقی کمیٹی نے پہلے ان سوالات پر نظر ثانی کی اور پھر شیخ عبدالعزیز بن باز سے فتویٰ طلب کیا
سوالات یہ تھے۔

-1 دین اسلام، دین یہود اور دین نصاریٰ کو ایک دین بنا دیا جائے؟
-2 مسجد، کنیسہ، (گرجا) اور معبد (یہودیوں کا عبادت خانہ) کو یکجا تعمیر کیا جائے۔
-3 قرآن، تورات اور انجیل کو ایک ہی جلد میں شائع کیا جانا چاہیے۔

شیخ عبدالعزیز بن باز نے ان تین گمراہ کن سوالات کا انتہائی مسکت جواب دے کر
اسلام کی چالوں اور شائع منصوبوں کے آگے بند باندھ دیا اور ایک نئے فتنے کو پیدا ہونے سے
ہی کچل دیا۔

سوالات اور فتویٰ کا مکمل متن عرب روزنامہ ''الاتحاد'' نے شائع کیا جس کا ترجمہ
جا رہا ہے۔

اسلام

اسلام کے اعتقادی اصول میں اور ضروریات دین میں یہ واضح ہے اور اس پر مسلم امہ کا اجماع ہو چکا ہے کہ دین اسلام کے سوا اللہ تعالیٰ کی سرزمین پر کوئی سچا دین نہیں ہے، اسلام خاتمۃ الادیان ہے، اسلام اپنے سے پہلے آنے والے تمام ادیان، تمام شریعتوں اور ملتوں کا ناسخ ہے، اور اب اللہ کی سرزمین پر اسلام کے سوا کوئی ایسا دین نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت ہو۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ ''جو اسلام کے علاوہ کسی دین کو تلاش کرے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''

(سورۃ آل عمران، آیت 85)

اور اسلام نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد وہی ہے جو آپ ﷺ لے کر آئے، اس کے علاوہ اسلام نہیں ہے۔

کتاب خاتم

اسلام کا اعتقادی اصول ہے کہ ''قرآن کریم'' اللہ کی کتاب ہے۔ وہ زمانے اور نزول کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، وہ تورات، زبور، انجیل اور دیگر آسمانی صحیفوں کی ناسخ (ختم کرنے والی) کتاب ہے، قرآن ان پر نگران ہے۔ قرآن کے سوا کسی کتاب کی دعوت سے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اظہار نہیں ہوتا۔

سورۃ المائدہ آیت 48 میں ارشاد باری ہے:

''ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری، اور تصدیق کرنے والی ہے سابقہ کتابوں کی، اور ان مضامین پر نگہبان۔ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں، اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے اتارا، ان کی خواہشات کے مطابق نہ چلیں، سیدھا راستہ چھوڑ کر۔''

تورات وانجیل

-3 اس بات پر ایمان لانا واجب ہے کہ تورات وانجیل کو قرآن نے منسوخ کر دیا۔ ان کتابوں میں تحریف وتبدیلی کی جا چکی ہے، ان میں کمی اور زیادتی کر دی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں بھی ارشاد ہوتا ہے۔

سورۃ المائدہ کی آیت 13 میں ہے:

''ہم نے ان کے عہد توڑنے پر ان پر لعنت کی، ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر

دیا، کلمات کو ان کے مقام سے ہٹاتے ہیں، ان کو جو نصیحت کی گئی اس سے نفع اٹھانا بھول گئے، اور ہمیشہ آپ مطلع ہوتے رہتے ہیں، ان کے کسی دھوکہ پر، مگر تھوڑے لوگ ان میں سے۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی سورۃ البقرۃ کی آیت 89 میں ہے......"ان لوگوں کے لیے خرابی ہے جو قرآن اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، تاکہ اس سے تھوڑا سا مول خریدیں، خرابی ہے ان کے لیے جو کچھ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا اور جو کچھ انہوں نے کمایا۔"

اسی سورۃ آل عمران کی آیت 78 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"ان میں ایک گروہ زبان مروڑ کر کتاب پڑھتا ہے، تاکہ تم اسے کتاب سمجھو، حالانکہ وہ کتاب نہیں ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے، اور وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیں۔"

لہٰذا جو کچھ ان کتابوں میں صحیح بھی موجود ہے تو قرآن نے اسے منسوخ قرار دیا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ محرف اور مبدل (تحریف شدہ، تبدیل شدہ) ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ اس وقت غصے میں آگئے تھے، جس وقت انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صحیفہ دیکھا، جس میں تورات کے کچھ اقتباسات تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اے ابن خطاب رضی اللہ عنہ! کیا تو شک میں ہے......؟ اے ابن خطاب رضی اللہ عنہ! کیا روشن شریعت نہیں آچکی......؟

اگر میرا بھائی موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتا تو اسے میری شریعت کی اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا (احمد......دارمی)

حضرت محمد ﷺ

4- اسلام کے اعتقادی اصول میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے نبی و رسول حضرت محمد ﷺ "خاتم الانبیاء" ہیں۔

سورۃ احزاب کی آیت 40 میں ارشاد خداوندی ہے:

"محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔"

حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کوئی رسول ایسا باقی نہیں ہے جس کا اتباع واجب ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور رسولوں میں سے کوئی بقید حیات ہوتا تو اسے آپ ﷺ کا اتباع کیے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ ان کا اتباع بھی آپ ﷺ کے اتباع کے بغیر ناممکن ہے۔ جیسا کہ آل عمران کی آیت 81 میں ارشاد ربانی ہے:

"جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تمہیں کتاب اور علم میں سے دیا، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس چیز کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے۔ (کتاب) تو اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے، فرمایا! کیا تم نے اقرار کیا، کہنے لگے، ہم نے اقرار کیا، فرمایا! اب گواہ رہو، میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آخر زمانہ میں نازل ہوں گے تو نبی اکرم محمد ﷺ کی تابعداری کریں گے اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف کی آیت 57 میں ارشاد فرمایا۔ "وہ لوگ جو نبی امی کی تابعداری کرتے ہیں، اس چیز کی جسے لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔"

اسلام کے اعتقادی اصول میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی بعثت و رسالت تمام انسانیت کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا آیت 28 میں ارشاد فرمایا۔

"اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔"

سورۃ الاعراف آیت 158 میں ارشاد ہوتا ہے:

"آپ ﷺ فرما دیجئے! اے لوگو! تم سب کی طرف رسول اللہ بنا کر بھیجا گیا ہوں، وہ ذات جس کے لیے ہے آسمان و زمین کی بادشاہی۔"

یہود و نصاریٰ

5- اسلام کے اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہر اس شخص کو کافر سمجھنا واجب ہے جو اسلام کے دائرہ میں داخل نہیں ہوا۔ چاہے وہ یہودی یا نصاریٰ ہوں یا کوئی اور ہو، اسے کافر کہا جائے

گا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کا اور اہل ایمان کا دشمن ہے، وہ جہنمی ہے۔

اللہ رب العزت نے سورۃ البینہ، آیت ایک میں ارشاد فرمایا...... ''اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ باز آنے والے نہیں ہیں، یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچے کھلی دلیل۔''

اسی سورۃ البینہ کی آیت 6 میں ارشاد ہوتا ہے، ''اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ جہنم کی آگ میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ تمام مخلوق میں بدتر لوگ ہیں۔''

قسم اس ذات کی

مسلم شریف سے ثابت ہے کہ رسول اکرم حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس امت میں سے مجھے بھی سنے گا، یہودی ہو یا نصرانی، پھر وہ اسی حالت میں مرگیا اور جو کچھ میں لے کر آیا اس ایمان نہ لایا تو وہ جہنمی لوگوں میں سے ہوگا۔''

اس لیے جو شخص یہود و نصاریٰ کو کافر نہیں کہتا وہ خود کافر ہے۔ شریعت کا قاعدہ ہے۔ (من لم یکفر الکافر فھو کافر) جو کافر کو کافر نہیں کہتا وہ خود کافر ہے۔

وحدتِ ادیان کا گمراہ کن پرچار

-6 درج بالا ان اعتقادی اصولوں اور شرعی حقائق کی موجودگی میں وحدت ادیان کا پرچار اور ان کے درمیان قرب پیدا کرنا اور ایک قالب میں ان کو پرونا، یہ ''دعوۃ خبیثۃ ماکرۃ'' دھوکہ میں کر دینے والی گندی دعوت ہے، اس دعوت کی غرض و غایت حق و باطل کو خلط ملط کرنا ہے، اس دعوت کا مقصد اسلام کو گرانا ہے، اس دعوت کا مقصد اسلام کے ستونوں کو گرانا ہے، اس خبیث اور گندی دعوت کا مقصد اہل اسلام کو مکمل طور پر مرتد بنانا ہے، اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق یہ ہے:

''وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے دیں۔'' (البقرۃ 217)

سورۃ نساء کی آیت 89 میں ارشاد باری ہے:

''وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی اسی طرح کفر کرو جس طرح انہوں نے کفر کیا

برابر ہو جاؤ۔''

حق و باطل کا فرق

-7 اس گندے نظریے کے پرچار کا مقصد اسلام اور کفر کے درمیان جن باتوں میں فرق و امتیاز ہے اسے مٹانا ہے۔ حق اور باطل کے درمیان جو فرق ہے اسے ختم کرنا ہے۔ نیکی اور بدی کے درمیان امتیاز ختم کرنا ہے۔ اس گندی دعوت کا مقصد مسلمانوں اور کافروں کے درمیان سے نفرت کو ہٹانا ہے۔ اس گندی دعوت کا مقصد دوستی ہے اور نہ دشمنی و بیزاری۔ اس کا مقصد نہ جہاد و قتال ہے اور نہ اللہ کی زمین پر اس کے کلمہ کی سربلندی ہے۔

واضح ارتداد

-8 اگر کسی مسلمان کی طرف سے وحدت ادیان کا پرچار کیا جائے گا تو اسے واضح ارتداد سے تعبیر کیا جائے گا۔ یہ سمجھا جائے گا کہ یہ شخص دین اسلام سے پھر گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص اسلام کے اصولی اعتقاد سے ٹکرایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کفر کرنے پر راضی ہو گیا ہے۔ اس نے قرآن حکیم کی سچائی کو باطل قرار دیا اور اس نے اس کو بھی باطل قرار دے دیا کہ قرآن حکیم پہلی تمام کتابوں کی ناسخ (ختم کرنے والی) کتاب ہے۔ اس نے اس دعوت کے ساتھ اس چیز کو بھی باطل قرار دے دیا کہ اسلام اپنے سے پہلے آنے والی تمام شریعتوں اور ادیان کا ناسخ ہے، اسی بناء پر ''فی فکرۃ موفوضہ شرعا''

قرآن و سنت، اجماع اور شریعت اسلامی کے تمام دلائل کی روشنی میں ایسی گندی دعوت دینا بالکل حرام ہے۔

مسلمانوں کے لیے جائز نہیں

-9 سطور بالا میں جو اصول و ضابطے بیان ہوئے ان کی روشنی میں:-

(1) جو شخص اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، حضرت محمد ﷺ کو نبی و رسول اور اسلام کو سچا دین تسلیم کرتا ہے۔ اس کے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ گناہ میں مبتلا کرنے والی اس قسم کی گندی دعوت دے، اور نہ ہی اس کی طرف راغب کرنا کسی صورت جائز ہے۔

(2) کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ تورات و انجیل کو الگ الگ شائع کرے تو پھر قرآن حکیم کے ساتھ ایک ہی جلد میں انہیں کیسے شائع کرسکتا ہے؟ جس شخص نے ایسا کیا یا ایسا کرنے کی دعوت دی، وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا، کیونکہ اس طرح اس نے حق (قرآن

کریم) اور تحریف شدہ، حق اور منسوخ شدہ، (تورات و انجیل) کو جمع کرنے کا کام کیا اور دعوت دی۔

(3) جیسا کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ (مسجد، گرجا اور معبد) کو ایک ہی جگہ تعمیر کرنے کی دعوت قبول کرے، کیونکہ اس سے اس چیز کا اعتراف کرنا لازم آئے گا کہ دین اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین بھی ہے۔ جس میں اللہ کی عبادت کا درس و دعوت موجود ہے اور دین اسلام کے دوسرے تمام ادیان پر غلبے کی بات کا انکار لازم آئے گا اور غلط دعوت اس بات کی کہ ادیان تین ہیں، اہل زمین ان تین میں سے جسے چاہیں اپنا سکتے ہیں، یہ تینوں مساوی ادیان ہیں، اسلام پہلے ادیان کے لیے ناسخ نہیں ہے...... بے شک اس بات کا اقرار کرنا، اس کا اعتقاد رکھنا یا اس کے ساتھ رضامندی کا اظہار کرنا کفر اور گمراہی ہے، اس لیے یہ قرآن کریم، سنت مطہرہ اور اجماع امت مسلمہ کے صریحاً خلاف ہے، اور اس بات کا اعتراف ہے کہ یہود و نصاریٰ کی تحریفات خدا تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔ جس طرح گرجا گھروں کو بیوت اللہ (اللہ کے گھر) کہنا جائز نہیں، اسی طرح یہ سمجھنا بھی جائز نہیں کہ گرجا والے اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جو بالکل صحیح اور اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے کیونکہ یہ عبادت دین اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا۔'' (آل عمران:85)

اہل کتاب کو اسلام کی دعوت

اس بات کا جاننا بھی بہت ضروری ہے کہ عالم کفار کو بالعموم اور اہل کتاب کو بالخصوص اسلام کی دعوت دینا مسلمانوں پر واجب ہے۔ یہ بات قرآن و سنت سے صراحتاً ثابت ہے۔ اہل کتاب کو عمدہ بیان اور مجادلہ حسن کے ساتھ اسلام کی دعوت دی جائے لیکن اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ اسلامی شریعت سے دستبردار ہو کر یہ کام کیا جائے، یہ اس وقت ہوگا جب ان کی طرف سے مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہو جائے کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے، اتمام حجت کر دیا جائے تاکہ جو مرنا چاہتا ہے وہ کسی دلیل سے مرے اور جو زندہ رہنا چاہتا ہے وہ کسی طریقے سے زندہ رہے۔

سورۃ آل عمران کی آیت 64 میں ارشاد ربانی ہے:

''فرما دیجئے! اے اہل کتاب اس کلمہ کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک

ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنا لے، پس اگر وہ پھر جائیں تو تم گواہی دو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔''

ان سے الجھنا، ان سے ملاقات کرنا اور ان کی نازل شدہ پسندیدہ اشیاء میں گفتگو کرنا، ان کے ... میں بحث و مباحثہ کرنا، اسلام کی کھلی اور واضح تعلیمات کی تنقیص کرنا اور قسموں کا عہد و پیمان کرنا یہ اللہ، رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو ناپسند ہے، جو کچھ وہ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بری ہے۔

سورۃ المائدہ کی آیت 49 میں ارشاد ربانی ہے:

''ان سے بچئے اس بات سے کہ وہ آپ کو اس چیز کے بارے میں کسی فتنہ میں مبتلا کر دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف اتاری ہے۔''

شیخ عبدالعزیز بن باز کے اس مدلل اور مسکت فتویٰ کی روشنی میں سعودی عرب کے علمی ادارے نے ایک فرمان جاری کیا، جس میں مسلمانوں کو عموماً اہل علم کو خصوصاً نصیحت کی گئی کہ وہ تقویٰ اختیار کریں، اسلام کی حمایت کریں، مسلمانوں کے عقائد کو گمراہی سے بچائیں، گمراہی کے پرچار سے بچائیں، کفر اور اہل کفر سے بچائیں، ان کو اس گمراہ کن دعوت (وحدت ادیان) دعوت کفر سے محفوظ رکھیں، اس کی چالوں اور جال میں نہ آئیں اور ہر مسلمان اللہ کی پناہ میں آئے کہ کوئی مسلمان اس گمراہ کن منصوبہ کو مسلمان ملکوں کی طرف لے جانے کا سبب نہ بنے اور نہ ہی رواج دے سکے۔

(ملی ایڈیشن روزنامہ پاکستان لاہور 30 جولائی 1999ء)

جماعت اسلامی ضلع ملتان کے سیکرٹری جنرل راؤ محمد ظفر نے ایک پریس کانفرنس میں انکشاف کیا کہ عالمی تحریک وحدت ادیان نامی تنظیم دنیا بھر میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک خطرناک ایجنڈا پر کام کر رہی ہے۔ جس کے مطابق تمام مذاہب کی عبادت گاہیں تمام انسانوں کے لیے کھول دی جائیں۔ مسلمان چرچ میں اور عیسائی، یہودی اور ہندو مساجد میں اپنے اپنے طریقے کے مطابق عبادات کریں۔ اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے ماننے والے ایک ہو جائیں کیونکہ اسلام اور عیسائیت دو بڑے مذاہب اور یہودیت ایک موثر مذہب ہے اور ان تینوں مذاہب کا تعلق براہ راست حضرت ابراہیم سے ہے اور چونکہ خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ نے کی لہٰذا خانہ کعبہ کو تمام مذاہب کے ماننے والوں کے لیے کھول دیا جائے اور مکہ کو اوپن یونیورسٹی قرار دیا جائے۔ عالمی تحریک وحدت ادیان کے چار انٹرنیشنل سیشن نیویارک، یو کے، بیجنگ اور ٹوکیو میں ہو چکے ہیں اور ایک سب سیشن پشاور میں بھی خفیہ طور پر منعقد ہو چکا ہے۔ عالمی تحریک وحدت ادیان نے اپنے عقائد کے فروغ کے لیے ایک ویب سائٹ ٹوکیو سے جاری کی ہے اور پاکستان میں اس کا دفتر A-197 احمد بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں

قائم ہے۔ راؤ محمد ظفر نے مزید کہا کہ تنظیم کے نظریات اسلام سے متصادم ہیں۔ علماء کرام اور اسلامی سکالر اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنا جرأت مندانہ کردار ادا کریں۔

(روزنامہ انصاف لاہور، 9 نومبر 2000ء)

دنیا میں مذہبی آزادی کی صورتحال کے بارے میں امریکی کمشن نے وزیر خارجہ کولن پاؤل سے کہا کہ دو ہفتے بعد جب وہ واشنگٹن میں پاکستانی وزیر خارجہ عبدالستار سے ملیں تو ان پر زور دیں تاکہ پاکستان کی حکومت کو مذہبی اقلیتوں کے تحفظ پر زیادہ توجہ دینی چاہئے۔ وائس آف امریکہ کے مطابق وزیر خارجہ عبدالستار کولن پاؤل کی دعوت پر اٹھارہ تا بیس جون واشنگٹن میں ہوں گے۔ کولن پاؤل کے نام ایک خط میں کمشن کے چیئر مین ایلیٹ ابراہیم نے کہا کہ اس موقع پر انہیں پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کی زبوں حالی کا سوال بھی اٹھانا چاہئے۔ خط میں کہا گیا کہ گو حکومت پاکستان بظاہر اقلیتوں پر ظلم و ستم میں ملوث نہیں ہے مگر صاف ظاہر ہے کہ سب شہریوں کی مذہبی آزادی کے لیے اسے جو کچھ کرنا چاہئے وہ نہیں کر رہی ہے۔ خط میں کہا گیا کہ احمدیہ جماعت کے ارکان کو کھلے بندوں اپنے عقائد کی پیروی سے روکا جاتا ہے۔ احمدی اور ہندوؤں کو جداگانہ طرز انتخاب کے ذریعے انہیں اچھوت بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ توہین رسالتؐ کے قوانین کا بے جا استعمال ہوتا ہے جس کے نتیجے میں نہ صرف مذہبی اقلیتوں بلکہ مسلمانوں کو بھی ان کے عقائد کی بناء پر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ خط میں شیعہ سنی عسکری تنظیموں میں خونریزی کی جانب بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ کمشن نے اپنے خط میں کولن پاؤل سے کہا ہے کہ وہ پاکستان کے وزیر خارجہ عبدالستار کے ساتھ میٹنگوں میں مطالبہ کریں کہ جداگانہ طرز انتخاب ختم کیا جائے اور ان قوانین کو منسوخ کیا جائے جو اپنے مسلک کی پیروی کے تحت احمدیوں کو رجیم گردانتے ہیں۔ ایسی اصلاحات کی جائیں جن سے توہین رسالتؐ کا بے جا استعمال نہ ہونے پائے۔ ملک میں بین المذاہب مقالمے اور رواداری کے فروغ کا اہتمام کیا جائے۔

(روزنامہ انصاف لاہور 3 جون 2001ء)

22 فروری 2001ء کو پاکستان عوامی تحریک کے چیئر مین ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان عوامی تحریک ہر طبقے، ہر فرقے اور مذہب سے تعلق رکھنے والے پاکستانیوں کے حقوق کی جنگ لڑ رہی ہے۔ مسیحی برادری نے 47ء میں قائداعظم پر اعتماد کیا تھا اور آج ان کا بڑی تعداد میں پاکستان عوامی تحریک میں شامل ہونا واضح کرتا ہے کہ انہیں اپنے حقوق کا تحفظ یہاں نظر آ رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان عوامی تحریک کے دور اقتدار میں جس جگہ عیسائیوں کی عبادت کے لیے چرچ نہیں ہوگا وہاں انہیں مسجد میں اپنی عبادت کرنے کی اجازت ہوگی اور ایسا حضور کی

... کے عین مطابق ہے۔ اسلام کا تصور پاکستان میں کسی اور جماعت کے پاس نہیں۔

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد 23 فروری 2001ء)

15 اکتوبر 2001ء کو پاکستان عوامی تحریک مسیحی ونگ کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ مسیحی برادری لالہ موسیٰ کے با اثر افراد کی بھاری تعداد نے پاکستان عوامی تحریک میں شمولیت کا باقاعدہ اعلان کیا گذشتہ روز پاکستان عوامی تحریک کے زیر اہتمام کل لالہ موسیٰ میں مسیحی کنونشن منعقد ہوا جس میں مسیحی ونگ کے عہدیداروں کا باقاعدہ انتخاب عمل میں آیا اور مسلم کرسچین ڈائیلاگ فورم کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ تفصیلات کے مطابق گذشتہ روز ڈیرہ ٹھیکیدار غلام قادر منہاس برلالہ موسیٰ شہر کے مسیحی کنونشن میں پاکستان عوامی تحریک مسیحی ونگ کے قیام کا اعلان کیا گیا جس کے مطابق لازر شاد صدر، بوٹا بھٹی نائب صدر، جوزف سہوترا جنرل سیکرٹری، پرویز صابر جائنٹ سیکرٹری منتخب ہوئے دیگر عہدیداروں میں یعقوب جانسن فنانس سیکرٹری، الفریڈ گل سیکرٹری نشر و اشاعت جبکہ ایڈ ریعقوب نواب کو مسیحی ونگ عوامی تحریک کا سرپرست چنا گیا۔ اس موقع پر پاکستان عوامی تحریک کے مقامی رہنماؤں ٹھیکیدار محمد یونس منہاس، حاجی محمد قاسم، پروفیسر سہیل رضا، خورشید ندیم اور خالد چیف نے خصوصی طور پر شرکت کی۔

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد 16 اکتوبر 2000ء)

پاکستان عوامی تحریک کے وائس چیئر مین ڈاکٹر محمود عباس بخاری نے کہا کہ عوامی تحریک اقلیتی برادری کے حقوق کی علمبردار ہے اور ان کو ہر ممکن تعاون دینے کے لیے تیار ہے۔ ہم ان کے تمام بنیادی حقوق کی نگہداشت ان کی توقعات سے زیادہ کریں گے۔ وہ گذشتہ روز کالج آف شریعہ اینڈ ماڈرن سائنسز کے زیر اہتمام ہونے والے ایک سیمینار سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اقلیتوں نے تو صرف مخلوط طرز انتخابات کا مطالبہ کیا ہے۔ ہم ان کو اس سے بھی زیادہ سیاسی مراعات دینا چاہتے ہیں۔

(روزنامہ انصاف لاہور 27 جون 2001ء)

"طاہر القادری مولانا نہیں لبرل شخصیت ہیں اور ملک کی ضرورت بھی لبرل ازم ہے۔ اسی قومی ضرورت کے لیے وہ کوشاں ہے۔ عوامی تحریک کا مریدوں کی جماعت ہے۔ طاہر القادری کی خواہش ہے کہ خواتین اور مردوں میں کوئی پردہ نہ رہے، سب اکٹھے ہی تعلیم حاصل کریں اور اکٹھے ہی کام کریں۔ ہم ہر جگہ کو مخلوط بنا دیں گے، یہی عوامی تحریک کا منشور ہے۔ ہمارے پاس قوت نافذہ آ گئی تو عائلی قوانین تبدیل کر دیں گے۔ ان خیالات کا اظہار عوامی تحریک کے وائس چیئر مین محمود عباس بخاری نے پاکستان لٹریسی موومنٹ کے زیر اہتمام مذاکرے کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں

کہ مولانا ہیں یا ڈاکٹر، البتہ مجھے تحریک میں شامل ہوئے ابھی تین ہفتے ہوئے ہیں۔ میں طاہر القادری سے پہلی ملاقات میں انہیں مولانا کہا تو وہ برا مان گئے اور واضح کیا کہ میں نہ علامہ ہوں نہ ہی مولانا ہوں۔ مجھے ڈاکٹر کہہ کر پکارا جائے۔ انہوں نے کہا کہ طاہر القادری نے کہا تھا کہ ہم لبرل ہیں اور لبرل ازم ہی ہماری قومی ضرورت ہے اور ہمارا سب سے وعدہ ہے کہ ہم لبرل ہی رہیں گے۔ ہم سب کا مریڈ ہیں اور ملک میں ایک مخلوط ماحول پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے منشور کے مطابق ہر جگہ مخلوط ہوگی البتہ لڑکیوں کے ہاسٹل صرف الگ بنائیں گے۔ یہ چیزیں ہمارے منشور میں بھی شامل ہیں۔ محمود عباس بخاری نے کہا کہ طاہر القادری کے پاس پجیرو منہاج القرآن یونیورسٹی کی ہے اور ان کا ڈرائنگ روم دیکھ کر مجھے رونا آتا ہے۔ جہاں ایک کپ چائے کا بھی نہیں ملتا، اگر آپ اس فقیر کی اصل زندگی کا جائزہ لیں تو آپ بھی حیران ہو جائیں گے۔

(روزنامہ خبریں لاہور 16 اکتوبر 2000ء)

جناب طاہر القادری نے توہین رسالت ﷺ قانون میں ترمیم کے بارے میں اپنا موقف واضح کرتے ہوئے کہا کہ توہین رسالت ﷺ کا مقدمہ درج کرنے کے لیے ڈپٹی کمشنر کی مصروفیات کے باعث اختیار مجسٹریٹ کو دیا جائے اور توہین رسالت ﷺ کے ملزم (یعنی گستاخ رسول ﷺ) کے تحفظ کے لیے لاء آف سیلف کسٹڈی بنایا جائے۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 3 مئی 2000ء)

4 جون 2000ء کو بیگم کوٹ شاہدرہ میں آمد ماہ ربیع الاول کے سلسلہ میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر طاہر القادری نے کہا کہ مصطفوی انقلاب تو عیسائیوں کو بھی مسجد نبوی میں عبادت کی اجازت دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ قائداعظم کے بعد ایسا نہیں ہوا کہ کسی جماعت کے ساتھ مشائخ عظام بھی ہوں اور اداکار ندیم اور فردوس جمال بھی ہوں۔ پاکستان عوامی تحریک میں تہجد گزار سے اداکاروں تک سب شامل ہیں۔

13 جولائی 2000ء کو عوامی تحریک ہیومن رائٹس اینڈ سوشل ویلفیئر ونگ کے زیر اہتمام سیمینار منعقد ہوا جس میں صوبائی وزیر قانون ڈاکٹر خالد رانجھا، صوبائی وزیر سماجی بہبود و خواتین شاہین عتیق الرحمٰن اور ڈاکٹر انور سجاد نے خطاب کیا۔ اس سیمینار سے بشپ آف لاہور کے نمائندے پادری شاہد معراج نے خصوصی خطاب کیا۔

19 جون 2000ء کو پوپ جان پال دوم کے ایشیا کے لیے مشیر برائے مسلم عیسائی مذہبی تعلقات اور ایگزیکٹو سیکرٹری نیشنل مسیحی مسلم رابطہ کونسل پاکستان فادر جیمز چنن او پی نے پروفیسر

طاہر القادری سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی۔ اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے طاہر القادری نے بھارت میں عیسائی پادریوں کے ان کے خاندانوں سمیت قتل اور چرچوں کو جلائے جانے کے واقعات کی پُرزور مذمت کی اور کہا کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ ہونے والے اس ظلم پر ان کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔

اس موقع پر طاہر القادری نے عیسائی راہنماؤں کو 20 جون کو مری روڈ راولپنڈی میں ہونے والی میلاد مصطفیٰ ﷺ کانفرنس میں شرکت اور خطاب کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔ اگلے روز کانفرنس عظمت شان مصطفیٰ ﷺ اور پیغام امن کے موضوع پر مذکورہ دونوں عیسائی راہنماؤں نے خطاب کیا۔

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد 20 جون 2000ء)

15 مارچ 2001 کو پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین ڈاکٹر طاہر القادری نے کہا کہ بتوں کو توڑنے کے متعلق طالبان کا طرز عمل غیر مہذب ہے۔ یہ تاریخی ورثہ ہے۔ اس توڑنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد 16 مارچ 2001ء)

انجمن سرفروشان اسلام نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ ہماری روحانی تحریک کسی ایک مذہب سے وابستہ لوگوں کی تحریک نہیں جبکہ اس میں ہندو، عیسائی، یہودی اور سکھ بھی شامل ہیں۔ اپنے روحانی پیشوا ریاض گوہر شاہی کو اس لیے ملک میں واپس آنے کا نہیں کہہ رہے کہ انہیں گرفتار کر لیا جائے گا جس طرح نبی نے اللہ کے حکم سے مکہ سے ہجرت کی تھی۔ ریاض گوہر شاہی بھی اللہ کے حکم سے (معاذ اللہ) امریکہ گئے ہیں۔ طاہر القادری، پیر کا کی تاڑ، زندہ پیر گھمکول شریف اور مفتی اقبال گھرل بھی ہماری روحانی تحریک سے متاثر ہیں، ان خیالات کا اظہار انجمن سرفروشان اسلام کے راہنماؤں چیئرمین سرفروش علماء کونسل، قاضی فاروق احمد راز، وائس چیئرمین سعید احمد قادری، مرکزی مشیر انجمن سرفروشان اسلام محمد عظیم دانش و دیگر نے ایک مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ چاند پر گوہر شاہی کی شبیہ چاند کی ہر چھ سات تاریخ سے نظر آنا شروع ہوتی ہے اور چودھویں کے چاند میں پوری شبیہ نظر آتی ہے۔ یہ تصویر چاند کی پوجا کرنے والوں کے لیے آتی ہے تاکہ وہ روحانیت کی طرف مائل ہوں اور یہ شبیہ ان لوگوں کے ساتھ باقاعدہ باتیں بھی کرتی ہے اور یہ ہر زبان میں بات کرتی ہے جو چاہے سوال کرے شبیہ ان لوگوں کے ساتھ باقاعدہ باتیں بھی کرتی ہے اور یہ ہر زبان میں بات کرتی ہے جو چاہے سوال کرے۔ شبیہ اسے جواب دیتی ہے۔ انہوں نے کہا پاکستان میں ان کی جماعت کے 20 لاکھ ممبران ہیں اور یہ صرف مسلمان نہیں بلکہ ان میں ہندو، عیسائی اور سکھ بھی شامل ہیں۔ انہوں نے بتایا صرف صوبہ سندھ سے تعلق رکھنے والے قریباً 50 ہزار ہندو، 20 ہزار عیسائی

بھی ہمارے سلسلہ میں شامل ہیں۔ قریباً ایک ہزار سکھ بھی انجمن سرفروشان اسلام سے منسلک ہیں۔ انہوں نے بتایا ان کی تحریک بھارت میں بھی بہت مقبول ہے اور وہاں کے ہندو اس سے تیزی سے متاثر ہو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہودی بھی ہمارے قائدے سے متاثر ہیں۔

(روزنامہ پاکستان لاہور 29 اگست 2000ء)

مسلم عیسائی فورم کا دوسرا اجلاس 30 جنوری 1999ء کو بشپ سموئیل عزرایا کی رہائش گاہ پر ہوا۔ اس اجلاس میں قانون توہین رسالت ﷺ کو ختم کرنے اور قرآن مجید اور انجیل کو ایک ہی جلد میں شامل کرنے پر غور ہوا۔

جناب طاہر القادری کو معلوم ہونا چاہئے کہ امت مسلمہ نے نامساعد حالات کے باوجود ہمیشہ اپنے خون جگر سے اسلام کی حفاظت کی ہے اور کبھی ایسی چیز کو برداشت نہیں کیا جس سے اس کی عظمت پر ذرا سا بھی حرف آئے۔ اگر کوئی ''نابغہ عصر'' یہ سمجھتا ہے کہ وہ چہرے پر تقدس کی علامات کا فائدہ اٹھا کر اسلام دشمن قوتوں کے پروگرام کو عملی جامہ پہنا دے گا تو یہ اس کی حماقت ہے۔ کوئی عقل اسے ممکن العمل قرار نہیں دے سکتی۔ جو کوئی ایسا سوچے گا، وہ دور حاضر کا سب سے بڑا ''شیخ چلی'' ہوگا۔ ہم جناب طاہر القادری کی خدمت میں عرض کریں گے کہ وہ اس بین الاقوامی سازش کا شکار نہ ہوں۔ امت مسلمہ پہلے ہی لاتعداد فتنوں کی زد میں ہے۔ بین الاقوامی میڈیا پر آنے کی جنونی خواہش اپنی جگہ مگر آپ کے ''لارنس آف پاکستانیہ'' بننے سے اسلام اور پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ مستقبل کا غیر جانبدار مورخ آپ کی ان مذمومہ سرگرمیوں کا تذکرہ کرے گا تو وہ آپ کی رہزن قیادت پر نہ صرف شرمندہ ہوگا بلکہ لکھنے پر مجبور ہوگا کہ۔

اجڑا ہے یوں چمن کہ گزرا ہے یہ گماں
اس کام میں شریک کہیں باغباں نہ ہو

پروفیسر طاہر القادری کی سیاسی تحریک

خورشید احمد ندیم

پاکستان کے مذہبی گروہوں میں بریلوی مکتبہ فکر کو ایک واضح عددی برتری حاصل ہے۔ ان جمہوری طرز کی اس مملکت میں ان کی اس افرادی قوت سے کبھی فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔ شاہ احمد نورانی صاحب کی صورت میں، کچھ عرصہ قبل، اس طبقے کو ایک ایسی قیادت میسر آئی جس نے انہیں سیاسی طور پر منظم کیا لیکن دو تین انتخابات گزرنے کے باوجود وہ مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہے۔

اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں لیکن سب سے بڑا سبب میر کارواں میں خوئے دلنوازی کی عدم موجودگی قرار پایا۔ چنانچہ اس طبقے کے لوگ کسی ایسے فرد کی راہ تک رہے تھے جو ان کے تن مردہ میں زندگی کی لہر دوڑا دے۔ اب پروفیسر طاہر القادری صاحب نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا ہے اور منصب قیادت نئے ہاتھوں میں منتقل ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

1985ء کے اواخر میں ''ادارہ منہاج القرآن'' کا قیام عمل میں آیا اور درس قرآن اور درس تصوف کے سلسلوں کا آغاز ہوا تو ایک عام آدمی اس بات سے بے خبر تھا کہ اس سلسلہ کا اختتام ایک سیاسی جماعت کے قیام پر ہوگا۔ اگرچہ خواص کو بڑی حد تک اس کا اندازہ تھا۔ اس سیاسی جماعت کا مقصد غلبہ دین یا اسلامی انقلاب قرار پایا ہے۔

پروفیسر طاہر القادری صاحب اگرچہ اسی فکر کے مالک ہیں جس کا بریلوی مکتبہ فکر، اجتماعی صورت میں علمبردار ہے لیکن چونکہ پرانی شراب نئے استدلال کے خوبصورت پیالوں میں پیش کی جا رہی ہے، اس لیے اس بات کا امکان موجود ہے کہ وہ دین دار طبقہ جو کسی بھی مسلک سے متعلق نہیں ہے اس

نشے کا عادی ہو جائے جس سے نکال کر عالم ہوش میں لانے کے لیے احیائے دین کے علمبردار ہمیشہ اپنا خون جگر جلاتے رہے ہیں۔

ہماری ان سطور کے مخاطب اس دین دار طبقے کے علاوہ وہ احباب بھی ہیں جو غلبہ دین کے لیے پہلے سے سرگرم عمل ہیں اور جن کی دیانت دارانہ مساعی کے باوجود اسلامی انقلاب کا سورج طلوع ہوتا نظر نہیں آتا۔ چنانچہ یہ ان کی ناکامی کا نتیجہ ہے کہ اس نعرے اور مشن کے ساتھ کئی جماعتیں قائم ہو کر پذیرائی حاصل کر رہی ہیں جس کے وہ کبھی بلا شرکت غیرے علمبردار تھے۔ اور ہم ان سے یہ سوال کرنے پر مجبور ہیں کہ:

خیال و شعر کی دنیا میں جان تھی جن سے
فضائے فکر و عمل ارغوان تھی جن سے
وہ جن کے نور سے شاداب تھے مہ و انجم
جنون عشق کی ہمت جوان تھی جن سے
وہ آرزوئیں کہاں سو گئی ہیں میرے ندیم؟

پروفیسر طاہر القادری صاحب نے غلبہ دین کے لیے جو حکمت عملی اختیار کی ہے اس کے پانچ مراحل ہیں: یعنی دعوت' تنظیم' تربیت' تحریک اور انقلاب۔ پہلے لوگوں کو ایک فکر کی دعوت دی گئی' پھر متاثرین کو ایک تنظیم کے تحت منظم کیا گیا۔ منظم ہونے والے افراد کی تربیت کا اہتمام کیا گیا اور پھر ان تربیت یافتہ افراد کے ساتھ عوامی سطح پر ایک تحریک کا آغاز ہوا جس کے نتیجے میں انقلاب آئے گا جو کہ گوہر مراد ہے۔ اس ترتیب کے مطابق سیاسی جماعت کا قیام اس حکمت عملی کا چوتھا مرحلہ ہے جس کے بعد اسلامی انقلاب ناگزیر ہے جو ان کے تخمینہ کے مطابق 2000ء تک برپا ہو جائے گا۔

ہمارے خیال میں اس حکمت عملی کے تحت کچھ اور ہو تو ہو لیکن اسلامی انقلاب کا بہر حال کوئی امکان نہیں۔ وہ اس لیے کہ اسلامی انقلاب کے وہ بنیادی تقاضے جن کو نبھائے بغیر غلبہ دین ممکن نہیں' ان کا اس ساری حکمت عملی میں سرے سے تذکرہ ہی نہیں۔

تجدید دین کے بغیر اسلامی انقلاب یا غلبہ دین کا تصور ہی محال ہے۔ دین کو جب تک شرک' بدعت اور معاشرے میں پھیلی ہوئی دوسری غلاظتوں سے پاک نہ کر دیا جائے اس کا غلبہ بے معنی ہے۔ عامۃ الناس کا وہ مسلک جو معاشرے میں رائج ہے' اگر اس کا نفاذ مطلوب ہے تو اس سے لادینی نظام بہتر ہے جس کے تحت کم از کم عقل و خرد کو مخاطب تو کیا جا سکتا ہے۔ ہماری تاریخ میں جب بھی اس کام کا بیڑا اٹھایا گیا تو اس کا آغاز تجدید دین کے کام ہی سے کیا گیا۔ کئی لوگوں نے اپنی زندگیاں اسی کام میں کھپا

دیں لیکن غلبہ دین کے لیے کسی عملی اقدام سے گریز کیا۔ آج اگر تاریخ میں امام ابن تیمیہ یا امام شاطبی کے مقام کا تعین کیا گیا ہے تو آخر کس بنا پر؟ ظاہر ہے تجدید دین کا ہی یہ عظیم کام تھا جس کے لیے امام ابن تیمیہ کو پابجولاں کیا گیا اور ان کا جنازہ بھی زنداں ہی سے نکالا۔ ہماری تاریخ کے ماضی قریب میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت اسلامی کی صورت میں غلبہ دین کی جس تحریک کا آغاز کیا تھا اس کے اوّلین دور میں زیادہ توجہ تجدید دین ہی کے کام کو دی گئی۔ چنانچہ آپ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تصانیف دیکھ لیں' تفہیمات ہو یا تنقیحات' رسائل و مسائل ہو یا خلافت و ملوکیت' یہ عین ممکن ہے کہ آپ کو ان کی آراء سے اختلاف ہو' لیکن ان پر اجتہادی رنگ کے غلبے کا انکار ممکن نہیں۔ اسی طرح ان کے ابتدائی رفقاء کے ہاں بھی یہی سوچ نمایاں رہی۔ مولانا امین احسن اصلاحی کا سارا کام اٹھا کے دیکھ لیں' یہی رنگ جاری و ساری ہے۔ ان کے اس کام میں تدبر قرآن کو وہ نمایاں حیثیت حاصل ہے کہ امت کی پوری تاریخ میں اس کی مثال موجود نہیں------ یہ سارے لوگ اس بات سے پوری طرح باخبر تھے کہ غلبہ دین کے لیے' پہلے دین کو ان آلائشوں سے پاک کرنا ناگزیر ہے جو معاشرے کے مذہبی کردار کا حصہ بن چکی ہیں۔ اگر وہی دین نافذ کرنا مطلوب ہوتا جس کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنی معاونت کے لیے بہت سے ''اولیاء'' بنا رکھے ہیں' جس کے تحت فرید الدین لوگوں کو جسمانی اسباب کے بغیر اولاد دیتے اور حضرت علیؓ اس دور میں خود جسمانی طور پر آ کر اپنے چاہنے والوں کی معاونت کرتے ہیں تو مجددین امت کو اتنی تکالیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر تو دین اکبر بھی گوارا ہونا چاہیے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ ان بزرگوں نے دین کے چہرے کو ان آلودگیوں سے پاک کرنے کے لیے ہر مشکل گوارا کی------ جب اس روش سے انحراف کیا گیا تو ناخوش گوار نتائج کا سامنا کرنا پڑا۔ مشاہدہ یہی ہوا کہ جب سیاسی مصلحتیں بھی تجدید دین پر غالب آنا شروع ہوئیں' اسلامی انقلاب کی منزل دور سے دور تر ہوتی گئی۔ جماعت اسلامی کا المیہ اس کی واضح مثال ہے۔ تجدید دین کی بنیاد پر برپا ہونے والی اس تحریک کے ابتدائی دور کا یہ عالم تھا کہ معاشرے کے بہترین لوگ' علم و تقویٰ میں جن کا ثانی اس دور میں ملنا محال تھا' سب اسی کے پرچم تلے جمع تھے اور اس کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جن کا شمار جماعت اسلامی کے شدید ناقدین میں ہوتا ہے۔ لیکن زمانے کی آنکھ نے دیکھا کہ جب سیاسی مجبوریوں نے غلبہ پانا شروع کیا تو معیار بدلنے لگے اور صورت حال یہ ہوئی کہ

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا

اگرچہ یہ سب کچھ غلبہ دین کے جذبے کے تحت ہوا اور اخلاص کے ساتھ یہ چاہا گیا کہ اسلامی انقلاب کی وہ منزل جو دور نظر آ رہی تھی کچھ قریب آ جائے۔ اسی خیال کے تحت سیاسی مصلحتوں کو

اختیار کیا گیا۔ تجدید کے کام پر سیاسی کام کو مقدم کیا گیا اور نعیم صدیقی صاحب کی اصطلاح کے مطابق دینی سیاست پر سیاسی دیانت داری غالب آتی گئی۔ یہ اسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے کہ آج جماعت اسلامی کے پاس سیاسی میدان میں تو ایک جوان قیادت موجود ہے جس کی صلاحیتوں اور آراء پر کوئی سیاسی حکمت عملی ترتیب دینے کے لیے انحصار کیا جاسکتا ہے لیکن مولانا مودودی کے تجدیدی کام کو آگے بڑھانے کے لیے کسی مردِ آزاد کا سراغ نہیں ملتا۔ تحریری سطح پر جو کام ہوا ہے وہ محض مولانا مودودی کی کہی ہوئی باتوں کی تکرار ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں انشاء پردازی کے وہ نمونے اور دل میں گھر کر جانے والا وہ استدلال واسلوب باقی نہیں رہا جو مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خاص تھا۔ یہ جماعت اسلامی کی اسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے کہ آج مختلف قوتوں کے تعاون سے وہ ملک کے جزوی سے میں ایک تبدیلی لانے میں کامیاب ہوئی ہے لیکن کیا اس میں اس اسلامی انقلاب کی کوئی جھلک دکھائی دیتی ہے جو جماعت اسلامی کے اکابر کے پیش نظر تھا؟ اس سوال کے جواب کے لیے حالات کا ایک سرسری مشاہدہ کفایت کرتا ہے۔

اس ساری گفتگو سے یہ واضح کرنا مطلوب ہے کہ محض مقدم و موخر کی تبدیلی سے منزل کتنی دور ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر آپ کی حکمت عملی کی لفظی تصویر میں بھی "تجدید دین" کی کسی ترکیب کا گزر تک نہیں تو آپ اپنی جدوجہد کی کامیابی کو غلبہ دین قرار د... کا حق کیسے رکھتے ہیں؟ یہ وہ صورتحال ہے جو پروفیسر طاہر القادری صاحب کے معاملے میں درپیش ہے۔ ان کا دین وہی دین ہے جو معاشرے کی ایک عظیم اکثریت کا دین ہے۔ وہی سلسلہ تصوف وسلوک ہے جو اسلام کے متوازی ایک دین ہے۔ اس دین کے تحت ملک در ملک سفر کے لیے کسی پاسپورٹ، ویزے کی ضرورت نہیں، صرف مرشد کی نظر کرم کون ومکان کے فاصلوں کو سمیٹ دیتی ہے۔ اگر آپ یہ دین اختیار کر لیں تو قبر مسجد بن جاتی ہے اور منکر نکیر کسی سوال وجواب کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

ظاہر ہے یہ دین کا وہ تصور ہے جس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اگر دینی جماعتیں اپنے فرائض سے غافل نہ ہوتیں تو اس فکر کی پذیرائی کے اسباب پیدا نہ ہوتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نئی سیاسی جماعت کے قیام سے سب سے زیادہ متاثر جمعیت علمائے پاکستان ہوگی جو کہ سیاسی میدان میں بریلوی مکتبہ فکر کی نمائندگی کی دعوے دار ہے۔ چنانچہ ان کی طرف سے ردعمل اخبارات میں مسلسل چھپ رہا ہے۔ جمعیت علمائے پاکستان نے اس نئی سیاسی جماعت کے قیام کو "سواد اعظم اہلسنّت" میں تقسیم کی کوشش قرار دیا ہے اور پروفیسر صاحب کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اگر سیاسی جدوجہد کرنا چاہتے ہیں تو ان کی جماعت میں شامل ہو جائیں۔ لیکن دوسرے غیر تربیت یافتہ اور دین کا خام تصور رکھنے والے لوگ

بھی اس سحر میں گرفتار ہو سکتے ہیں۔

پروفیسر صاحب کی فکر کا ایک اور پہلو جو زیادہ نمایاں ہونے کی وجہ سے زیادہ خطرناک بھی ہے، ان کا الہامی اور بشارتی پہلو ہے۔ "نابغہ عصر" کے عنوان کے تحت ایک مضمون، جو ان کی اکثر کتابوں میں دیباچے کی حیثیت سے شامل ہے، کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پروفیسر صاحب کی پیدائش سے پہلے نہ صرف اس ولادت کی بشارت دی گئی بلکہ نام کا انتخاب بھی آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہوا۔ یہ سلسلہ یہاں ختم نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد بھی جاری رہا۔ چنانچہ جب پروفیسر صاحب کی عمر تیرہ برس کی ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے خواب میں آپ کے والد گرامی کو حکم دیا کہ "طاہر کو ہمارے پاس لاؤ۔" "محمد طاہر نامی اس تیرہ سالہ نوجوان کی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں یہ حاضری کس قدر عجیب تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلاوے کا مقصد پورا ہونے کی بشارت بھی خود ہی مرحمت فرما دی۔ محمد طاہر کو دودھ کا بھرا ہوا ایک مٹکا عطا کیا اور اسے ہر ایک میں تقسیم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ یہ حاضری کی مکمل قبولیت اور اپنی خصوصی عنایات ونوازشات کی خوش خبری تھی۔" (نابغہ عصر) یہ دودھ کا پیالہ وہ تحریک منہاج القرآن ہے جس کے چوتھے مرحلے پر اس نئی سیاسی جماعت کا قیام عمل میں آیا ہے۔ روحانی فیض کے لیے حضور ﷺ کے علاوہ شیخ عبدالقادر جیلانی سے بھی براہ راست رابطہ ہے جو تادم حاضر قائم ہے۔ آج اگر انہوں نے شیخ طاہر علاؤالدین الگیلانی القادری سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی ہے تو "سیدنا غوث الاعظم" کی روحانی ہدایت کے تابع ہو کر جو ایک استخارے کے نتیجے میں نصیب ہوئی۔

اس سیاسی جماعت کے قیام سے پہلے پروفیسر طاہر القادری صاحب نے مدینہ اور بغداد کا ایک سفر کیا۔ اس سفر کی غرض وغایت انہوں نے اپنے خطبہ جمعہ میں یہ ارشاد فرمائی کہ چونکہ اس تحریک کا آغاز حضور ﷺ کے حکم کے مطابق کیا گیا تھا، اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ یہ فیصلہ کن قدم اٹھانے سے پہلے آں حضرت ﷺ اور شیخ عبدالقادر جیلانی سے اجازت لے لی جائے۔ چنانچہ ان دو بزرگوں نے نہ صرف اس کی اجازت دی بلکہ جماعت کے نام کی منظوری بھی عطا فرمائی۔

آنحضرت ﷺ اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف وکرم کا یہ سلسلہ صرف پروفیسر صاحب کی ذات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے آپ کے والد گرامی بھی ان کی عنایتوں سے مستفید ہوتے رہے ہیں، اور یہ بزرگ اپنی وفات کے صدیوں بعد جسمانی طور پر آ کر ان کی دادرسی کرتے رہے ہیں۔

مذہبی دنیا میں لوگوں کے جذباتی استحصال کا یہ طریقہ اگرچہ نیا نہیں لیکن سیاسی دنیا میں یہ اس نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔ مذہبی لوگوں نے اپنے آپ کو خدا کا قریبی اور واسطہ ثابت کر کے ہمیشہ سادہ

لوح انسانوں کا استحصال کیا ہے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ مذہبی معاملات میں لوگوں پر قرآن وسنت اور عقل واستدلال کے دروازے بند رکھے گئے۔ لیکن سیاسی میدان میں اس مکتبہ فکر کے لوگوں نے بھی اس طرح کی کوئی کاوش نہیں کی۔ یہ غالباً دنیا کی پہلی سیاسی جماعت ہے، جس کا آغاز حضور ﷺ کے حکم سے ہوا اور اس کے مختلف مرحلوں کی منظوری بھی آپ ﷺ نے عطا کی۔ صحابہ کرام کے دور میں بھی اس کی کوئی مثال موجود نہیں کہ رسول اللہ نے اپنی رحلت کے بعد براہ راست کسی معاملے میں کوئی مداخلت فرمائی ہو۔ صحابہ کرام میں بے شمار معاملات میں اختلاف پیدا ہوا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں نزاع پیدا ہوئی۔ لشکر اسامہ کی روانگی کے معاملے میں دو آراء پیدا ہوئیں۔ مرتدین سے جہاد کے مسئلہ میں جھگڑا پیدا ہوا لیکن ہر مسئلہ کو شوریٰ کے اصول کے مطابق باہمی مشورے کی بنیاد پر حل کیا گیا اور اگر کسی کے موقف کو صحیح مانا گیا تو محض اس کے استدلال کی بنیاد پر۔ کسی نزاع میں کسی صحابی نے یہ نہیں کہا کہ "صاحبو! لڑتے کیوں ہو؟ تم سب خاموش ہو جاؤ۔ ابھی حضور ﷺ کو بلا لیتے ہیں۔ وہ خود ہی فیصلہ کر دیں گے۔" یا "مزار شریف پر حاضری دے کر راہنمائی حاصل کر لیتے ہیں۔" یہ اسلام کی تاریخ میں پہلا موقع ہے کہ کسی سیاسی مسئلہ کے حل کے لیے اور کسی ریاستی معاملے کے سلجھاؤ کے لیے حضور ﷺ نے براہ راست مداخلت کی ہو بلکہ ہمیشہ یہی ہوا کہ اختلافی مسائل کے لیے قرآن کے اس ارشاد کہ "جب تمہارے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔" اور رسول اللہ کے اس فرمان "میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی سنت۔ تم جب تک ان پر قائم رہو گے بھٹکو گے نہیں" کی طرف رجوع کیا گیا اور انہی دو ماٰخذ کی بنیاد پر اجتہاد کیا جاتا رہا۔

علاوہ ازیں یہ مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضور ﷺ ایک سیاسی جماعت کے قیام کا حکم دیں، اس کے نام کی منظوری دیں اور اس کی حکمت عملی کے مختلف مراحل کے لیے اوقات کا تعین بھی فرمائیں تو ایک مسلمان کے پاس اس بات کا کیا جواز ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس جماعت سے الگ بھی رکھے اور ساتھ ہی اسلام کا بھی نام لیوا ہو------- جو جماعتیں پہلے سے اسلام کی بنیاد پر قائم ہیں، اس برہان کے آ جانے کے بعد ان کے وجود کی کیا حیثیت ہے؟ پروفیسر طاہر القادری صاحب ایسے فرد اور جماعت کے لیے کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے؟

یہ بات بھی ہمارے علم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی معاملے میں کوئی ہدایت فرمائیں یا کوئی نصیحت کریں تو اصطلاحاً وہ حدیث ہے۔ اس حوالے سے ادارہ منہاج القرآن کے قیام کا حکم ہو یا "طاہر کو ہمارے پاس لاؤ" جیسا کوئی جملہ آپ نے ارشاد فرمایا ہو تو وہ حدیث قرار پائے گا۔ اب یہ کام

کتاب جرح وتعدیل کا ہے کہ وہ فوراً ان روایات کی طرف توجہ دیں اور ان کے مقام کے تعین کے بعد انہیں صحاح ستہ میں کہیں جگہ دیں۔ علامہ طاہر القادری صاحب کی ثقاہت پر انگلی اٹھانا چونکہ ممکن نہیں لہٰذا مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں صحیحین میں درج کرنا چاہیے تا کہ آنے والے دور کے لوگ اس "علمی سرمائے" سے محروم نہ رہ پائیں۔ اسی ضمن میں یہ سوال بھی اٹھے گا کہ اگر کوئی فرد زبانی یا عملی طور پر ان احادیث سے انکار کر دے تو اس "منکر حدیث" کے لیے کیا حکم ہے؟

یہ سارے مسائل پیدا ہونے کی وجہ دراصل یہ ہے کہ پروفیسر صاحب نے اپنے فکر کی بنیاد قرآن وسنت اور استدلال کے بجائے بشارتوں اور الہام پر رکھی ہے۔ الہام اور بشارت چونکہ وحی کے قائم مقام متصور ہوتے ہیں اس لیے یہ امکان ہی رد کر دیا جاتا ہے کہ کوئی فرد کسی بات کے لیے کسی دلیل کا طالب ہو۔

قرآن مجید نے اپنی بات منوانے کے لیے اس طرح کا طریقہ کبھی اختیار نہیں کیا کہ صرف وحی ہونے کی بنا پر اپنی آیات ماننے کا مطالبہ کیا ہو بلکہ ہمیشہ لوگوں کی عقل اور اذہان پر دستک دے کر اپنی سچائی کو ثابت کیا ہے۔ لوگوں نے جب قرآن کو انسانی کلام قرار دیتے ہوئے اس کے غیر انسانی کلام ہونے کا انکار کیا تو قرآن نے جواب دیا کہ اچھا ٹھیک ہے۔ اگر یہ انسانی کلام ہے تو تم بھی تو انسان ہو۔ اس جیسی ایک سورہ ہی بنا لاؤ۔ لوگوں نے قادر مطلق کے وجود کا انکار کیا تو قرآن نے انفس وآفاق میں پھیلی ہوئی آیات کی طرف ان کی توجہ دلائی۔ قرآن نے کبھی اپنے اس استحقاق کو استعمال نہیں کیا کہ چونکہ وہ وحی الٰہی ہے لہٰذا سوال مت کرو اور چپ چاپ تسلیم کر لو۔

اس طرح قرآن مجید نے یہ اصول طے کر دیا کہ بات ہمیشہ دلیل وبرہان ہی کی بنیاد پر مانی جائے گی۔ تمہاری عقل جب اس اصولی بات کو تسلیم کر لے کہ اللہ کا رسول اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتا تو اس کی اس بات کو بھی تسلیم کرو جس کی مصلحت تمہاری سمجھ میں نہ آ رہی ہو۔ بہت جلد تم اس کی منطق جان جاؤ گے جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا۔ اس بات کا مقدمہ بھی دراصل استدلال کی بنیاد پر قائم ہے۔ چونکہ ایک فرد کے من جانب اللہ ہونے کے عقلی دلائل فراہم کیے جا چکے ہیں لہٰذا اس بات کو دل میں جگہ نہ دو کہ وہ امت کے کسی اجتماعی معاملے میں محض اپنی رائے سے کوئی فیصلہ دے گا۔

اس لیے کوئی فرد اگر اپنی بات کسی استدلال کے بجائے الہام وبشارت کی بنیاد پر منوانا چاہتا ہے تو قرآن اس کی تائید نہیں کرتا۔ اس طرح رسالت کا جو تصور اس صورت حال کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس کا اسلام کے تصور رسالت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اس طرح کی حکایتوں کا انتساب بھی منصب رسالت کے شایان شان نہیں۔ یہ تو کبھی ممکن ہی نہیں ہے کہ

رسول کی زبان سے کوئی بات نکلے اور وہ پوری نہ ہو۔ وہ تو زمین پر اللہ کی آخری حجت ہے۔ اور یہ ان کے مقام سے فروتر بات ہے کہ ان کی وفات کے بعد اس طرح کے معاملے میں انہیں ملوث کیا جائے جس کے لیے آپ کے پاس کوئی عقلی دلیل موجود نہیں۔ معلوم نہیں عشق رسول ﷺ کا دم بھرنے والوں کے ذہن میں عظمت رسول ﷺ کا یہ پہلو کیوں نہیں آتا؟

ہماری اس تحریر کے مخاطب' جیسا کہ آغاز میں گزارش کی گئی ہے' دو طبقوں کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ لوگ جو قرآن اور اسلام کے نام پر اٹھنے والی ہر تحریک کو قبول کرتے ہیں اور بغیر کسی تحقیق کے اس کا ساتھ دینے کو آمادہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جو دین اسلام کے نفاذ کی جدوجہد میں مصروف ہیں لیکن وقت اور زمانے کے ساتھ اپنی حکمت عملی کو تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

عام دین دار طبقے سے ہم عرض کریں گے کہ اگر اسلام اور قرآن کے نام پر کوئی شخص ان کو پکارتا ہے تو اس کی آواز وہ ضرور سنیں لیکن یہ معلوم کرنے کی کوشش بھی کریں کہ آخر خود قرآن اس معاملے میں کیا کہتا ہے؟ ان کو اپنا تعلق قرآن و سنت سے براہ راست قائم کرنا چاہیے۔ قرآنی تعلیمات ان کے سامنے ہیں اور عقل و خرد کی دولت ان کے پاس۔ اگر وہ یہ روش اپنا لیں تو یقین رکھیں کہ قرآن ہدایت طلب کرنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا۔ ان کو یقین رکھنا چاہیے کہ دین کا اتنا حصہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے جس کے نتیجے میں صراط مستقیم پر چلا جا سکے۔ معاملات زندگی میں اگر وہ تحقیق کر کے مسلک اعتدال اپنا سکتے ہیں تو دین میں کیا امر مانع ہے؟

غلبہ دین کے لیے منظم و متحد احباب کو بھی توجہ فرمانی چاہیے کہ امت مسلمہ میں جب کبھی ایسے فتنے سر اٹھانے لگیں جن سے دین کی اصل صورت مسخ ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس طرح کی صورت حال میں ان کے فرائض کیا ہیں۔ صرف اسلام کے لیبل کی وجہ سے دست تعاون بڑھانا چاہیے یا مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے تجدید و احیائے دین کا فریضہ انجام دینا چاہیے۔ اس سلسلہ میں ہمارے اسلاف کی سنت یہی ہے کہ انہوں نے موخر الذکر طریقے ہی کو ترجیح دی ہے۔ کسے معلوم نہیں کہ قافلہ حق کے یہ سخت جاں مسافر اگر ہر وقتی ضلالت کو قبول کر لیتے تو زمانے کا اقتدار ان کے قدموں کے نیچے ہوتا لیکن ہمیشہ مشکل راستے کا ہی انتخاب کیا گیا' اس لیے کہ یہ حقیقت ان کی بصیرت سے پوشیدہ نہیں تھی کہ اس کے سوا چارہ کوئی نہیں۔

ہمارے ان احباب کو اپنی ذمہ داریوں کا خیال کرنا چاہیے اور وہ لٹریچر جسے وہ توسیع دعوت کے لیے دوسروں کو پڑھاتے ہیں' کبھی خود اس کی دوبارہ ورق گردانی کریں تو یقیناً انہیں مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مفہوم کے حامل الفاظ ملیں گے کہ وہ قوم کتنی احمق ہے جس کی بغل میں عصائے کلیمی

لیکن وہ جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں سے ڈر رہی ہے۔

ہم نے اپنا نقطہ نظر بالصراحت پیش کر دیا ہے۔ ہم اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ کسی دلیل کا سامان کریں لیکن جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس کا اظہار بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

فقیہ شہر کی تحقیر! کیا مجال مری
مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد

(ماہنامہ اشراق لاہور جون 1989ء)



خوابوں کا شہزادہ-----طاہرالقادری

مشرقی

میں سوچ رہا تھا، زیبا بختیار پر کالم لکھوں جو بھارتی فلم میں کام کر رہی ہے۔ پھر سوچا بابا شریف پر لکھوں جسے بھارتی فلموں میں کام کرنے کی پیشکش ہوئی ہے مگر اتفاق سے طاہرالقادری صاحب پر پانچ قاتلانہ حملوں کی خبر پر نظر پڑی تو موضوع بدلنے کا فیصلہ کرلیا۔

پروفیسر ڈاکٹر علامہ......اور شاید عبقری بھی اور نابغہ عصر بھی اتنے سارے اسمائے صفت کے تحت ''ممدوح'' طاہرالقادری صاحب کے نام کے ساتھ کونسی صفت لکھوں کہ سوء ادب کے ارتکاب سے محفوظ رہوں۔ اگر قادری صاحب کی زندگی پر کوئی فلم بنائی جائے تو اس کا نام ہوگا ''خوابوں کا شہزادہ'' اس لیے ہم ان کی مدح میں ان سطور کا افتتاح ان کے ایک خواب سے کرتے ہیں:

باپ پر پوت پتا پر گھوڑا
بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا

قادری صاحب نے اپنے ابا حضور کی جو کرامات خود بتائی ہیں، ان سے قادری صاحب اور ابا حضور دونوں کا مقام آسانی سے متعین کیا جاسکتا ہے۔ قادری صاحب کا کہنا ہے:

''اباجی قبلہ رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ کے وصال کے دس روز بعد خواب میں مجھے ان کی زیارت ہوئی تو میں نے ان سے تین سوال کیے۔ وہ تین سوال یہ تھے۔ پہلا سوال یہ کہ جنازے کے بعد جب ہم نے آپ کے چہرہ مبارک کی زیارت کی تو آپ بے ساختہ مسکرا رہے تھے آپ کی آنکھیں اس وقت کھل گئی تھیں۔ لب وا ہوگئے تھے اور چہرے پر اتنی بھرپور مسکراہٹ تھی کہ ہمیں، خود مجھے، واقعتاً گمان ہوگیا کہ کہیں

ہم نے غلطی تو نہیں کردی شاید تکلیف کی شدت سے ڈاکٹروں کو مغالطہ ہوگیا ہو کہ آپ وفات پاگئے ہیں اور ہم غسل دے کر آپ کو یہاں لے آئے ہیں اب کیا کریں۔ ہم لوگ مبارک دینے لگ گئے ایک تو یہ سوال کیا کہ یہ جو یکایک مسکراہٹ ہوگئی اس کا کیا سبب تھا؟ یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ جنازے سے پہلے وصال کے بعد درمیانی عرصے میں چہرے کی جو کیفیت تھی وہ مسکراہٹ کی نہیں تھی نہ پریشانی کی تھی۔ پُرسکون نیند کی کیفیت تھی اور ہم نماز جنازہ پڑھانے سے پہلے ان کے ارشاد کے مطابق، جیسا کہ انہوں نے مجھے ارشاد فرمایا تھا ایک منٹ پہلے تک پوری دنیا ان کے چہرے کی زیارت کرتی رہی تھی۔ چہرہ مبارک کھلا ہوا تھا جب نماز جنازہ کے لیے صفیں بن گئیں ہم نے ان کے چہرہ مبارک پر کپڑا ڈال دیا۔ اب نماز جنازہ میں کتنا وقت لگ جاتا ہے؟ دو یا تین منٹ! دعا ہوئی اور پھر ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا گیا اس پر جو دو منٹ لگے اس کے بعد جو چہرہ کھولا تو کیفیت ہی بدل گئی تھی، وہ مسکرا رہے تھے اور بے ساختہ مسکرا رہے تھے۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ وصال کے دس روز بعد آج آپ ملے ہیں، دس روز جو ملاقات نہیں ہوئی اس کی وجہ کیا تھی؟ تیسرا سوال میرا یہ تھا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو قبر میں منکیر ین سوال کے لیے آتے ہیں۔ وہ سوال پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تو ابا جان! آپ یہ فرمائیے کہ جب منکیر ین یہ سوال کرنے کے لیے آئے تو آپ نے کیا جواب دیا؟ اور وہ معاملہ کیسے ہوا؟''

پہلے سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا بیٹے! آپ لوگ جنازہ پڑھ کر فارغ ہوئے اور آپ نے کپڑا میرے چہرے سے ہٹایا اور مسکراتا ہوا پایا۔ اس وقت پردے اٹھا دیئے گئے تھے اور وہ عالم آخرت اور عالم عقبیٰ کے مقامات اور باغات جنت اور وہ عیش کی اعلیٰ سیر گاہیں اللہ پاک نے مجھے دکھانا شروع کیں اور میں جب ان کو دیکھنے لگا تو ان خصوصی انعامات کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا اور مسکرا رہا تھا اور آپ میری مسکراہٹ کا تعلق ادھر سمجھ رہے تھے۔ میری مسکراہٹ کا سبب یہ تھا کہ اسی وقت عالم بالا کی سیر شروع ہوگئی تھی۔ دس روز تک نہ ملنے کا سبب یہ فرمایا کہ مجھے دس روز تک اس عالم کی سیر کرائی جاتی رہی اور آج فارغ ہوا تو آپ کو ملنے کے لیے آگیا ہوں۔

''تیسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا'' بیٹے! منکیر ین سوال کے لیے میری قبر میں آئے تو میں اس وقت عصر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ انہوں نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا تو واپس چلے گئے اور آج دس دن ہوگئے میں انتظار کر رہا ہوں کہ آکر سوال تو کریں لیکن وہ مڑ کر ہی نہیں آئے۔''

قادری صاحب کا خواب ان کی زبانی اس لیے بیان کیا گیا کہ انہوں نے اپنے آپ پر قاتلانہ حملوں کی جو تفصیل لاہور میں ایک نیوز کانفرنس کے دوران بتائی ہے۔ اسے محض خواب وخیال ہی

تصور نہ کیا جائے بلکہ پوری اہمیت دی جائے یعنی قادری صاحب کی گرانقدر جان کو پورا پورا وزن دیا جائے۔ وہ اپنے بیرون ملک ''کامیاب'' دورہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے پاکستان پیپلز پارٹی اور اسلامی جمہوری اتحاد کو ہدف تنقید بنا رہے تھے کہ ایک رپورٹر نے ان کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرائی کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کی جماعت کے کسی عہدیدار نے یہ سنسنی خیز انکشاف کیا کہ قادری صاحب کو قتل کرنے کا پیپلز پارٹی اور آئی جے آئی دونوں نے منصوبہ بنایا ہے......! قادری صاحب اس سوال پر خاموش ہو گئے، چند لمحے تاسف و تامل کی حیات سمیٹ کر اپنے چہرے پر مجتمع کرتے رہے پھر ایک دل آویز آہ سرد کے مابین گویا ہوئے۔ میں یہ باتیں صیغہ راز ہی میں رکھنا چاہتا تھا افسوس کہ کسی ساتھی نے انکشاف کر دیا ہے تو سن لیجیے مجھ پر پانچ مرتبہ قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔

قادری صاحب کے مطابق انہیں اگست 1989ء میں قتل کے دو منصوبوں کی اطلاع ملی تھی ایک منصوبہ پیپلز پارٹی نے بنایا تھا دوسرا اسلامی جمہوری اتحاد نے۔ قادری صاحب کو اس منصوبے کی جزئیات تک کا پتہ چل گیا تھا ان کا کہنا ہے یہ منصوبہ بالکل اسی طرز کا تھا جس کے نتیجے میں علامہ عارف الحسینی کو قتل کیا تھا۔

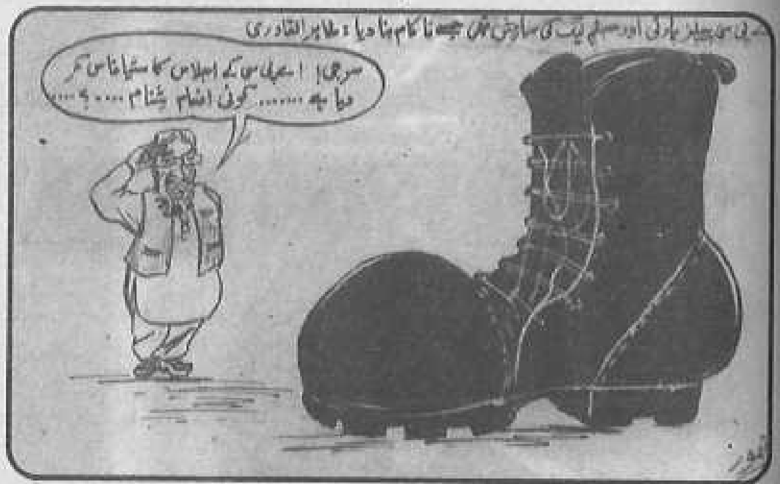
قادری صاحب نے بتایا ان کے قتل کی پہلی ناکام کوشش اسلام آباد میں ہوئی، ان سے پوچھا گیا ''کب؟'' قادری صاحب تاریخ یاد کرنے لگے اور انہوں نے اپنے قریب بیٹھے اپنے عقیدت مند میجر صاحب سے پوچھا ''کیوں جی! یہ پہلا حملہ کب ہوا تھا؟'' تاہم بعد میں ان کی یادداشت کام کرنے لگی اور انہوں نے انکشاف کیا پہلی بار قاتلانہ حملہ 18 اگست 1989ء کو اسلام آباد میں ہوا' میں جس گھر میں ٹھہرا تھا اس میں تین مسلح افراد دیوار پھلانگ کر اندر آ گئے مگر میں چند لمحے پہلے وہاں سے جا چکا تھا اس لیے مجرموں نے خاتون خانہ کو رسیوں سے باندھ دیا اور وہاں سے چلے گئے دوسرا حملہ پشاور روڈ پر میری پجارو گاڑی پر ہوا مگر میں اس وقت گاڑی میں نہیں تھا تیسرا حملہ اس وقت ہوا جب میں اسلام آباد ایئرپورٹ کی طرف جا رہا تھا۔ قاتل میرا تعاقب کر رہے تھے مگر میں بچ گیا۔

ستمبر میں جب میں گوجرانوالہ' گجرات اور جہلم کے دورہ پر تھا۔ اس دورہ کے دوران مجھے زہر دے دیا گیا جس کا آہستہ آہستہ اثر ہوتا تھا۔ قادری صاحب چار ماہ تک اس ''قاتلانہ حملہ'' کا اثر زائل کرنے کے لیے ادویات کھاتے رہے، پانچواں حملہ گوجرانوالہ کی ایک تقریب میں ہوا، یہ حملہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد اور نادر ثابت ہوا ہے۔ قادری صاحب کا کہنا ہے کہ انہیں قاتل نے ایک زہر آلود سوئی دے ماری مگر مارنے والے سے بچانے والا تگڑا نکلا اور سوئی قادری صاحب کی جیکٹ میں اٹک گئی۔ قادری صاحب نے پھرتی کے ساتھ پرے پھینک دیا۔

ان سے پوچھا گیا ''آپ نے ان قاتلانہ حملوں کی کوئی رپورٹ درج کرائی؟'' بولے ''کہاں کرواتا؟''

قادری صاحب نے بجا فرمایا، صوبائی اور وفاقی دونوں حکومتوں نے ان کے قتل کا بیک وقت منصوبہ مرتب کر رکھا ہو تو پرچے درج کرانے سے کیا حاصل؟ اور قادری صاحب قتل کرنے والوں کو الٹا ثواب لینے کا موقع کیوں فراہم کرتے' تاہم حکومت' اگر اس میں حکومت والی کوئی بھی خوبی ہے تو اس حقیقت کا ادراک کرنا چاہیے کہ قادری صاحب کی جان انتہائی قیمتی ہے اگر ان کے قتل کے لیے مقتول ''علامہ عارف الحسینی'' کی طرز پر منصوبہ بھی ناکام ہو گیا ہے تو منصوبہ بنانے والوں کو چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہیے اور اب ان کی جان بچانے کی فکر کرنی چاہیے ورنہ قادری صاحب تو جوانیاں لٹا کر اپنے آقا حضور کے ساتھ اعلیٰ علیین میں پہنچ جائیں گے اور پیپلز پارٹی اور آئی جے آئی دونوں قتل کے ارتکاب پر اپنی زندگیاں جہنم زار بنا لیں گی۔

(روزنامہ مشرق لاہور 25 فروری 1990ء)



پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا سسپنس

شاہزادگان کے اغوا کی پُر اِسرار کہانی

الطاف حسن قریشی

6 اپریل 1988ء سے 3 اگست کی شام تک ایک خبر نے پورے ملک اور بالخصوص لاہور کی فضا کو اپنی گرفت میں لیے رکھا۔ چار ماہ عجب پُر اسراریت اور ہیجان میں گزرے۔ خبر یہ تھی کہ پاکستان کے ایک روحانی پیشوا حضرت سیّد طاہر علاؤالدین الگیلانی بغدادی کے دو شہزادگان کوئٹہ میں اغوا کر لیے گئے ہیں اور مجرم قانون کی گرفت میں نہیں آ رہے۔ مشائخ کی طرف سے گاہے گاہے احتجاج اور تشویش کی آوازیں اٹھتی رہیں اور یہ آوازیں پروفیسر طاہر القادری کی قیادت میں طوفان کی گھن گرج میں تبدیل ہو گئیں۔ پروفیسر طاہر القادری اپنے زورِ خطابت' اپنی قوتِ استدلال اور اپنے فکری امیج کا لوہا منوا چکے ہیں اور ایک سیلِ رواں بنتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے عید قربان سے چند روز پہلے شہزادگان کے اغوا کے سلسلے میں ایک جلوس کی قیادت فرمائی اور لاہور میں پوسٹروں اور پمفلٹوں اور اخبارات کے پہلے صفحات میں شہزادگان کے اغوا کی سرخیوں کا ایک سیلاب اُمڈ آیا۔ یوں لگتا تھا کہ ایک معرکۂ حق و باطل بپا ہونے والا ہے اور حضرت غوث اعظمؒ کے جیالے دیوانگی اور سرفروشی کا ایک نیا باب رقم کرنے والے ہیں۔

اس بے پناہ جوش و خروش کے مظاہرہ میں عام شہری کو اس بات کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اصل واقعات کیا ہیں' کس نے شہزادگان کو اغوا کیا ہے؟ کیا وہ برآمد کیے جا چکے ہیں؟ حکومت بلوچستان نے اب تک کیا کارروائی کی ہے اور ان سارے معاملات میں پراسراریت کا پردہ کیوں پڑا ہے؟ ہم نے واقعات کا سراغ لگانے کا فیصلہ کیا کہ بے خبری میں تو جوشیلے نوجوان کسی حد تک بھی جا سکتے ہیں۔ کوئٹہ

[مخ]تلف افراد سے ملاقاتیں کیں اور کہانی کی تمام کڑیاں تلاش کرنے میں متعدد افراد نے تعاون کیا [اس] کے لیے ہم ان کے خصوصی شکر گزار ہیں۔

واقعات کی ترتیب کچھ یوں ہے:

حضرت سیّدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی بغدادی جن کا سلسلہ نسب پندرہ واسطوں سے حضرت [سیدنا] غوث الاعظمؒ جیلانی سے ملتا ہے' ان کی شادی خان قلات احمد یار خاں مرحوم کی صاحبزادی سے [ہوئی] اور وہ بلوچستان ہی میں آباد ہو گئے۔ خان قلات اپنے زمانے کی ایک بہت بڑی شخصیت تھے۔ ان [کے] ایک طرف وائسرائے سے گہرے تعلقات تھے دوسری طرف قائداعظمؒ کے ساتھ مراسم کی نوعیت [مثا]لی اور غیر معمولی تھی۔

ایک روایت کے مطابق وائسرائے ہند نے 1937 کے لگ بھگ ایک شاندار کار خان [قلا]ت کو تحفے میں دی۔ کہتے ہیں اس ماڈل کی کاریں ساری دنیا میں صرف چھ رہ گئی ہیں' تین کیلیفورنیا [می]ں ہیں اور چوتھی خان قلات کے پاس۔ باقی دو کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ [وقت] گزرنے کے ساتھ اس ماڈل کی کار آثارِ قدیمہ کی حیثیت اختیار کر گئی اور اس کی قیمت میں بیش بہا [اض]افہ ہو گیا۔

خان قلات مرحوم نے ایک زمانے میں اس کار کو فروخت کرنے کے لیے مختلف کمپنیوں کے [س]اتھ خط و کتابت بھی کی تھی مگر ان کی خواہش کے مطابق کار کی قیمت نہیں لگی۔ مغربی پاکستان میں ادغام [سے] پہلے ریاست قلات میں شریعت نافذ تھی اور قاضی مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ بعد میں پورا نظام ہی [تبد]یل ہو گیا' تاہم اس کے تہذیبی اثرات باقی رہے۔ خان قلات فوت ہوئے تو ان کی جاگیر اور اثاثے [اس]لام کے قانونِ وراثت کے مطابق تقسیم نہیں ہوئے' چنانچہ بہنوں کو بھائیوں سے شکایت رہی کہ انہیں [ب]اپ کی وراثت میں سے کچھ نہیں ملا۔

خان احمد یار خاں کے بعد ان کا بڑا لڑکا داؤد خاں خانِ قلات کے منصب پر بیٹھا جن کے [ا]یک بیٹے کا نام شہزادہ سلیمان داؤد ہے۔

خان احمد یار خاں کی بیوہ بی بی کبریٰ نے جب یہ محسوس کیا کہ ان کی بیٹیوں کو ان کے شوہر کی [ور]اثت سے کچھ نہیں ملا تو انہوں نے وہ کار جسے اب آثار قدیمہ کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے اپنے نواسے [حضرت] سیّدنا طاہر علاؤالدین کے صاحبزادے سیّد محمود محی الدین کے نام 29 مارچ 1988ء کو مختار عام کے [ذر]یعے منتقل کر دی۔ اس خاتون کا کہنا ہے کہ مجھے یہ کار خان صاحب نے تحفے میں دے دی تھی۔

کار خان قلات کے محل میں بند پڑی تھی۔ ان دنوں بی بی کبریٰ کا پوتا اور شہزادہ داؤد خاں کا

بیٹا------شہزادہ سلیمان داؤد کراچی گیا ہوا تھا۔ وہ اوورسیز پاکستانیوں کے سرکاری دفتر میں کام کرتے ہیں۔ 29 مارچ کو بی بی کبریٰ نے کار سیّد محمود محی الدین کے نام کی اور 4 اپریل کو وہ اور ان کا بھائی سیّد عبدالقادر کرین اور ٹرک لے کر قلات پہنچ گئے اور نانی اور ماموں کی اجازت سے کار لے کر واپس کوئٹہ آ گئے۔

شہزادہ سلیمان کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ قلات پہنچا اور اس نے اپنے والد اور اپنی دادی سے جھگڑا کیا کہ آپ نے اپنے نواسوں اور بھانجوں کو کار لے جانے کی اجازت کیوں دی؟ اس کے ساتھ ہی اس نے چوری کا پرچہ قلات پولیس سٹیشن میں کٹوا دیا اور وہ 5 اپریل کو پولیس لے کر کوئٹے پہنچا۔ ضابطے کے مطابق قلات کی پولیس کو انڈسٹریل ایریا تھانے میں اپنی آمد کی اطلاع دینی چاہیے تھی جس کے علاقے میں حضرت سیّدنا طاہر علاؤالدین کا مکان واقع ہے۔ شہزادہ سلیمان اپنی پھوپھی کے گھر کی ہر چیز جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے پھوپھی زاد عبدالقادر اور محمود کہاں سوتے ہیں' چنانچہ رات کے گیارہ بجے پولیس نے وارنٹ دکھا کر دونوں شہزادگان کو اپنی حراست میں لے لیا۔ ان کے پاس اے سی قلات کی طرف سے جاری شدہ وارنٹ موجود تھے۔

سلیمان داؤد نے اپنے پھوپھی زاد بھائیوں------محمود اور قادر کو اپنی گاڑی میں بٹھایا اور پولیس کی گاڑی پیچھے پیچھے آتی رہی۔ کہا جاتا ہے کہ سلیمان نے اپنے پھوپھی زاد بھائیوں کو بہت ڈرایا اور انہیں خوفناک انجام کی دھمکی دی۔ پھر یہ بھی ہوا کہ پختہ سڑک پر چلنے کے بجائے اس نے اپنی کار کچے راستے پر ڈال دی۔ پولیس نے احتجاج کیا تو ان سے بھی سخت کلامی کی اور ان کے فرائض کی بجا آوری میں زبردستی مخل ہوا۔ قلات تک کا راستہ جو مشکل سے دو ڈھائی گھنٹے کا ہے' آٹھ دس گھنٹوں میں طے ہوا۔ سلیمان کی شاید کوشش یہ تھی کہ وہ اپنے پھوپھی زاد بھائیوں کو زیادہ سے زیادہ ہراساں کرے اور انہیں کسی دور دراز مقام پر لے جا کر چند روز کے لیے مقید کر دے مگر پولیس ہمراہ تھی' اس لیے ایک حد سے آگے جانا مشکل ہو گیا تھا۔

قلات پولیس نے کوئٹہ سے سیدنا طاہر علاؤالدین کے شہزادگان کو گرفتار کرنے سے پہلے وہ کار بازیاب کر لی تھی جو قلات سے لائی گئی تھی۔ یہ کار انڈسٹریل ایریا پولیس سٹیشن کی سپرداری میں دے دی گئی۔ اس کار کے بارے میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ شہزادہ سلیمان اسے بیچنے کے لیے خط کتابت کرتا رہا تھا۔

شہزادگان------عبدالقادر اور سیّد محمود قلات تھانے میں چند گھنٹے رہے اور انہیں چھ اپریل کی شام ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

اور کوئٹہ میں چھ اپریل کی صبح تھانے میں شہزادگان کے اغوا کی رپورٹ درج کرا دی گئی۔

دوسرے دن سیدنا طاہر علاؤالدین کے دونوں صاحبزادے ضمانت پر رہا ہو کر واپس آ گئے' اس لیے پولیس نے اغوا کی رپورٹ پر تفتیشی کارروائی ختم کر دی' تاہم کار تھانے کی عملداری ہی میں رہی۔

یہ وہ زمانہ ہے جب جام صاحب بلوچستان کے وزیراعلیٰ تھے۔ جام صاحب کی خان قلات کے ساتھ رشتے داری ہے۔ انہوں نے معاملہ رفع دفع کرانے کی کوشش کی اور سلیمان پولیس کی دستبرد سے بچا رہا اور سیّدنا طاہر علاؤالدین کو جو زخم لگا' اس کا مداوا کچھ بھی نہ ہوا۔ حکومت بلوچستان کچھ اور کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھی۔ دو قریبی رشتے داروں کا باہمی تنازع تھا اور اس کے محرکات بھی نجی نوعیت کے تھے۔ معاملہ خاندانوں کے درمیان صلح صفائی سے طے ہو سکتا تھا۔

سیّدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی کا غوثیہ دربار کوئٹہ میں بڑی شہرت کا حامل ہے' مگر ان کے مریدین بلوچستان سے زیادہ پنجاب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے شہزادگان کے ساتھ ناروا سلوک پر بھی کے دل غم سے معمور ہو گئے ہوں گے' چنانچہ پنجاب سے یہ آواز اٹھی کہ شہزادگان کے اغوا کنندگان کو گرفتار کر کے عبرت ناک سزا دی جائے۔ اغوا کی تفصیلات اس لیے عام نہیں کی جا سکتی تھیں کہ ان میں مذہبی جذبات کو مشتعل کرنے والی ایک بات بھی نہیں تھی۔

پروفیسر طاہر القادری نے شہزادگان کے اغوا کو ایک ایشو بنانے کی بھرپور کوشش کی اور انہوں نے کمال ہنرمندی سے کام لیتے ہوئے' کچھ بتائے بغیر' عوامی دباؤ میں شدت پیدا کی اور ایک دنیا کو یہ تاثر دیا کہ بلوچستان میں کوئی بہت بڑا سانحہ رونما ہوا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ملک میں کتنے ہی بچے اور عورتیں اغوا ہو رہی ہیں اور قتل اور ڈاکہ زنی کے ہوشربا واقعات پے بہ پے ہو رہے ہیں مگر ان کے بارے میں کوئی عوامی تحریک نہیں اٹھائی جا رہی ہے اور ایک ایسا واقعہ جو بالکل معمولی نوعیت کا ہے' اس کے حوالے سے آسمان سر پر اٹھا لیا گیا ہے۔

عید قربان سے ذرا پہلے پروفیسر طاہر القادری نے ایک پُر جوش جلوس کی قیادت کی تھی اور یہ بھی عہد کیا تھا کہ اگر مجرم گرفتار نہ کیے گئے تو 4 اگست کو حضرت غوث الاعظم جیلانیؒ کے پروانوں کا ایک عظیم الشان کفن بردار جلوس نکلے گا۔ اس جلوس کے لیے جو تحریر روزانہ اخبارات میں شائع ہو رہی تھی وہ مذہبی جذبات میں آگ لگا دینے والی تھی' پوسٹروں کی عبارتیں جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھیں۔

جوش و جذبات کی تمازت میں جناب وزیراعلیٰ پنجاب میاں نواز شریف اور جناب پروفیسر طاہر القادری خصوصی طیارے میں کوئٹہ پہنچے۔ میاں نواز شریف نے میر ظفر اللہ جمالی سے طویل ملاقات کی اور اس بات پر زور دیا کہ مجرم کا ایک بار گرفتار کر لینا بے حد ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اہل لاہور کے بپھرے ہوئے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ جمالی صاحب نے یقین دلایا کہ ہم قانون کے

مطابق فوری اقدامات کریں گے' چنانچہ انہوں نے اسی وقت ایک انتہائی دیانت دار افسر کو سارے معاملے کی تحقیقات پر مامور کیا اور کامل غیر جانب داری برتنے کی ہدایت کی۔

مسٹر ظفر اللہ جمالی نے مفاہمت اور مصالحت کا راستہ اختیار کرنے کو بہتر جانا' چنانچہ میاں نواز شریف اور دوسرے اکابرین کی خان قلات داؤد خاں سے ملاقات ہوئی۔ باہمی گفتگو کے بعد یہ تجویز پیش ہوئی کہ اگر سلیمان سیدنا طاہر علاؤالدین سے اپنی غلطی کی معافی مانگ لے تو معاملہ ختم ہو جائے گا۔ خان قلات نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں' البتہ سلیمان' سیدنا طاہر کے گھر نہیں جائے گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ سیدنا طاہر علاؤالدین' ظفر اللہ جمالی کے ہاں آ جائیں اور سلیمان بھی ادھر پہنچ جائے اور معافی طلب کرے۔ فریقین کسی سمجھوتے پر پہنچے بغیر ایک دوسرے سے رخصت ہوئے' تاہم اصولی طور پر یہ طے پا گیا کہ معاملے کو مزید طول نہ دیا جائے اور کوئی آبرومندانہ حل تلاش کر لیا جائے۔

جناب میاں نواز شریف اور جناب طاہر القادری اور ان کے ساتھی لاہور آنے کے لیے ایئر پورٹ پہنچے اور خصوصی طیارے میں سوار ہو گئے۔ طیارہ ابھی رن وے ہی پر دوڑ رہا تھا اور بلند ہونے والا تھا کہ اس کا انجن منجمد ہو گیا ------ اگر خدانخواستہ یہ حادثہ فضا میں پیش آتا تو کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بروقت فضل خاص کا اہتمام فرمایا تھا۔

2 اگست کی سہ پہر تک غیر جانب دارانہ تحقیقات کے نتائج سامنے آ گئے تھے اور یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ سلیمان داؤد نے اپنے پھوپھی زاد بھائیوں اور پولیس کے ساتھ ایک ایسا طرز عمل اختیار کیا تھا جو قابل اعتراض بھی تھا اور قانون کی گرفت میں آتا تھا' چنانچہ اسی شام سلیمان تھانے طلب کیا گیا اور اس سے تفصیلی بیانات لیے گئے۔ بیانات کے بعد اسے بتایا گیا کہ تم نے قانون کی بعض دفعات کی خلاف ورزی کی ہے اور اب تمہیں ضمانت ہی پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ سلیمان داؤد کچھ دیر تھانے میں رہا اور اسی رات ضمانت پر رہا ہو کر گھر آ گیا۔ پولیس ہی نے ضمانت لے لی تھی۔

ڈرامے کا ڈراپ سین ایسے وقت ہوا جب کفن بردار جلوس کے انتظامات کو ایک نیا رنگ دیا جا چکا تھا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سیدنا طاہر علاؤالدین کے شہزادگان اور سلیمان داؤد کی عمریں یہی کوئی بائیس اور پچیس کے درمیان ہیں۔

(ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور اگست 1988ء)

علامہ فی الفور

ڈاکٹر محمد یونس بٹ

علامہ فی الفور ان لوگوں میں سے ہیں جو ہر کام جلدی سے کرتے ہیں' وہ تو دیر کرنے میں بھی جلدی کرتے ہیں۔ انہوں نے معروف ہونے میں تو چند ماہ ہی لگائے البتہ غیر معروف ہونے میں کئی سال لگائے۔ مولانا خواب زادہ علامہ فی الفور بڑی "جھنگ جو" شخصیت ہیں۔ لاہور آ کر لاء کالج کے ہوسٹل میں رہے۔ یہاں لاء ہوسٹل سے مراد سسرال نہیں کہ وہاں بھی مدران لاء' فادران لاء' سسٹران لاء بلکہ ہر کوئی ان لاء ہی ہوتا ہے۔ وہاں سے نکل کر فیض الحسن صاحب سے "فیض" لیا۔ وہ پیدائشی طور پر بڑے سیاست دان ہیں' جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں چھوٹا ادیب' چھوٹا سیاست دان اور چھوٹا اداکار پیدا ہی نہیں ہوتا۔ البتہ وہ پیدائشی طور پر اس لیے بڑے ہیں کہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں۔

مولانا خواب زادہ علامہ فی الفور اس وقت سوتے ہیں جب اٹھنا ہو' جب کہ ہم جیسے تب اٹھتے ہیں جب سونا ہو۔ کسی نے ہم سے پوچھا "آپ سو سو کر تھک نہیں جاتے؟" تو ہم نے کہا "جب تھک جاتے ہیں تو پھر سو جاتے ہیں" یہ پتہ کرنا کہ علامہ صاحب سوئے ہوئے ہیں یا نہیں' بڑا آسان ہے۔ آپ کو ان کے پاس بیٹھے پانچ منٹ ہو جائیں اور وہ نہ بولیں تو سمجھ لیں وہ سوئے ہوئے ہیں۔ لوگ تو جاگتے میں کام کرتے ہیں' یہ سوئے ہوئے بھی فارغ نہیں ہوتے' خواب ملاحظہ فرما رہے ہوتے ہیں۔ خواب کا سلسلہ بھی عجیب ہوتا ہے۔ گورباچوف نے ایک بار کسی کو بتایا کہ مجھے بڑی پریشانی ہے' رئیسہ گورباچوف روز سوتے میں یہ خواب دیکھتی ہے کہ اس کی کسی امریکی سے شادی ہو رہی ہے' تو سننے والے نے کہا "اس وقت تک پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جب تک وہ یہ خواب جاگتے میں نہیں دیکھنے

لگتی۔" علامہ صاحب جاگتے میں خواب دیکھتے ہی نہیں' دکھاتے بھی ہیں۔ فرماتے ہیں' ان کا نام بھی خواب میں رکھا گیا' یہی نہیں انہوں نے تو نام پیدا بھی خواب ہی سے کیا۔

اپنے ہر کام کو الہامی سمجھتے ہیں۔ کچھ کام تو واقعی لگتے بھی ہیں یعنی ان کا تعلق انسانی عقل سے نہیں لگتا۔ علامہ صاحب دنیا کے واحد فرد ہیں جنہیں کوئی درازی عمر کی دعا بھی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ بقول علامہ فی الفور بحوالہ خواب نمبر------ اللہ تعالیٰ نے میری عمر 63 سال مقرر کی جو حضور پاک ﷺ نے بڑھا کر 66 برس کر دی لیکن میں نے قبول نہ کی اور عرض کیا کہ 63 برس سے زیادہ زندہ رہنا نہیں چاہتا کیونکہ اس طرح عمر کے سلسلے میں سنت نبوی ﷺ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوں گا اور حضور ﷺ نے مان کر 63 کر دی۔ ویسے علامہ صاحب نے اس عمر کی حفاظت کے لیے اتنے گارڈ رکھے ہیں کہ لگتا ہے وہ انہیں لوگوں سے نہیں بچا رہے بلکہ لوگوں کو ان سے بچا رہے ہیں۔ ہمارے ایک صحافی دوست بتاتے ہیں کہ علامہ کی دعا بڑی جلدی قبول ہوتی ہے۔ میں ملنے گیا مدعا بیان کیا تو انہوں نے کہا "جاؤ کھوئی رقم مل جائے گی" اور ان کی آدھی دعا فوراً قبول ہو گی کہ میں وہاں سے چلا آیا۔

علامہ صاحب تقریر کر رہے ہوں تو وہ جنہیں اردو بھی نہیں آتی' سمجھ ان کو بھی آ رہی ہوتی ہے۔ بلکہ وہ نہ بھی بول رہے ہوں تب بھی سننے والوں کو سمجھ آ رہی ہوتی ہے۔ دوران گفتگو ہم نے آج تک کسی کو ان سے اختلاف کرتے نہیں دیکھا' جس کی واحد وجہ یہ ہے کہ دوران گفتگو وہ کسی اور کو بولنے کا موقع نہیں دیتے۔ ویسے علامہ صاحب جس تیزی سے بولتے ہیں اس تیزی سے تو ہم سن نہیں سکتے۔ بہت لمبی تقریر کرتے ہیں کیونکہ مختصر تقریر سننے کے لیے آج کل لوگوں کے پاس وقت ہی کہاں ہوتا ہے۔ ٹی وی مذہبی پروگراموں کی کاسٹ میں شامل رہے۔ ایسے مقرر کہ جو انہیں ایک بار سن لے پھر انہیں مقرر نہیں کہتا' مکرر کہتا ہے۔ ایک بار ٹی وی پر ان کی تقریر نشر ہونا تھی' دو تین بار اس کا ٹیلپ چلا۔ اس پروگرام کے پروڈیوسر کو اس تقریر کی تعریف میں اتنے خط ملے کہ وہ پریشان ہو گیا۔ ہم نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا' سوچتا ہوں عین وقت پر بوجہ علامہ صاحب کی تقریر ٹیلی کاسٹ نہ کی جا سکی تو اتنے خط آئے اگر تقریر ٹیلی کاسٹ ہو جاتی تو پھر کتنے آتے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: انسان زبان کی اوٹ میں چھپ سکتا ہے' مگر علامہ صاحب نے زبان خود کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کی۔ میرے دوست "ف" کے بقول بندہ خواب زادہ طاہر القادری صاحب کا انٹرویو کرنے جائے تو واپس آ کر اسے پتہ چلتا ہے کہ وہ تو ڈکٹیشن لے کر آیا ہے۔ وہ اکیلے چار آدمیوں جتنا کام کرتے ہیں' آپ ان کو کھانا کھاتے دیکھ لیں تو اس کا یقین بھی آ جائے گا۔ کمزوری محسوس ہو تو گوشت کی کڑاہی منگا لیں گے اور ایک منٹ میں ختم ہو جائے گی۔ آپ

پوچھتے ہوں گے کمزوری' جی نہیں' کڑاہی۔

وہ دوسروں کے ہاتھوں استعمال نہیں ہوتے' خود اپنے ہاتھوں استعمال ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں مجھے اقتدار پسند نہیں۔ ویسے ان کے طریقہ کار سے واقعی یہی لگتا ہے کہ وہ کبھی اقتدار حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ ڈاکٹر اسرار احمد کہیں کہ مجھے اقتدار پسند نہیں تو بندہ سمجھتا ہے اپنے بھائی اقتدار احمد کی بات کر رہے ہیں۔ جب کہ علامہ صاحب تو اسی کی خاطر سیاست بردہوئے۔ پاکستان عوامی تحریک کی بنیاد رکھی اس میں تحریک تو ہے مگر عوام نہیں۔ 1990ء کے ضمنی انتخابات میں ایک امیدوار عوامی تحریک کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش میں تھا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا "میرے حساب سے مجھے الیکشن جیتنے کے لیے نو دس اور ووٹ چاہئیں۔" علامہ صاحب کہتے ہیں میرے پاس جو ہو وہ تقسیم کر دیتا ہوں' واقعی ان کے پاس جو ووٹ تھے انہوں نے وہ تقسیم کر دیئے۔ ان کی تحریک کا نعرہ ہے۔ "جوانیاں لوٹائیں گے' انقلاب لائیں گے" جو اچھا بھلا کسی حکیم کا اشتہار لگتا ہے۔ علامہ صاحب پارٹی کے لیے یتیموں اور بیواؤں سے چندہ نہیں لیتے۔ اس لیے جو انہیں چندہ نہ دے اسے بیوہ اور یتیم سمجھتے ہیں۔

سیلف میڈ ہیں یہاں تک کہ علامہ اور پروفیسر بھی سیلف میڈ ہیں۔ ڈاکٹر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو علاج کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو قابل علاج ہوتے ہیں۔ مولانا خواب زادہ فی الفور صاحب کے والد صاحب انہیں علاج کرنے والا ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے' مگر موصوف کو میڈیکل میں داخلہ نہ مل سکا۔

مولانا وہ مرد ہیں جنہوں نے زنانہ وار لکھا۔ وہ جتنی کتابوں کے خود کو مصنف بتاتے ہیں صرف ان کی فہرست مرتب کی جائے تو ایک کتاب بن جائے۔ وہ تو دس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے لکھتے ہیں۔ کسی نے پوچھا "آپ اتنا لکھنے کے بعد کیا محسوس کرتے ہیں؟" تو میرے دوست "ف" نے کہا "اتنا لکھنے کے بعد تو بندہ محسوس کر ہی نہیں سکتا۔" فرماتے ہیں مولانا مودودی کی جتنی تحریریں میں نے پڑھی ہیں اتنی مولانا مودودی نے خود اپنی تحریریں نہ پڑھی ہوں گی۔ علامہ صاحب کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کام کر سکتے ہیں۔ انہوں نے یہ مقام اپنی ذاتی کوششوں سے حاصل کیا جیسے ہمارا دوست "ف" اپنی ذاتی کوششوں سے اس مقام پر ہے کہ وہ اپنے سات بھائیوں میں اکیلا سید ہے۔ علامہ صاحب خود اس فرقے میں ہیں جو فرقہ بندی کے خلاف ہے۔ انہوں نے زندگی میں ایک منٹ بھی ضائع نہیں کیا' اگر کیا ہے تو وہ ضائع نہ ہوگا۔ ہر کام ترتیب سے کرتے ہیں وہ تو بے ترتیبی بھی ترتیب سے کرتے ہیں۔

اگر وہ کہیں کہ مجھے خوبصورت چہرہ دیکھے دیر ہو گئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہیں شیشہ دیکھے عرصہ ہو گیا۔ ان کی شخصیت میں انفرادیت ہے' یہی انفرادیت انہیں اجتماعیت نہیں لانے دیتی۔

(گل دستہ از ڈاکٹر محمد یونس بٹ)

علامہ کلاشن کوف

رفیق ڈوگر

علامہ' ڈاکٹر' پروفیسر' قائدانقلاب محمد طاہر القادری' ایک نام کئی الزام' وہ جھنگ سے آ کر لاء کالج کے ہوسٹل میں پہنچے۔ وہاں سے نکلے یا نکال دیئے گئے تو سمن آباد میں ملک فیض الحسن کے مہمان ہوئے۔ جب بھی قرض کی ضرورت پڑی تو ملک فیض الحسن نے پوری کی۔ ادارہ منہاج القرآن کی تعمیر و تشکیل میں ملک فیض الحسن ان کے ساتھ رہے اور پھر انہی ملک فیض الحسن نے تحقیقاتی ٹربیونل میں بیان دیا: ''یہ شخص احسان فراموش' ناشکرا' خود غرض' جھوٹا' دولت کا پجاری' خود پرست اور شہرت کا بھوکا انسان ہے۔'' ہم نے سنا تو ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' پڑھ کر رہ گئے۔ عدالت عالیہ کے سامنے ملک فیض الحسن نے کہا: ''مسٹر قادری سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے بڑے بے قرار تھے' انہیں سیاست میں آنے کا شوق تھا اور یہ کہ مذہب سے ان کی محبت محض ایک ڈھونگ ہے۔'' علامہ' ڈاکٹر' پروفیسر' قائدانقلاب محمد طاہر القادری کے ایک شخصیت اور سیاست شناس کی ان کے بارے میں یہ رائے سن کر ان کے شوق انقلاب پر افسوس ہوا۔ ایک شخص اس شوق میں قبل از انقلاب ہی قائد انقلاب بن جائے اور اس کے قریبی اسے ڈھونگ قرار دے ڈالیں؟ عدالت عالیہ نے اپنے فیصلہ میں لکھا: ''شہادتوں نے ان کے (علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کے) کردار کو خاصا نقصان پہنچایا۔ ان کی طرف سے پیش کیے گئے عذر کے باوجود جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ انہوں نے کس انداز سے پیسہ اکٹھا کیا' ان جیسے عالم دین سے ایسی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ ان کی شاندار تعلیم' پیشہ ورانہ تفوق اور ابھرتے ہوئے عالم کی حیثیت تو ایک طرف مگر ان کے کردار کا یہ پہلو بہت کمزور رہا جو ان ایسی مذہبی شخصیت سے کسی طرح بھی مطابقت نہیں رکھتا کہ وہ

اپنے ذاتی مالی معاملات میں ملک فیض الحسن پر انحصار کرتے تھے۔ مکان کا کرایہ تک ان کی طرف سے ادا ہوتا تھا۔ میاں محمد شریف جیسے سرمایہ دار کی مدد سے انہوں نے گھر خریدا۔ اپنے بیٹوں کے لیے سیمنٹ کی ایجنسی حاصل کی' اسے چلانے کے لیے ان کی مدد سے سیمنٹ خریدا۔ اپنے علاج کے لیے ان کے خرچ پر بیرون ملک گئے اور اپنی بیوی کا علاج بھارت سے کروایا۔ ان (میاں محمد شریف) کی گاڑیاں استعمال کرتے رہے۔ ان سے قرضہ بھی حاصل کیا۔ مفادات کے حصول کے لیے یوں لگتا ہے جیسے مسٹر طاہر القادری نے جھکنا نامناسب خیال نہ کیا۔ مسٹر قادری کا رویہ ظاہر کرتا ہے کہ انہیں ان احسانات کی قطعی کوئی پرواہ نہیں۔ ان کے رویئے اور بیان میں شکر گزاری اور احسان شناسی کا کوئی عنصر نظر نہیں آتا۔ اس کے بجائے ان کے بیانات سے یوں لگتا ہے جیسے مسٹر قادری اور میاں محمد شریف کے درمیان سخت دشمنی اور عناد ہو۔''

میاں محمد شریف سے اپنے معاملات کے بیان میں علامہ' ڈاکٹر' پروفیسر' قائدانقلاب' محمد طاہر القادری نے عدالت عالیہ میں بتایا تھا کہ میاں محمد شریف کے بیٹے میاں محمد نواز شریف نے ان کے کہنے پر ان کے ایک بھانجے کو اے ایس آئی بھرتی کرایا تھا مکان کی خریداری کے وقت میاں محمد شریف سے دس لاکھ روپے قرض لیا تھا جو چار سال میں واپس کیا۔ میاں محمد شریف نے ان کے بیٹے کے عقیقے پر ایک ٹویوٹا کار تحفہ میں دی تھی۔ ماڈل ٹاؤن کی توسیعی سکیم میں کنٹرول قیمت پر انہیں صرف ایک سو کنال زمین اس وقت الاٹ ہوئی تھی جب میاں نواز شریف وزیر اعلیٰ اور ایل ڈی اے کے چیئرمین تھے اور پھر ملحقہ باسٹھ کنال بھی انہیں الاٹ کر دی گئی تھی۔

یہ ٹربیونل حکومت پنجاب نے بارہ اپریل 1990ء کو علامہ' ڈاکٹر' پروفیسر قائدانقلاب' محمد طاہر القادری کی رہائش گاہ پر پُراسرار فائرنگ کی تحقیقات کے لیے قائم کیا تھا۔

ایڈووکیٹ جنرل کی رائے تھی کہ فائرنگ کا ڈھونگ ان اسلحہ لائسنسوں کو بچانے کے لیے رچایا گیا تھا جن کی منسوخی کا معاملہ چل رہا تھا۔ عدالت نے لکھا اس ''ڈھونگ'' کی دوسری وجہ شہرت اور تشہیر حاصل کرنا بھی ہے جس کے مسٹر قادری شدید خواہشمند ہیں۔ ایڈووکیٹ جنرل نے اس بات پر اصرار کیا کہ جب میاں محمد شریف نے انہیں دولت کے بے پناہ وسائل فراہم کر دیئے تو مسٹر قادری جو تنگ دست ہوتے تھے قناعت نہ کر سکے اور انہوں نے میاں محمد شریف کے خلاف ہی محاذ کھڑا کر دیا جو ان کے محسن تھے۔ مسٹر قادری کا معیار زندگی اچانک بلند ہو گیا اور یہ ان کے ذرائع آمدن سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ایڈووکیٹ جنرل نے کہا کہ مسٹر قادری نے آئی جے آئی اور پیپلز پارٹی کے باہمی اختلافات کو ایکسپلائٹ کیا اور پیپلز پارٹی سے اس کی بڑی قیمت وصول کی۔''

عدالت نے ان نکات کو وزنی قرار دیا اور فیصلہ دیا کہ علامہ' ڈاکٹر' پروفیسر' قائد انقلاب محمد طاہر القادری کے مکان پر فائرنگ کا واقعہ حقیقی نہیں۔

علامہ' ڈاکٹر' پروفیسر' قائد انقلاب' محمد طاہر القادری کے خوابوں کے ضمن میں عدالت عالیہ نے لکھا: ''یہ واقعہ کہ مسٹر طاہر القادری اپنے مخصوص خوابوں کو بیان کرنے کے لیے بے قرار رہتے ہیں' ان کے غیر صحت مند ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کو خواب آتے بھی ہوں مگر ان کے تعصبات کو بھی بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جبکہ وہ اپنے خوابوں کو ایک خاص انداز میں بیان کرتے ہیں اور اپنی شخصیت کو ایک خاص رنگ دیتے ہیں۔ اس ذہنی ساخت کی حامل شخصیت سے ہر چیز ممکن ہے۔ نصف رات کے وقت مسلح آدمیوں کے حملہ کے ڈرامہ کو بھی اس میں شامل کیا جا سکتا ہے۔''

علامہ' ڈاکٹر' پروفیسر' قائد انقلاب محمد طاہر القادری کی شخصیت' سیاست اور مذہب کا تجزیہ ہم خود کرتے تو ان کے کلاشنکوف دستے متحرک ہو جاتے۔ ان کے سیکرٹری برائے اخبارات اور ہمارے مکرم علامہ احمد علی قصوری ناراض ہو جاتے۔ اس خوف کے مارے ہم نے عدالت کے فیصلہ کا سہارا لیا ہے ورنہ علامہ کے بارے میں ہمارا اپنا مشاہدہ بھی کافی قابل بھروسہ ہے۔ ایک دفعہ ہم نے علامہ کا انٹرویو شائع کیا۔ اس وقت میاں نواز شریف پنجاب کے وزیر اعلیٰ ہوتے تھے اور جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم پاکستان کے صدر۔ علامہ صاحب کے ایک سو باسٹھ کنال کا سلسلہ بھی چل رہا تھا۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ ''پنجاب کو ابھی تک اتنا دیانتدار وزیر اعلیٰ نہیں ملا تھا۔'' ہم نے سرخی بنادی۔ علامہ صاحب نے اخبارات میں تردید دے دی کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا ہماری اپنی دیانت کا مسئلہ تھا ہم نے اشتہار دیا کہ علامہ صاحب کے انٹرویو کا کیسٹ محفوظ ہے جس کا دل چاہے آ کر سن لے۔ ہم نے علامہ صاحب کو بھی چیلنج کیا مگر انہوں نے یہ چیلنج قبول کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس انٹرویو میں انہوں نے فرقہ واریت کے بارے میں سوال کے جواب میں کہا کہ میں دیوبندیوں اور وہابیوں کے پیچھے بھی نماز پڑھ لیتا ہوں۔ چند ماہ بعد حیدر آباد سندھ کا ایک جریدہ موصول ہوا جس میں علامہ صاحب کے دورۂ حیدر آباد کی روداد شائع ہوئی تھی۔ وہاں پر اہلسنّت والجماعت والوں نے دید شنید کے حوالہ سے اعتراض کیا کہ آپ تو دیوبندیوں اور وہابیوں کے پیچھے بھی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ علامہ صاحب نے اس کی تردید کی اور فرمایا کہ دید شنید جماعت اسلامی والوں کا رسالہ ہے اس نے میرا غلط انٹرویو شائع کیا تھا جس پر میں نے دید شنید بند کروادیا ہے۔

ایک دوست کو علامہ صاحب کا انٹرویو کرنا تھا' وہ ہمیں بھی ساتھ لے گیا۔ کلاشنکوف برداروں کے گھیرے سے ہوتے ہوئے ان کے دفتر عام میں پہنچے تو وہ ایک بریف کیس کھول کر بیٹھ گئے۔ اپنے

...ی کو بلایا اور ہمیں سنا سنا کر اپنے دورۂ امریکہ کی تفصیلات بیان کرنے لگے کہ کس طرح وہاں کا ...اور دانشور طبقہ ان کا فدائی ہو ہو جاتا تھا اور کس کس یونیورسٹی میں ان کے بارے میں خصوصی شعبہ قائم کر دیا ہے۔ فارغ ہو کر وہ ہمیں اپنے دفتر خاص میں لے گئے جس کی آرائش و زیبائش صدر اور وزیراعظم پاکستان کے دفتر سے بھی بہت زیادہ مرعوب کن تھی۔ ہمارا ساتھی سوال پوچھنا چاہتا تھا' علامہ صاحب اس کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ دو اڑھائی گھنٹے انہوں نے مسلسل اپنے اور اپنے والد محترم کے فضائل ریکارڈ کرائے۔ وقفہ چائے میں انہوں نے اپنے لیے چائے اپنے گھر سے منگوائی اور بتایا کہ وہ ادارہ میں چائے تک نہیں پیتے۔ ان کے لیے چائے آئی تو ساتھ ایک مٹی کا پیالہ بھی تھا۔ بتایا کہ میں سنت نبوی ﷺ کی پیروی میں مٹی کے پیالہ میں ہی چائے پیتا ہوں۔ ملازم نے چائے مٹی کے پیالے میں ڈالی' پیالہ ایک بیش قیمت پلیٹ میں رکھ کر علامہ صاحب کے سامنے سجادیا۔ ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور انٹرویو ختم کر کے واپس آ گئے۔ راستہ میں ہی ہمارے ساتھی نے اعلان کر دیا کہ وہ یہ انٹرویو شائع نہیں کر سکتے۔ اس فیصلہ کی وجہ سے دوسری نشست سے ہم محروم رہے اور زود تصنیفی کا نسخہ نہ لے سکے۔ علامہ صاحب نے اپنی تصانیف کی جو تعداد ریکارڈ کروائی تھی اس مدت کو ہم نے اس تعداد پر تقسیم کیا تو فی ہفتہ دو کتب سے بھی زیادہ بنتی تھیں اگر یہ نسخہ ہمارے ہاتھ آ جاتا تو ہم ہفتہ میں دو نہ سہی مہینے میں ایک آدھ ہی کتاب لکھ لیتے۔

علامہ' ڈاکٹر' پروفیسر' قائد انقلاب محمد طاہر القادری 1978ء میں وارد لاہور ہوئے اور ستمبر 1990ء تک دس گیارہ سال کی قلیل مدت میں عروج و زوال کی ساری منزلیں طے کر گئے۔ پنجاب یونیورسٹی لاء کالج میں نوکری' اساتذہ کے انتخابات میں حصہ' درس و تدریس قرآن' مجالس ذکر' میاں محمد شریف سے رابطہ' اتفاق مسجد میں خطبہ جمعہ' میاں صاحب کی نوازشات کی بارش' ادارہ منہاج القرآن کا قیام' اتفاق خاندان سے علیحدگی' پاکستان عوامی تحریک کا قیام' مسلح جلوس اور جلسے رات کے پچھلے پہر بیڈ روم میں فائرنگ اور اس سانحہ کے بارے میں عدالت عالیہ کا درجہ بالا فیصلہ۔ اس فیصلہ کے بعد انہوں نے سیاسی اور دینی میدانوں میں پاؤں جمانے کی مقدور بھر کوشش کی۔ اس میں دیگر جماعتوں سے تعاون بھی کیا۔ 1990ء کو انتخابات میں اپنے نمائندے کھڑے کر کے ان سب کی ضمانتیں بھی ضبط کروائیں۔ ان کی اس چڑھائی اور اترائی کو دیکھتے ہوئے کسی نے کہا ''وہ آئے' وہ چھائے اور پھر خودکشی کر لی۔''

جس تیزی سے علامہ صاحب منصوبہ بناتے اور اس پر عمل کراتے ہیں اسے دیکھتے ہوئے بعض حاسد انہیں علامہ فی الفور بھی کہتے ہیں لیکن اس امر سے وہ حاسد بھی انکار نہیں کر سکتے کہ ان میں تنظیم و تقسیم کار کی بہت وافر صلاحیتیں ہیں اور جو کام کرنا چاہتے ہیں' کر گزرتے ہیں' اس کے اقتصادی'

اخلاق اور دینی پہلوؤں پر غور کرنے میں وقت ضائع نہیں کرتے۔ صرف فائرنگ اور اس کی تشہیر، اشاعت اور عدالتی پیروی میں انہوں نے مار کھائی ہے۔ اس کی مار کی وجہ بھی ان کے قریبی حلقے ہمارے مکرم علامہ احمد علی قصوری کو قرار دیتے ہیں۔

دینی گھرانے کے انگریزی اداروں میں تعلیم یافتہ علامہ' ڈاکٹر' پروفیسر' قائد انقلاب کی پیدائش کی بشارت بقول ان کے رسول اکرم ﷺ نے خود ان کے والد کو دی تھی' ان کا نام بھی اسی بشارت کے ساتھ ہی رکھ دیا گیا تھا۔ ان کا کام یعنی انقلاب اسلامی بھی ان کا اپنا انتخاب نہیں' یہ بھی بقول ان کے خود رسول اکرم ﷺ نے ان کے ذمہ لگایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں صرف تینتیس سال کے لیے زمین پر نازل کیا تھا مگر بقول ان کے آنحضور ﷺ نے انہیں (قادری صاحب کو) بتایا کہ ان کی عمر بڑھا کر 66 سال کر دی گئی ہے' شاید اس اضافہ کی وجہ ان کے ذمہ لگائے گئے انقلاب اسلامی کی راہ کی مشکلات ہوں کیونکہ صرف تینتیس سال میں تو اتنا بڑا عالمگیر انقلاب وہ بپا کر کے مستحکم نہیں کر سکتے تھے۔ علامہ صاحب نے یہ 66 سال قبول نہیں فرمائے اور آنحضور ﷺ سے عرض کیا کہ وہ 63 سال سے زیادہ زندہ نہیں رہنا چاہتے کیونکہ اس طرح عمر کے سلسلہ میں وہ سنت نبوی کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو جائیں گے۔ آپ نے ان کی یہ تجویز مان لی اور ان کی عمر 63 سال مقرر کر دی۔ ان 63 سالوں میں سے کتنے سال باقی رہ گئے ہیں' ہمیں ٹھیک ٹھیک کوئی اندازہ نہیں لیکن 1972ء میں انہیں گورنمنٹ کالج جھنگ میں این ڈی وی پی لیکچرر مقرر کیا گیا تھا' اگر اس وقت ان کی عمر بیس اکیس سال بھی ہو تو اب وہ چالیس سال سے اوپر ہوں گے۔ اس طرح اس دھرتی پر ان کا مزید قیام و طعام بائیس تیئیس سال ہوگی۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر محمد طاہر القادری کی عمر 63 سال متعین کر دی گئی ہے اور وہ بھی آنحضور ﷺ نے خود انہیں بتایا ہے تو پھر وہ چوبیس گھنٹے کلاشنکوف کے سایہ میں کیوں زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی موت کا تو ایک دن متعین ہے۔ وہ عالم دین ہیں' انہیں خدا اور ان کے رسول ﷺ پر اتنا بھی اعتماد نہیں؟ اور جب ہر چیز کے بارے میں انہیں پہلے سے بشارت ہو جاتی ہے تو ان کے گھر پر فائرنگ کے بارے میں پہلے سے خبردار کیوں نہ کر دیا گیا اور اگر کسی وجہ سے اس فائرنگ کے پروگرام سے انہیں بروقت خبردار نہیں کیا جا سکتا تھا تو فائرنگ کے بعد انہیں ان ملزموں کے نام پتے کیوں نہ بتا دیئے گئے؟ یہ مذہب اور معرفت کے دائرہ سے متعلق سوالات ہیں اور ان کے جوابات محمد طاہر القادری صاحب ہی دے سکتے ہیں۔ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ عمر اللہ تعالیٰ مقرر فرماتے ہیں اور گولی حملہ آور چلاتے ہیں۔ اب گولی کو کیا علم کہ کس کی کتنی عمر باقی ہے۔

لانبا قد نوکیلے نقوش پسندیدہ رنگ خوش الحان شیریں زبان محمد طاہر القادری بہت اچھے مقرر

ہیں۔ اگر تقریر ٹیلی وژن کی رنگین سکرین پر کر رہے ہوں تو اس کا حسن و تاثر سہ گنا ہو جاتا ہے۔ ان کی پاپولیرٹی میں ٹیلی وژن اور اس کی سکرین کا بہت حصہ ہے۔ وہ دینی اور دنیاوی علوم کو اس اعتماد اور انداز سے استعمال کرتے ہیں کہ یہ علم کے علامہ دکھائی دیتے ہیں۔ ایف ایس سی کے بعد انہوں نے لائن بدل لی۔ اسلامیات میں ایم اے کیا' قانون کی ڈگری حاصل کی' کچھ عرصہ وکالت کا دھندا لگایا اور پھر این ڈی وی پی لیکچرری کے راستے میں میاں محمد شریف کے آستانہ تک پہنچ گئے۔ اسی دوران انہیں دنیا بھر میں اسلامی انقلاب کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ اس مشن کو انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا' روح و جاں کا اس طرح حصہ بنایا کہ اس انقلاب کے بپا ہونے سے پہلے ہی قائد انقلاب ہو گئے۔ قائد قبل از انقلاب ان کے اسی جوش انقلاب کی وجہ سے بعض ناقد انہیں قائد قبض انقلاب کہہ کر بھی دل کی بھڑاس نکالتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس انقلاب کے خوف سے جماعت اسلامی ان کی جانی دشمن ہو گئی ہے حالانکہ جماعت والے بھی اسلامی انقلاب کا بزنس ہی کرتے ہیں اگر دو قوتیں ایک ہی انقلاب کے لیے کام کرتی ہیں تو ان میں دشمنی کیوں' دوستی اور اتحاد کیوں نہیں؟ کاروباری رقابت تو ہم اسے کہہ نہیں سکتے کہ انقلاب کاروبار نہیں ہوتا۔ اس کے آنے سے پہلے اس کے فوائد نازل ہونا شروع ہو جائیں تو اس میں قائد قبل از انقلاب کا کیا قصور؟

(چہرے مہرے از رفیق ڈوگر)

❁❁❁❁❁

علامہ کلام القادری

ڈاکٹر اختر نواز خان

صاحب جس طرح مہنگی ترین تحریر ڈاکٹر کی ہوتی ہے کہ وہ ایک لفظ تحریر کرنے کے تین سو روپے لیتا ہے اسی طرح مہنگی ترین تقریر مولوی کی ہوتی ہے حالانکہ ہمیں اس کے مہنگے ہونے کی وجہ بالکل نہیں معلوم' ہاں البتہ اتنا معلوم ہے کہ مہنگی چیز انسان کو اپنی طرف بہت جلد مائل کر لیتی ہے۔ ثبوت کے لیے اتنا کافی ہے کہ سارے مرد مولوی کی تقریر سے متاثر ہو کر فوراً ''قبول ہے'' کر لیتے ہیں اور پھر ساری عمر مولوی کی مہنگی تقریر کے ثمرات کو بھگتتے رہتے ہیں۔ کچھ مولوی بڑی دھواں دھار تقریر کرتے ہیں اور کچھ بڑی سبک رفتار حالانکہ سارے مولویوں کی گاڑی حلوے سے چلتی ہے یعنی پٹرول اور ڈیزل سے بالکل نہیں چلتی۔ ویسے پٹرول سے چلنے والی گاڑیاں جہاں سبک رفتار ہوتی ہیں وہیں وہ دھواں بھی نہیں چھوڑتیں جبکہ ڈیزل سے چلنے والی ساری گاڑیاں دھواں دھار ہوتی ہیں۔ علامہ طاہر القادری انوکھے مولوی ہیں کہ انہیں حلوہ کھانے سے بھی کوئی خاص شغف نہیں مگر ان کی تقاریر دھواں دھار ہوتی ہیں۔ ممکن ہے انہیں کسی ''ڈیزل مولانا'' کی صحبت کبھی میسر رہی ہو حالانکہ وہ مولانا فضل الرحمٰن کے سخت مخالفین میں سے ہیں۔

انسان دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو باتیں کرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو باتیں پیدا کرتے ہیں جبکہ علامہ طاہر القادری اپنی مثال آپ ہیں کہ وہ نہ صرف باتیں پیدا کرتے ہیں بلکہ ان کی پیدائش پر بھی ان کے گھر والوں نے آپس میں باتیں ہی کی تھیں اور کہا تھا کہ خوبصورت بچہ پیدا ہوا ہے اور پھر اس خوبصورت بچے نے اپنی خوبصورتی کا اظہار اس طرح کیا کہ

پیدائش سے جوانی تک نہ صرف خود خوبصورت رہا بلکہ خوبصورت کام بھی کرتا رہا البتہ اس کے بعد ہوا یہ کہ وہ مولوی بن گیا۔

کچھ لوگ آہستہ آہستہ بڑے بنتے ہیں اور کچھ لوگ فوراً بڑے بن جاتے ہیں جبکہ علامہ طاہر القادری ایسے مولوی ہیں جو پیدائشی بڑے ہیں کہ وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں اور پھر انہیں جب بھی قدرت نے کچھ کرنے کا موقع دیا تو انہوں نے بڑا بننا ہی پسند کیا حالانکہ انہیں غرور و تکبر سے بھی سخت نفرت ہے۔ علامہ طاہر القادری خاص الخاص انسان ہی نہیں خاص الخاص مولوی بھی ہیں کہ وہ منہاج القرآن کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔ انہیں قریب سے جاننے والے بتاتے ہیں کہ وہ ہر وقت باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ہم نے جب پوچھا کیا سوتے میں بھی وہ باتیں کرتے رہتے ہیں؟ بتایا گیا جی ہاں! کسی حد تک یہ بات ٹھیک بھی ہے کہ علامہ صاحب سوتے میں بھی فارغ ہو کر نہیں سوتے' خواب دیکھتے رہتے ہیں۔

علامہ طاہر القادری کے سامنے کسی کی نہیں چلتی وہ اس طرح کہ جب وہ باتیں کر رہے ہوتے ہیں تو ان کے سامنے کسی دوسرے کی بات بالکل نہیں چلتی۔ ویسے مولوی سب سے زیادہ جو کام کرتا ہے وہ تعریف ہے۔ علامہ صاحب بھی تعریف پسند کرتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر کسی بندے کی بات ان کی باتوں کی موجودگی میں چل رہی ہو تو وہ کوئی معمولی بات بالکل نہ ہوگی بلکہ علامہ صاحب کی تعریف والی بات ہوگی اور اگر علامہ صاحب اپنے سامنے کچھ کرنے کی کھلی چھٹی دیتے ہیں تو وہ یہی بات ہے۔

بچپن میں ان سے جب کوئی پوچھتا کہ آپ کی تعریف کیا ہے؟ کہتے مجھے میاں مٹھو بننا پسند نہیں۔ البتہ جب وہ مولوی سے علامہ اور پروفیسر بنے تو سب سے زیادہ یہی کام کیا۔ لوگ دوسروں کی برائیاں تلاش کرنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلتے ہیں جبکہ علامہ صاحب نے دوسرے لوگوں کی ذات میں سے برائیاں تلاش کرنے کے واسطے اپنا وقت ضائع بالکل نہیں کیا۔ اپنی ذات میں سے بھی انہوں نے برائیوں کو تلاش کرنا ناپسند فرمایا البتہ انہوں نے اپنی ذات میں سے خوبیاں تلاش کرنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے علامہ صاحب اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے۔ ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ علامہ صاحب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے کہ وہ پاپڑ بیلنے میں ماہر ہو گئے۔

بچپن سے جوانی تک انہوں نے جو کام بڑی تیز رفتاری سے کیا وہ یہ ہے کہ وہ بہت جلد جوان ہو گئے۔ اس طرح جلدی سے جوان ہونے کا ان پر یہ اثر ہوا کہ وہ ہر کام جلدی سے کرنے لگے۔ حتیٰ کہ وہ دیر تک میں بھی بہت جلدی کرنے لگے۔ علامہ صاحب اپنے لیے جو کام کرنا بہت زیادہ پسند فرماتے ہیں وہ جلدی کرنا ہی ہے۔ کبھی کبھار تو وہ اس قدر جلدی کرتے ہیں کہ صرف جلدی جلدی کرتے رہتے ہیں'

کام بھول جاتے ہیں' مثلاً وہ جلدی میں مولوی سے علامہ' علامہ سے پروفیسر اور پھر سیاست دان بن گئے۔ اس کے بعد وہ صرف جلدی کو یاد رکھ سکے کام کو بھول گئے۔ ان کی سیاست میں بھی جو چیز بہت زیادہ نمایاں ہے وہ بھی ''جلدی'' ہی ہے اور اس جلدی میں وہ یہ بھول گئے کہ جلدی کریں یا سیاست' جس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ جلدی کو اختیار کر لیا۔

علامہ طاہر القادری کی لوگ بہت عزت کرتے ہیں چنانچہ وہ ان کی جلدی کی عادت سے انہیں ''علامہ جلد باز'' تک بھی نہیں کہتے' ویسے علامہ صاحب بھی جلدی کو جلد بازی کے طور پر نہیں کرتے کام سمجھ کر کرتے ہیں اور پھر علامہ صاحب اپنے اس کام کی وجہ سے بہت جلد مشہور بھی ہو گئے۔ علامہ صاحب جلدی کے علاوہ جو دوسرا کام کرنا سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں وہ ہے ''خواب'' دیکھنا۔ 1990ء کے الیکشن سے قبل تک تو انہوں نے اتنے خواب دیکھے تھے کہ وہ ''علامہ خواب زادہ'' کے طور پر مشہور ہو گئے اور پھر علامہ خواب زادہ کو لوگوں نے بھی مایوس کرنا گوارہ نہ کیا بلکہ انہیں 1990ء کے الیکشن میں کامیابی کے خواب دکھلائے۔ خواب دیکھنے کا ایک فائدہ ہے کہ بندہ غلط کاموں سے بچا رہتا ہے۔ عوام نے بھی علامہ طاہر القادری کو الیکشن 1990ء میں غلط کاموں سے محفوظ رکھنے ہی کے لیے الیکشن میں کامیابی کے صرف خواب دکھائے تھے۔

علامہ صاحب تو اتنے مصروف انسان ہیں کہ وہ ہر کام مصروفیت والا ہی کرتے ہیں مثلاً وہ مصروف ترین خواب دیکھتے ہیں اور بہت لمبی یعنی مصروف ترین تقریر بھی کرتے ہیں۔ ان کے اس مصروفیت میں کوئی خاص عیب بھی نہیں کہ ان کے پاس مختصر کام کرنے کے لیے وقت بالکل نہیں ہوتا۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ایک ہی کام زیادہ عرصہ تک کرنے سے اکتا جاتا ہے مگر جب ہم علامہ صاحب کی مصروفیت کو دیکھتے ہیں تو یہی لگتا ہے کہ وہ فطرت سے لڑائی میں مصروف ہیں البتہ کبھی کبھی وہ عین فطری کام بھی کر لیتے ہیں مثلاً انہوں نے پہلے دینی جماعت کے نام سے ایک جماعت بنائی اور پھر جب اس سے دل بھر گیا تو انہوں نے اس کا علاج یہ کیا کہ ''عوامی تحریک'' کے نام سے سیاسی پارٹی بنا ڈالی۔ جس میں تحریک تو علامہ صاحب کی جوشیلی طبیعت کی وجہ سے کوٹ کوٹ کر بھری پڑی ہے۔

البتہ عوام کا قحط ہے۔ جب علامہ صاحب نے سیاسی پارٹی بنائی تو کسی نے ان سے کہا' لگتا ہے آپ ''اقتدار پسند'' ہو گئے ہیں۔ فرمایا ہرگز نہیں اور پھر عوامی تحریک کی الیکشن 1990ء میں کارکردگی سے یہ بات ثابت بھی ہوئی۔ علامہ صاحب انقلاب لانے کی باتیں بھی بہت زیادہ کرتے ہیں۔ ویسے ہمارا کہنا یہ ہے کہ وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہو چکے ہیں کہ وہ مولوی سے سیاست دان اور پھر مولوی جو بن گئے ہیں۔

علامہ صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جو زندگی کو بے کار ضائع کرنے کے خلاف ہیں۔ یا پھر وہ شب و روز کچھ نہ کچھ کرنے کے لیے مصروف رہتے ہیں۔ علامہ صاحب کی زندگی میں بڑا نظم و ضبط پایا جاتا ہے لہٰذا وہ ہر کام بھی نظم و ضبط میں رہتے ہوئے کرنا پسند فرماتے ہیں۔ ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرنا پسند فرماتے ہیں حتیٰ کہ وہ اپنے ساتھ ہر وقت ذاتی باڈی گارڈ بھی یہی سمجھ کر رکھتے ہیں۔

علامہ صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جو ایک بار غلطی کر لیں' دوبارہ وہی غلطی نہیں کرتے بلکہ کرتے ہیں۔ ٹی وی ڈراموں اور فلموں کے خلاف ہیں مگر ٹی وی اور سینما ہال میں اپنی فلم کو چلتا ہوا دیکھ کر ان کا غصہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ ٹی وی کے مذہبی پروگراموں میں وہ نصیحت کی باتیں ایسے کرتے ہیں جیسے ان کے سامنے بیٹھے ہوئے لوگ بہرے ہوں۔ ویسے ان کی مذہبی تقاریر اونچی آواز ہی میں نہیں ہوتیں اونچے پائے کی بھی ہوتی ہیں جن میں غصہ ایسے جھلکتا ہے جیسے ان کا خوبصورت چہرہ داڑھی میں سے چھلک کر باہر نکلتا ہے۔

(گل افشانیاں از ڈاکٹر اختر نواز خاں)

علامہ رستم انقلاب

ڈاکٹر اختر نواز خاں

دیکھنے میں علامہ طاہرالقادری مرد بالکل نہیں لگتے‘ ہو بہو عورت لگتے ہیں یعنی بہت خوبصورت لگتے ہیں۔ بولنے میں تو وہ کچھ بھی نہیں لگتے بلکہ انقلابی لگتے ہیں حالانکہ انہیں موت سے ڈر بھی لگتا ہے کیونکہ ان کے ساتھ ہروقت کلاشن کوف بردار دستہ ہوتا ہے۔ انقلاب کا انہیں اتنا شوق ہے کہ ہروقت خواب دیکھتے رہتے ہیں‘ صرف اس وقت جاگتے ہیں جب انہیں کوئی کام نہ ہو۔ جاگتے ہوئے وہ مصروف بالکل نہیں لگتے‘ اس کا حل وہ اس طرح نکالتے ہیں کہ ہروقت اپنے آپ کو خواب دیکھنے میں مصروف رکھتے ہیں۔ وہ بہت مصروف شخصیت کے مالک انسان ہیں‘ اس قدر مصروف ہیں کہ انہیں کام کرنا تک بھول جاتا ہے چنانچہ جب لوگ انہیں ”علامہ انقلابی“ کہتے ہیں تو وہ مصروفیت کی وجہ سے صرف ایک لفظ سنتے ہیں وہ ہے ”علامہ“ دوسرے کو بھول جاتے ہیں لہٰذا لوگوں کو ان کے انقلاب نہ لانے پر حیرت ہوتی ہے البتہ ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ علامہ طاہرالقادری بھول کو بھی انقلاب ہی سمجھ کر بھول جاتے ہیں۔ وہ اس کام میں ماہر بھی ہیں کیونکہ ان کے دوست احباب انہیں احسان فراموش کہتے ہیں حالانکہ ہم انہیں کچھ نہیں کہتے کیونکہ ان کے پاس ہروقت زبان ہی نہیں‘ کلاشنکوف بھی ہوتی ہے۔

علامہ طاہرالقادری صاحب خواب اور نیند کو کام سمجھ کر کرتے ہیں اور بلاناغہ کرتے ہیں۔ جس روز وہ یہ کام کرنا چھوڑ دیں‘ انہیں جاننے والے ان کی تیمارداری کے لیے دوڑ پڑتے ہیں۔ علامہ صاحب کو لوگ بڑا خطرناک آدمی بتاتے ہیں کیونکہ ان کی طاہرالقادری صاحب کے بارے میں معلومات یہ ہیں کہ وہ انقلاب لانا چاہتے ہیں البتہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ وہ بڑی ”خواب ناک“ شخصیت کے مالک

انسان ہیں‘ ان سے اگر خواب چھین لیے جائیں تو پیچھے کچھ بھی نہیں بچے گا۔

جنگ جو ہی نہیں بلکہ ”جھنگ جو“ قسم کے آدمی ہیں۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ علامہ طاہرالقادری کا تعلق جھنگ سے ہے۔ ہمیں ان کا جھنگ سے تعلق مشکوک لگتا ہے کیونکہ جھنگ میں بڑی بڑی شخصیات رہتی ہیں مثلاً سیّدہ عابدہ حسین اور مولانا حق نواز جھنگوی وغیرہ۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کا تعلق جھنگ ہی سے ہے البتہ انہوں نے اپنا قد بڑا کرنے کے لیے لاہور کو چنا۔ لاہور کے بارے میں مشہور ہے کہ جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ دراصل علامہ صاحب نے اس بات کو سچ ثابت کرنے ہی کے لیے لاہور جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ لاہور میں ان کی پیدائش لاء کالج لاہور میں ہوئی اور پھر جب بڑے ہوئے تو لاء کالج کو چھوڑ دیا البتہ ملک فیض الحسن کو پکڑ لیا۔ انہوں نے پکڑا تو دراصل اکیلے فیض الحسن کو تھا مگر لگا ایسے کہ انہوں نے پورے سمن آباد کو پکڑ رکھا ہے۔ ملک فیض الحسن سے علامہ صاحب نے بڑا فیض بھی پایا جس میں قرضے کی رقم کے علاوہ قیام و طعام بھی شامل ہے۔ لاہوری بڑے اچھے مہمان نواز ہوتے ہیں ملک فیض الحسن نے تو اسے ثابت بھی کیا۔ اور تو اور علامہ صاحب کے گھر کا کرایہ بھی عرصہ تک ملک فیض الحسن صاحب ادا کیا کرتے تھے۔

علامہ طاہرالقادری صاحب بڑے نورانی چہرے کے مالک ہیں۔ ان کے چہرے کے نور کو پرنور بنانے میں اکیلے ملک فیض الحسن کا کارنامہ نہیں بلکہ میاں نواز شریف صاحب بھی اس کارِ خیر میں برابر کے شریک ہیں۔ علامہ صاحب بڑے بلند چہرے کے مالک ہیں یعنی ان کا چہرہ ان کے جسم کے بلند ترین مقام یعنی گردن کے اوپر واقع ہے ان کی شخصیت بھی بڑی بلند ہے کیونکہ وہ مسجد کے میناروں پر لگے لاؤڈ سپیکر کے ذریعے گونجتی ہے۔ علامہ طاہرالقادری ہر کام بڑی مہارت سے کرتے ہیں۔ ان کے منہ سے اپنی تعریف سن کر ہمیں یقین بھی آ جاتا ہے۔ ان کی شخصیت کو بلند ترین مقام پر پہنچانے میں مسجد کے میناروں کے علاوہ جس چیز کا نام لیا جاتا ہے وہ ہے کلاشنکوف لہٰذا جب لوگ انہیں ”علامہ کلاشنکوف“ کہتے ہیں تو اس کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے۔

کلاشنکوف امپورٹڈ اسلحہ ہے حالانکہ طاہرالقادری صاحب دیسی انسان ہیں اور تو اور وہ سیاست دان بھی دیسی ہیں لہٰذا وہ جب کلاشنکوف کے بل بوتے پر سیاست کرنے میں ناکام ہوئے تو یہ بات ثابت ہو گئی۔ البتہ وہ اپنی کلاشنکوفوں کے سہارے ٹریبونل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ٹریبونل تک پہنچنے سے پہلے علامہ طاہرالقادری بولا کرتے تھے‘ پھر ان کے دوست بولنے لگے۔ اس تحقیقاتی ٹریبونل کے سامنے ملک فیض الحسن نے رازوں پر سے پردہ اٹھانے کے لیے منہ کھولا جو علامہ طاہرالقادری پر فائرنگ کے الزام کی تحقیقات کے لیے بنایا گیا تھا۔ انہوں نے کہا ”یہ شخص احسان فراموش‘ ناشکرا‘ خود

غرض' جھوٹا' دولت کا پجاری' خود پرست' شہرت کا بھوکا اور مذہب سے اس کی محبت محض ڈھونگ ہے۔ ہم نے یہ سنا تو کانوں کو ہاتھ لگایا۔ معزز جج صاحب نے سنا تو وہ فائرنگ کی تہہ تک پہنچ گئے اور پھر فیصلہ فائرنگ کا کیس جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔

علامہ طاہر القادری علامہ بننے سے قبل وکیل تھے مگر وہ جب فائرنگ کیس میں جھوٹ کو ثابت نہ کر سکے تو ہمیں ان کی وکالت مشکوک دکھائی دی۔ اس کے بعد تو ہمیں ان سے منسوب ہر بات مشکوک لگنے لگی۔ علامہ طاہر القادری کی لوگ بڑی عزت کرتے ہیں۔ لوگ جس چیز کی بڑی قدر کرتے ہیں اسے "طاق" میں سنبھال کر رکھتے ہیں۔ بحیثیت سیاست دان ووٹروں نے بھی ان کی بڑی قدر کی کیونکہ انہوں نے الیکشن 1990ء کے دوران علامہ طاہر القادری کی طرف سے نامزد قومی وصوبائی اسمبلی کے امیدواروں کو "طاق نسیاں" کی زینت بنایا۔ وہ بڑے شریف انسان ہیں کیونکہ وہ جو کچھ بھی ہیں شریف خاندان ہی کی بدولت ہیں۔ ان کے ماضی میں سے اگر شریف خاندان کو نکال دیا جائے تو پیچھے "احسان قادری" بچے گا حالانکہ لوگ اسے احسان فراموش کہتے ہیں۔ ہماری معلومات کے مطابق وہ احسانات بیچنے کے معاملے میں بڑے ماہر ہیں کیونکہ وہ اس کام کے لیے بڑی اونچی منڈی کا انتخاب کرتے ہیں کیونکہ یہ کام انہوں نے ٹی وی کے ذریعے کیا اور پھر احسانات کو فروخت کرنے کے عوض سابق وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو سے خوب مال بھی کمایا۔ علامہ طاہر القادری صاحب بڑے ماہر شخص ہیں کیونکہ وہ دولت ماہرانہ طریقے سے بناتے ہیں۔ ان کی سابقہ اور موجودہ حیثیت کو دیکھ کر یہ بات درست بھی معلوم ہوتی ہے۔

علامہ طاہر القادری پر کئی الزامات لگائے جاتے ہیں۔ ہمارا بھی کہنا یہی ہے کہ ان کا چہرہ ایک ہے البتہ اس پر الزامات کئی ہیں۔ مثلاً علامہ' ڈاکٹر' پروفیسر' قائد انقلاب وغیرہ وغیرہ۔ یہ انوکھے قائد انقلاب ہیں کیونکہ انقلاب لائے بغیر قائد انقلاب ہیں۔ پروفیسر بھی ہیں کیونکہ انہیں بشارتیں بہت ہوتی ہیں البتہ یہ ایسے پروفیسر ہیں کہ ان کا نام دیواروں پر لکھا نہیں جاتا۔ صرف تھانے میں لکھا جاتا ہے تھانے والوں کو لاہور کے کسی نوجوان کی بات جب سمجھ میں نہ آئے تو وہ اسے پروفیسر طاہر القادری لکھ دیتے ہیں۔ ہمیں بھی ان کی بات کبھی سمجھ نہیں آئی حالانکہ وہ پارلیمنٹ کو ڈاکوؤں' بے غیرتوں اور لٹیروں کا ڈیرہ کہتے ہیں کیونکہ وہ خود پارلیمنٹ پہنچنے کی کوشش کر چکے ہیں۔ ہمارا خیال ہے ان کی دولت کی ہوس بدستور موجود ہے کیونکہ اکثر ڈاکو ڈاکے دولت ہی کے حصول کے واسطے مارتے ہیں۔ علامہ طاہر القادری سیاست دان بھی ہیں یعنی وہ کسی بھی وقت پارلیمنٹ میں پہنچ سکتے ہیں یعنی اپنی دولت حاصل کرنے کی خواہش کی تکمیل پا سکتے ہیں کیونکہ وہ پارلیمنٹ کو ڈاکوؤں اور لٹیروں کا ڈیرہ کہتے ہیں۔ فی الحال انگور کھٹے

ہیں۔

علامہ طاہر القادری کو بھارت جانا بھی پسند ہے کیونکہ وہ اپنی بیوی کا علاج بھارت سے کرواتے ہیں۔ دوسروں کے خرچ پر انہیں سیر سپاٹوں کا بھی شوق ہے کیونکہ وہ میاں نواز شریف کے خرچ پر سیر سپاٹے کرتے رہے ہیں' اور تو اور وہ میاں شریف کی کاروں کو بھی اس مقصد کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔ کاروں میں پھرنا اور کاریں حاصل کرنا انہیں پسند ہے۔ اپنی اس پسند کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اپنے بیٹے کا عقیقہ کیا اور پھر میاں شریف سے نئے ماڈل کی ٹیوٹا کار تحفہ میں حاصل کی۔ اپنی مدد آپ کے علاوہ انہیں دوسروں سے اپنی مدد کروانی بھی پسند ہے۔ اس کام کے لیے انہوں نے ملک فیض الحسن اور میاں شریف سے بھرپور استفادہ فرمایا حتیٰ کہ انہوں نے میاں شریف کی مدد سے گھر بھی خریدا۔ میاں محمد نواز شریف جن دنوں پنجاب کے وزیراعلیٰ تھے انہوں نے علامہ طاہر القادری صاحب کی دل کھول کر مدد کی' یہاں تک کہ انہیں 162 کنال زمین ماڈل ٹاؤن کی توسیع سکیم میں رعایتی قیمت پر بانٹ دی۔ میاں محمد نواز شریف تو ویسے بھی بڑے سخی دل واقع ہوئے ہیں کیونکہ وہ جب پنجاب کے وزیراعلیٰ تھے تو پلاٹ بانٹتے رہے۔ وزیراعظم بنے تو پیلی ٹیکسیاں بانٹنے لگے' دوسری بار وزیراعظم بنے تو سونا بانٹنے میں مصروف ہو گئے یعنی گولڈن شیک ہینڈ سکیم کا اعلان کر دیا۔

علامہ صاحب ہر کام بڑی تیزی سے کرتے ہیں لہٰذا جب لوگ انہیں "علامہ فی الفور" کہتے ہیں تو ہمیں حیرت بالکل نہیں ہوتی' وہ بڑی تیزی سے منصوبہ بناتے ہیں۔ البتہ تیزی میں وہ منصوبے پر عمل کرنا بھول جاتے ہیں۔ وہ ہر کام کرنے میں ماہر ہیں حتیٰ کہ خودکشی بھی۔ بطور سیاست دان 1990ء کے الیکشن میں انہوں نے یہی کام کیا تھا۔ وہ جو بھی کام کرنا چاہتے ہیں بلا خوف کر گزرتے ہیں اس کی خامیوں اور خوبیوں پر البتہ بعد میں سوچتے ہیں اور پھر سوچتے ہی چلے جاتے ہیں کیونکہ خوبیاں کم اور خامیاں زیادہ انہیں نظر آنی شروع ہو جاتی ہیں۔ قادری صاحب کو خوابوں میں اکثر بشارتیں ہوتی ہیں ایک بشارت ان کو یہ بھی ہوئی کہ تمہاری عمر 66 سال ہوگی مگر انہوں نے 66 سال کی بجائے 63 سال کی عمر مانگی کیونکہ وہ عمر کے معاملے میں بھی سنت نبوی پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ البتہ ہمیں حیرت ہوتی ہے اپنے ان کے ساتھ حفاظتی دستہ دیکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہیں معلوم ہے کہ ان کی عمر 63 سال ہوگی تو پھر حفاظتی دستہ رکھنا چہ معانی دارد! غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ گولی کو ان کی بشارت کا علم نہیں۔

بڑے قد آور سیاست دان ہیں کیونکہ ان کا قد بہت زیادہ لمبا ہے۔ ان کا پسندیدہ رنگ سفید ہے کیونکہ ان کی ذاتی رنگت سفید ہے۔ تقریر میٹھی کرتے ہیں' ان کی پاپولیرٹی میں ان کی خوش الحانی کو بڑا دخل ہے حالانکہ کچھ لوگ اس کی وجہ میاں شریف خاندان سے دوستی اور ٹیلی ویژن سکرین بتاتے ہیں۔ ہر

کام جو انہوں نے کرنا ہوتا ہے' کو حفظ کر لیتے ہیں حتیٰ کہ تحقیقاتی ٹریبونل کے معزز جج صاحب کے الفاظ انہیں بلیک میلنگ کے تمام طریقے بھی ازبر ہیں۔ بلیک میلنگ کے علاوہ وہ پڑھنے لکھنے کا کام بھی کرتے ہیں کیونکہ وہ لاء گریجویٹ بھی ہیں اور ایم۔اے اسلامیات بھی ہیں۔ ہم البتہ ان کی شہرت اور سیاست کو دیکھ کر صرف یہ کہیں گے: وہ آئے' وہ چھائے اور پھر انہوں نے اسے ہضم نہ کیا بلکہ خودکشی کرلی۔ ان کے بارے میں عام لوگوں کا بھی یہی کہنا ہے۔ 1990ء کے الیکشن کے انتخابی نتائج کے بعد ہم نے ہر خاص و عام کو یہی لفظ علامہ طاہر القادری کے بارے بولتے دیکھا۔ وہ لوگ جو خاموش تھے ان کی خاموشی کی وجہ حیرانی تھی۔ ہم بھی علامہ طاہر القادری کی سابقہ اور موجودہ حیثیت کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔

(نمک تارے از ڈاکٹر اختر نواز خان)



ادارہ منہاج القرآن کے سنگ بنیاد کے موقع پر ایک یادگار تصویر
عقب میں جناب میاں نواز شریف بھی نظر آ رہے ہیں

جناب طاہر القادری

امام انقلاب یا نیا بخاری

تنویر قیصر شاہد

"وہ پاکستان عوامی تحریک" جس نے گذشتہ سال اسی مہینے کی پچیس تاریخ کو ادارہ منہاج القرآن کے بطن سے جنم لیا تھا' ایک سال کی ہوگئی ہے۔ پروفیسر طاہر القادری صاحب جو سیاسی جماعت کی تشکیل سے پہلے کئی سال سیاست کے خارزار میں اترنے سے اجتناب کرتے رہے' اب سیاست کے میدان میں ہیں۔ ایک سال قبل انہوں نے اپنے تیئیس ساتھیوں کی معیت میں خاص اسی نیت سے بغداد اور مدینہ طیبہ میں حاضری دی اور واپسی پر قوم کو یہ خوش خبری سنائی کہ حضور ﷺ نے حکم دیا ہے کہ اب ہر اندیشے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سیاست میں پوری قوت سے حصہ لینا شروع کردو تاکہ وطن عزیز اور ملت اسلامیہ کے وہ عناصر جو اسلام اور نظام اسلام کی تنفیذ کی راہ میں روڑہ بنے ہوئے ہیں اور بنے رہتے ہیں' ان کا خاطر خواہ علاج کیا جاسکے۔ ملت اسلامیہ کی بگڑی بنانے کا فریضہ' بقول طاہر القادری صاحب' انہیں تیرہ سال ہی کی عمر میں حضور ﷺ نے تفویض کردیا تھا جب وہ اپنے والد صاحب قبلہ کے ہمراہ حج کرتے ہوئے مدینہ مکرمہ میں نبی پاک ﷺ کے روضہ مبارک پر حاضر ہوئے تھے۔

جناب طاہر القادری صاحب نے زیڈ اے بھٹو کے عروج میں کالج کے استاد کی حیثیت سے عملی زندگی کا آغاز کیا تھا' بہت جلد اپنے اردگرد اپنے چاہنے والوں کا ایک حلقہ بنالیا۔ چھ ماہ اپنے آبائی

وطن جھنگ اور کچھ عرصہ عیسیٰ خیل میں وہ تعلیمی اداروں سے وابستہ رہے لیکن جلد ہی بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر انہیں اس کوچے سے نکلنا پڑا۔ انہوں نے ایک وکیل کی حیثیت سے جھنگ ہی میں وکالت کا آغاز کیا لیکن ان کی وکالت ویسی ہی چلی جیسی چلنی چاہیے تھی۔ اس دوران انہوں نے ایک نیم سیاسی تنظیم "محاذ حریت" کے نام سے تشکیل دی جس میں جھنگ کے چند تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اکٹھا کیا گیا' لیکن پھر "محاذ حریت" نے اپنے لیڈر ہی کے خلاف محاذ بنا لیا تو انہوں نے اس تنظیم کو توڑنے اور مستقل طور پر لاہور منتقل ہونے کو مناسب خیال کیا۔ لاہور جہاں انہوں نے چند برس پہلے ہی ایم اے اسلامیات اور قانون کی تعلیم حاصل کی تھی اور جہاں یونیورسٹی کی زندگی میں انہوں نے موجودہ انجمن طلباء اسلام کے پلیٹ فارم پر اپنے آپ کو منوایا تھا' انجمن کے پرانے ساتھیوں کی بھرپور مدد سے وہ لاہور میں قدم بڑھانے لگے۔

شادمان (لاہور) کی ایک خوب صورت مسجد سے درس تصوف کا آغاز کیا تو نصرت خداوندی کا دائرہ پھیلتا گیا۔ ان کے دروس قرآنی کا سلسلہ بھی پاکستان کے ہر بڑے شہر کی علمی زندگی کا ایک خوشگوار حصہ سمجھا جانے لگا۔ اللہ اور اس کے رسول کے کرم اور پیر و مرشد جناب سید طاہر علاؤ الدین القادری الگیلانی (جیسا کہ طاہر القادری صاحب اکثر کہتے ہیں) کی وساطت سے انہیں بعض ایسے مخیر دوست بھی مل گئے' جو بعد ازاں ادارہ منہاج القرآن کے عظیم الشان منصوبے کی تاسیس کا موجب بنے۔ ان میں میاں محمد شریف سرفہرست سمجھے جاتے ہیں۔ طاہر القادری صاحب اس کا انکار کرتے ہیں اور میاں صاحب بھی ہنس کر ٹال جاتے ہیں۔

1987ء کے آخری عشرے میں لندن میں ویمبلے کانفرنس کا انعقاد ان کی سرپرستی میں ہوا۔ اس کی کامیابی دیکھ کر انہوں نے سیاست کے ایوانوں میں داخل ہو کر "عوام کا خون نچوڑنے والے غاصب سیاست دانوں" کا قلع قمع کرنے کی ٹھانی۔ انہوں نے سمجھا کہ اب "عملی اقدام" کا مرحلہ آ گیا ہے۔ چاہنے والوں بلکہ جانیں قربان کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد وہ پیدا کر چکے تھے۔ جامعہ منہاج القرآن میں زیر تعلیم طلباء کی تعداد اس کے علاوہ تھی' چنانچہ باقاعدہ سیاست کاری کا آغاز 25 مئی 1989ء کو کر دیا گیا۔ بلاشبہ یہ تاسیسی اجلاس جسے انہوں نے "تاسیس مصطفوی انقلاب کانفرنس" کا نام دیا' ایک کامیاب جلسہ تھا۔ اس میں ہزاروں پر جوش سامعین ان کے لیے تالیاں بجا رہے تھے' ان کے نعرے لگا رہے تھے۔

"پاکستان عوامی تحریک" تو بنا دی گئی لیکن کوئی قد آور سیاسی اور علمی شخصیت اس میں شامل نہ ہوئی۔ پشاور سے ضیاء الحق مرحوم دور کے ایک سابق صوبائی وزیر ڈاکٹر رضا زکوڑی اور لاہور سے جناب

اختر رسول نے شرکت کا باقاعدہ اعلان کیا' مگر چند ہی روز بعد اختر رسول صاحب نے اپنے نئے رہنما کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ اس سے جہاں طاہر القادری صاحب کی جماعت میں مایوسی پھیلی' وہاں اس حلقے کو تنقید کا موقع مل گیا جو طاہر القادری کے عملی سیاست میں آنے کا مخالف تھا۔ اس میں شک نہیں کہ جناب طاہر القادری نے سیاست میں آنے کے بعد بریلوی مکتب فکر (جو ان کی اصل پشت پناہ ہے) کے ایک حصے کی ہمدردیاں اور محبتیں کھو دی ہیں۔ اس میں وہ حلقہ نمایاں طور پر شامل ہے جو ادارہ منہاج کے قیام کا موجب تھا اور جس نے دین کی خدمت اور طاہر القادری صاحب سے محبت کے جذبے سے مغلوب ہو کر لاکھوں روپیہ ان کے حضور پیش کر دیا تھا۔ "پاکستان عوامی تحریک" کے تاحیات چیئرمین جناب طاہر القادری نے اپنی سیاسی جماعت کو ملک بھر میں متعارف کروانے اور اس کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے اپنے پہلے پروگرام کے تحت پنجاب اور سرحد پر توجہ مرکوز کی۔ مذکورہ دونوں صوبوں کے بڑے بڑے شہروں ہی میں نہیں' دور افتادہ دیہات میں بھی تشریف لے گئے۔ ان کی کامیابی ان کی شخصیت اور ان کی تحریک کو متعارف کروانے اور متحرک کرنے کے لیے آڈیو اور وڈیو کیسٹوں کا کثرت سے استعمال کرتے تھے' اب بھی کرتے ہیں۔ لوگوں نے کچھ اپنی جیب سے اور کچھ ادارہ منہاج القرآن کی مدد سے ٹیپ ریکارڈر اور وی سی آر خریدے کہ تقریریں سنا اور فلمیں دکھا کر کام آگے بڑھایا جائے۔ طاہر القادری صاحب کو ہر جگہ خود ہی جانا پڑ رہا تھا کہ ان کے علاوہ تحریک میں کوئی ایسی شخصیت تھی ہی نہیں جو عوام پر ایک تاثر قائم کر سکے اور جسے عوام کا کوئی حصہ پہلے سے جانتا ہو۔ ان طوفانی دوروں' جن پر لاکھوں روپیہ خرچ آ رہا تھا' کے باوجود "پاکستان عوامی تحریک" میں کسی ایک بھی نمایاں شخصیت کو شامل نہ کیا جا سکا۔ پنجاب اور صوبہ سرحد کی سیاست میں حصہ لینے والے مقتدر سیاست دان تو رہے ایک طرف کہ ان کی کچھ مجبوریاں ہوں گی' وہ سیاست دان جنہیں نومبر 1988ء کے انتخابات میں عوام نے رد کر دیا تھا' ان میں سے بھی کسی ایک فرد کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیابی نہ ہو سکی۔

کہا جاتا ہے طاہر القادری صاحب جنہیں اصرار ہے کہ انہیں قائد انقلاب تسلیم کر لیا جائے' کو اپنی توقعات کے عین مطابق کامیابیاں نہ مل سکیں' وہ رسپانس نہ ملا' جس کی امید میں انہوں نے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ "پاکستان عوامی تحریک" نے اگرچہ پاکستانی سیاسی زندگی میں ایک جگہ تو بنائی' لیکن توقعات کے مطابق نہ پھیل سکی۔ ان کے جلسے اور جلوس کئی حریف جماعتوں کے جلسوں اور جلوسوں سے کہیں بڑے ہوتے ہیں' لیکن کامیابی کا وہ پھریرا نہ لہرایا جا سکا جس کی امید میں وہ مسجد کے منبر و محراب کی ٹھنڈی چھاؤں سے نکل کر سیاست کی تپتی دھوپ میں نکلے تھے۔

آج بھی کٹر بریلویوں کی مجالس میں یہ بات بڑے تاسف اور حسرت سے کہی جاتی ہے کہ

قدرت نے مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے بعد ایک باصلاحیت شخص سے نوازا تھا' لیکن اس شخص (طاہر القادری) نے سیاست میں کود کر امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ برس پہلے مولانا احمد رضا خان بریلوی کے پوتے بریلی (بھارت) سے پاکستان تشریف لائے تو انہوں نے طاہر القادری صاحب کو بریلویت سے خارج کرنے کا فتویٰ جاری کر دیا۔ بہت سے لوگوں کو یہ بھی افسوس اور رنج ہے کہ اب وہ طاہر القادری کے دروس قرآن سے محروم ہو چکے ہیں کہ سیاسی مصروفیات سے طاہر القادری صاحب کو اپنے دروس قرآنی و حدیث شریف کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا ہے۔

مولانا عبدالستار خان نیازی نے ایک ملاقات میں راقم الحروف کو بتایا: ''جب طاہر القادری صاحب ''پاکستان عوامی تحریک'' کو منظر عام پر لانے کے لیے پر تول رہے تھے' میں خود چل کر ان کے عالی شان بنگلے پر حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ سیاست کا دھندا بڑا عجیب و غریب ہے' اس میں چھلانگ نہ مارو' اگر کچھ سیاست کرنے کا واقعی شوق ہے تو جمعیت العلمائے پاکستان میں آ جاؤ' یہاں اپنی شان کے مطابق مرتبہ پاؤ گے مگر طاہر القادری صاحب اپنی ضد پر اڑے رہے اور میں آخری بار ان سے مصافحہ کر کے اور ان کے بیٹوں کو پیار کر کے واپس آ گیا۔'' یاد رہے طاہر القادری صاحب کے بچے مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب سے بڑے مانوس تھے اور انہیں پیار سے دادا ابو کہتے تھے۔ ایک اور ملاقات میں نیازی صاحب نے مجھے بتایا: ''ان (طاہر القادری صاحب) کی یہ ضد کہ میں ہر صورت میں نئی سیاست جماعت بناؤں گا اور یہ کہ کسی دوسری سیاسی جماعت کا پلیٹ فارم استعمال نہیں کروں گا دراصل ان کے مرشد کی پڑھائی گئی پٹی کا نتیجہ تھی۔'' اس بات کی تصدیق بعد ازاں طاہر القادری صاحب کے ایک نہایت قریبی ساتھی نے بھی کی کہ حضور پیر صاحب (سیّد طاہر علاؤ الدین) کا ارشاد تھا کہ سیاسی جماعت چاہے نئی بناؤ' خواہ کسی دوسری میں شامل ہو جاؤ' لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ جماعت کی سربراہی کا تاج تمہارے سر سجے۔

حالات کی سختی اور راہ کی رکاوٹوں کی کبھی نہ پرواہ کرنے والے طاہر القادری صاحب نے اپنی گرتی ہوئی سیاسی ساکھ کی بحالی اور ''پاکستان عوامی تحریک'' کی شکستہ عمارت کے سہارے کے لیے بالآخر سیکولرازم کا نعرہ لگانے والی ''تحریک استقلال'' اور اہل تشیع کی ''تحریک نفاذ فقہ جعفریہ'' سے اتحاد کرنے کی ترکیب سوچی۔ تحریکوں کے اس اتحاد ثلاثہ سے تیسری قوت بننے کا بھی ایک ''روشن امکان'' تھا۔ بقول محترمہ مہناز رفیع' علامہ طاہر القادری صاحب نے خود ہمارے ساتھ شریک سفر ہو کر سیاسی انقلاب لانے کا پروگرام بنایا۔ انہوں نے اس کے لیے اہل تشیع کو بھی ساتھ ملانے کا مشورہ دیا جو ہمارے لیے کسی طرح بھی ناقابل قبول نہ تھا۔ جن دنوں اس تثلیث کے یک جا ہونے کا پروگرام بن رہا تھا' ایک روز خوشی

کے عالم میں بے اختیار طاہر القادری صاحب نے راقم سے فرمایا کہ ایک بہت بڑی خوشخبری عنقریب سننے کو ملے گی۔ میں بڑا متجسس تھا کہ کون سی خوشخبری ہو سکتی ہے۔ ایک روز جبکہ سننے والوں کا شوق بولنے والے کی زبان کو تیز کر رہا تھا' انہوں نے بتا ہی دیا کہ وہ کون سی خوشخبری ہے۔ اصغر خان جو اتحاد بنانے اور بعد ازاں ان سے علاقہ توڑنے کا پس منظر رکھتے ہیں' پر مجلس میں بیٹھے ایک شخص کا تلخ تبصرہ قادری صاحب کو سخت ناگوار گزرا۔ فضا کشیدہ ہونے لگی تو مجلس کو برخاست کر دیا گیا۔

تینوں تحریکوں کے اتحاد' جسے طاہر القادری صاحب اشتراک کا نام دیتے ہیں' کا جس روز آواری ہوٹل لاہور میں اعلان کیا گیا' قادری صاحب بڑے پرامید' پرجوش نظر آ رہے تھے' اس اعلان کے دوران میں اصغر خان صاحب نے سیکولرازم کا انکار کیا اور ساجد نقوی صاحب نے ان باتوں کی تردید کی جن کے بارے میں سنیوں کے دلوں میں بعض شکوک جڑ پکڑ چکے ہیں۔ رات نو بجے کے ٹی وی خبرنامے میں اس اتحاد ثلاثہ کی ساڑھے چار منٹ تک فلم دکھائی جاتی رہیں جناب اقبال محمود اعوان (صدر پنجاب پاکستان عوامی تحریک) کے گھر میں طاہر القادری صاحب ان کے ساتھ بیٹھے ٹی وی سکرین کو سانس تھامے دیکھ رہے تھے۔ خبرنامے کے اختتام پر قادری صاحب نے خوشی سے دمکتے چہرے کے ساتھ ارشاد فرمایا: ''انقلاب یوں آیا کرتے ہیں۔''

''تحریک استقلال'' کے ساتھ ان کے اتحاد کا تو کسی نے خاص نوٹس نہ لیا لیکن ''تحریک نفاذ فقہ جعفریہ'' کے ساتھ مل جانے پر سنیوں (بالخصوص بریلویوں) کے اچھے خاصے حصے نے ان کو تنقید کی باڑھ پر رکھ لیا۔ اب جناب طاہر القادری کے لیے ایک نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا کہ انہیں ہر جلسے اور ملاقات میں اہل تشیع کے سیاسی مقاصد کے ساتھ اتحاد کی تشریح و توضیح کرنا پڑتی تھی ------- بیشتر گروہوں کو اطمینان نہ دلایا جا سکا حالانکہ طاہر القادری صاحب کا یہ کہنا دلوں کو بھی لگتا تھا کہ اتحاد امت کے لیے ایسے اتحاد ناگزیر ہیں۔ اس ''انقلاب'' میں اس وقت اور دراڑ پڑ گئی جب کوئٹہ میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے اصغر خان نے اس کی تردید کر دی۔ اب ''پاکستان عوامی تحریک'' اور ''تحریک نفاذ فقہ جعفریہ'' باہنوں میں باہنیں ڈالے شاہراہ انقلاب پر گامزن ہیں۔

طاہر القادری صاحب ایک زیریں متوسط گھرانے کے چشم و چراغ ہیں' جنہوں نے بڑی پامردی سے حالات کی سنگینی کا مقابلہ کیا' سخت مالی مشکلات کے باوجود اعلیٰ تعلیم حاصل کی' دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم سے بھی اپنے دامن کو مالا مال کیا' جو ناکامیوں کے گرداب میں پھنس نہ گئے اور مسلسل آگے بڑھے' غم ہائے روزگار کی پروا کیے بغیر' گردش ایام کا مقابلہ کرتے ہوئے آج وہ مقام حاصل کر چکے ہیں جس کو سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہونے والے بھی حاصل نہیں کر پاتے۔ تدریس سے

وکالت' وکالت سے درس تصوف اور درس تصوف سے ادارہ منہاج القرآن کے قیام اور منہاج القرآن سے "پاکستان عوامی تحریک" کے آغاز تک جہد مسلسل کی ایک طویل کہانی ہے۔ وہ ایک بڑے عالم اور مقرر ہیں' لیکن ایک بڑا سیاست دان بننے کی آرزو بھی رکھتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں' ان سے محبت کرنے والوں کی تعداد کو گننا محال ہے لیکن ووٹ دینے والوں کی تعداد کو بآسانی شمار کیا جاسکتا ہے۔ طاہر القادری صاحب جنہیں سروری کے شوق نے اس مقام تک پہنچایا ہے' ممکن ہے وہ مقام بھی حاصل کرلیں جو ان کی آرزو ہے۔ بلاشبہ ادارہ منہاج القرآن طاہر القادری صاحب کے عزم کی تفسیر ہے۔ ہوسکتا ہے وہ اپنے تفسیر عزم کی دوسری "جلد" بھی جلد ہی لوگوں کے سامنے پیش کردیں کہ مدتوں پہلے انہوں نے راقم سے فرمایا تھا:

"میرے اندر یہ سب تبدیلی' محنت اور مجاہدے کی یہ بے پناہ صلاحیت' اس ایک لمحے کی عنایت ہے جو لمحہ روضہ رسول ﷺ پر تیرہ برس کی عمر میں مجھ پر جلوۂ رسول ﷺ کی صورت میں وارد ہوا تھا۔ یہ سب میرے خدا کی عنایت اور میرے رسول ﷺ کا احسان ہے کہ مجھے اس لازوال لمحے سے نوازا گیا جس نے میرے سفر زندگی کو وہ جہت عطا کی' مجھے وہ راستہ دکھایا جس راستے پر میرے کمزور ہاتھوں میں نصرت خداوندی کا پرچم ہے اور اسلام کی حقانیت اور اس کے انقلابی پروگرام کو دنیا بھر میں پھیلانے' اسے سیاسی طور پر ہر نظام دنیا پر غالب کرنے کا بار گراں' میرے ناتواں کندھوں کا اعزاز ہے۔"

لیکن کئی کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ عوام ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو اس سے پہلے ایک معرکۃ الآراء خطیب اور مقرر سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھ کرچکے ہیں کہ تقریریں ان کی سنتے رہے اور ووٹ مسلم لیگ کو دیئے۔

طاہر القادری صاحب لاکھ پروفیسر' ڈاکٹر کہلائیں' علامہ بن جائیں' فرقہ واریت سے دوری کا احساس دلائیں' لیکن ہیں تو بریلوی مکتب فکر کے عالم اور بریلوی حضرات' بریلویت کی بنیاد پر ووٹ دینے کے قائل نہیں ہیں' وہ صلوٰۃ وسلام تو حضرت کے ساتھ پڑھتے رہیں گے لیکن ووٹ میاں نواز شریف کو دے آئیں گے کہ ان کی بریلویت بھی سکہ بند ہے اور وہ مولوی بھی نہیں ہیں۔ ممکن ہے ایسا نہ ہو' ممکن ہے ایسا ہو جائے------ آیئے انتظار کریں۔

(ہفت روزہ زندگی 25 تا 31 مئی 1990ء)

اتفاق رائے کا قادری نسخہ

مجیب الرحمان شامی

کل جماعتی کشمیر کانفرنس میں بڑی دھواں دھار تقریریں ہوئیں' مقررین نے کھل کر اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کیا۔ طرح طرح کے نکتے تو پیدا کیے' ایک دوسرے کو بے نقط نہ سنائیں۔ بھارتی مظالم کو نشانہ بنایا' اور امریکہ کا کردار زیر بحث لایا' اقوام متحدہ کو آڑے ہاتھوں لیا' لیکن پاکستانی سیاست کو موضوع گفتگو نہ بنایا۔ کسی نے کوئی بات کی بھی تو الفاظ کے چناؤ میں احتیاط نمایاں تھی۔ رک رک کر اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کسی نہ کسی مخالف پر کسی نہ کسی نے چھینٹا تو اڑا دیا' لیکن اس کے پرخچے اڑانے کی کوشش نہ کی------ حضرت مولانا کوثر نیازی نے البتہ پاکستان میں قومی حکومت قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ جب مقررین نے کشمیر کے بارے میں کل جماعتی کونسل قائم کرنے پر زور دیا ہے اور میاں اعجاز الحق نے تو کئی دوسرے معاملات میں بھی مشترکہ اقدامات کی ضرورت کا احساس دلایا ہے تو پھر حکومت کس مرض کی دوا ہے------ یاد رہے اعجاز الحق کو "میاں" کہہ کر ان ہی نے پکارا' یہ الگ بات ہے کہ ان کو "میاں" بنانے کی ضرورت کسے اور کب لاحق ہوتی ہے؟------ بہرحال' مولانا کا خیال تھا کہ اگر مشترکہ اقدامات ہی کرنے ہیں تو پھر مشترکہ حکومت کیوں نہ قائم کرلی جائے۔ گویا حکومت کی شان یہ ہونی چاہیے کہ نہ کسی سے آواز ملائے نہ کسی کے ساتھ قدم اٹھائے' اپنے آپ کو منوانے کے کام میں جتلا رہے اور اپنا آپ دکھاتی رہے۔ اگر کسی کے ساتھ مل کر چلنا ہے تو پہلے اسے حکومت میں ملایا جائے۔ مولانا کے اس اصول کا ایک نتیجہ تو قوم کے سامنے اس وقت آ گیا تھا' جب بھٹو مرحوم کی حکومت بن رہی تھی۔

قومی حکومت کے اس مطالبے کو اقبال احمد خان نے ایک ہی چٹکی میں اڑا دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان کے مسائل دستور سے روگردانی کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں' اب بھی اگر دستور کو پس پشت ڈالنے کی کوشش کی گئی تو معاملات کو سلجھایا نہ جا سکے گا۔ کاروبار حکومت دستور کے مطابق چلنا چاہیے------ظاہر ہے دستور نے انتخاب جیتنے والوں کو حکومت بنانے کا حق دیا ہے۔ مولانا چاہیں تو یہ نکتہ اعتراض اٹھا سکتے ہیں کہ انہوں نے تو انتخاب میں حصہ نہیں لیا تھا' اس لیے ان کے معاملے میں خصوصی غور ہونا چاہیے------اس اعتراض کو یہ اعتراض کر کے رد کیا جا سکتا ہے کہ اگلے انتخاب تک انتظار فرمایئے۔ لیکن معترضین کا کیا ہے وہ تو ہر اعتراض پر اعتراض کر سکتے ہیں' اور کرتے رہتے ہیں------مولانا کو دل کھٹا نہیں کرنا چاہیے' ویسے بھی اپنے دہی کو کون کھٹا کہتا ہے؟------کھٹے تو صرف انگور ہوتے ہیں' اور انگوروں کا ابھی موسم نہیں آیا۔

مولانا کوثر کے علاوہ کسی شخص نے قومی سیاست پر اپنے نقطہ نظر کا اظہار نہ کیا۔ پروفیسر طاہر القادری نے البتہ انفرادیت یوں دکھائی کہ پاکستان اور آزاد کشمیر میں ''کشمیر بنے گا پاکستان'' اور ''کشمیر بنے گا خودمختار'' جیسے نعروں پر پابندی لگا دی جائے۔ ان کا ارشاد تھا کہ ان نعروں سے اختلاف پیدا ہو رہا ہے' اس لیے ان کو ترک کر دیا جائے۔ صرف حق خودارادیت پر زور دیا جائے۔ کشمیریوں کو اپنی قسمت کا فیصلہ آپ کرنے کا حق ملنا چاہیے' اور اس کے لیے لڑنا چاہیے------یہ فیصلہ کیا ہو گا' یا کیا ہونا چاہیے' اس پر کوئی بات منہ سے نکالنا قبل از وقت ہے۔

پروفیسر صاحب کی اس منطق کو سردار سکندر حیات نے بڑی شدت سے رد کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ کشمیر کی آزادی ہمارے لیے عقیدے کی لڑائی ہے۔ کشمیر کا کوئی مستقبل پاکستان کے علاوہ نہیں ہے۔ خودمختار کشمیر کے نعرے لگانے والے آج تک آزاد کشمیر کے کسی انتخاب میں ایک نشست بھی نہیں جیت سکے۔ ان کو اپنی مقبولیت کا زعم ہے تو آزاد کشمیر میں آ کر ہمارا مقابلہ کریں------کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کیا جانا چاہیے۔ ان کی رو سے اہل کشمیر کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ پاکستان میں شامل ہوں گے یا بھارت کا حصہ رہیں گے۔ اس کے علاوہ نہ تو کوئی بات قبول ہے' نہ کسی اور بات پر غور کیا جا سکتا ہے۔

پروفیسر طاہر القادری کی تقریر پر حاضرین میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ سردار سکندر حیات کی گفتگو نے دلوں میں اطمینان کی روشنی بھر دی------انہوں نے یاد دلایا کہ قائداعظمؒ کے الفاظ میں کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ ظاہر ہے جس شخص کی رگوں میں پاکستان کا خون دوڑ رہا ہے' وہ کشمیر کو پاکستان سے الگ کرنے کا سوچ نہیں سکتا۔ اگر اتفاق رائے پیدا کرنے کے قادری نسخے پر عمل کیا جائے

تو پھر کسی بھی نعرے کو کسی بھی جگہ بلند نہیں کیا جا سکے گا۔ ہر نعرے کے ساتھ اختلاف کرنے والے موجود ہوں گے۔ پروفیسر قادری جو انقلاب لانا چاہتے ہیں' اس کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو خوش کرنے کے لیے کیا وہ اپنے نعرے سے دستبردار ہو جائیں گے؟ کیا ملیریا کے خلاف مہم اس لیے بند کر دی جائے کہ مچھر پریشان ہوتے ہیں' ان کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

(روزنامہ جنگ لاہور 11 فروری 1993ء)

❁❁❁❁❁



اداکار ندیم کی پاکستان عوامی تحریک میں شمولیت کے موقع پر
جناب طاہر القادری پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے ہیں

......ورنہ ہنسنے کو کس کا جی نہیں چاہتا؟

عطاالحق قاسمی

میں اپنے کالم میں قارئین کے خط درج کرتے ہوئے بہت ڈرتا ہوں کیونکہ اس کے بعد ایسے خطوط کی لائن لگ جاتی ہے جو محض کالم میں اشاعت کی نیت سے لکھے گئے ہوتے ہیں۔ ان خطوط میں سے دو قسم کے خط میں اپنے کالم میں شائع نہیں کرتا۔ ایک وہ جن میں کوئی کام کی بات نہیں ہوتی اور دوسرے وہ جن میں کوئی کام کی بات ہوتی ہے۔ کام کی بات والے خط میں اس لیے شامل کالم نہیں کرتا کہ کہیں مجید نظامی صاحب میری جگہ مکتوب نگار کو کالم نگاری کی ذمہ داری نہ سونپ دیں۔ تفنن برطرف' کالم میں خطوں سے گریز کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ سلسلہ دراز ہونے کی صورت میں کالم نگار کو ہڈحرامی کی عادت پڑ جاتی ہے۔ کالم میں صرف وہی خط شامل ہونا چاہیے جسے پڑھنے کے بعد کالم نگار خود بھی بہت کچھ کہنا چاہے یا کوئی ایسا خط جو اچھے پیرائے میں لکھا گیا ہو اور بہت سے دلوں کی ترجمانی کرتا ہو' بصورت دیگر کالم نگاری خانہ پُری ہو کر رہ جاتی ہے اور اس سے گریز کرنا چاہیے کہ اکثر صورتوں میں تو انسانوں کو صرف خدا کے سامنے جوابدہ ہونا پڑتا ہے جبکہ بیچارا کالم نگار تو اپنے قارئین کے سامنے بھی جوابدہ ہوتا ہے۔

یورپ سے واپسی کے بعد قارئین کی ڈاک دیکھی تو اس میں سے دو جولائی کا لکھا ہوا ایک خط موصول ہوا۔ میں چاہتا ہوں یہ خط آپ بھی پڑھ لیں' باقی باتیں ہم بعد میں کرتے ہیں:

خط درج ذیل ہے۔

محترم جناب قاسمی صاحب

اسلام علیکم------ دعا گو ہوں کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ آپ کو خوش و خرم رکھے (آمین) آپ کی

تحریروں کی پرانی قاری ہوں لیکن آج ایک تشنگی خط لکھنے پر مجبور کر رہی ہے۔ دراصل ''نوائے وقت'' میں آپ کے کالم ایک تو آج کل کم آ رہے ہیں اور دوسرے کافی سنجیدہ اور ٹھوس۔ اگرچہ جن موضوعات پر آپ لکھ رہے ہیں (آج کل) ان کی اہمیت اپنی جگہ اٹل ہے۔ لیکن ان تحریروں میں عرصے سے طنز و مزاح کی کمی ہے۔ کافی تشنگی ہوگئی ہے اس لیے پلیز کچھ ایسا لکھیے جو تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی ہمیں اس ٹینشن سے نجات دے جو ہر باشعور اور محب وطن پاکستانی پر ملکی حالات کی وجہ سے طاری ہے۔ یہ گلہ کرتے ہوئے مجھے خود بھی اچھا نہیں لگ رہا کیونکہ عالمی سطح پر بوسنیا اور کشمیر کے مسلمانوں کی حالت زار دل کو چین نہیں لینے دیتی' ملکی سطح پر جو کھیل جاری ہے اس کا انجام دل کو ڈرا رہا ہے۔ اس طرح کی دیگر پریشانیاں مجھ جیسی سطحی علم رکھنے والی لڑکی کے اعصاب کو چٹخا رہی ہیں تو آپ جیسے باعلم لوگوں کی کیا حالت ہوگی۔ لیکن میں یہ سوچ کر دل کو تسلی دیتی ہوں کہ آپ اس آگ میں جل کر کندن بن چکے ہیں اور شاید آپ کو ہر حال میں مسکرانا اور دوسروں کو ہنسانا آتا ہے۔ اس لیے پلیز اگر ہو سکے تو کوئی ہنستا مسکراتا کالم لکھ ڈالیے جیسے آپ نے تقریباً ایک سال پہلے ''ہنستا ہوا بوڑھا'' لکھا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں ان دنوں بہت زیادہ ڈی پریس تھی۔ (آج کل کی طرح) اور اس رات آپ کا کالم پڑھ کر مجھے بے ساختہ ہنسی آئی' مجھے لگا جیسے میں صدیوں بعد ہنسی ہوں۔ اس وقت میرے دل سے یہ دعا نکلی کہ ان چند لمحوں کی خوشی کے بدلے (جو آپ کا کالم پڑھ کر حاصل ہوئی) خدا آپ کو ڈھیروں خوشیاں دے۔ (آمین) اور میں نے سوچا کہ آج یقیناً آپ نے بہت سے دکھی دلوں کو ہنسی دی ہوگی اور دعائیں لی ہوں گی۔ امید ہے میرے اس ناپختہ خط اور بے وقت فرمائش پر غور فرمائیں گے۔

والسلام

خیر اندیش

صفیہ نواز - ڈیرہ غازی خاں

آپ کو اس خط میں بظاہر کوئی خاص بات نظر نہیں آئی ہوگی لیکن میرے نزدیک اس خط میں پوری قوم کی نفسیاتی صورت حال واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ قوم کو اس درجہ دکھی کرنے والے ہمارے ارباب سیاست میں جو ملک و قوم کی تقدیر سے کھیلتے ہوئے وہی خوشی محسوس کرتے ہیں جو خوشی انہیں اپنے پالتو جانوروں کے ساتھ کھیلتے ہوئے محسوس ہوتی ہے۔ وہ انتہائی المناک قومی سانحوں اور بحرانوں پر چٹکلوں اور لطیفوں کی صورت میں اظہار خیال کرتے ہیں اور پھر ان چٹکلوں کی پانچ پانچ کالم سرخیاں دیکھ کر یقین کر بیٹھتے ہیں اور صحیح یقین کر بیٹھتے ہیں کہ قوم انہیں مخولیا اور بے فکرا نہیں بلکہ عظیم رہنما تسلیم کرتی ہے۔ یہ دردناک مذاق اس قوم کے ساتھ ہو رہا ہے جس کے ہونٹ ایک عرصہ سے ایک پژمردہ سی ہنسی

کے لیے بھی ترسے ہوئے ہیں۔ خط میں جو فرمائش کی گئی ہے' وہ فرمائش مجھ سے بیسیوں دوست کر چکے ہیں اور میں نے ہر دفعہ ان سے اتفاق کیا ہے چنانچہ میں ہر دفعہ اس ارادے کے ساتھ کاغذ قلم تھامتا ہوں کہ اردگرد کے حالات کی کوئی تلخی اپنے کالم میں نہیں آنے دوں گا لیکن ہر دفعہ اپنی اس کوشش میں ناکام ہوتا ہوں۔ متذکرہ خط کو موضوع بناتے ہوئے میں نے بطور خاص ارادہ کیا تھا کہ سنجیدہ ہونے کی بجائے ایک ہلکا پھلکا سا کالم لکھوں لیکن میری یہ کوشش بھی ناکام ہوگئی۔ آئی ایم سوری!

ویسے ان ''اندھیروں'' میں ''روشنی'' کی ایک کرن بہرحال موجود ہے' ابھی الیکشن کی گہما گہمی کا آغاز ہوا ہے' اکتوبر سے دو تین ہفتے پہلے یہ رونق اپنے عروج پر پہنچ جائے گی' رنگ برنگے امیدوار اور بھانت بھانت کے بیانات سامنے آئیں گے اور یوں سخت ڈپریشن کے عالم میں بھی حظ اٹھانے کے امکانات خاصے روشن ہوں گے۔ ان دنوں کچھ کالم انتہائی سنجیدگی سے لکھے جارہے ہیں جو اپنی روح میں خاصے مزاحیہ ہوتے ہیں' ان کا مطالعہ بھی چہرے پر مسکراہٹیں بکھیر سکتا ہے۔ آسمان سے تارے توڑ کر لانے کے وعدوں پر مبنی بیانات بھی خاصے قہقہہ آور ہیں' ان سے بھی کام چلایا جاسکتا ہے مثلاً آج ہی کے اخبار میں علامہ' پروفیسر' ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب کا بیان شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے قوم کو انتخابات میں اپنی زبردست کامیابی کی نوید سنائی ہے۔ اس کے نتیجے میں جب ان کی حکومت بنے گی تو بقول ان کے وہ فوری طور پر یہ اقدامات کریں گے۔ شرح خواندگی سو فیصد تک بڑھادی جائے گی۔ تمام بے روزگاروں کو روزگار فراہم کیا جائے گا۔ جن لوگوں کو روزگار فراہم نہ ہوسکا' انہیں بے روزگاری الاؤنس دیا جائے گا۔ تمام ''غیر اخلاقی'' اور ''غیر شرعی جرائم'' کا خاتمہ کیا جائے گا (اخلاقی اور شرعی جرائم کی اجازت ہوگی؟) ملک کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں لایا جائے گا' زراعت' صنعت اور تجارت میں نئی ٹیکنالوجی متعارف کرائی جائے گی اور ملک کو سنی سٹیٹ قرار دیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ صرف تین برس پیشتر جو انتخابات ہوئے تھے' ان میں علامہ صاحب اور ان کے نامزد کردہ تمام امیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہوگئی تھیں۔ اس پس منظر میں یہ بیان پڑھا جائے تو ڈپریشن پاس بھی نہیں پھٹک سکتی' میں خود اپنا موڈ اس قسم کے بیانات سے ٹھیک کرتا ہوں۔ کالم میں میرا موڈ آف تو اس وقت ہوتا ہے جب میں محسوس کرتا ہوں کہ سیاسی مسخروں کی اچھل کود سے وقتی طور پر محظوظ ہونے کی بجائے سادہ لوح ناظرین دائمی مسکراہٹوں کے لیے ان کی طرف رجوع کرنے لگے ہیں۔ ان لمحوں میں میں اداس ہو جاتا ہوں اور اپنی اداسی میں اپنے قارئین کو بھی شریک کرنے لگتا ہوں ورنہ ہنسنے کو کس کا جی نہیں چاہتا؟

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 17 اگست 1993ء)

قائدِ انقلاب اور ایڈیٹرِ انقلاب

عطاء الحق قاسمی

موجودہ انتخابات میں عوام نے پیپلز پارٹی کا بوریا بستر جس طرح گول کیا ہے اس پر تبصرہ تو میں اپنے اگلے کالم میں کروں گا آج کا کالم میں نے صرف عوامی تحریک کے لیے وقف کیا ہے۔ دراصل الیکشن کے دنوں میں بھانت بھانت کے اشتہارات اخباروں میں شائع ہوتے رہے لیکن ایک اشتہار ایسا تھا جس نے ہر بار مجھے متاثر کیا اور یہ اشتہار مولانا طاہرالقادری کی طرف سے قومی اسمبلی کے نامزد امیدوار علامہ احمد علی قصوری کا تھا۔ اس اشتہار کی نمایاں چیز یہ شعر تھا جو اشتہار کی پیشانی پر درج ہوتا تھا:

اکو ای رولا پے گیا
قصوری سیٹ لے گیا''

یہ اشتہار پڑھ کر مجھے پیانو بجانے کے ماہر ماسٹر صادق یاد آجاتے تھے جو نابینا ہیں۔ ایک دن وہ گھر کے صحن میں کھانے کے لیے بیٹھے تھے' ان کی خادمہ نے چھابے میں روٹی لا کر ان کے سامنے رکھی اور خود باورچی خانے میں سالن گرم کرنے چلی گئی۔ جب اسے کچھ زیادہ دیر ہوگئی تو ماسٹر صادق نے اسے آواز دی اور کہا بیٹی اب سالن لے ہی آؤ کیا تم سالن اس وقت لاؤ گی جب کوا روٹی لے جائے گا۔ ''اکو ای رولا پے گیا قصوری سیٹ لے گیا'' پڑھ کر ایک تو یہی وسوسہ میرے ذہن میں آتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قصوری صاحب کا سالن گرم ہوتا رہ جائے اور ان کی روٹی کوا لے اڑے۔ یہ اشتہار پڑھ کر دوسرا خیال وسوسے کی صورت میں نہیں بلکہ خوشی کی صورت میں دل میں آتا تھا کہ قصوری صاحب عالم دین ہوتے ہوئے اتنے عوامی انداز میں اپنی انتخابی مہم چلارہے ہیں کہ اپنے لیے صیغہ واحد استعمال کرنے

لگے ہیں۔ چنانچہ قصوری سیٹ لے گیا کا انداز حاشا وکلا عامیانہ نہیں بلکہ اتنا عوامی تھا کہ واقعی وہ مولانا طاہر القادری کی عوامی تحریک کے پروردہ لگتے تھے۔ اور یوں میری یہ شدید خواہش تھی کہ وہ حلقہ 98 سے قومی اسمبلی کے امیدوار منتخب ہو جائیں تا کہ قومی اسمبلی کا کوئی ایک رکن تو ایسا ہو کہ جسے یہ بھرے میں بھی پوری بے تکلفی سے ایک دو ہنٹر رسید کروں اور کہوں سنا اوئے علامہ کیہ حال اے تیرا؟ کیونکہ میں بے تکلفی علامہ صاحب کے مدمقابل میاں محمد عثمان کے ساتھ روا نہیں رکھ سکتا تھا مگر افسوس کہ رولا تو علامہ صاحب کا پڑا مگر سیٹ پھر میاں عثمان لے گئے۔ اور یوں علامہ قصوری کی ضمانت بھی ضبط ہو گئی ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ قصوری صاحب کی ضمانت ضبط ہونے کی وجہ سے میرے لاکھوں روپے کے جذبات قصوری صاحب کی پانچ ہزار روپے کی ضمانت کا جو خون ہوا ہے اس کا ہرجانہ میں کس سے طلب کروں؟

علامہ قصوری کے ہار جانے کے بعد میری نگہ انتخاب حکیم ایس ایم تحسین پر پڑی۔ حکیم صاحب سے بھی میرا تعلق ''اشتہاری'' قسم کا ہے۔ آج سے کئی ماہ قبل اخبارات میں حکیم صاحب کے آدھے آدھے صفحے کے اشتہارات شائع ہوئے تھے' جس میں انہوں نے بیان کیا تھا کہ جب وہ مریضوں کو دیکھنے کے لیے کراچی گئے تو ان کی آمد کی خبر سن کر کس طرح سارا شہر ان کی رہائش گاہ پر امڈ آیا اور کس طرح پولیس کو منتشر کرنے کے لیے لاٹھی چارج کرنا پڑا۔ اس پر میں نے ایک کالم لکھا تھا' جس سے حکیم صاحب کی شہرت میں تو خیر کیا اضافہ ہونا تھا الٹا مجھے اس کالم سے بہت شہرت ملی اور اب انتخابی اشتہارات سے پتہ چلا کہ حکیم صاحب بھی مولانا طاہر القادری کی عوامی تحریک کی طرف سے صوبائی اسمبلی کے امیدوار تھے اور اخبارات میں شائع ہونے والا ان کا انتخابی اشتہار اپنی تاثیر کے لحاظ سے علامہ احمد علی قصوری کے اشتہار کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ اشتہار کی سرخی ہے ''حکیم ایس ایم تحسین ایک نامور شخصیت ہیں'' اور نیچے کچھ اس قسم کی باتیں لکھی ہیں کہ ان دنوں حکیم صاحب کی تقریروں کا بہت چرچا ہے چنانچہ لوگ بہت دور دور سے حکیم صاحب کی تقریریں سننے آتے ہیں۔ اشتہار کے مطابق ان کے چاہنے والوں کا یہ عالم ہے کہ وہ جہاں کہیں جاتے ہیں لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور ان کے حق میں نعرے لگاتے ہیں نیز یہ کہ گوجرانوالہ کی تقریباً تمام برادریوں کے افراد جن میں اکثریت ان کے دیوانوں کی ہے اندر اندر سے ان کی حمایت کرتے ہیں۔

ظاہر ہے لوگوں کی ''اندر اندر سے حمایت'' کی وجہ سے حکیم صاحب نے ہار جانا تھا' کیونکہ انسانی ہاتھ جس سے بیلٹ بکس میں ووٹ ڈالا جاتا ہے وہ اندر نہیں باہر کی طرف ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا طاہر القادری نے قومی اسمبلی کے انتخابات میں لوگوں کی اس ''اندر اندر کی حمایت'' سے تنگ آ کر صوبائی اسمبلی کے انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا ہے' کیونکہ اس نوع کی حمایت کی وجہ سے مولانا طاہر القادری کی جماعت کو پورے پاکستان میں ایک سیٹ بھی نہیں ملی۔ چنانچہ ان کے تمام امیدواروں

کی ضمانتیں ضبط ہو گئی ہیں۔ اس صورت میں ظاہر ہے حکیم تحسین صاحب کو بھی صوبائی الیکشن سے دستبردار ہونا پڑا ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود انہیں میرا مشورہ ہے کہ اپنی تقریروں کا سلسلہ جاری رکھیں کہ بیچارے عوام محض تفریح کے لیے ترسے ہوئے ہیں۔

باقی رہا معاملہ مولانا طاہر القادری اور ان کی عوامی تحریک کا تو ان دونوں کے بارے میں میری معلومات میں اضافہ ہوا ہے۔ مولانا طاہر القادری نے آئی جے آئی اور پی پی پی کے مقابلے میں ''تیسری قوت'' کا نعرہ لگایا تھا مگر یہ تیسری قوت تو تیں تیں فش ہو کر رہ گئی ہے اور اس میں اتنی کمزوری در آئی ہے کہ اس ''کمزوری'' کا علاج طاہر القادری سے نہیں حکیم تحسین احمد ہی سے ہو سکتا ہے' پیپلز پارٹی کی مخالف قوتوں اور اسلامی قوتوں کے ووٹ توڑنے کا کام پہلے مولانا نورانی کیا کرتے تھے۔ مولانا نورانی کی کمزوری کے بعد یہ ''خدمت'' مولانا طاہر القادری نے اپنے ذمے لی مگر انتخابات کے نتائج سے پتہ چلا کہ مولانا نورانی تو گئے گزرے حالات میں بھی قومی اسمبلی کی تین نشستیں آئی جے آئی کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر لے گئے ہیں' اگرچہ وہ خود ہار گئے ہیں۔ مولانا طاہر القادری کو مولانا نورانی پر البتہ یہ برتری حاصل ہے کہ وہ قومی اسمبلی کے انتخابات میں شکست سے بال بال بچ گئے ہیں' کیونکہ وہ کھڑے ہی نہیں ہوئے تھے۔

میرے ایک گلوکار دوست کو آخری عمر میں دمہ ہو گیا۔ ایک دفعہ میں نے اس کے ایک ہم عصر سے اپنے اس دوست کی گلوکاری کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسا گاتا ہے؟ اس پر ہم عصر نے تھوڑے سے غور و فکر کے بعد کہا ''دمے والوں میں وہ سب سے اچھا گانے والا ہے'' انتخابات کے نتیجے کو دیکھ کر میں بھی اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مولانا طاہر القادری اور مولانا نورانی میں سے مولانا نورانی کی کارکردگی ''دمے'' والے سیاست دانوں میں سے سب سے بہتر ہے۔

مولانا طاہر القادری کی عوامی تحریک نے جو انقلاب برپا کرنا تھا اور جس متوقع انقلاب کی وجہ سے مولانا طاہر القادری پیشگی ''قائد انقلاب'' کہلاتے تھے' مجھے اب فکر اس ٹائٹل کی ہے یعنی انقلاب تو آیا نہیں چنانچہ اب دیکھنا یہ ہے کہ ''قائد انقلاب'' کا ٹائٹل کس کے پاس جاتا ہے؟ مولانا اگر یہ ٹائٹل اب بھی اپنے پاس رکھنا چاہیں تو میرے ذہن میں جو تجویز ہے اس پر عمل کر کے تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ وہ یہ ٹائٹل اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ تجویز یہ ہے کہ مولانا طاہر القادری ''انقلاب'' کے نام سے ایک روزنامے کا اجرا کریں کہ اللہ تعالیٰ اور میاں شریف کے دیئے ہوئے میں سے ان کے پاس بہت کچھ بچا ہوا ہے اور پھر اپنے نام کے ساتھ ''ایڈیٹر انقلاب'' لکھنا شروع کر دیں تاہم یہ عبوری انتظام ہے' انقلاب آنے کے بعد وہ اپنے نام کے ساتھ دوبارہ ''قائدِ انقلاب'' لکھ سکتے ہیں۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 27 اکتوبر 1990ء)

کشمیری فرشتہ

عطاالحق قاسمی

ہم اپنے کالم میں کبھی کبھی اپنے کشمیری ہونے کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے دوست اس سے بہت چڑتے ہیں اور کہتے ہیں کشمیری ہونا کونسی کوئی ایسے فخر والی بات ہے کہ تم اس کا چرچا کرتے ہو۔ ہم ان کی اس دلیل پر اگرچہ لاجواب تو نہیں ہوتے تھے، لیکن جھینپ ضرور جاتے تھے اور اپنی اس خفت کو مٹانے کے لیے علامہ اقبال، امام خمینی، آغا حشر کاشمیری، شورش کشمیری، سعادت حسن منٹو اور دوسرے کشمیری نابغوں کا ذکر کرتے تھے، بلکہ اگر یہ اعتراض ولی خان کے حامی کسی دوست کی طرف سے ہوتا تو اس کا منہ بند کرنے کے لیے پنڈت نہرو کا نام بھی لے دیتے تھے۔ مگر اب گزشتہ ایک ہفتے سے ہم اس ضمن میں بہت پُراعتماد نظر آتے ہیں۔ یہ اعتماد ہمیں علامہ طاہر القادری نے بخشا ہے، جنہوں نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں بتایا کہ سفرِ حجاز کے دوران ایک رات غارِ حرا میں انہیں عبادت کا شرف حاصل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے جو فرشتہ ان کی خدمت کے لیے بھیجا، اس فرشتے کا تعلق کشمیر سے تھا۔ بس اس روز سے ہمارے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے۔ ہم تو آج تک ان بڑے بڑے ادیبوں پر فخر کرتے تھے جو علاقائی اور نسلی طور پر کشمیری ہیں اور یوں اندر سے ہمارا ضمیر ہمیں ملامت کرتا تھا کہ ہم اسلام کا پیروکار کہلانے کے باوجود علاقائی اور نسلی افتخار کا مظاہرہ کرتے رہیں جب کہ اللہ کے نزدیک بہترین وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔ الحمدللہ! اب ہمارا افتخار اسلام کے مقرر کردہ معیاری افتخار کی حدود میں داخل ہو گیا ہے کیونکہ آج تک ہم نے کسی فرشتے کے بارے میں یہ نہیں سنا تھا کہ اس کا تعلق یو پی سے ہے یا وہ پنجاب کا ہے، اس طرح کسی فرشتے کی ذات پات کے حوالے سے بھی یہ بات سامنے نہیں آئی

تھی کہ وہ ارائیں ہے، ککے زئی ہے، جٹ ہے، خٹک ہے یا آگرو ہے، چنانچہ اس صورت حال میں کشمیری فرشتے کی دریافت بجا طور پر تمام کشمیریوں کے لیے وجہ مسرت اور باعث صد افتخار ہے۔

اس خبر میں خوشی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ بیان کرنے والا کوئی دنیادار شخص نہیں، ورنہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ اس نے کشمیری فرشتے والی بات نواز شریف یا ہمیں خوش کرنے کے لیے کہی ہے بلکہ اس کے راوی ہمارے ملک کے ممتاز دینی سکالر علامہ ڈاکٹر طاہر القادری ہیں جن کی تمام تر صلاحیتیں دینِ متین کے فروغ اور استحکام کے لیے وقف ہیں اور یوں ان کی بات کو ٹھٹھے، مخول یا طعن و تشنیع سے رد کرنا آسان کام نہیں، بلکہ اس میں تو ہمیں ایک خوش آئند بات یہ نظر آئی ہے کہ آئندہ کے لیے تحقیق کا ایک نیا دروازہ وا ہو گیا ہے، چنانچہ محققین معروف فرشتوں کے بارے میں اس تحقیق کا آغاز کر سکتے ہیں بلکہ اس موضوع پر اپنے تحقیقی مقالے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے پیش کر سکتے ہیں کہ فلاں فرشتے کا تعلق فلاں علاقے سے ہے مثلاً ہمارا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر ایک مردود فرشتے ابلیس کے وطنِ مالوف کے بارے میں تحقیق کی جائے تو اس کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ محقق اس نتیجے پر پہنچیں کہ اس کا تعلق بٹالے سے تھا اور ب ل آئندہ ابلیس کو ابلیس بٹالوی کے نام سے پکارا جائے۔

کشمیر سے ہجرت کر کے لاہور اور گوجرانوالہ میں آ کر بسنے والے کشمیریوں کی تین خصوصیات بہت مشہور ہیں۔ ایک تو وہ بہت خوبصورت اور صحت مند ہیں۔ دوسرے بہت خوش خوراک ہیں اور تیسرے یہ کہ وہ جی دار بہت ہیں بلکہ امرتسری کشمیریوں کی یہ شہرت تو کچھ اتنی زیادہ ہے کہ بقول شخصے لاہور کے دس بدمعاش ہوں تو امرتسر کا ایک حاجی ان کے لیے کافی ہے۔ ایک دفعہ ہم نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ تین چار نوجوانوں میں پھنس گیا ہے جو اس کی بری طرح پٹائی کر رہے ہیں۔ جب اس نے محسوس کیا کہ یہ تو اس کا بھرکس نکال دیں گے تو اس نے نروس ہو کر دھمکی دی کہ ”خبردار! اب اگر کوئی میری طرف بڑھا! تمہیں پتہ نہیں میں گوالمنڈی میں رہتا ہوں، میرے سات بھائی ہیں اور ان میں سے ایک کشمیری ہے۔“ جہاں تک خوش خوراک ہونے کا تعلق ہے تو کشمیریوں کے زوال کا ایک باعث ان کی یہی خوش خوراکی ہے۔ ہم نے کئی متمول کشمیری گھرانوں کو دیکھا کہ جائیداد بیچ کر اس کے سری پائے اور ہریسہ کھا گئے ہیں۔ باقی رہی خوبصورتی تو ہمیں چھوڑ کر کسی بھی بٹ یا خواجے کو دیکھ لیں بلکہ اگر کوئی اور دستیاب نہ ہو تو اپنے خواجہ افتخار ہی کو دیکھ لیں کہ اس دور میں بھی محض خوبصورتی کے طفیل ان کے سات خون معاف کرنے کو جی چاہتا ہے۔

کشمیریوں کی یہ نمایاں خصوصیات ہم نے اس لیے بیان کی ہیں کہ اگر ایک عام گنہگار کشمیری اتنا خوبصورت، بہادر اور خوش خوراک ہوتا ہے تو وہ کشمیری فرشتہ کیسا ہوگا، جس کے ذکر کے لیے ہم یہ کالم

لکھ رہے ہیں؟ ایک فرشتہ اوپر سے کشمیری ہمیں یقین ہے کہ دیکھنے والی نظریں اسے دیکھتی رہ گئی ہوں گی۔ ہمارے محترم المقام علامہ ڈاکٹر طاہر القادری نے اس کشمیری فرشتے کی صرف اس خوبی کا ذکر کیا ہے کہ انہیں چیزوں کی ضرورت تھی وہ اس فرشتے نے چشم زدن میں مہیا کر دیں بلکہ ''ایسی نعمتیں میسر آ گئیں کہ جن کا تصور انسان عام حالات میں بھی نہیں کر سکتا! بہر حال خدا کی راہ میں نکلنے والے لوگوں کی امداد فرشتے کیا ہی کرتے ہیں اور یوں محترم علامہ طاہر القادری کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا وہ انوکھا نہیں اور اس لحاظ سے وہ تنقید بھی مناسب نہیں جو ان پر بعض مذہبی حلقوں کی طرف سے کی جارہی ہے بلکہ سچ پوچھیں تو ہمیں اس واقعہ میں جہاں ایمان کی مضبوطی کا ثمر نظر آتا ہے وہاں قومی حوالے سے ایک اشارہ بھی ملتا ہے۔ غار حرا میں ایک کشمیری فرشتے کا نظر آنا اور اس کا ایک پاکستانی کی خدمت کرنا دراصل پاکستانیوں کو کشمیریوں کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ قدرت ہمیں یہ بتانا چاہتی ہے کہ خدمت کے ضمن میں ایک کشمیری فرشتے نے اپنا حق خود ارادی استعمال کیا تو اس کی کتنی برکتیں سامنے آئیں اور اگر ہم بھارت میں موجود لاکھوں کشمیریوں کو ان کا حق خود ارادی دلانے میں کامیاب ہو جائیں تو اس کی برکتوں کا ہم اندازہ بھی نہیں کر سکیں گے۔ اور پھر یہ اشارہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کشمیر ہمیں ملنے والا ہے میرا مطلب باقی کشمیر سے ہے جو اصلی ہے۔

(حبس معمول از عطاالحق قاسمی)

❁❁❁❁❁

پروفیسر طاہر القادری اور فردوس جمال کا کلچرل ونگ!

عطاالحق قاسمی

بہت عرصے کے بعد مذہبی حلقوں سے کوئی اچھی خبر سننے کو ملی ہے بلکہ میں اس خبر کو تازہ ہوا کا ایک جھونکا سمجھتا ہوں۔ عوامی تحریک کے سربراہ پروفیسر طاہر القادری نے گذشتہ روز ایک پریس کانفرنس میں عوامی تحریک کا کلچرل ونگ قائم کرنے کا اعلان کیا ہے اور معروف ٹی وی اداکار فردوس جمال کو اس ونگ کا مرکزی سیکرٹری جنرل نامزد کیا گیا ہے۔ صدر اور باقی سارے سیٹ اپ کا اعلان بدھ کو ہوگا' اس موقع پر پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنی گفتگو میں کہا کہ کلچرل ونگ کے قیام کا مقصد فلم اور ڈرامہ کو اکیسویں صدی اور قومی تقاضوں سے ہم آہنگ کلچر کو صحت مند بنیادوں پر فروغ دینا ہے۔ پروفیسر صاحب نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ پاکستان عوامی تحریک مذہبی جماعت نہیں ہے' مذہبی جماعت منہاج القرآن ہے۔ عوامی تحریک مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی جیسی ہے۔ یہ مشرق اور مغرب کے درمیان پل تعمیر کرنا چاہتی ہے۔ اس موقع پر فردوس جمال نے بھی بہت معقول گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ اپنے پیر کے حکم پر عوامی تحریک میں شامل ہوئے ہیں ورنہ انہوں نے کسی سیاسی جماعت میں شمولیت کا کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ انہوں نے افلاطون کا حوالہ بھی دیا اور کہا کہ اس نے ہزاروں سال پہلے کہا تھا کہ معاشرے کو برباد کرنے والے آرٹ کو آرٹ نہیں کہا جا سکتا۔ فردوس جمال نے کہا کہ اسلام ایک لبرل مذہب ہے اور اگر کوئی اسے محدود کرتا ہے تو اس میں اسلام کا کوئی قصور نہیں۔

میں دل کی گہرائیوں سے عوامی تحریک کے کلچرل ونگ کو خوش آمدید کہتا ہوں اور اس کے لیے اپنا عملی تعاون پیش کرتا ہوں۔ فردوس جمال ایک منجھے ہوئے اور پڑھے لکھے فنکار ہیں۔ فنکار برادری میں انہیں عزت واحترام کی نگاہ سے بھی دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے کام کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ تاہم چونکہ ٹی وی ڈرامے کے حوالے سے میرا تعلق بھی فنکار برادری سے ہے۔ اور یوں میں بھی کچھ نہ کچھ مشورہ دینے کی پوزیشن میں ہوں۔ لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ کلچرل ونگ پر مردوں کی اجارہ داری نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ اگر اس کے سیکرٹری جنرل فردوس جمال ہیں تو محض لفظ "فردوس" سے خواتین فنکاروں کو مطمئن نہیں کیا جا سکے گا۔ بلکہ بدھ کے روز ہونے والی نامزدگیوں میں صدارت کے لیے کسی مرد کی بجائے کسی خاتون فنکارہ کو چنا چاہئے۔ فلمی ہیروئنوں میں سے اگر انتخاب کرنا ہو تو صائمہ، ریشم، میرا، زارا، نیلی، نور اور بہت سی نئی ہیروئنیں موجود ہیں۔ اگر پی ٹی وی کی اداکاراؤں میں سے کسی کو لینا ہے تو جیا علی، ارم حسن، ماریہ واسطی، سعدیہ امام اور نرما وغیرہ سے انتخاب کیا جا سکتا ہے، اسی طرح گلوکاراؤں میں شازیہ منظور، شبنم مجید، حمیرا ارشد، زرقا، عارفہ صدیقی، حمیرا چنا، حدیقہ کیانی، کومل رضوی اور فریحہ پرویز وغیرہ صدارت کے لیے موزوں ہیں تاہم جس طرح فردوس جمال کا انتخاب تحریک کے قائد پروفیسر ڈاکٹر طاہرالقادری نے بذاتِ خود کیا ہے اسی طرح کلچرل ونگ کی صدارت کے لیے کسی خاتون فنکارہ کی نامزدگی بھی خود پروفیسر صاحب کو کرنا چاہیے۔ ایک تو اس لیے کہ خواتین فنکاراؤں کے ذہن میں یہ غلط فہمی جنم نہ لے کہ تحریک کے قائد نے اس کام کو کم تر سمجھ کر کسی دوسرے کے سپرد کر دیا اور یوں دوسرے اس لیے بھی کہ پروفیسر صاحب اکثر اچھے کاموں کی ابتداء سے پہلے استخارہ کرتے ہیں چنانچہ استخارے کے نتیجے میں جو فنکارہ نامزد کی جائے گی، اس کے فیوض و برکات کچھ اور ہی ہوں گے۔ استخارہ میں اگر مسرت شاہین کا نظارہ ہو جائے تو اس تجربہ کار فنکارہ کے سیاسی تجربہ سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اگر وہ نہ مانیں اور ضد کریں تو الائنس کی بنیاد بھی رکھی جا سکتی ہے۔

امریکہ اور روس کے درمیان جب سرد جنگ جاری تھی، امریکہ نے ایک محاذ روس اور کمیونزم کے حوالے سے لطیفوں اور جگتوں کا بھی کھول رکھا تھا چنانچہ روس کی شکست میں ان امریکی جگتوں اور لطیفوں کا بھی بہت دخل تھا۔ پروفیسر طاہرالقادری اور کلچرل ونگ میں ان کے رفیق کار فردوس جمال چونکہ فن کی مقصدیت کے قائل ہیں۔ لہٰذا پاکستان اور اسلام دشمن طاقتوں کو شکست دینے کے لیے انہیں چاہیے کہ وہ جگت بازوں کی بھی ایک کمیٹی بنائیں جس کے ارکان اس محاذ پر اپنے فن کا مظاہرہ کریں۔ ہمارے پاس بہت اعلیٰ درجے کے جگت باز موجود ہیں۔ ان میں امان اللہ، عابد خان، سہیل احمد، منیر نیازی، مستانہ اور جواد وسیم وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے منیر نیازی الحمرا میں ہونے والے

ڈراموں یا شادی بیاہ کی تقریبات میں بوجہ مخصوص مسائل شرکت نہیں کرتے، بلکہ اپنے اخباری انٹرویوز میں "گرائپ واٹر" کے تعاون سے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ امید ہے فردوس جمال اس کا انتظام کر لیں گے۔

ابھی کلچرل ونگ کا تفصیلی منشور سامنے نہیں آیا لہٰذا یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس منشور کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ ونگ کیا کچھ کرے گا۔ رقص، موسیقی، مصوری، خطاطی، اداکاری، گلوکاری وغیرہ کے پروگراموں کے لیے کوئی ہال کرائے پر لیا جائے گا یا منہاج القرآن کی وسیع وعریض عمارت کا ایک ونگ فنون لطیفہ کی ترویج کے لیے وقف ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ مذہبی حلقے اس پر کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔ کیونکہ اگر یہ کام غیر اسلامی ہوتے تو پروفیسر طاہرالقادری ایسے اسلامی سکالر کلچرل ونگ کا قیام ہی عمل میں نہ لاتے، ویسے بھی ہمارے علماء جب تقریر کرتے ہیں، اس میں گلوکاری، اداکاری، لفظوں کی مصوری ایسی فنکارانہ ادائیں شامل ہوتی ہیں اور مذہبی جماعتوں کے جلسوں، جلوسوں میں پرجوش نغمے کیسٹ پر بجائے جاتے ہیں جن میں آلات موسیقی بھرپور طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اور جہاں تک رقص کا تعلق ہے، اپنے مذہبی رہنما کی آمد پر حاضرین ڈھول کی تھاپ پر رقص بھی کرتے ہیں، اور اپنے مذہبی رہنماؤں کی موجودگی میں کرتے ہیں۔ لہٰذا متذکرہ فنون میں سے کسی بھی فن لطیف کی حرمت کے حوالے سے مذہبی سیاسی جماعتوں میں عملی طور پر کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ مسئلہ صرف عورت کے رقص کا رہ جاتا ہے۔ اگر خلوص اور سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کیا گیا تو امید ہے اس کی بھی کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی کیونکہ فردوس جمال نے اسلام کو ایک لبرل مذہب یونہی تو قرار نہیں دیا ہوگا اور پھر فردوس ان کے نام کا نصف اوّل و بہتر ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور، 23 مئی 2000ء)

طاہرالقادری صاحب جواب دیں!

اسد کھرل

جس دن سے فوجی حکومت آئی ہے' طاہرالقادری فوجیوں کی محبت کے گانے گاتے نظر آتے ہیں۔ مگر "اُدھر" سے ابھی تک کوئی جوابی محبت نامہ نہیں آیا۔ جس طرح علامہ طاہرالقادری نے پہلے دن سے لے کر اب تک جنرل پرویز مشرف کے ہر اقدام کی حمایت میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کی ہیں' اس کے لیے اگر موجودہ حکمرانوں کا مزاج سابقہ حکمرانوں جیسا ہوتا تو وہ یقیناً کسی اہم حکومتی عہدے کے ضرور حق دار ٹھہرتے۔ ہم تجویز کرتے ہیں کہ "وزارتِ نکاح" قائم کر دی جائے' تا کہ قبلہ طاہرالقادری صاحب شیخ رشید کی منکوحہ ہونے کی دعویدار شہناز کیس کو اپنے ہاتھوں خود منطقی انجام تک پہنچا سکیں۔ وزارت نکاح ملنے کے بعد علامہ طاہرالقادری صاحب کئی سابق وزیروں' مشیروں' ارکان اسمبلی' بیورو کریٹس اور بڑے بڑے مگرمچھوں کے نکاح غیر شرعی یا مشکوک ثابت کر سکتے ہیں۔ اس لیے جہاں وہ موجودہ حکومت کے احتسابی عمل میں انتہائی ممدومعاون ثابت ہوں گے' وہاں ان کے تیار کردہ حدود کیس سے جان چھڑانا بھی بے حد مشکل ہو جائے گا۔ ویسے بھی قبلہ طاہرالقادری صاحب ملکی "تعمیر و ترقی" کا جذبہ اور بے پناہ "انسانی ہمدردی" رکھنے والے انسان ہیں جس کی واضح مثال یہ ہے کہ دفعہ 144 کے باوجود------جلوس نکالنے کی اجازت دی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ انتظامیہ نے جلوس کی نہیں صرف تقریر کی اجازت دی تھی۔ اس موقع پر اس وقت کے ایس پی کینٹ جاوید شاہ نے دور سے قبلہ طاہرالقادری کو اشارہ کیا کہ اب آپ جائیں' آپ کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ اشارہ ملتے ہی طاہرالقادری فوراً وہاں سے کھسک گئے لیکن بدقسمتی سے اس

اشارے کو وہاں پر موجود صحافیوں نے بھی دیکھ لیا اور اگلے دن کے بعض اخبارات میں یہ بات رپورٹ بھی ہوئی۔ پولیس نے نہ صرف طاہرالقادری صاحب کی ہدایت پر جلوس نکالنے والے معصوم لڑکوں پر شیلنگ اور لاٹھی چارج کیا بلکہ "قبلہ" کا کھسکنا ہمارے ایک صحافی دوست آغا افتخار کو بہت مہنگا پڑا' جب شیل ان کے کان پر آ لگا اور دیگر صحافیوں کو بھی شیل لگے۔ اس واقعہ پر قبلہ طاہرالقادری نے اگلے روز بیان جاری کر دیا کہ اگر میں وہاں موجود ہوتا تو ان کے منہ توڑ دیتا۔

تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے کہ لاہور سے شائع ہونے والے ایک ہفت روزہ میں طاہرالقادری کا تفصیلی انٹرویو شائع ہوا اور ٹائٹل پر ان کی تصویر چھپی۔ واقفان حال کا کہنا ہے کہ کھوج لگایا گیا تو پتہ چلا کہ قبلہ کے ایک مداح نے ٹائٹل پر ان کی تصویر چھپوانے کی غرض سے 7 ہزار جریدے خریدنے کا وعدہ کیا تھا۔

راولپنڈی سے شائع ہونے والے اخبار کے ایڈیٹر ہمارے ایک دوست نے بتایا کہ علامہ طاہرالقادری سے انٹرویو کے لیے وقت طے ہوا' ان کے دفتر پہنچے تو ان کی سادگی کا بھانڈا پھوٹ گیا' جونہی آفس میں داخل ہوئے تو نرم مخملی قالین میں ہمارے پاؤں دھنس گئے۔ بیٹھے ہی تھے کہ ویڈیو کیمرہ سے ریکارڈنگ ہونے لگی۔ ہم طاہرالقادری صاحب سے سوال پوچھتے لیکن وہ جواب کم اور خصوصی پوز بنانے میں زیادہ مصروف رہتے' جس پر بالآخر ہمیں کہنا ہی پڑا کہ آپ ٹی وی کے لیے ریکارڈنگ بعد میں کرا لیجئے گا۔ ہمارے سوالوں کے جواب دیں تا کہ ہم فارغ ہو سکیں۔ بڑی مشکل سے ہم انٹرویو مکمل کر کے واپس دفتر پہنچے۔

چند ہفتے قبل مسجد شہداء میں قرآن خوانی ہوئی' سب لوگ دائرے کی شکل میں علامہ صاحب کے گرد صفوں پر بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے جبکہ موصوف ان کے درمیان کرسی پر بیٹھے تھے جس پر عوامی اور مذہبی حلقوں کی طرف سے شدید تنقید ہوئی اور اس سلسلے میں مسجد شہداء کے خطیب کا بیان خاص طور پر قابل ذکر ہے حتیٰ کہ عوامی تحریک کے بعض مرکزی قائدین نے بھی کئی نجی محفلوں میں کہا کہ قبلہ کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اور اب ایک اور واقعہ 12 اکتوبر کا ذکر ہے' پریس کلب لاہور میں 8 بجے شب پروفیسر ڈاکٹر طاہرالقادری پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے کہ ان کا میڈیا سیکرٹری موبائل فون دونوں ہاتھوں میں تھامے انتہائی مودبانہ انداز میں ہال میں داخل ہوا اور کہا کہ قبلہ صاحب جی ایچ کیو سے آپ کے لیے فون ہے۔ قبلہ بڑے متکبرانہ انداز میں کرسی سے اٹھے اور موبائل فون کان کو لگاتے ہوئے کہا کہ ہم آپ کے اس اقدام کی بھرپور حمایت کرتے ہیں اور پھر فون پر باتیں کرتے ہوئے ہال سے باہر نکل گئے'

اس دوران وہاں موجود ملکی وغیر ملکی صحافی فوراً اپنے اپنے موبائل فون چیک کرنے لگے جو مختلف کمپنیوں کے ساتھ اور رپورٹر ایک دوسرے سے استفسار بھی کرتے رہے کہ کیا موبائل سروس چالو ہوگئی ہے؟ لیکن کسی صحافی کے موبائل فون سے کوئی مثبت جواب نہ آیا۔

جیسے ہی قبلہ طاہر القادری واپس آئے' ایک صحافی نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جناب موبائل سروس تو بند ہے' آپ کو فون کیسے آ گیا؟ جس پر قبلہ کچھ پریشان ہوئے مگر چند لمحوں بعد کہا کہ یہ "سپیشل" کیس ہے۔ جس پر وہاں موجود صحافی ہنسنے لگے اور پریس کانفرنس ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے سے کہتے رہے کہ "قبلہ" کا ڈرامہ فلاپ ہوگیا۔ عوامی تحریک کے میڈیا سیل کے لوگ بھی اس ضمن میں کسی صحافی کو کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ مذکورہ پریس کانفرنس میں قبلہ طاہر القادری نے صحافیوں کو چونکا دینے کے لیے یہ بھی کہا کہ آپ کے لیے ایک نئی خبر ہے' ملک میں مارشل لاء لگ گیا ہے۔ جو کہ آج تک نہیں لگا۔

12 اکتوبر کو پریس کانفرنس میں عوامی تحریک کے میڈیا سیل اور بعض رہنماؤں کے مطابق طاہر القادری مستقبل کے نگران وزیر اعظم کی حیثیت سے پریس کانفرنس کر رہے تھے حالانکہ اس وقت فوج نے مکمل طور پر ٹیک اوور بھی نہیں کیا تھا مگر علامہ صاحب کی مثال ایسی ہے کہ "مدعی سست گواہ چست"

قبلہ طاہر القادری صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے منہاج القرآن سے ایک پائی تک نہیں لی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کا ایسا کون سا خفیہ کاروبار ہے یا ان کے پاس ایسا کون سا الہ دین کا چراغ ہے جس کا مظہر ہیں ان کے فلی ایئر کنڈیشنڈ اور انتہائی قیمتی مخملی قالینوں سے آراستہ دفاتر' انتہائی قیمتی گاڑیاں' چاک و چوبند محافظ' قیمتی فون' اخباری اشتہارات اور مخصوص چہیتے صحافیوں کو باہر کے ملکوں کی سیر' عمرے اور تحفے تحائف! آخر ان کے پاس اتنی دولت کہاں سے آ گئی؟

(روزنامہ خبریں' لاہور 17 جنوری 2000ء)

❁❁❁❁❁

علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کی اپنے ہی ہاتھوں کردار کشی

قیوم قریشی

نگران حکومت میں اطلاعات ونشریات کے وفاقی وزیر کوثر نیازی نے اپنی حلف برداری کے بعد جس پہلی پریس کانفرنس سے خطاب کیا' اس میں انہوں نے اپنی نئی میڈیا پالیسی کا بھی اعلان کیا۔ ان کی اعلان کردہ میڈیا پالیسی کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ اب ذرائع ابلاغ عامہ اور خاص طور پر الیکٹرانک میڈیا' ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر کسی کی کوئی کردار کشی نہیں ہونے دی جائے گی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نگران حکومت کی میڈیا پالیسی میں ایک ایسی شق بھی شامل ہے' جس کا برملا اعلان نہیں کیا گیا۔ اس مخفی شق کی رو سے اگر کوئی صاحب اپنی کردار کشی خود ہی کرنا چاہیں تو یہ پالیسی ان کی راہ میں حائل نہیں ہوگی۔ نہ صرف حائل نہیں ہوگی بلکہ ان صاحب کو الیکٹرانک میڈیا سے اپنی کردار کشی کرنے کی تمام سہولتیں بھی مہیا کی جائیں گی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو عوامی تحریک کے سربراہ اور این ڈی اے (نیشنل ڈیموکریٹک الائنس) کے ایک مرکزی رہنما' علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کو وہ تقریر کرنے کے لیے الیکٹرانک میڈیا کی سہولتیں نہ مہیا کی جاتیں جن سے انہوں نے نئی میڈیا پالیسی کا اعلان ہو جانے کے فوراً ہی بعد استفادہ کیا۔ علامہ صاحب کی اس نشری تقریر کا موضوع تھا "سابقہ حکومت------داستان عبرت۔"

عنوان سے تو یہی پتہ چلتا تھا کہ علامہ ڈاکٹر طاہر القادری اپنی اس تقریر کے ذریعے وزیر اعظم محمد نواز شریف اور ان کی حکومت کی کردار کشی کریں گے لیکن یہ بات اس لیے ممکن دکھائی نہیں دیتی تھی کہ ابھی ایک ہی دن پہلے قوم کو یہ یقین دلا دیا گیا تھا کہ اب الیکٹرانک میڈیا کو کسی کی کردار کشی کے لیے ہرگز

استعمال نہیں کیا جائے گا اور یہ یقین دہانی بھی خود نگران حکومت کے وزیر اطلاعات و نشریات نے کرائی تھی جن کا پریس کانفرنس کا انداز پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ ۔

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

اور ظاہر ہے کہ اس قدر مستند اور معتبر یقین دہانی کے بعد یہ کیسے ممکن تھا کہ "قائد انقلاب" کو سابق حکومت اور خاص طور پر سابق وزیر اعظم اور ان کے خاندان کی کردار کشی کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ اطلاع یہ ہے کہ علامہ صاحب کو کھلی چھٹی دے دی گئی تھی کہ وہ جتنی دیر تقریر کرنا چاہیں کریں ان پر وقت کی کوئی پابندی نہیں لگائی جائے گی اور ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ جب یہ تقریر ریکارڈ ہو گئی تو اس کی ایڈیٹنگ بھی خود وزیر اطلاعات و نشریات نے اپنی ہدایات اور نگرانی میں کرائی۔

اور اس ساری کاوش کا نتیجہ یہ نکلا کہ علامہ ڈاکٹر طاہر القادری' میاں محمد نواز شریف' ان کے خاندان یا ان کی سابقہ حکومت کی داستان عبرت کے حوالے سے ان کی کردار کشی کیا کرتے وہ اپنی ہی کردار کشی کر بیٹھے۔ انہوں نے اپنی طرف سے تو سابق وزیر اعظم پر تابڑ توڑ حملے کیے لیکن ان کا ہر حملہ خود ان کی اپنی ذات کو زخمی کرتا رہا اور جب ان کی بیس پچیس منٹ کی تقریر ختم ہوئی تو حضرت علامہ ڈاکٹر طاہر القادری جو قائد انقلاب بھی ہیں' عوامی تحریک اور ادارہ منہاج القرآن کے سربراہ بھی ہیں اور اب خیر سے این ڈی اے کے ایک مرکزی رہنما بھی ہیں' خود ہی داستان عبرت بن کر رہ گئے تھے۔ ان کی تقریر کا تاثر اتنا گہرا تھا کہ اس کے شروع ہوتے ہی سامعین و حاضرین کے ٹیلی فون' ٹیلی ویژن اور اخبارات کے دفتروں میں پہنچنے لگے تھے۔ یہ ٹیلی فون کرنے والے علامہ صاحب کی شان میں جو قصیدے پڑھ رہے تھے' وہ اگر علامہ صاحب کے کانوں تک پہنچ جاتے تو ہو سکتا ہے کہ وہ ٹیلی ویژن والوں پر انہیں اپنی ہی کردار کشی کرنے کا موقع مہیا کرنے پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کر دیتے۔

اخبارات والوں نے تو علامہ صاحب کی عزت و احترام کو بہت ہی ملحوظ رکھا کہ لوگوں کے جذبات کو جن کا اظہار انہوں نے کھل کر کیا تھا' اپنے صفحات کی زینت نہیں بنا دیا۔ (شاید اس لیے کہ انہیں صفحہ قرطاس پر منتقل کر دینا ممکن نہیں تھا۔)

کچھ یوں لگتا ہے جیسے علامہ ڈاکٹر طاہر القادری خود اپنی ہی کردار کشی کرنے کا خاصا ملکہ رکھتے ہیں اور انہیں ایسا کرنے کا شوق بھی ہے۔ اس سے پہلے ایک مرتبہ وہ یہی فریضہ بڑی مہارت کے ساتھ انجام دے چکے ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب سابق وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے۔ ان دنوں ادارہ منہاج القرآن کے بانی سربراہ نے اپنے اوپر قاتلانہ حملہ ہونے کا ایک زبردست ڈرامہ رچایا تھا۔ اس حملے کی تشہیر اس قدر ڈرامائی طریقے سے کی گی کہ ساری دنیا واہ واہ کر اٹھی۔

اس ڈرامے میں سارا زور یہ تاثر دینے کی کوشش میں صرف کر دیا گیا تھا کہ "مبینہ قاتلانہ حملہ' عوامی تحریک کے سربراہ کی عوام کے اندر روز بروز بڑھتی ہوئی مقبولیت سے گھبرا کر میاں محمد نواز شریف نے کرایا" یہی وجہ ہے کہ میاں محمد نواز شریف نے فوری طور پر اس قاتلانہ حملے کی تحقیقات کے لیے ایک عدالتی کمیشن قائم کر دیا اور جب عدالتی کمیشن کی کارروائی شروع ہوئی تو مضمون ۔

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

والا بن کر رہ گیا۔ عدالتی تحقیقات میں کچھ ایسے مرحلے بھی آئے جب علامہ صاحب تحقیقات سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے دکھائی دیئے لیکن اب کمبل انہیں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس تحقیقات میں شریف خاندان کی طرف سے ادارہ منہاج القرآن اور اس ادارے کے سربراہ کی سرپرستی کی ایسی ایسی داستانیں سامنے آئیں کہ ہر کوئی حیرت و استعجاب سے انگشت بدنداں رہ گیا۔

اکتوبر 1990ء کے عام انتخابات کے موقع پر علامہ ڈاکٹر طاہر القادری اپنے آپ کو ملک کی تیسری سیاسی قوت قرار دے کر میدان میں کود گئے اور انہوں نے پچاس سے زیادہ امیدوار اپنے جماعتی ٹکٹ پر انتخابات لڑنے کے لیے کھڑے کر دیئے۔ کہا جاتا ہے کہ علامہ صاحب نے ہر امیدوار سے اپنے جماعتی ٹکٹ کی فیس اتنی بھاری رقموں کی صورت میں وصول کی کہ ان کا جماعتی خزانہ لبالب بھر گیا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ انتخابات میں حصہ لینے والے ان کے جماعتی امیدواروں کے بکس ووٹوں کی پرچیوں سے بالکل خالی رہے۔ انہیں دنوں تیسری قوت ہونے کا دعویٰ کرنے والی ایک اور شخصیت میدان میں کود آئی تھی۔ اس شخصیت ------ موسوم بہ محمد اسلم خسرا ------ نے بھی انتخابات میں حصہ لیا اور انتخابی نتائج کی روشنی میں تیسری قوت ہونے کے دعوے کے سلسلہ میں علامہ صاحب کو چیلنج دے دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ "میں نے اکیلے جتنے ووٹ حاصل کیے ہیں' علامہ طاہر القادری کے پچاس سے زیادہ امیدوار اتنے ووٹ مجموعی طور پر بھی حاصل نہیں کر سکے۔" یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ الیکشن میں اسلم خسرا بھی ہار گیا تھا اور علامہ صاحب کے تمام امیدوار بھی شکست کھا گئے تھے۔ اس طرح علامہ صاحب نے اپنی ہی کردار کشی کا یہ موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا۔

جن دنوں علامہ طاہر القادری' ابھی شریف (کشمیری) خاندان کی سرپرستی میں پروان چڑھ رہے تھے' انہیں دنوں وہ حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے تھے۔ فریضہ حج کی ادائیگی کے دوران میں ان کی ذات کے حوالے سے جو کرامات ظاہر ہوتی رہیں وہ اپنی جگہ' انہوں نے تو بعض کرامات کا اپنے (اس وقت کے) محسن و مربی خاندان کے حوالے سے بھی مشاہدہ کر لیا تھا۔ اس سلسلے کی وہ کرامت تو بہت ہی مشہور ہو چکی ہے جس کی رو سے ان کی ملاقات جبل النور (غار حرا) میں ایک کشمیری فرشتے سے ہو گئی تھی۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 13 مئی 1993ء)

اسلامی انقلاب بذریعہ پیپلز پارٹی (سبحان اللہ!)

مریم گیلانی

اگر کسی کو "دعوے" کی تعریف کرنے کو کہا جائے تو شاید وہ یہی کہے کہ وہ خواہش جو زمان و مکان سے مبرا ہو کر بآواز بلند کی جائے، دعویٰ کہلاتی ہے۔ دعوے کے لیے اس خواہش کا حقیقت سے قریب ہونا کسی طور بھی لازمی نہیں۔ خواہش کی شدت بسا اوقات دعوے کو لاحاصل کی حدود میں لے جاتی ہے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسا کہ دعویدار فہم و ادراک کی جانب کمر کیے کھڑا ہے لیکن بہرحال دعویٰ اور دعویدار دونوں کی ہمت قابل دید ہوتی ہے کیونکہ ہمارے معاشرے میں اونچے اونچے دعوے کرنے والوں کو کچھ ایسا اچھا سمجھا نہیں جاتا۔

مولانا طاہر القادری کا جو کہ موجودہ پاکستان عوامی اتحاد کے سربراہ ہیں اور کہنے والوں کے مطابق ملک و قوم کے خیر خواہ بھی ہیں کل کے اخباروں میں دعویٰ تھا کہ وہ پیپلز پارٹی کے ساتھ مل کر اسلامی انقلاب لائیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیکولر جماعتوں کے ساتھ مل کر مذہبی جماعتوں کو اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کرنی چاہیے۔ جب سے میں نے ان کی یہ بات سنی ہے مارے حیرت سے عقل گنگ ہے۔ مولانا طاہر القادری کی پیپلز پارٹی کے ساتھ یہ پاکستان عوامی اتحاد نامی ہتھ جوڑی ہی ابھی حلق سے نہیں اتر رہی تھی کہ اب وہ ملک میں پیپلز پارٹی کے ذریعے اسلامی انقلاب لانے کی بات کر رہے ہیں۔ محو حیرت ہوں، انگشت بدنداں ہوں، یہ کیسی خواہش ہے جس کو مولانا طاہر القادری زبان دے بیٹھے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ خواہش محض حقیقت کی حدود میں نہیں بستی۔ یہ درست ہے کہ خواب کھلی آنکھوں سے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ میں مانتی ہوں کہ جذبوں پر کوئی قدغن نہیں لیکن ایسی کسی امید، کسی خواہش، کسی خواب

...عام پر لانے سے پہلے طاہر القادری صاحب کو اس پر غور کر لینا چاہیے تھا کہ وہ کیا کہنے جا رہے ... اسلام کا نفاذ اور وہ بھی پیپلز پارٹی کے ذریعے، شاید طاہر القادری صاحب بھول رہے ہیں کہ پیپلز ... کی رہنما کہتی رہی ہیں کہ "اذان بج رہا ہے" جو اذان سے وابستہ تقدس سے واقف نہیں بلکہ اسے ...ہوں کی طرح بجتا محسوس کرتے ہیں، وہ ایسا ہی اسلام بھی نافذ کریں گے۔ پھر ان کے اقبال حیدر ...وزراء رقص اور موسیقی کو کائنات کا جزو محسوس کریں گے۔ پھر ویسا ہی اسلام نافذ ہو سکے گا جیسا کہ وہ ...اس کے پیروکار ہیں۔ میں تو طاہر القادری کی خواہش کی بلندی پر حیران ہوں، پیپلز پارٹی کے ساتھ مل ...اسلامی انقلاب لانے کی بات کرتے ہیں۔ کیا نہیں جانتے کہ پیپلز پارٹی کس سوچ کا نام ہے، کس ...ے کا نام ہے، کس خواہش کا نام ہے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ وہ لوگ جو کل تک اس ملک کو لوٹ کر ...کھاتے رہے، آج محض طاہر القادری کی خواہش کے احترام میں ملک میں اسلامی انقلاب لانے پر ...آمادہ نہ ہو جائیں گے۔ میں تو طاہر القادری صاحب کی سیاسی معصومیت پر ششدر ہوں جو پیپلز پارٹی ...کو ابھی نہیں پائے۔ ان کی معیت میں اسلامی انقلاب لانے کی بات کرتے ہیں۔ ایک مزاحیہ انگریزی ...لغتوں کی ڈکشنری میں فلسفی کی مثال اس اندھے شخص کی سی دی گئی ہے جو ایک اندھیرے کمرے میں ...رات کے وقت کالی بلی تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو وہاں نہیں ہے۔ طاہر القادری صاحب کی پیپلز ...پارٹی کے ذریعے اسلامی انقلاب لانے کی مثال بھی کچھ ایسی ہی لگتی ہے۔ جب طاہر القادری صاحب ...نے پاکستان عوامی اتحاد کی سربراہی قبول کی تھی تب بھی میں نے اس عمل کی مخالفت میں کالم لکھا تھا۔ آج ...طاہر القادری صاحب کے اس خواب کو سن کر ایک پرانے پنجابی کلاسیکی شاعر کا کلام یاد آ رہا ہے جسے میں ...آپ کی سہولت کے لیے اردو میں تحریر کر رہی ہوں۔ کہتے ہیں۔

بے فیض کی یاری کھجور کے درخت کی مانند ہوتی ہے۔ دھوپ لگے تو سایہ نہیں دیتا اور بھوک ...لگے تو پھل دور ہوتا ہے اور کم ظرفوں کی آشنائی سے کسی نے فیض نہیں پایا۔ کیکر پر انگور کی بیل چڑھانے ...سے انگور کے گچھے ہی فگار ہوتے ہیں۔ کڑوے کنوئیں لاکھوں من گڑ ڈالنے سے بھی میٹھے نہیں ہوتے اور ...سانپ کے بچے اپنے ہاتھ سے دودھ پلانے پر بھی دوست نہیں بنتے۔ تمے (ایک بہت ہی کڑوا پھل) ...کو مکہ لے جائیں وہ کبھی تربوز نہیں بنتا اور بے فیضوں کی یاری سے اکیلے رہنا بہتر ہوتا ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ طاہر القادری صاحب جن سے وفا کی امید باندھ رہے ہیں، وہ کبھی ...بھی ان کے ان خوابوں کو تعبیر نہ پانے دیں گے۔ میں طاہر القادری کے جذبات کی قدر کرتی ہوں۔ وہ ...ملک میں اسلامی انقلاب چاہتے ہیں۔ ملک سے یہ گلا سڑا بدبودار معاشرتی نظام ختم کر کے اسلامی نظام کا ...رواج چاہتے ہیں۔ عجیب تو یہ ہے کہ کس کو ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ ان کو جنہوں نے اس ملک کو آئی ایم

ایف اور ورلڈ بینک کے قرضوں کے عوض بیچ دیا یا وہ جو اس ملک کے بچوں کے منہ سے دودھ چھین کر اس کے بدلے ریسی گھوڑوں کو مربے کھلاتے رہے۔ ان کے ذریعے جن کے کاندھوں پر کئی بیگناہوں کی موت کا بوجھ ہے' ان کے ساتھ مل کر اسلامی انقلاب لانے کی بات کرتے ہیں' جنہوں نے قدم قدم پر اس ملک کو' اس کے عوام کو اپنی بدعنوانی کا دھوکہ دیا' جو منصوبوں میں کک بیک (Kick Back) کھاتے رہے جن کے سرے میں محل ہیں اور اس ملک میں لوگ فٹ پاتھوں پر بھی سوتے ہیں جن کے گھوڑے جہازوں میں سفر کرتے رہے' ایرکنڈیشنڈ اصطبلوں میں رہے اور ملک کے عوام لو لگنے سے مرتے رہے' زندگی کے راستوں پر بھوک' لاچاری' مہنگائی' اور بے روزگاری اور بے بسی کے بوجھ تلے گھٹتے رہے۔ یہ جو آج ہم پر حکمران ہیں۔ یہ بھی ان سے بہتر نہیں۔ ان کے چہرے مختلف ہیں تو کیا ہوا ارادے تو وہی ہیں ملک کو لوٹ کر کھانے کے' عوام کو بے وقوف بنانے کے۔ خواب تو ایک ہی جیسے ہیں۔ انہوں نے پاور پراجیکٹس میں ملک کو لوٹا تھا' انہوں نے ییلو کیب اور موٹروے میں لوٹا' ان کے سرے میں محل ہیں' ان کے ماڈل ٹاؤن اور رائے ونڈ میں قلعے نما گھر ہیں۔ یہ ایک ہی جیسے ہیں مگر مجھے تو اعتراض مولانا طاہرالقادری کی خواہش پر ہے۔ خواہش کرنے کا حق تو سب کو ہے مگر طاہرالقادری صاحب کو یوں عوام کے جذبات سے نہیں کھیلنا چاہیے تھا۔ پیپلز پارٹی آج مولانا طاہرالقادری کو پاکستان عوامی اتحاد کا سربراہ بنائے بیٹھی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عوامی اتحاد کے مقاصد وہ ہوں گے جو بظاہر دکھتے ہیں۔ اس ملک کو سہارا دینے کی باتیں تو وہ خواب ہیں جو اس ملک کے عوام کی ضرورت ہیں' سو انہیں دکھائے جاتے ہیں۔ طاہرالقادری صاحب جانے کس غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں' کیا جانتے نہیں ہیں کہ یہ سب ویسا نہیں ہے جیسا دکھتا ہے' سنتا ہے' لگتا ہے' بقول شاعر ؎

کس سے پیمان وفا باندھ رہی ہے بلبل
کل نہ پہچان سکے گی گل تر کی صورت

سو طاہرالقادری صاحب جا گئے۔ بھلا کبھی اسلامی انقلاب بھی پیپلز پارٹی کے ساتھ مل کر لایا جا سکتا ہے۔ خواہش کیجئے کہ یہ آپ کا حق ہے۔ مگر حق کیا ہے یہ بھی تو سمجھئے۔

(روزنامہ پاکستان لاہور 25 اپریل 1998ء)

❁❁❁❁❁

طاہرالقادری۔۔۔۔قائد انقلاب یا محض طالع آزما؟

رانا پرویز حمید

تحریک منہاج القرآن کے سرپرست اور پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر علامہ محمد طاہرالقادری زبردست مقرر ہیں۔ وہ بڑے بڑے منہ زور مجمع کو اپنی جادو بیانی سے سحرزدہ کر دینے کی قدرت رکھتے ہیں۔ انہیں اس کمال کا ادراک اس زمانے میں ہوا جب وہ لاء کالج میں پڑھاتے تھے۔ یہ ''فن'' رفتہ رفتہ انہیں عوامی حلقوں تک کھینچ لایا۔ اسلامی تعلیمات پر ان کے لیکچروں کو خاصی پذیرائی ملی اور جلد ہی لاہور میں ان کے ارادت مندوں کا ایک حلقہ بن گیا۔

ملک فیض الحسن بھی ان کے حلقہ اثر میں شامل تھے' جنہوں نے نوکری سے فراغت کے بعد علامہ صاحب اور ان کے اہل خانہ کی کفالت کا بار اپنے کندھوں پر اٹھا لیا تھا۔ انہوں نے علامہ صاحب کی ملاقات میاں محمد شریف سے کروائی جو لاہور کے ایک معروف صنعت کار تھے۔ میاں صاحب علامہ طاہرالقادری کے اس حد تک گرویدہ ہو گئے کہ انہوں نے علامہ صاحب سے اتفاق مسجد میں باقاعدہ خطبہ دینے کے لیے اصرار شروع کر دیا۔ علامہ طاہرالقادری عارضہ قلب میں مبتلا تھے۔ میاں صاحب نے ان کے علاج کی غرض سے ذاتی خرچ پر اپنے فرزند میاں شہباز شریف کے ہمراہ ان کو امریکہ بھجوایا۔ امریکہ سے علاج کے بعد وطن واپسی پر علامہ طاہرالقادری نے اتفاق اکیڈمی کے پلیٹ فارم سے درس و تدریس کے سلسلہ کا آغاز کر دیا۔ نیز وہ اتفاق مسجد میں باقاعدہ خطبہ دینے لگے۔

درس وتدریس کے سلسلہ میں یہاں علامہ صاحب کو ایک آراستہ دفتر' کار اور ہر قسم کی معاونت فراہم کی گئی۔ علاوہ ازیں میاں صاحب کی طرف سے وقتاً فوقتاً التفات وعنایات کا سلسلہ جاری رہا۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے علامہ طاہر القادری کے بیٹوں کے نام سیمنٹ ایجنسی کا نہ صرف پرمٹ دیا بلکہ اسے چلانے کے لیے اپنی گرہ سے نقد سرمایہ بھی فراہم کیا۔ علامہ صاحب کی اہلیہ محترمہ کا بیرون ملک علاج کروایا۔ بعدازاں انہیں مکان خریدنے کے لیے دس لاکھ روپیہ قرض بھی دیا۔ میاں صاحب کی بدولت ہی علامہ طاہر القادری کی ٹیلی ویژن پر رونمائی ہوئی۔ اسی دوران علامہ طاہر القادری نے اپنے مستقبل کے ارادوں کے پیش نظر ادارہ ''منہاج القرآن'' کے نام سے قائم کرلیا اور اتفاق اکیڈمی میں درس وتدریس کے ساتھ ساتھ اسے بھی اسٹیبلش (Establish) کرنا شروع کردیا۔

یہ اس دور کا قصہ ہے جب میاں محمد شریف بھٹو دور میں قومیائی گئی اپنی فونڈری کی واپسی کے سلسلے میں فوجی جنرلوں سے اس حد تک قریبی تعلقات استوار کرچکے تھے کہ اس وقت گورنر پنجاب جنرل غلام جیلانی نے ان کے فرزند میاں محمد نواز شریف کو نہ صرف پنجاب کابینہ میں شامل کرلیا تھا بلکہ انہیں وزارت خزانہ جیسا انتہائی اہم قلمدان سونپ رکھا تھا۔ علامہ طاہر القادری نے میاں صاحب کے اثر رسوخ کے طفیل انتہائی سستے داموں ایک قطعہ اراضی ماڈل ٹاؤن میں اور محکمہ ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ حکومت پنجاب کی 167 کنال سرکاری اراضی صرف 400 روپے فی مرلہ کے حساب سے منہاج القرآن کے تعلیمی پروجیکٹ کے نام پر ٹاؤن شپ میں حاصل کرلی۔

17 فروری 1984ء کو ادارہ منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور اس کے ساتھ ہی باقاعدہ رکنیت سازی کا کام بھی شروع کردیا گیا۔

میاں نواز شریف اپریل 85ء میں وزیراعلیٰ پنجاب بن گئے۔ پنجاب کے حکمران خاندان کی ان سے حد درجہ قربت وعقیدت کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ اتفاق مسجد میں جب بھی مذہبی اجتماعات ہوتے اس میں چونکہ وزیراعلیٰ اکثر وبیشتر خود شریک ہوتے لہٰذا انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداران بھی بکثرت وہاں نظر آنے لگے۔ ایک تو حکمرانوں کی قربت کی خواہش اور اس پر علامہ طاہر القادری کی شعلہ بیانی اس خوبی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ لہٰذا خلقت جوق در جوق ان مذہبی اجتماعات میں شرکت کرنے لگی۔ علامہ طاہر القادری کے علم وفضل اور جادو بیانی کے چرچے چار سو پھیلنے لگے۔ ان کی تنظیم کی ممبر شپ دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں لاکھوں تک پہنچ گئی۔ انہیں دھڑا دھڑ چندے ملنے لگے۔ اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے ادارہ منہاج القرآن کا ایک جدید طرز کا متاثر کن سیکرٹریٹ بنانے کے علاوہ نہایت چابکدستی سے ملک بھر میں ہر سطح پر اپنا تنظیمی جال بچھالیا۔

اب وہ نت نئی چمکتی دمکتی گاڑیوں پر گھومنے لگے۔ کلاشنکوف بردار محافظوں کا پورا دستہ ان کے ہمراہ ہوتا۔ ان کا ''ہنی مون'' پیریڈ اس وقت ختم ہوا' جب 88ء کے عام انتخابات کے نتیجہ میں مرکز میں پیپلز پارٹی آ گئی۔ البتہ میاں نواز شریف پنجاب میں دوبارہ حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ روز اول سے ہی پیپلز پارٹی اور میاں نواز شریف تصادم کی راہ پر چل نکلے تو علامہ طاہر القادری نے میٹھا میٹھا ہپ ہپ' کڑوا کڑوا تھو کے مصداق پینترا بدلا اور میاں فیملی سے تعلقات کا باب بند کرنے کی ٹھان لی۔

میاں صاحبان کے بارہا اصرار کے باوجود علامہ طاہر القادری نے سیاسی جدوجہد میں کبھی ان کی مدد نہ کی اور ہمیشہ یہ کہہ کر پہلو بچاتے رہے کہ سیاست میرے لیے ''شجر ممنوعہ ہے۔ میں اپنے آپ کو صرف فروغ دین تک محدود رکھوں گا'' مگر میاں نواز شریف اور پیپلز پارٹی کی حکومتی محاذ آرائی شروع ہوئے ابھی صرف چھ ماہ بھی نہ ہوئے تھے کہ علامہ طاہر القادری نے 25 مئی 1989ء کو ''پاکستان عوامی تحریک'' کے نام سے اپنی سیاسی جماعت قائم کرلی اور خود کو قائد انقلاب کہلوانا شروع کردیا۔ علامہ طاہر القادری جانتے تھے کہ ہمارا معاشرہ صدیوں سے شخصیت پرستانہ مزاج رکھتا ہے' لہٰذا قبل ازیں تسخیر اذہان اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اپنے ''خوابوں'' اور ''بشارتوں'' کی خوب تشہیر کی۔ اس ضمن میں ''خبریں'' میں ان کے وہ ''خطاب'' شائع ہوچکے ہیں جن میں انہوں نے کہا تھا کہ رسول کریم ﷺ خواب میں آئے اور کہا کہ طاہر مجھے اسلام آباد کے لیے پی آئی اے کا ٹکٹ خرید کردو۔ اس تقریر کی ویڈیو فلم ''خبریں'' کے فورم میں بھی دکھائی گئی تھی۔ سنجیدہ حلقوں نے اس تقریر اور رسول پاک ﷺ کے حوالے سے خود کو پبلسٹی دینے کے ''طاہرانہ'' حربے کو سخت ناپسند کیا تھا۔

21,20 اپریل 1990ء کی درمیانی شب، علامہ طاہر القادری کی رہائش گاہ پر اچانک فائرنگ کا واقعہ رونما ہوگیا۔ اگلے ہی روز پریس کانفرنس منعقد کرکے انہوں نے اس کی ذمہ داری پنجاب حکومت کے سر ڈال دی' جس کے سربراہ میاں نواز شریف تھے۔ انہوں نے پریس کانفرنس میں الزام لگایا کہ پنجاب حکومت سیاسی قتل کروا رہی ہے۔ اس واقعہ کے بعد خاص بات یہ ہوئی کہ پیپلز پارٹی جس کی مرکز میں حکومت تھی فوراً مدد کو پہنچی۔ اس وقت کے وفاقی وزیر داخلہ چودھری اعتزاز احسن اسی روز خود علامہ صاحب کو ہر ممکن تعاون کا یقین دلانے ان کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔

وزیراعلیٰ کی ہدایت پر پنجاب حکومت نے سنگل بنچ تشکیل دے کر اس واقعہ کی عدالتی تحقیقات کا آغاز کردیا۔ عدالتی تحقیقات کے دوران علامہ صاحب کے دیرینہ رفیق اور محسن ملک فیض الحسن فریق مخالف کی طرف سے بطور گواہ پیش ہوئے۔ انہوں نے اپنے بیان میں قادری صاحب کو احسان فراموش' ناشکرا' خودغرض' جھوٹا' دولت کا پجاری' خود پرست اور شہرت کا بھوکا انسان قرار دینے کے علاوہ ان کی

مذہب سے محبت کو بھی محض ایک ڈھونگ قرار دیا۔ علامہ طاہر القادری شروع شروع میں تو عدالتی تحقیقات میں شامل رہے، مگر بعد میں انہوں نے عدم اطمینان کا اظہار کر کے بائیکاٹ کر دیا۔

18 اگست 1990ء کو سنگل بنچ نے فیصلہ دیا۔ عدالت نے اپنے فیصلہ میں اس واقعہ کو من گھڑت، سستی شہرت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ اور علامہ طاہر القادری کو ذہنی طور پر بیمار آدمی قرار دیا۔

5 نومبر 1996ء کو حکومت کی برطرفی کے باعث محترمہ بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور اقتدار کی مدت ختم ہوئی اور سابق مرد اوّل آصف زرداری حسب سابق ایک بار پھر گرفتار ہو گئے مگر احتجاج کے لیے اس کے باوجود کوئی سڑکوں پر نہ آیا' کیونکہ یہ عوام کے دل کی آواز تھی۔ پیپلز پارٹی کے پورے دور اقتدار میں لیڈروں کو مال بنانے سے فرصت نہ تھی۔ جو جتنا بڑا لیڈر تھا' اس نے اتنا ہی اندھیر مچا رکھا تھا۔ عوام تو عوام جیالوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ مسائل میں بے تحاشا اضافے نے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ نتیجتاً حکومت ٹوٹنے پر عوام سڑکوں پر نہ آئے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو ہر قیمت پر آصف زرداری کو جیل سے نکلوانا چاہتی تھیں اور اس کے لیے لوگوں کا سڑکوں پر آنا اور ایجی ٹیشن ضروری تھا' جبکہ پیپلز پارٹی کا ورکر کسی قیمت پر متحرک ہونے پر آمادہ نظر نہ آتا تھا۔ لہٰذا ایک اتحاد کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی' لیکن کسی بھی قابل ذکر سیاسی جماعت نے اس وقت ایک بار پھر پیپلز پارٹی کے ہاتھوں بے وقوف بننے سے انکار کر دیا تو تخریبی سیاست کے بے تاج بادشاہ نوابزادہ نصر اللہ خان نے علامہ طاہر القادری کی نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اتحاد کی صدارت کا دانہ پھینکا۔ علامہ صاحب صدارت کے شوق میں اپنی توبہ توڑ کر ایک بار پھر کوئے سیاست میں دوڑے آئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسا عالم دین جو دنیا بھر میں دین مبین کی تبلیغ کرتا پھرتا ہو اور وطن عزیز میں اسلامی انقلاب لانے کا دعویدار بھی ہو اور جس کے نزدیک پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ بدی کے دو بت ہیں' اس کی سیاسی قلابازیاں اور قول و فعل میں اس قدر تضاد کیا اسلامی تعلیمات کی روح کے سراسر منافی نہیں؟

دوسرے لفظوں میں کیا یہ کھلی منافقت نہیں؟ کیا علامہ طاہر القادری معاشرے میں اسلامی اقدار کے فروغ کے لیے سنجیدہ مساعی کر رہے ہیں' یا ہوس اقتدار میں مبتلا ایک اور طالع آزما حصول اقتدار کے لیے کوئی چور دروازہ ڈھونڈ رہا ہے؟ اس کا فیصلہ قارئین محترم آپ کو کرنا ہے۔

بیٹا ہوں اگر آنکھیں ارباب دغل دیکھیں
جبہ میں عمامے میں کردار نہیں چھپتے

(روزنامہ خبریں لاہور 5 جون 1998ء)

طاہر القادری کے خط کے جواب میں

ضیا شاہد

ذکر جناب طاہر القادری سے شروع ہوا تھا' جنہیں علامہ' ڈاکٹر یا پروفیسر بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ مجھے ان سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں۔ میں ماڈل ٹاؤن کے اس علاقے میں رہتا ہوں' جس میں ان کی رہائش اور درس گاہ ہے۔ میں نے ان کی کچھ تصنیفات بھی پڑھی ہیں' لیکن سچی بات یہ ہے کہ مجھے ان میں کوئی گہرائی یا سکالروں والی بات نظر نہیں آئی۔ میں نے ایک مرتبہ ان کے ادارے منہاج القرآن کا دورہ بھی کیا ہے اور ایک بار ان کی رہائش گاہ پر ان کی میزبانی کا بھی شرف حاصل کیا ہے۔ اگر وہ صرف دین کے دائرہ تک محدود رہتے تو میرا کوئی ارادہ ان کے بارے میں کچھ لکھنے کا نہیں تھا۔ اگرچہ میرے تجربات انتہائی تکلیف دہ اور میرے احساسات بہت دکھ بھرے ہیں۔ مجموعی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ آج کل دینی قوتوں اور الحاد' لادینی اور بے یقینی کے درمیان ٹکراؤ کی جو پوزیشن ہے اس میں مجھ گناہ گار کا وزن خواہ ریت کے ایک ذرے کے برابر ہی کیوں نہ ہو' اس کو ازلی اور ابدی سچائی اسلام اور اس کے نام لیواؤں کے پلڑے میں ہونا چاہیے اور میں نے ہمیشہ کوشش کی کہ میری زبان یا قلم سے ایسی کوئی بات نہ نکلے جو دینی اعتبار سے کسی بھی مکتب فکر کی دل آزادی کا باعث ہو یا دشمنان دین اسلام کو تقویت پہنچاتی ہو۔

لیکن طاہر القادری آج عالم دین ہی نہیں ایک سیاسی لیڈر بھی ہیں' جن کے بارے میں نعرے لگتے ہیں' لگوائے جاتے ہیں اور چھپوائے جاتے ہیں کہ وہ ہمارے اگلے وزیراعظم ہوں گے۔ لہٰذا میرا ضمیر مجھے ملامت کرے گا اگر میں ایک ایسے شخص کے بارے میں' جو پاکستان کا وزیراعظم' صدر یا

اگلے کسی بھی سیٹ اپ میں اہم حکومتی ذمہ داری کا امیدوار ہو کے بارے میں کچھ جانتا ہوں، مگر فسادِ خلق
کے خوف سے اسے اپنے تک محدود رکھوں۔

طاہرالقادری صاحب کے بطور علامہ، پروفیسر، ڈاکٹر، مذہبی سکالر یا روحانی پیر اگر ان کے کسی
معتقد کی دل آزاری ہوئی ہو تو وہ یہ سمجھ لے کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں، وہ سیاست دان طاہرالقادری کے
بارے میں ہے اور ادارہ منہاج القرآن کلام پاک، حدیث رسول مقبول ﷺ یا دین اسلام کے بارے
میں جو خدمات انجام دے رہا ہے، مجھے اس کا بہت احترام ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ جب طاہرالقادری
نے اپنے لیے سیاسی میدان کا انتخاب کر ہی لیا ہے اور ملک میں دبے دبے ہی سہی، مگر وزیراعظم
طاہرالقادری کے نعرے بھی سنوائے جانے لگے ہیں تو صرف اس پر خاموش رہنا کہ ان کی ایک دینی
درس گاہ بھی ہے اور وہ علامہ، پروفیسر اور ڈاکٹر بھی ہیں، خود پر ظلم عظیم ہوگا۔

قارئین محترم! میں اپنی بات طاہرالقادری کے خط کے پہلے جملے سے شروع کروں گا جس
میں انہوں نے مجھے نام لے کر یہ لکھا ہے کہ:

”امید ہے آپ اپنے اخبار کے ذریعے ملک وملت کے لیے عظیم صحافتی اور جمہوری خدمات
کی انجام دہی میں مصروف ہوں گے۔“

مجھے بہت خوشی ہوئی کہ طاہرالقادری کے خیالات میں میرے اور میرے اخبار کے بارے
میں کافی تبدیلی آئی ہے، کیونکہ یہ وہی اخبار اور وہی ایڈیٹر ہے، جس پر طاہرالقادری کے حکم پر ان کے
پیروکاروں نے چڑھائی کی، انہیں بلیک میلر قرار دیا، ان کے دفتر کا گھیراؤ کیا، ان کے دفتر کے شیشے توڑ
دیئے، ان پر الزام لگایا کہ مجھ سے دس لاکھ روپے مانگتے تھے۔ ان کے خلاف پوسٹر بازی کی، بسیں بھر کر
ایک دن ان کے دفتر کی سڑک دونوں طرف سے بلاک کروادی۔ راوی، چناب اور جہلم کے پلوں پر
لاہور سے اسلام آباد بذریعہ جی ٹی روڈ اپنے پیروکاروں کے ذریعے حملے کروانے کی دھمکی دی، ٹیلی فون
پر قتل کی دھمکیاں بھی ملیں۔ جس کا اخبار جلایا گیا، اخبار کے دفتر کے سامنے مجمع اکٹھا کر کے تقریروں میں
ان کے پیروکاروں نے لاہور، اسلام آباد، ملتان اور کراچی کے علاوہ کئی دیگر شہروں میں مجھ غریب اور
میرے اخبار کو انتہائی غلیظ زبان میں گندی اور ننگی گالیاں دی گئیں۔

یہ خط پڑھ کر میں حیران تھا کہ طاہرالقادری صاحب کو مجھ غریب اور اس کے اخبار کی حمایت
کی کیا ضرورت محسوس ہوئی۔ اس لیے میں نے طاہرالقادری صاحب کے خط کو بار بار پڑھا اور آخر میں
جو دعائیہ کلمات انہوں نے میرے بارے میں لکھے تھے، انہیں پڑھ کر تو میرا دماغ چکرا گیا۔ ذرا یہ کلمات
ملاحظہ فرمائیں:

”ملک کی سلامتی کے ساتھ آپ کی اور آپ کے ادارے کی جو کمٹمنٹ ہے، میں اس سے بخوبی
آگاہ ہوں اور اس کو سلام پیش کرتا ہوں۔ میں ذاتی طور پر اس کا بڑا مداح اور اس کی استقامت کے لیے
دعا گو ہوں اور آخر میں امید کرتا ہوں کہ اداروں کی بقاء، عوام کی جان و مال کے تحفظ، معاشی استحکام اور ملکی
سلامتی اور استحکام کو درپیش خطرات کے پیش نظر آپ میری جدوجہد میں بھرپور تعاون فرمائیں گے۔
کیونکہ آپ کی یہ مدد کسی فرد، جماعت یا نظریے کی نہیں، بلکہ صرف اور صرف پاکستان کی مدد ہوگی۔“

قارئین محترم! طاہرالقادری صاحب کے خیالات مجھ ناچیز کے بارے میں کب تبدیل
ہو گئے، اس کی تاریخ کا کچھ پتا نہیں چل رہا۔ تاہم ایک بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا کہ اس وقت
طاہرالقادری صاحب بذات خود اور بزعم خود ”پاکستان“ بن چکے ہیں اور اب انہیں اپنی جدوجہد میں مجھ
جیسے بلیک میلر، ملک دشمن، اسلام دشمن اور ان سے 10 لاکھ روپے طلب کرنے والے اخبار نویس کے
بھرپور تعاون کی ضرورت ہے اور اس تعاون کے لیے انہوں نے میرے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے
ہیں۔ جس دائرے سے مجھے خارج فرمایا تھا، اس میں کمال مہربانی اور شفقت سے دوبارہ داخل فرما لیا
ہے۔ اس عنایت خسروانہ کے لیے مجھے حضرت صاحب کا سپاس گزار ہونا چاہیے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے
کہ مجھے دربار طاہریہ سے ملک وملت کے لیے عظیم صحافتی اور جمہوری خدمات کی انجام دہی کی سند ملی۔

اب میں نے خط میں سے تلاش شروع کی کہ طاہرالقادری صاحب چاہتے کیا ہیں۔ خط کے
ابتدائی حصے میں انہوں نے قانون، جمہوریت، نظریاتی تشخص، لوٹ کھسوٹ، دہشت گردی، خاندانی
بادشاہت، صحافیوں کو ایڈوائس دینے کی لعنت، اشتہارات کی بندش اور الیکٹرانک میڈیا میں حکمرانوں کی
پروجیکشن وغیرہ کا جو ذکر کیا ہے، اس حصے کا مجھ پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا، کیونکہ میں جس طاہرالقادری کو
جانتا ہوں، وہ جنرل ضیاء الحق کے دور میں سرکاری خطیب سمجھے جاتے تھے اور ٹیلی ویژن پر خوب چہکتے
تھے۔ ظاہر ہے کہ فوجی آمریت کے دور میں خواہ آمر نفاذ اسلام کا نعرہ ہی کیوں نہ لگاتا ہو، شخصی حکومت
بھی تھی اور اداروں کی تباہی بھی۔ پریس ایڈوائس بھی تھی اور دیگر وہ تمام غیر جمہوری، غیر آئینی اقدامات
بھی، جن کے لیے آج طاہرالقادری سراپا احتجاج ہیں۔ لہٰذا ہو نہ ہو اس خط کی وجہ کچھ اور ہے کیونکہ یہی
خرابیاں ہوتیں تو جناب طاہرالقادری صاحب ان کے خلاف اس وقت بھی آواز اٹھاتے جب وہ ضیاء
الحق صاحب کے مارشل لاء اور نیم فوجی صدارت کے دور میں حکومتی اسلام کے نفس ناطقہ تھے، ٹیلی ویژن
سے ان کے درس قرآن سنوائے جاتے تھے، سرکاری کانفرنسوں میں ان کے خطاب ہوتے تھے اور وہ
اتفاق کالونی یعنی وزیراعلیٰ پنجاب جناب نواز شریف کی ذاتی اور سرکاری رہائش گاہ کے ساتھ واقع مسجد
کے خطیب اعلیٰ تھے اور وزیراعلیٰ کے والد جناب میاں محمد شریف صاحب کے بہت چہیتے تھے۔ ظاہر ہے

کہ ان پر ان ساری خرابیوں کے انکشاف جناب نواز شریف صاحب سے ذاتی اور سیاسی علیحدگی کے بعد ہوئے۔ اور اب انہیں حکومت میں یہ ساری خامیاں نظر آ رہی ہیں۔

بہر حال تھوڑی کوشش سے پتا چل بھی گیا کہ آج کل طاہر القادری صاحب کی سوئی کہاں اٹکی ہوئی ہے اور مجھ کمترین اور گناہ گار کو ایسے لچھے دار خطابات کے ساتھ خط لکھنے کی وجہ کیا ہے۔

بدقسمتی سے پاکستان کے بہت سے سیاست دان اور دیگر بڑے لوگ اس واہمے کا شکار ہیں کہ حکومتیں ان کے ایک بیان کی مار ہیں۔ فوج ان کی ایک تقریر کا پریشر برداشت نہیں کر سکتی۔ عوام بے چارے گھروں میں ان کے منتظر بیٹھے ہیں کہ کب وہ کال دیں اور عام آدمی غسل خانے میں بھی بیٹھا ہے تو اٹھ کر سڑک کی طرف دوڑنا شروع کر دے' جہاں لاکھوں کروڑوں افراد کے ساتھ ایسا دھرنا دینے کا پروگرام ہے جس میں سے وہ حکومتی انڈا نکلے گا' جو لیڈر لے جائیں گے اور عوام یعنی ساری مرغیاں ''کڑک'' ہو کر واپس اپنے ڈربوں میں بند کر دی جائیں گی۔

ذکر طاہر القادری صاحب کا ہو رہا تھا' اس لیے بات وہیں سے شروع کرتے ہیں۔

طاہر القادری صاحب کو میں نے پہلی بار آواری ہوٹل کے شالیمار ہال میں دیکھا تھا' جہاں ضیاء الحق صاحب بطور صدر مملکت تشریف فرما تھے' ان کے ساتھ وزیراعلیٰ پنجاب میاں نواز شریف صاحب بھی تھے۔ اچانک لکھے ہوئے پروگرام اور چھپی ہوئی شرکاء کی فہرست سے ہٹ کر ایک باریش نوجوان کو سٹیج پر بلایا گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ پروفیسر صاحب نواز شریف صاحب کی سفارش پر بطور مقرر بلائے گئے ہیں اور ان کی اتفاق مسجد کے خطیب ہیں۔

جو تقریر میں نے سنی' وہ موضوع سے بالکل ہٹ کر اور طوالت کا شکار تھی اور میرے ساتھ کئی اور سننے والے بھی حیران تھے کہ یہ سفارشی مقرر داخل کر کے ساری تقریب کا بیلنس کیوں خراب کیا گیا ہے۔ تاہم جلد ہی یہ بات عام ہونے لگی کہ طاہر القادری صاحب حکومت میں بہت ''ان'' ہیں۔ لوگ میاں صاحب تک پہنچنے کے لیے انہیں بطور وسیلہ استعمال کرتے ہیں۔ بیورو کریسی خاص طور پر ان سے دبتی ہے۔ اچھی پوسٹنگ کے لیے ان تک سفارش کے لیے جانے کا رواج عام ہے۔ شریف فیملی کی اپنی ذاتی زندگی میں دینداری اور نماز روزے کی پابندی کا فائدہ اٹھانے کے لیے اکثر ضرورت مندوں اور بڑے افسروں نے جمعہ کی نماز اتفاق مسجد میں ادا کرنا شروع کی' جہاں طاہر القادری صاحب خطبہ دیتے تھے۔ بڑے میاں صاحب اور چھوٹے میاں صاحبان کی قربت حاصل کرنے کے خواہش مند لوگوں نے دھڑا دھڑ اتفاق مسجد میں جانا شروع کر دیا۔

ان دنوں کا ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

ہمارے دوست محمد حنیف رامے اپنی فدا محمد خان والی مسلم لیگ سمیت نواز شریف صاحب والی مسلم لیگ میں شامل ہو چکے تھے اور شہباز شریف صاحب نے انہیں شمالی لاہور سے الیکشن لڑنے کے لیے تیاری کرنے کی اطلاع بھی دے دی تھی۔ وہ پہلے بھی اس علاقے سے ایم پی اے رہ چکے تھے۔ رامے صاحب کی مرحومہ بیگم اور ہماری بہت پیاری بھابی شاہین سخت بیمار تھیں اور کینسر کی آخری سٹیج پر تھیں۔ رامے صاحب اس وجہ سے تو پریشان تھے ہی' لیکن عین وقت پر ایم این اے کا ٹکٹ بھی ان کے بجائے پیر اشرف کو دے دیا گیا' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیر اشرف ہار گئے اور سیٹ جنرل انصاری لے گئے۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ فیصلہ بھی اتفاق مسجد ہی میں جا کر پیر محمد اشرف نے اپنے حق میں کروایا تھا۔

طاہر القادری صاحب ہمیشہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نواز شریف صاحب اور ان کے خاندان کے ان پر کوئی احسان نہیں اور انہوں نے شریف خاندان سے کوئی مالی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اللہ معاف کرے' کیونکہ اس سے بڑا جھوٹ شاید میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں سنا۔ ماڈل ٹاؤن میں اپنے ادارے کی زمین اور سہولتیں' جو سرکاری ریٹ پر لیں' انہیں ایک طرف رکھ دیں تو بھی ٹاؤن شپ میں منہاج القرآن یونیورسٹی کی ''بے تحاشا'' زمین' جو سرکاری ریٹ پر انہیں دی گئی' اس کا حساب کر لیں تو یہ کروڑوں کا فائدہ بنتا ہے۔ بہر حال یہ بات چھپ چکی ہے کہ طاہر القادری صاحب عمرہ کے لیے گئے تو علامہ صاحب کے لیے شریف خاندان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ نواز شریف صاحب عمرہ کے بعد طاہر القادری صاحب کو کندھے پر اٹھا کر غار حرا تک لے گئے تھے۔

آپ خود تصور کر سکتے ہیں کہ ایک شخص عالم دین بھی ہو اور وزیراعلیٰ کے خاندان کی مسجد کا خطیب بھی ہو' خود وزیراعلیٰ کے کندھوں پر سواری بھی کر چکا ہو تو اس کے مزاج کس آسمان پر ہوں گے۔ میں پھر ایک چھوٹا سا واقعہ بیان کرتا ہوں۔

میں روزنامہ جنگ میں ڈپٹی ایڈیٹر تھا اور میگزین' فورم اور رپورٹنگ سیکشن میرے پاس ہوتے تھے۔ رات کو نیوز ڈیسک البتہ میرے دوسرے کولیگ کے پاس تھا' جس کا عہدہ بھی ڈپٹی ایڈیٹر کا تھا۔ ایک روز مجھے آپریٹر نے کہا کہ ادارہ منہاج القرآن سے علامہ طاہر القادری صاحب آپ سے بات کریں گے۔

میری ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور نہ کبھی فون پر بات کی تھی۔ انہوں نے چھوٹتے ہی فون پر کہا: ضیا شاہد صاحب آپ فلاں تاریخ کو ہمارے ساتھ لندن چل رہے ہیں' جہاں منہاج القرآن کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ آپ کا ٹکٹ اور قیام و طعام ہمارے ذمہ ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ میں اخبار نویس کے امیج کے بارے میں بہت حساس رہا ہوں اور مجھے یہ

بات پسند نہیں کہ کوئی اخبار نویس کو میراثی یا نائی سمجھے۔ میں نے کہا جناب آپ نے مجھ سے پوچھے بغیر کیسے پروگرام بنالیا کہ میں آپ کے ساتھ لندن جاؤں گا۔ ''جنگ'' لندن سے نکلتا ہے' لہٰذا آپ کو وہاں سے فوٹو گرافر اور رپورٹر مل سکتے ہیں۔ اگر مجھے کبھی لندن جانا ہوا تو میں اپنا ٹکٹ خود خریدوں گا یا میرا ادارہ خریدے گا' جو اللہ کے فضل سے کافی مضبوط مالی پوزیشن کا حامل ہے اور لندن میں میری بیوی کے بڑے بھائی عرصہ سے قیام پذیر ہیں' مجھے قیام و طعام کے لیے آپ کی پیشکش کی ضرورت نہیں' کیونکہ میں ہمیشہ وہاں ٹھہروں گا۔

طاہر القادری صاحب کو شاید امید نہیں تھی کہ ایسا جواب ملے گا' لہٰذا انہوں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں نے تو میر خلیل الرحمٰن صاحب سے بات کی تھی' انہوں نے کہا کہ کالم لکھنے کے لیے ارشاد احمد حقانی صاحب اور رپورٹنگ اور بعد میں کلر صفحہ تیار کرنے کے لیے ضیا شاہد صاحب مناسب رہیں گے۔

میں نے کہا' جناب ارشاد احمد حقانی بڑے کالم نویس ہیں' وہ آپ کے مہمان بننا چاہیں تو وہ جائیں اور آپ جائیں۔ میں تو ''جنگ'' کا ملازم ہوں' اگر میرے صاحب حکم دیں گے تو میں دفتر کے ٹکٹ پر لندن جاؤں گا۔ اگر صرف رنگین صفحہ کے لیے میری خدمات مطلوب ہیں تو ہمارا لندن آفس ہمیں تصاویر اور میٹر بھجوا دے گا' اس لیے میرے جانے کی ضرورت نہیں۔

علامہ صاحب نے شاید اطمینان کا سانس لیا ہو' کیونکہ انہوں نے مجھے کوئی تاریخ بتائی اور کہا کہ ٹھیک ہے' آپ نوٹ کر لیں کہ فلاں تاریخ کو فرنٹ اور بیک پیج چار رنگ میں ہماری کانفرنس پر ''جنگ'' خصوصی ایڈیشن شائع کرے گا۔ میری تصاویر کے لیے آپ کلر فوٹو گرافر میرے پاس بھجوا دیں۔ باقی تصاویر اور میٹر ہم لندن آفس کو فراہم کر دیں گے۔

میں نے پھر عرض کی کہ جس تاریخ کا آپ نے ذکر کیا ہے اس دن ''جنگ'' کا معمول کا سپورٹس ایڈیشن آتا ہے' تاہم اگر ہمارے چیف ایڈیٹر میر خلیل الرحمٰن صاحب یا ریذیڈنٹ ایڈیٹر میر شکیل الرحمٰن صاحب مجھے ہدایت کریں گے کہ معمول کا ایڈیشن روک کر آپ کا صفحہ چھاپا جائے' تو ہم حاضر ہیں۔

طاہر القادری صاحب ان دنوں شاید خود کو اختیارات اور شہرت کے اعتبار سے ساتویں آسمان پر سمجھتے تھے' لہٰذا انہوں نے انتہائی غصے کا اظہار کیا اور کہا کہ میں طاہر القادری آپ سے کہہ رہا ہوں کہ کراچی میر خلیل الرحمٰن سے بات ہو چکی ہے اور آپ جس عدم تعاون کا اظہار کر رہے ہیں' اس کے بعد آپ کے لیے یہاں بیٹھنا مشکل ہو جائے گا۔ میں نے جواباً کہا کہ آپ جس لہجے میں بول رہے ہیں'

مجھے اس لہجے میں بات سننے کی عادت نہیں۔ میں تو آپ سے کہہ چکا ہوں کہ میں ملازم ہوں۔ آپ انہوں سے بات کر لیں' وہ فیصلہ کریں گے تو ہمیں کیا انکار ہو سکتا ہے' لیکن انہوں نے مجھے ایسی کوئی ہدایت نہیں دی۔ لہٰذا میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا' نہ آپ کی بات ان کے حکم کے بغیر مان سکتا ہوں۔

طاہر القادری صاحب نے اس پر میرا نام دوسری مرتبہ پوچھا اور کچھ ایسی بات کہی کہ آپ اس سیٹ پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہیں۔ میں نے کہا کہ جنہوں نے اس سیٹ پر بٹھایا ہے آپ ان سے بات کریں۔ وہ نکال دیں گے تو کسی اور جگہ جا کر مزدوری کر لیں گے' لیکن آپ کا جتنا نام سنا ہے' آپ میں اس اعتبار سے جو حوصلہ اور قوت برداشت ہونی چاہیے' وہ بالکل موجود نہیں بلکہ آپ تو مجھے دھمکیاں دے رہے ہیں۔

(ضیاء شاہد کا کالم ''تجزیہ'' روزنامہ خبریں لاہور 8 تا 14 اگست 1999ء)

علامہ طاہر القادری کی پیشکش

راحت ملک

حضرت علامہ پروفیسر طاہر القادری نے حکومت کو بلامعاوضہ اپنی خدمات پیش کردی ہیں۔ علامہ صاحب نے اپنی پیشکش میں یہ نہیں بتایا کہ وہ کس شعبے میں حکومت کی رہنمائی فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ البتہ ''بلامعاوضہ'' اپنی گراں قدر خدمات پیش کر کے انہوں نے وطن عزیز پر احسان کیا ہے۔

البتہ ہم جیسے عام آدمی کے لیے علامہ صاحب کی اس پیشکش کو سمجھنا مشکل ہے کہ عام آدمی علامہ ہوتا ہے نہ پروفیسر، وہ اگر غلطی سے پروفیسر ہو بھی جائے تو علامہ نہیں ہو سکتا۔ آپ دیکھ لیں ملک میں کئی علامہ ہیں، لیکن وہ پروفیسر نہیں ہیں اور بے شمار پروفیسر ہیں، جو علامہ نہیں ہیں۔ بیک وقت علامہ اور پروفیسر ہونے کا اعزاز طاہر القادری صاحب کو ہی حاصل ہے۔ وہ اگر اپنے بیان میں یہ بھی بتا دیتے کہ وہ کس شعبے میں حکومت کی رہنمائی فرمانا چاہتے ہیں، تو ارباب اقتدار کو ان کی درخواست پر غور کرنے میں آسانی ہوتی، لیکن علامہ اور پروفیسر کے دو اعزاز اس امر کا اظہار ہیں، کہ وہ حکومت کی رہنمائی تمام شعبوں میں کر سکتے ہیں، لہٰذا انہیں کسی ایک شعبے تک محدود کرنا بعید از فہم ہے۔

اب حکومت یقیناً سوچ رہی ہوگی کہ اس تناظر میں وہ کیا کرے۔ پھر علامہ صاحب کے مخالفین مذہبی عقیدے پر اختلافات کے ترکش چلانا شروع کر دیں گے۔ اس طرح پورے ملک کی پرسکون فضا خلفشار کا شکار ہو جائے گی۔ علامہ صاحب کی طرف سے اپنی خدمات کی بلامعاوضہ پیشکش پر ارباب اقتدار نے اگر ہمدردانہ غور بھی کیا تو ''خدمت'' کے لیے ان کی زندگی کے جملہ ادوار کی ہسٹری

خاص کی ایجنسیوں سے یقیناً طلب کی جائے گی، جو یہ بتائیں گی کہ علامہ صاحب اپنی ملازمت کے دوران میں پیدل تھے اور اب پجارو پر ہیں۔ ماضی میں علامہ صاحب محافظوں کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے لیکن اب وہ محافظوں کے حفاظتی حصار میں ہوتے ہیں۔ ماضی میں ان کا بینک بیلنس صفر تھا، لیکن اب وہ خاصے مالدار ہیں۔ یہ اور اس قسم کے کئی پہلو حکومت ضرور دیکھے گی۔ علامہ صاحب کی یہ بلامعاوضہ پیشکش اور ان کا وہ بیان، جس میں انہوں نے فرمایا تھا اگر جی ڈی اے کے جلسہ عام میں کسی نے بےنظیر کا نعرہ لگایا تو جی ڈی اے کو نقصان پہنچ سکتا ہے، کا تجزیہ ماہرین نفسیات کو ضرور کرنا چاہیے۔

اب ان کے بینظیر کے نعروں والے بیان پر غور کریں تو علامہ صاحب کی شخصیت کے تین پہلو سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ موصوف کا ذہن آمرانہ ہے، دوسرے یہ کہ وہ انتہا کے خود پسند ہیں اور تیسرے یہ کہ ان کے قلب مومن میں لالچ اور خصوصاً اقتدار کی بے قابو حرص انگڑائیاں لے رہی ہے، جس پر پروفیسر صاحب جیسا جہاں دیدہ علامہ بھی قابو نہیں رکھ سکا۔

علامہ طاہر القادری صاحب تو ماشاء اللہ عالم دین بھی ہیں اور ''صالح'' سیاستدان بھی۔ علماء اور درویش منش لوگ مناصب کے طلبگار نہیں ہوتے، مناصب خود ان کا تعاقب کرتے ہیں۔ سیاستدانوں اور درویش صفت علماء کی سوچ اور بود و باش میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ پاکستان کے سیاستدان دوشیزۂ اقتدار کا طواف کرتے نہیں تھکتے اور اگر علماء بھی دین محمدی کی شمع کا طواف کرنے کے بجائے لیلائے اقتدار کے گیسوؤں سے لٹکنے کی والہانہ لغزش کرنا پسند فرما رہے ہوں تو سیاسی گٹر میں گری ہوئی یہ قوم اپنے کردار و عمل کے انحطاط کی دلدل سے کیسے نکل سکتی ہے؟

یہاں ان غمگساران قوم کی کمی نہیں، جو اس سیاسی مافیا کو دشنام سے نوازتے ہیں اور خود کو مافیا منوانا چاہتے ہیں، جو اس نظام سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور اس نظام کا کل پرزہ بھی بننا چاہتے ہیں، جو جمہوریت پسند ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور عوامی قوت کے بغیر اقتدار کے چور دروازوں پر بھکاری دکھائی دیتے ہیں۔ جو بات اسلامی اور مصطفوی انقلاب کی کرتے ہیں اور قوم کو یہ بتانے سے گریزاں ہیں کہ ان کے حقیقی حکمران یہود و نصاریٰ ہیں، جو یہودیوں کے ان ملازم سیاستدانوں کا اقتدار گرانے کے لیے دھرنے اور تحریکیں تو چلاتے ہیں، لیکن ان کے آقاؤں کے خلاف کوئی دھرنا اور کوئی تحریک نہیں چلاتے۔ جو رب العزت کے دیے ہوئے انسان حقوق پر تو روشنی ڈالتے ہیں، لیکن 52 سال سے عوام پر مسلط شیطانی نظام کے خلاف آواز بلند نہیں کرتے، جو حقوق العباد کی باتیں تو کرتے ہیں، لیکن کسی کی میت کو کندھا دینا پسند نہیں کرتے اور نہ کسی مظلوم کو ظلم سے نجات دلانے کے لیے اس کے ساتھ دو گام چلنا گوارا کرتے ہیں۔ جو جاگیرداروں، سرمایہ داروں کی جاہ پسندی پر معترض تو ہیں، لیکن ان

کی اپنی بود و باش کا انداز جاگیرداروں اور سرمایہ داروں جیسا ہے۔ وڈیرے بھی اپنے اور عوام کے درمیان فاصلہ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں اور ہمارے دینی رہنماؤں نے بھی اپنے اور مخلوق خدا کے درمیان دیوار کھینچ رکھی ہے' لیکن اس سب کے باوجود سیاست کے میدان میں ہر سیاستدان عوام کو ساتھ ملا کر اقتدار کے مزے لوٹتا ہے' لیکن ہمارے مذہبی رہنما عوام کی طرف توجہ فرمانے اور اپنے عدم وجود کا ادراک کیے بغیر اقتدار کے لیے دیوانے ہوا چاہتے ہیں۔

آخر میں علامہ صاحب سے گزارش ہے کہ کوئی بھی دیانتدار بلا معاوضہ خدمات سرانجام ہی نہیں سکتا اور پھر جس کی نیت ہو کہ اقتدار میں بھی اسے دیانتدار ہی رہنا ہے تو وہ اپنی بلا معاوضہ خدمات کیسے برقرار رکھ سکتا ہے؟ بلا معاوضہ خدمات تو وہ سرانجام دے سکتے ہیں' جن کا منشور ہی لوٹنا ہے۔ اللہ طاہرالقادری صاحب کو قوم و وطن کی بے لوث خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(روزنامہ خبریں لاہور 11 نومبر 1999ء)



خدا کے واسطے جھوٹی نہ کھایئے قسمیں

سعادت خیالی

عوامی تحریک کے سربراہ مولانا طاہرالقادری میری طرح کے کئی اور صحافیوں کے بھی جہاں دیدہ سیاسی' بزرگ اداکاروں' میں سے ہیں۔ انہیں روحانیت ہی سے سیاست میں آنے کے کافی عرصہ بعد یہ افسوسناک احساس ہوا ہے کہ شرپسند قوتیں اور ایجنسیاں جب کوئی اور مفید کام نہیں پاتیں تو وہ ان کی کردار کشی میں مشغول ہو جاتی ہیں حالانکہ وہ اگر چاہیں تو کسی اور خرابی پر بھی مشق ستم کر سکتی ہیں کہ ہمارا پورا معاشرہ خرابیوں سے بھرا ہوا ہے لیکن نہ جانے وہ کیوں ان ہی کے "کھتے" لگے ہوئے ہیں۔

اس وقت اگر مولانا نعوذ باللہ یہ بھی کہہ دیتے کہ بالآخر حضور پاک ﷺ ان کے گھر کے باہر رکشہ سٹینڈ تک بھی آئے اور اپنا تقاضا دہرایا تو میں "لف" گیا اور خود تو مرا ہی تھا ساتھ ہی جمانوں کو بھی لے بیٹھا۔

پچھلے دنوں ان کے مریدوں نے یہ افواہ اڑائی کہ انہیں جنرل پرویز مشرف نے قومی سلامتی کونسل میں شمولیت کے لیے "ترلے تے منتاں" شروع کر دی ہیں چنانچہ اس وقوعہ میں رنگ بھرنے کے لیے اخباری نمائندوں کی ایک کانفرنس میں انہیں یہ سیاسی ڈرامہ کرنا پڑا کہ ان کا پی اے موبائل لے کر آیا اور اخباری نمائندوں سے ان کی گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ جنرل پرویز مشرف کا فون آرمی ہیڈکوارٹر سے آیا ہے۔ اس پر حضرت مولانا موبائل پکڑ کر سامنے چلے گئے اور اس پر کچھ عرصہ تک مسلسل انکار میں سر ہلانے کے بعد واپس آئے اور اخبار والوں کے استفسار پر بتایا کہ انہوں نے جنرل صاحب کو بتا دیا ہے کہ وہ سیاسیات میں آگے جانا چاہتے ہیں لہٰذا فوج کی طرف سے بڑی سے بڑی ذمہ داری

بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جب اخباری نمائندوں نے بتایا کہ فوجی حکومت نے تو آخری اطلاعات آنے تک تمام موبائل فونوں کا آپریشن معطل کر رکھا ہے تو انہوں نے سنی ان سنی کرتے ہوئے پریس کانفرنس کے موضوع کو آگے بڑھانا شروع کر دیا اور یہ واویلا کیا کہ شر پسند قوتیں اور ایجنسیاں ان کی کردار کشی کر رہی ہیں اور پھر انہوں نے ''مکڑی مکائی'' اور کہا وہ شخص جس کو تین مرتبہ ضیاء الحق نے وزارت کی پیشکش کر کے ہیٹ ٹرک کرنے کے مواقع فراہم کیے ہوں اور اس نے ٹھکرا دیئے ہوں' وہ اب کیا قبول کرے گا اور پھر مولانا قادری یہ دور کی کوڑی بھی لائے کہ میرا کردار یہ ہے کہ نواز اور شہباز میری جوتیاں سیدھی کرتے رہے لیکن ان سے ایک پیسہ تک نہ لیا حالانکہ میاں شریف کا بیان ہے کہ جب طاہر القادری ہمارے پاس آئے تو وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں تھے اور انہیں اس وقت پہلے والا جوتا بھی نصیب نہیں ہوا کہ جسے نواز شہباز اٹھانے کی زحمت گوارا کرتے۔ پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ وہ جوتے بھی سیدھے کرنے کی مشقت کرتے اور پلے سے ایک پیسہ بھی ادا کرتے' بھلا یہ کہاں کا کاروبار ہے؟ اور پھر انہوں نے اپنے وسیع تر غیر ملکی دوروں' اجتماعات اور ہزار بارہ سو زیر کفالت گن مینوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی گزر بسر کے لیے چھوٹا سا کاروبار کرتے ہیں لیکن زکوٰۃ قرض اٹھا کر دیتے ہیں اور پھر سارا سال یہ قرض اتارنے ہی میں گزار دیتے ہیں۔ آج تک کسی ہوٹل میں نہیں ٹھہرے اور کسی بھی تقریب کے کھانے سے متعلق تو وہ اس حد تک جذباتی ہو کر یہ تک کہہ گئے کہ اگر یہ حقیقت کوئی دوسرا بیان کرتا وہ اس کا سر توڑ دیتے کہ انہوں نے اپنی جماعت کے نام ایک لقمہ بھی کھایا ہو تو خنزیر کھایا ہو۔ ہم تو ان کے ان دکھی جذبات پر ابھی سے کان پکڑتے ہیں اور ان کے احترام کے مسئلہ میں ہمارے دل میں' جو جو خلیے' جو جو خانے خالی تھے' وہ بھی بھر گئے ہیں۔ ہم ان سے صرف اتنی درخواست کرتے ہیں کہ محترم کون آپ پر نواز شریف فیملی کا کفیل ہونے' تحریک کا پیسہ یا لقمہ کھانے' سارا سال مقروض رہنے' چھوٹا سا کاروبار کرنے اور جنرل پرویز مشرف کی طرف سے انہیں اپنی کابینہ میں شرکت اور ان کے خوابوں کے دعوؤں پر اعتماد کا یقین نہیں کرتے۔ ہماری درخواست ہے کہ

''خدا کے واسطے جھوٹی نہ کھایئے قسمیں مجھے یقین ہوا مجھ کو اعتبار آیا۔''

(روزنامہ دن لاہور 22 نومبر 1999ء)

❁❁❁❁❁

طاہر القادری صاحب کا متنازعہ خواب

ممتاز شفیع

گذشتہ دنوں ''خبریں'' کے چیف ایڈیٹر نے طاہر القادری صاحب کے بارے میں سلسلہ مضامین لکھنا شروع کیا' وہ درمیان ہی میں رک گیا کیونکہ ملکی حالات کی تبدیلی بالخصوص جنرل مشرف کی آمد کے باعث زیادہ اہم اور نئے مسائل سامنے آ گئے۔ تاہم میرے پاس چند ایک معلومات موجود ہیں' جو ''خبریں'' کے قارئین کی نذر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

جناب طاہر القادری صاحب بھی ان لیڈروں میں شامل ہیں' جو اپنی تعریف ہی پسند کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر اخبار میں ان کی بھرپور کوریج ہو۔ انہوں نے شریف فیملی سے اپنا تعلق ختم کیا تو سیاست کے میدان میں نئے ہونے کے باوجود وہ اخبار نویسوں سے فرمائش کرتے تھے کہ میری خبر فرنٹ پیج پر ہیڈ لائن کے طور پر شائع ہونی چاہیے۔ شہرت خصوصاً اخباری پبلسٹی ہر لیڈر کی خواہش ہوتی ہے۔ اس میں کوئی برائی بھی نہیں' مگر یہ تو انصاف نہیں کہ اگر کوئی اخبار طاہر القادری صاحب کے حق میں اور ایسے مضامین شائع کرتا رہے تو وہ بہت اچھا ہے لیکن جو اخبار ان کے خلاف حقیقت پر مبنی کوئی خبر شائع کرے تو وہ اس اخبار سے سخت ناراض ہو جائیں اور اپنے کارکنوں کو ڈنڈے' سوٹے دے کر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیں کہ انہیں ہمارے خلاف صحیح خبر چھاپنے کا مزہ چکھا کر آؤ۔

جولائی 1993ء میں طاہر القادری صاحب کے بعض ''خوابوں'' کا بڑا چرچا ہوا اور ویڈیو کیسٹ بھی مارکیٹ میں آ گئی' جس میں وہ دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اپنی ملاقاتوں اور بات چیت کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ خواب میں رسول کریم ﷺ

نے ادارہ منہاج القرآن بنانے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ رسول کریم ﷺ اہل پاکستان کی دعوت پر پاکستان آئے تھے' مگر وہ اس بات پر ناراض ہو گئے کہ اہل پاکستان نے ان کی میزبانی نہیں کی۔ اس پر طاہر القادری صاحب نے آپ ﷺ کے پاؤں پکڑ لیے کہ واپس نہ جائیں۔ اس گریہ وزاری پر آپ ﷺ کے دل میں رحم آ گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس شرط پر پاکستان میں سات دن کے لیے رکوں گا کہ تم میرے میزبان بن جاؤ اور پاکستان میں جہاں کہیں جاؤں گا' اس کے لیے سارا انتظام اور مدینہ واپسی کا ٹکٹ تمہیں دینا ہو گا۔

طاہر القادری صاحب نے ایک خواب ایسا بھی سنایا' جو انہوں نے سات آٹھ سال کی عمر میں دیکھا تھا کہ حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دائیں' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بائیں اور طاہر القادری صاحب کو پیار سے دائیں طرف پہلو میں بٹھایا تھا۔ ایک خواب یہ بھی سنایا کہ حضور ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ' حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ طاہر کو لے جاؤ اور آگ میں سے گزارو تا کہ اس کا خوف دور ہو جائے۔ ایسے کئی خواب وہ سناتے رہے۔ ''خبریں'' کے قارئین نے ان کی ایک ویڈیو کیسٹ ہمیں فراہم کر دی۔ قارئین کی جانب سے ہم نے ''خبریں'' فورم ہال میں علماء کرام اور وکلاء کو وہ کیسٹ دکھائی' جس کا انہوں نے بڑی سختی سے نوٹس لیا اور طاہر القادری صاحب کے خوابوں کو من گھڑت اور توہین آمیز قرار دیا۔ اس فورم میں طاہر القادری صاحب کے نمائندہ کے طور پر مولانا احمد علی قصوری صاحب تشریف لائے تھے اور انہوں نے قادری صاحب کا دفاع کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔

مفتی غلام سرور قادری صاحب نے اس کیسٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''طاہر القادری تو مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح چالیں چلتے ہیں۔ قیامت کے دن اپنے گناہوں کے حساب کے لیے تیار رہیں' کیونکہ انہوں نے اسلام کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی ہے۔'' علامہ محمود احمد رضوی نے کہا تھا کہ: ''ایسی باتیں پھیلانا مناسب نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا' جس نے مجھ پر جھوٹ بات بنائی' اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ مولانا عبدالرحمان اشرفی صاحب نے کہا تھا کہ ''طاہر القادری صاحب کی باتوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں' ان کی کیسٹ کو ضبط کر لینا چاہیے کیونکہ اس سے فتنے کا ڈر ہے۔'' ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے کہا تھا کہ ''خواب برحق ہوتے ہیں لیکن طاہر القادری نے ذاتی نمود و نمائش کے لیے خواب بیان کر کے خود کو متنازعہ بنا لیا۔'' صاحبزادہ فضل کریم نے کہا تھا کہ ''طاہر القادری صاحب کا بیان شان رسول ﷺ میں گستاخی ہے' وہ اللہ سے معافی مانگیں اور محض اپنا قد بڑھانے کے لیے ایسے بیانات نہ دیں۔'' جنرل ایم ایچ انصاری نے کہا تھا کہ ''ایسے خوابوں کا ذکر ذاتی تشہیر کے لیے کرنا قابل افسوس

ہے۔ یہ من گھڑت ہے کہ حضور ﷺ نے سفر کے لیے ہوائی جہاز کے ٹکٹ کا مطالبہ کیا۔'' جمعیت اہل حدیث کے سیکرٹری جنرل میاں محمد جمیل نے کہا تھا کہ ''طاہر القادری نے گستاخی کی انتہا کر دی۔ وہ لوگوں کی نظروں میں نفرت اور حقارت کا نشان بن چکے ہیں۔ ایسے افراد کا محاسبہ ہونا چاہیے۔''

سپاہ صحابہؓ کے سربراہ مولانا حق نواز جھنگوی نے اپنی شہادت سے چند روز قبل کہروڑ پکا میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''طاہر القادری صاحب باغیوں کے ایجنٹ اور نواز شریف صاحب کے نمک حرام ملا ہیں۔ ایسے لوگوں کو معاف نہیں کرنا چاہیے۔ نبوت ﷺ کی زبان سے کوئی خلاف واقعہ جملہ نہیں نکلا۔ طاہر القادری دولت کے بل پر مصطفوی انقلاب کا نعرہ لگا کر عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔'' تحریک فہم القرآن کے سربراہ میجر (ر) امین منہاس نے کہا تھا کہ ''طاہر القادری کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنی کیسٹیں ضائع کر دیں اور اظہار ندامت کریں۔'' ''سپاہ صحابہؓ کے رہنما مولانا ضیاء القاسمی نے کہا تھا کہ ''اسلامی تاریخ میں مسیلمہ کذاب کے بعد طاہر القادری نے امت مسلمہ میں گمراہی پھیلانے کی کوشش کی۔'' پیر محمد فضل قادری نے کہا تھا کہ ''انہیں سرعام کوڑے مارے جائیں تا کہ آئندہ کسی کو ایسی جسارت نہ ہو۔ .اعت اہلحدیث کے مرکزی سیکرٹری جنرل مولانا ریاض الرحمان یزدانی نے کہا تھا کہ ''علماء بورڈ تشکیل دے کر طاہر القادری کو کڑی سزا دی جائے۔'' پیر سیّد سعید احمد شاہ نے کہا کہ ''مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کی بنیاد بشارتوں پر رکھی گئی۔ تحریک منہاج القرآن بھی ایسی ہی بشارت سے چلی۔ طاہر القادری کو ماہر نفسیات سے علاج کرانا چاہیے۔''

عوامی تحریک کے سینئر وائس چیئرمین اور طاہر القادری کے دست راست مولانا احمد علی قصوری' جو ان دنوں طاہر القادری صاحب کے ساتھ تھے' نے بھی علماء کرام اور وکلاء کے ساتھ کیسٹ دیکھی' انہوں نے اعتراف کیا کہ کیسٹ اصل ہے۔ لیکن انہوں نے طاہر القادری صاحب کا دفاع کیا اور کہا کہ یہ علمی مسئلہ ہے اور اسلامی تاریخ میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ رسول پاک ﷺ برگزیدہ ہستیوں کے خواب میں آتے اور رہنمائی فرماتے ہیں۔ اسے جعلی نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں موجود تمام باتیں طاہر القادری کی ہیں۔ واضح رہے کہ عوامی تحریک اور منہاج القرآن کی جانب سے شروع میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ روزنامہ خبریں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ خواب میں ملاقاتوں کے بارے میں طاہر القادری کی جس کیسٹ کی تفصیلات شائع کی ہیں' وہ جعلی ہیں۔

مولانا عبدالقادر آزاد نے کہا تھا کہ ''کیسٹ دیکھ کر میرا شک دور ہو گیا۔ طاہر القادری نے پیغمبر اسلام کی بے حرمتی کی ہے۔ مولانا محمد اجمل خان نے کہا تھا کہ: ''خبریں'' نے طاہر القادری کے جرائم کو عوام تک پہنچا کر عظیم احسان کیا ہے۔'' تحریک جعفریہ کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات سیّد قمر حیدر

زیدی نے کہا تھا کہ ''طاہر القادری کے دماغ کا معائنہ کرایا جائے۔''

ان شخصیات کے علاوہ بھی بہت سے اہم لوگوں اور تنظیموں نے طاہر القادری صاحب کے خوابوں پر اپنے شدید ردعمل کا اظہار کیا تھا مگر طوالت کے خوف سے سب کا ذکر نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے پہلے ہی واضح کیا ہے کہ سیاسی لیڈر عام طور پر اپنے بارے میں سچی خبریں پڑھنا گوارا نہیں کرتے۔ طاہر القادری صاحب نے بھی یہی کیا اور انہوں نے بیس پچیس حامیوں کو ''خبریں'' اسلام آباد کے دفتر میں بھیج دیا' جہاں علماء کرام کو طاہر القادری کے خوابوں کی کیسٹ دکھانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ان کے حامی پہلے تو دفتر کے باہر مخالفانہ نعرے لگاتے رہے' پھر لبرٹی فورم میں گھس گئے' عملے کو دھمکیاں دیں' دفتر میں ہنگامہ کر دیا اور طاہر القادری کی کیسٹ اڑا لی۔ ایک حملہ آور کو دفتر کے عملے نے پکڑ لیا۔ باقی حضرات کو منتشر کرنے کے لیے پولیس بلانا پڑی۔ بعد میں طاہر القادری کی کیسٹ لاہور آفس سے منگوا کر دکھائی گئی۔

ان دنوں طاہر القادری صاحب لندن میں تھے۔ ان کا وہاں سے فرمان جاری ہوا' جو فارسی محاورے ''عذر گناہ' بدتر از گناہ'' کے مصداق تھا۔ چونکہ ویڈیو کیسٹ موجود تھے' لہٰذا وہ اپنے جملوں سے انکار تو نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم انہوں نے ایک عجیب و غریب تاویل کی اور کہا کہ وہ سب کچھ میں نے مجلس خاص میں کہا تھا اور عام لوگوں کے لیے نہیں تھا۔ اللہ معاف کرے' کیا مجلس خاص میں بھی رسول پاک ﷺ سے منسوب کر کے ایسی باتیں کہنا کسی بھی طرح سے جائز قرار دیا جا سکتا ہے کہ خواب ہی میں سہی رسول پاک ﷺ نے طاہر القادری صاحب سے پی آئی اے کا ٹکٹ مانگا تھا۔

آج طاہر القادری صاحب سیاست میں ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ جو شخص عام زندگی میں اس حد تک چلا جاتا ہے کہ رسول پاک ﷺ کے حوالے سے بھی دروغ گوئی کرنے سے باز نہیں آتا' وہ سیاست میں آ کر کیا کرے گا؟ کیا آپ اس سے سچائی کی' احتساب کی یا خدمت عوام کی کوئی بھی توقع کر سکتے ہیں؟

(روزنامہ ''خبریں'' لاہور 3 نومبر 1999ء)

باکسنگ کا کھیل اور قادری صاحب

ظفر اقبال

ایسا لگتا ہے کہ جدید عہد میں کمپیوٹر کا سب سے زیادہ فائدہ علامہ طاہر القادری اٹھا رہے ہیں کیونکہ ان کی ہر تقریر اعداد و شمار کا شاہکار ہوتی ہے' اگرچہ یہ حساب زیادہ تر روپے پیسوں ہی کا ہوتا ہے' تاہم جتنی دل سوزی کے ساتھ مولانا یہ حساب اور جمع تفریق کرتے ہیں' اس کی داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔ مثلاً ان کی ایک تقریر کے اعداد و شمار کے مطابق تین دنوں میں قومی پیداوار میں ایک سو بیس کروڑ روپے کی کمی واقع ہوئی ہے۔ غلط پالیسیوں کی وجہ سے اس وقت پاکستان کو امریکہ سے تجارت میں پچاس کروڑ روپے کا خسارہ ہوا ہے۔ ملک اربوں روپے کا مقروض ہے۔ اس سال چودہ لاکھ بچے پہلی جماعت میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ دس لاکھ سے زائد بچوں کو اگلی جماعتوں میں داخلہ نہیں ملے گا۔ سات لاکھ بچے تعلیمی اخراجات برداشت نہیں کر سکیں گے وغیرہ وغیرہ۔ بھٹو صاحب کہا کرتے تھے کہ حساب کتاب ہی سیاست کا دوسرا نام ہے' اس حساب سے تو علامہ صاحب گویا باقاعدہ سیاست کر رہے ہیں' کوئی اگر پھر بھی نہ مانے تو الگ بات ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ علامہ صاحب کمپیوٹر کی مدد کے باوجود اتنا لمبا چوڑا اور تفصیلی حساب کتاب کیسے کر لیتے ہیں؟ بھیڑوں کا ایک ریوڑ جا رہا تھا کہ ایک دوست نے دوسرے سے پوچھا کہ آیا وہ جلد از جلد گن کر بتا سکتا ہے کہ یہ کتنی بھیڑیں ہیں؟

''کیوں نہیں؟'' دوسرے دوست نے جواب دیا' اور بھیڑوں کے ریوڑ پر ایک بھرپور نگاہ دوڑاتے ہوئے بولے ''چار سو پچیس!''

"ہائیں!" دوست نے حیران ہو کر کہا "اتنی جلدی کیسے گن لیں؟"

"بالکل آسان ہے" دوسرے دوست نے جواب دیا۔

"وہ کیسے؟" دوست نے حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ ایسے" دوسرے دوست نے جواب دیا "کہ پہلے ان کی ٹانگیں گن لیں' پھر انہیں چار سے تقسیم کر دیا" اگر تو علامہ صاحب کے پاس کوئی ایسا ہی سہل الحصول نسخہ ہے تو پھر ہم حساب کتاب کے معاملے میں ان کی قادرالکلامی تسلیم کر لیں گے ورنہ حیران اور پریشان تو ہمیں علامہ صاحب نے کر رکھا ہے لیکن اس کے باوجود علامہ صاحب کی انصاف پسندی اور توازن کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ حزب اختلاف کا کردار ادا کرتے وقت اگر ایک دن وہ پیپلز پارٹی والوں کی طبیعت صاف کرتے ہیں تو دوسرے روز اسلامی جمہوری اتحاد کو آڑے ہاتھوں لیتے ہیں تاکہ دونوں میں سے کسی کو بھی گلہ نہ رہے کہ علامہ صاحب نے اسے نظرانداز کر رکھا ہے' تاہم ان کی نظریں چونکہ اسلام آباد پر ہیں اس لیے پیپلز پارٹی پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہیں اور ان کی تقریر کا لب لباب یہی ہوتا ہے کہ وفاقی حکومت نے نو ماہ کے عرصے میں کچھ بھی نہیں کیا' حالانکہ دوسرے دن یعنی دوسری سانس میں ان سب کوتاہیوں کی ذمہ دار آئی جے آئی کو بھی ٹھہراتے نظر آئیں گے۔ ایک خاتون کار چلاتے ہوئے سرخ بتی کا اشارہ دیکھ کر رک گئیں۔ جب اشارہ کھلا تو اتفاق سے ان کی کار بند ہو چکی تھی اور سٹارٹ ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔ پچھلے کار والے نے ہارن پر ہارن بجانا شروع کر دیا۔ خاتون باہر نکلیں' بونٹ کھولا' انجن پر نگاہ ڈالی لیکن خرابی کی کوئی وجہ ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ وہ دوبارہ سیٹ پر آئیں اور کار سٹارٹ کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگیں، جس دوران عقبی کار والا برابر ہارن دیئے جا رہا تھا' وہ کار سے باہر نکلیں اور پچھلی کار والے کے پاس آ کر بولیں۔

"آپ ذرا میری گاڑی سٹارٹ کر دیجئے' آپ کا ہارن میں بجاتی ہوں!"

ہمارے خیال میں اب وقت آ گیا ہے کہ پیپلز پارٹی والے علامہ صاحب سے کہہ ہی دیں کہ جناب' ذرا یہ حکومت چلا دیں' آپ کی طرف سے تقریریں ہم کیے دیتے ہیں اور یہ جو علامہ صاحب نے کہا ہے کہ حکومت کو باکسنگ کا کھیل بنا دیا گیا ہے تو یہ بھی کچھ ایسا غلط نہیں کہا' اس لیے نہیں کہ علامہ صاحب رنگ کے اندر کیوں موجود نہیں ہیں اور دو چار مکے وہ بھی جڑنے کے موڈ میں ہیں بلکہ وہ جو کچھ ان سے ہو سکتا ہے وہ اکھاڑے سے باہر بھی کر رہے ہیں۔ ایک جگہ باکسنگ کا مقابلہ ہو رہا تھا کہ باہر سے ایک صاحب ایک کھلاڑی کی ہمت افزائی خاص طور پر کر رہے تھے کہ زور سے مکہ مارو اور اس کے دانت باہر نکال دو۔ شاباش! ایک مکہ اور' کم از کم سامنے والے دانت تو باہر آنا ہی چاہئیں' پاس بیٹھے ایک اور

صاحب نے پوچھا۔

"کیا ان میں سے کوئی کھلاڑی آپ کا عزیز یا دوست بھی ہے؟"

"نہیں" ان صاحب نے جواب دیا "میں تو یہاں کا دندان ساز ہوں۔"

کچھ ایسا لگتا ہے کہ علامہ صاحب کا مسئلہ محض یہ ہے کہ باکسنگ کے اس مقابلے میں کوئی ابھی تک ناک آؤٹ کیوں نہیں ہوا' بلکہ موصوف کا اگر بس چلتا تو اب تک دونوں کو ناک آؤٹ کروا چکے ہوتے' لیکن مصیبت یہ ہے کہ دونوں ہی فریق کافی ڈھیٹ مٹی کے بنے ہوئے ہیں اور کوئی بھی ہار ماننے کا نام نہیں لے رہا' چلئے ہار نہ مانیں' مکہ مار کر کوئی دوسرے کے دو چار دانت ہی توڑ ڈالے تاکہ علامہ صاحب کا دندان سازی کا کاروبار تو چلتا رہے' ویسے تو قادری صاحب مکہ رسید کرنے پر بھی قادر ہیں کیونکہ دستانے تو انہوں نے بھی چڑھا رکھے ہیں' یعنی اگر انہوں نے اپنی ذاتی پارٹی بنالی ہے تو وہ اپنے آپ کو ٹیم میں شامل سمجھنے میں بھی حق بجانب ہیں کہ دوسری پارٹیوں میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں' البتہ انہوں نے دستانے چڑھائے ذرا دیر سے ہیں یعنی پارٹی انہوں نے اس وقت بنائی جب انتخابات ہو کر حکومتیں بھی بن بنا چکی تھیں۔ اب ایک صورت تو یہ ہے کہ علامہ صاحب مکے لہراتے خود ہی رنگ میں جا گھسیں' ریفری کو دو چار گھونسوں میں چت کر کے اصل حریفوں میں جا شامل ہوں اور حسب توفیق اور حسب منشاء اپنا کام دکھانا شروع کر دیں' اگر ایسا بھی کرنا ہے تو اس کے لیے بھی انہیں ایک عرصے تک ریہرسل یعنی ریت کے بورے پر مکہ زنی کی مشق بہم پہنچانا ہوگی تاکہ جاتے ہی کھیل میں شامل حریفوں کی کسی گستاخی کی زد میں نہ آ جائیں اور دوسری یہ کہ انتظار کریں اور کھیل کے ختم ہونے تک اپنی سی تیاری کریں اور جب وقت آئے تو دوسروں کے ساتھ وہ بھی اپنا ٹھوٹھیل دیں' گویا سردست ان کے مقابل دونوں حریفوں کے لیے قادری صاحب کے روزانہ اور تابڑ توڑ بیانات کی مار ہی کافی رہے گی' بلکہ موصوف کا طریق کار تو ویسے ہی منفرد ہے کہ ایک دن پیپلز پارٹی کے حق میں اور آئی جے آئی کے خلاف زبردست بیان اور دوسرے دن آئی جے آئی کے حق اور پیپلز پارٹی کے خلاف دھواں دھار تقریر' تاکہ ۔

باغباں بھی خوش رہے' راضی رہے صیاد بھی

(روزنامہ جنگ لاہور 19 دسمبر 1989ء)

طاہرالقادری کی ڈگریاں

پروفیسرڈاکٹراسداریب

''نقطہ نظر'' کے تحت 29 دسمبر 1999ء کی اشاعت ''خبریں'' میں ایک کالم چھپا ''ڈاکٹر طاہرالقادری پر اعتراضات کا محاکمہ'' مجھے اس کالم کے مندرجات سے کوئی غرض قطعاً نہیں' البتہ ایک غلط فہمی کا ازالہ ضرور چاہتا ہوں۔ اس کالم میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی فکری خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ موصوف کی کوئی پانچ ہزار مختلف موضوعات پر لکھی ہوئی کتب کے صلے میں اے بی آئی (A.B.I) اور آئی بی سی (I.B.C) نے انہیں International Man of Year اور Hall of Fame Out standing Man of 20th Century قرار دیا ہے۔

انٹرنیشنل بائیوگرافیکل سنٹر (کیمبرج انگلینڈ (CB2 - 3QP) ایک کاروباری پبلشنگ ادارہ ہے' جس کا منصوبہ محض یہ ہے کہ یورپ سے متاثرہ مغلوب اقوام کے نمود پسند لوگوں کی نفسیات سے فائدہ اٹھا کر انہیں بلیک میل کیا جائے۔ یہ نہ کوئی مستند تحقیقی ادارہ ہے' نہ یونیورسٹی ہے اور نہ کوئی مجلس معارف ہے۔ یہ محض اور محض پبلشنگ سنٹر ہے' جو ہزاروں کی تعداد میں مختلف خطوط' حاصل شدہ پتوں پر مسلسل بھیجتا رہتا ہے اور یہ ایڈریس خود انہی لوگوں سے حاصل کرتا ہے' جنہیں اس ادارے کی شائع کردہ Who is Who میں شامل ہونے کا شوق ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ ادارہ جب کسی ''شکار'' کو پھانستا ہے' اس کے نام مراسلے کی پشت پر جہاں اس کتاب سوانح میں شمولیت کی فیس درج ہوتی ہے' وہاں یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ آپ کچھ ایسے افراد کا نام بھی لکھئے جنہیں (I.B.C) میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

میں آپ کے اخبار کے قارئین کے لیے اپنے نام آئے ہوئے' ایسے پیش کردہ بہت سے اعزازات کی نقول روانہ کر رہا ہوں۔ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ ہر مراسلے کی پشت پر 80 ڈالر سے لے کر 875 ڈالر تک کی رقم یہ ادارہ طلب کرتا ہے اور جو کوئی شخص یہ رقم ادا کر دے وہ Man of the year,

Haff of Fame, Outstanding Man of the Century قرار پاتا ہے۔

چنانچہ پاکستان کے کئی دوکانداروں' کالج کے لڑکوں' کافی ہاؤس میں خوش گپیاں کرنے والے نوجوانوں اور بہت سے ایسے ناپختہ کار اہل قلم کو جب مطلوبہ فیس ادا کرنے کے بعد اس ''موہوم'' اعزاز کی مراسلاتی خبر ملتی ہے تو وہ اسے اپنا اعزاز سمجھ کر اخباروں میں بھی چھپواتے ہیں۔ مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ بعض تعلیمی اداروں کے سمجھدار اساتذہ بھی ایسے دھوکا باز اداروں کے جال میں آ کر اپنے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور یقیناً محترم ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب بھی اس مغالطے کا شکار ہوئے ہیں۔ اس ایوارڈ کی قطعاً کوئی علمی و ادبی حیثیت نہیں' یہ ''عظیم الشان'' اور ''قابل فخر'' ڈگریاں جو تقسیم کر رہا ہے' ایک پرنٹنگ پریس ہے۔ اس کا نام Melrose Press Ltd اس کا پتہ ہے Bank Barclay 58 High Street New Market CB88NH England اس کا بینک اکاؤنٹ نمبر 50629111 ہے۔

قارئین محترم کی اطلاع کے لیے یہ بھی بتلانا ضروری ہے کہ I.B.C اور A.B.I' جڑواں فریب کاری کرتے ہیں۔ کبھی ان کا خط انٹرنیشنل بائیوگرافیکل کانگریس اور کبھی امریکن بائیوگرافیکل انسٹیٹیوٹ P.O.Box 31226 Releigh North Carolina 27622 USA کے حوالے سے آتا ہے۔ ان دونوں اداروں کے مالک ایک ہی گروپ کے یہ نوسرباز برطانوی ہیں۔ میرے نام ان دونوں اداروں کے ایسے ہی کوئی ایک سو پچاس خطوط (جیسے ڈاکٹر صاحب موصوف کو آتے رہے) موجود ہیں۔ میں نے چونکہ ان کے مطلوبہ ڈالر اب تک ان پانچ برسوں میں نہیں بھیجے' اس لیے مجھے حتمی طور پر Hall of Fame اور Outstanding Man of 20th Century قرار نہیں دیا ہے۔ البتہ اپنی کتاب (I.B) کا ایک Proof کوئی دس دفعہ اس تقاضے کے ساتھ میرے نام بھیجا ہے کہ 875 ڈالر روانہ کروں تا کہ وہ اس پروف کو حقیقت کا رنگ دے سکیں۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ ان فریبی اداروں کے عطا کردہ ایسے اعزازات کو اپنے لیے وجہ افتخار نہ بنائیں' جو یقیناً ان اداروں کو مطلوبہ رقم کی ادائیگی کے بعد حاصل کیے گئے ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب بار خاطر نہ فرمائیں تو یہ بھی کہتا چلوں کہ یہ عاجز جو ڈاکٹر صاحب کی شہرت و شناخت کا کسی طور پر ہم پایہ نہیں' اس ادارے نے اس ہیچمدان تک کو انٹرنیشنل مین آف ایئر 93-1992ء قرار دینے کی بار بار کوشش کی لیکن یہ عاجز ان کے دام فریب میں اب تک نہیں آ سکا۔ یہ بیمار نرگسیت (خود آرائی و خود پسندی) کا ایک عمل ہے۔ ہمارے صحیح الدماغ اہل علم کو اس عارضے سے دور رہنا چاہیے۔ اپنے تمام مندرجات کے ثبوت کے طور پر A.B.I اور I.B.C کے تمام متعلقہ خطوط اس مختصر مضمون کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔

(روزنامہ خبریں' لاہور 22 جنوری 2000ء)

طاہر القادری اور جوتے

پروفیسر افضل علوی

عجیب بات ہے' کئی دنوں سے جوتوں کا تصور آتے ہی ایمیلڈا مارکوس یاد آنے لگتی تھی۔ یاد کا کیا ہے' کسی کی بھی آ سکتی ہے۔ جس حوالے سے ایمیلڈا مارکوس یاد آتی ہے' اس حوالے سے بھٹو بھی یاد آ سکتے تھے' کیونکہ جب وہ وزیراعظم تھے تو ایک جلسے میں کچھ سرپھروں اور منچلوں نے مہنگائی پر قابو پانے میں ان کی ناکامی کی وجہ سے انہیں جوتے دکھائے تو اس ذہین وفطین اور شاطر سیاستدان نے غصے میں آنے کی بجائے' پینترا بدلتے ہوئے فوراً کہا' ہاں ہاں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ جوتے بہت مہنگے ہو گئے ہیں۔"

لیکن ہم لکھنے بیٹھ گئے ہیں جناب طاہر القادری پر اور وہ بھی جوتے کے حوالے سے' لاحول ولا قوۃ! مگر دیکھئے غلط نتیجہ اخذ نہ کیجئے۔ ہم نے "لاحول" طاہر القادری پر نہیں بلکہ اپنے خیال و قلم کی اس "بے راہروی" پر پڑھی ہے' جو ایمیلڈا کو بھول بھال کر طاہر القادری کے پیچھے ہو لیا ہے۔ اگر طاہر القادری پر لکھنا بھی کریڈٹ ہے تو یہ عزیزم پروفیسر اکرم مانگٹ کو جاتا ہے' مگر یہ بات کرنے سے پہلے بہتر ہے کہ اس بات کی وضاحت ہو جائے کہ جوتوں کے حوالے سے ہمیں ایمیلڈا مارکوس کیوں یاد آ رہی تھیں۔ وہ کوئی موچی کی بیٹی یا باٹا یا سروس والوں کی رشتہ دار ہے جو اس بنا پر ہمیں یاد آئی ------ لیکن جس کسی نے بھی یہ خبر پڑھی ہے کہ ایمیلڈا کے پاس تین ہزار جوڑے جوتے ہیں' وہ جوتوں کا خیال یا ذکر کرتے ہی ایمیلڈا کو ضرور یاد کرے گا۔

یہ جنونی بلکہ ہم تو کہیں گے خونی عورت جب اپنے لٹیرے خاوند یعنی فلپائن کے سابق ڈکٹیٹر

مارکوس کے ساتھ ملک سے باہر بھاگی تھی تو اس وقت بھی اس کے پاس تین ہزار جوڑے جوتے تھے' جو اس کے فرار کے بعد بھوکے ننگے عوام کے کام آئے یا صرف پاؤں سے ننگے عوام کے' کیونکہ صرف ننگے کا جوتے سے کیا بنے گا۔ کیا اسے سر پر مارے گا اور ننگا ہوتے ہوئے پاؤں میں ڈالے گا تو پاگل ہی کہلائے گا۔ تو خیر ہماری ممدوحہ (ذرا خیال سے' کہیں منکوحہ نہ پڑھ بیٹھئے گا) بیوہ ہو کر (وہ بھی جلدی نہیں) وطن واپس لوٹی تو پھر اپنے پرانے شوق میں لگ گئی' یعنی جوتے اکٹھے کرنے میں۔ خدا جانے اس عورت کو تین ہزار سے کم جوتوں سے تسلی کیوں نہیں ہوتی۔ اب جو پھر پورے تین ہزار جوڑے اکٹھے کر لیے ہیں تو اتراتی اور دکھاتی پھرتی ہے کہ لو دیکھو میرے پاس پھر تین ہزار جوڑے جوتوں کے ہیں۔

بہرحال ہم نے جس دن ایمیلڈا مارکوس کے جوتا پسند جنون کی خبر پڑھی تھی' تب سے اس پر کالم لکھنا چاہ رہے تھے۔ درمیان میں پروفیسر مانگٹ کی وجہ سے طاہر القادری کے حوالے سے جوتے کی یا یوں کہہ لیں کہ جوتے کے حوالے سے جناب طاہر القادری کی بات آ گئی تو ایمیلڈا پر مکمل کالم لکھنے کی بات بھی رہ گئی۔ ویسے بھی طاہر القادری درمیان میں آ جائیں تو بہت سے لوگ' بہت سی باتیں اور بہت سے سیاسی اتحاد رہ جاتے ہیں۔ وہ چیز ہی ایسی ہیں۔

ہماری ان کی شناسائی جس میں علیک سلیک نام کی کوئی چیز نہیں' اس وقت سے ہے جب وہ اور ہم پنجاب یونیورسٹی کی سینٹ کے رکن تھے۔ یہ بات 1980ء کی ہے' وہیں یونیورسٹی کے سینٹ ہال میں ہم نے پہلی اور آخری دفعہ ان کی "شعلہ بیانی" کا مظاہرہ دیکھا۔ شعلہ بیانی عموماً بخیے ادھیڑنے اور لتے لینے کے لیے موزوں و موثر ہوا کرتی ہے' مگر یہ اس سے یونیورسٹی کے ارباب اختیار کو مکھن لگانے کا کام لے رہے تھے' جسے ہمیں اپنی تقریر میں اتارنا پڑا تھا۔ کچھ عرصے بعد پتہ چلا کہ موصوف کو یونیورسٹی لاء کالج سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ انہیں وہاں صرف ڈیڑھ ایک سال ہی جونیئر لیکچرر کے طور پر کام کا موقع ملا تھا اور ایک جونیئر لیکچرر کو پروفیسر بننے میں تقریباً اتنی ہی دیر لگتی ہے؟ جتنی طاہر القادری کو موجودہ مقام تک پہنچنے میں لگی ہے' اگر یہ بھی کوئی مقام ہے جہاں وہ "اب" پہنچے ہیں۔ پھر جگہ جگہ چوکوں چوراہوں میں ان کے اشتہار دیکھ کر معلوم ہوا کہ اب وہ پروفیسر طاہر القادری کہلاتے ہیں اور میاں شریف فیملی کے زیر سایہ لوگوں کو مسائل تصوف پڑھاتے اور سکھاتے ہیں۔ ہم نے سوچا یہ بھی خوب رہی' سیاست میں دو شخص اصلی پروفیسر نہیں رہے یعنی جماعت اسلامی والے "پروفیسر" غفور احمد اور جمعیت العلمائے پاکستان والے "پروفیسر" شاہ فرید الحق۔ ہم نے کہا کہ چلو ایک تیسرا غیر پروفیسر بھی بطور پروفیسر مشہور ہو رہا ہے تو ہمارا کیا نقصان' جبکہ یہاں تو ہر شہرت جھوٹ اور غیر حقیقی بنیادوں پر قائم ہے۔ ویسے یہ شہرت عام بھی ایک لطیفہ ہے۔ ہمیں ایک صاحب ملنے آئے' شہر بھر میں انہیں کیپٹن کہا جاتا ہے۔ ہم نے پوچھا

''آپ نے آرمی کب اور کیوں چھوڑی؟''

کہنے لگے ''میں تو کبھی آرمی میں نہیں رہا۔''

''تو پھر یہ آپ کیپٹن کیسے بن گئے؟''

کھسیانے سے ہو کر کہنے لگے ''یہ تو یار لوگوں کی عنایت ہے' چونکہ میں مدتوں شہر کی فٹ بال ٹیم کا کیپٹن رہا ہوں' اس لیے سب لوگ مجھے کیپٹن ہی کہتے ہیں اور اب تک کہے جا رہے ہیں۔''

تو جناب ایک دنیا جناب طاہر القادری کو پروفیسر کہہ رہی ہے تو ہم کون ہوتے ہیں بڑا ماننے والے' یہ کوئی تھوڑی بات ہے کہ ایک غریب گھر کا چشم و چراغ جو پبلک سروس کمیشن کے نزدیک اسلامیات کا لیکچرر بننے کے اہل نہ تھا' آج بڑے بڑے وڈیرے اور گھاگ سیاستدانوں کے کندھے سے کندھا ملا کر بلکہ اپنے کندھے ان سے کہیں آگے بڑھا کر جلوس نکال رہا ہے اور انہیں للکار رہا ہے جو کبھی ان کے بڑے عقیدت مند تھے اور ان کے جوتے اٹھانا سعادت سمجھتے تھے۔

''تم لوگ وہ دن بھول گئے' جب میرے جوتے اٹھایا کرتے تھے۔''

اور مانگٹ یہ خبر پڑھ کر مجھ سے اصرار کر رہے تھے کہ سر اس پر کالم ضرور لکھیں۔ ہم نے کہا کہ وہ ہرگز بھولے نہیں ہیں' مگر انہیں پتہ اب چلا ہے کہ جوتے انہوں نے بھول کر اٹھائے تھے۔ وہ ان کے بارے میں بھول کا شکار نہ ہوتے تو ان کے جوتے نہ اٹھاتے' بلکہ بہت ممکن ہے کہ جوتے دکھاتے۔

(روزنامہ پاکستان' لاہور 14 ستمبر 1999ء)

مولوی اسحاق طاہر القادری کیسے بنا؟

(عدالت میں وکلاء کی طاہر القادری پر جرح)

مدیر ماہنامہ الدعوۃ

رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں مولانا طاہر پر کہ جس کا مفہوم بھی پاک اور مقدس ہی ملتا ہے' قاتلانہ حملہ ہوا۔ چند دن بعد ستائیسویں کی رات آنے والی تھی۔ اس رات قادری صاحب کے ہاں عظیم روحانی اجتماع ہوتا ہے۔ اس مرتبہ بھی یہ اجتماع ہوا۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے۔ اتنی کثیر تعداد میں لوگوں کے جمع ہونے کا ایک سبب طاہر القادری صاحب پر تازہ حملہ بھی تھا۔ عینی شاہدوں نے جن میں ایک رسالے کے ایڈیٹر بھی شامل تھے' بتلایا کہ اس رات علامہ صاحب نے ایک کی بجائے دو تقریریں ارشاد فرمائیں۔ پہلی تقریر میں انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' فاروق اعظم رضی اللہ عنہ' عثمان غنی رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قربانیوں کا ذکر کیا اور دوسری تقریر میں انہوں نے اپنی قربانی کا تفصیل سے ذکر فرمایا اور کہا کہ انقلاب قربانیوں سے ہی ملا کرتے ہیں اور تاثر یہ دیا کہ اب مصطفوی انقلاب کا قائد قربانی کے لیے تیار ہے اور یہ کہ تم اپنی جیب کی قربانی بھی نہیں دے سکتے اور پھر مالی ایثار کا ایک جذباتی واقعہ بیان کر کے مصطفوی انقلاب کے لیے چندے کی اپیل کر دی گئی۔

دوست جو وہاں موجود تھے کہہ رہے تھے' سب سے پہلے کئی لوگ کھڑے ہوئے جنہوں نے کئی یا دس اور پندرہ لاکھ تک دینے کا اعلان کیا۔ پھر ایک ایک دو دو لاکھ کے اعلان شروع کر دیئے گئے' پھر ہزاروں کے اعلان کرنے والوں کا تو شمار ہی نہ تھا۔ بہرحال ایک دوست کی سادہ سی گنتی کے مطابق

باون لاکھ کا اعلان ہو چکا تھا۔ دوسری جانب زیورات کی ایک گانٹھ نمودار ہوئی۔ یہ گانٹھ عورتوں کی طرف سے آئی تھی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ستائیسویں کی رات ایک کروڑ روپے کی رات تھی۔ عام طور پر طاہر القادری صاحب کے جتنے بھی چونکا دینے والے اقدامات ہوتے ہیں۔ ان کا پس منظر یا پیش منظر ضرور ہوتا ہے۔ تو یہ قاتلانہ حملے کا معنوی پس منظر تھا اور ستائیسویں کے واقعہ کی صورت میں پیش منظر کر سامنے آیا جسے ہم نے قارئین کے پیش نظر کر دیا ہے۔

مجھ پر قاتلانہ حملے کو ڈرامہ کہنے والوں پر اللہ اور رسول ﷺ کی ہزار بار لعنت---ایسا شخص دجال' کذاب' لعنتی اور جہنمی ہے۔ (طاہر القادری)

(روزنامہ جنگ' لاہور 8 مئی 1990ء)

جب اس واقعہ کے بارے لکھاریوں نے اور صحافیوں نے تجزیے پیش کیے تو قادری صاحب نے وہی زبان استعمال کرنا شروع کر دی جو مرزا قادیانی اپنے مخالفین کے دلائل سے زچ ہو کر استعمال کرتے تھے اور مرزا قادیانی اتنی گندی زبان استعمال کرتا تھا کہ اسے نقل کرنا کسی طور پر بھی مناسب نہیں۔ نہ جانے قادری صاحب نے بھی اس ڈگر کو کیوں اپنا لیا ہے اور جیسے غصیلا آدمی غصے میں آ کر بھی ایک دو گالیاں نکال دیتا ہے ایسے ہی قادری صاحب نے خود کو بھی مندرجہ بالا اوصاف میں شامل کر لیا ہے کہ اگر انہوں نے ایسا ڈرامہ رچایا ہو تو...... لعنتی اور دجال' کذاب وغیرہ کے خطاب تو خیر جو قادری صاحب نے دیئے' وہ دیئے ہی مگر جہنمی ہونے کی ڈگری دینے پر یہ قادری صاحب سے پوچھا جا سکتا ہے کہ یہ تم نے خود عطا فرمائی ہے یا کہیں سے الہام ہوئی ہے کیونکہ یہاں معاملہ مسلمانوں کا ہے اور کسی مسلمان کے بارے میں یہ ڈگری کہ وہ جہنمی ہے' یہ بہر حال اللہ کے علاوہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔

ایک اخبار نویس نے قادری صاحب سے پوچھا کہ جناب آپ استخارہ کیوں نہیں کر لیتے کہ یہ حملہ کرنے والا کون ہے؟ تو فرماتے ہیں۔ استخارہ سے میں ان ملزموں کی نشاندہی نہیں کر سکتا جنہوں نے حملہ کیا تھا۔

قادری صاحب اپنی پریس کانفرنس میں پھر یوں گویا ہوئے:

حفاظتی اقدامات کے پیش نظر میں نے اپنی رہائش گاہ کو مکمل طور پر ڈھانپ لیا ہے' اب میرے بچے دھوپ اور روشنی سے محروم ہو گئے ہیں' اب میرے گھر میں دن رات کا کوئی تصور نہیں۔

4 جون 1990ء کو تحقیقاتی ٹریبونل کے روبرو انہوں نے سرکاری وکیل کے سوالات کے جو جوابات دیئے' ملاحظہ فرمائیں:

(1) پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں نواز شریف نے انہیں آٹھ ہزار روپے فی کنال کے حساب سے 167 کنال اراضی فراہم کی ہے۔

(2) انہوں نے اس بات کو بھی درست قرار دیا کہ انہوں نے میاں محمد شریف سے دس لاکھ روپے قرضہ حاصل کیا تھا جس سے انہوں نے ایک سیمنٹ ایجنسی بھی حاصل کی تاہم قرض کی یہ رقم انہوں نے واپس لوٹا دی۔

(3) پروفیسر طاہر القادری کو ایڈووکیٹ جنرل پنجاب کی جانب سے باور کرایا گیا کہ انہیں صرف چند لاکھ روپے کے عوض فراہم کی گئی 167 کنال اراضی اگر چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے فروخت کی جاتی تو اس سے حکومت کو کروڑوں روپے حاصل ہوتے۔ اس پر انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

(4) انہوں نے اس بات کو درست تسلیم کیا کہ 1981ء میں جب وہ بیمار ہوئے تو میاں شہباز شریف انہیں خود امریکہ لے گئے تھے اور ان کے علاج معالجہ کے تمام اخراجات برداشت کیے تھے۔

(5) انہوں نے اس بات کو بھی درست قرار دیا کہ اتفاق اکیڈمی میں درس و تدریس اور جامع مسجد اتفاق میں خطبہ جمعہ کے دوران انہیں دفتر کے لیے الگ جگہ فراہم کی گئی تھی اور انہیں اپنے ذاتی استعمال کے لیے کار بھی فراہم کی گئی تھی۔

(6) طاہر القادری نے اس بات کو بھی درست تسلیم کیا کہ میاں نواز شریف کے وزارت اعلیٰ کے دور میں ان کے ایک عزیز کو نائب تحصیلدار اور دوسرے کو بطور اے ایس آئی پولیس رکھا گیا۔

(نوائے وقت 5 جون 1990ء)

میاں نواز شریف کے یہ ہیں وہ احسانات جن کا قادری صاحب کو عدالت میں اعتراف کرنا پڑا ہے' حالانکہ بے نظیر کی آمد کے بعد جب یہ اتفاق ہوا کہ قادری صاحب ''اتفاق'' سے روٹھ گئے تو جب بھی نواز شریف کی نوازشوں کا طاہر القادری سے سوال کیا گیا تو وہ اس انداز سے ٹالتے اور جواب دیتے رہے کہ جیسے یہ احسانات جھوٹ ہی ہوں۔

جب میاں نواز شریف ضیاء الحق کے ابتدائی عہد میں وزیر خزانہ ہوا کرتے تھے' ہمیں اس

وقت کا اخباروں میں پڑھا ہوا واقعہ اب تک یاد ہے کہ جب نواز شریف اور طاہر القادری سعودی عرب گئے تو غار ثور یا غار حرا میں نواز شریف اپنے کندھوں پر قادری صاحب کو اٹھا کر لے گئے۔ قادری صاحب نے یہ کام اس واقعہ کی یاد میں نواز شریف سے کرایا یا انہوں نے عقیدت میں آ کر خود کیا جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جناب رسالت مآب حضور نبی کریم ﷺ کو کندھوں پر اٹھا کر لے گئے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

ذرا ملاحظہ فرمائیں پیر پر مرید کی نوازشوں اور عقیدت کے احوال کو جبکہ پیر کا حال یہ ہے کہ اس نے نہ صرف اپنے مرید کو اتفاق سے نکلنے کے بعد منافقت سمیت طرح طرح کی گالیوں سے نوازا ہے جو اخبارات کی زینت بن چکی ہیں' بلکہ اب اپنے پر ہونے والے قاتلانہ حملے کا الزام بھی نواز شریف پر دھر دیا ہے' جبکہ نواز شریف نے قاتلانہ حملہ پر افسوس کا اظہار بھی کیا ہے۔ مگر وہ تو بے نظیر کی برملا طور میں ایسے بریف ہو کر آئے ہیں کہ اب انہیں شاید نسوانی دربار کے علاوہ کسی پر اعتماد ہی نہیں رہا۔ فرماتے ہیں:

ہم نے تو وفاقی حکومت سے کہا تھا کہ وہ اس کی انکوائری چاہے کسی فوجی ایجنسی سے بھی کرا لے لیکن شاید یہ ممکن نہیں۔ (جنگ 8 مئی)

یعنی بس نہیں چلتا ورنہ کیس وہیں لے جانے کو دل چاہتا ہے۔

ذرا غور تو فرمایئے۔ ایسا انسان جو ولایت کی بلندیوں پر پہنچنے کا دعویدار بھی ہو' اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کا اظہار کرتا ہو۔ وہ ایسا کینہ پرور اور احسان فراموش بھی ہو سکتا ہے؟ یقیناً دونوں صفات میں سے ایک جھوٹی ہے اور قادری صاحب کے اپنے اعتراضات کی روشنی میں ہر کوئی یہ معلوم کر سکتا ہے کہ حضرت صاحب کونسی صفت کے حامل ہیں۔

طاہر القادری صاحب سے بیتنے والا ایک عجیب واقعہ' اسے کیا سمجھا جائے؟

اس سوال پر کہ آیا انہیں لاء کالج کی ملازمت سے برطرف کیا گیا تھا؟ انہوں (قادری صاحب) نے بتلایا کہ وہ لاء کالج ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ بھی تھے' انہیں اطلاع ملی کہ کوئی طالب علم اپنے کمرے میں کسی لڑکی کو لے کر آیا ہے۔ چنانچہ وہ خود اس طالب علم کے کمرے میں گئے اور کمرے کا دروازہ توڑا تو اندر متذکرہ لڑکا ایک لڑکی کے ساتھ موجود تھا۔ انہیں معلوم ہوا کہ اس واقعہ کی بنیاد پر ہی انہیں ملازمت سے نکالنے کا فیصلہ کیا گیا ہے چنانچہ انہوں نے خود ہی استعفیٰ دے دیا۔

اب جب یہ اقدام بھی قادری صاحب کا اچھا تھا۔ وہ ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ بھی تھے پھر انہیں

برطرف کرنے کا فیصلہ کیوں کیا گیا۔ اور پھر بقول قادری صاحب برطرف نہیں کیا گیا بلکہ ان کے نکالنے سے پہلے یہ خود ہی نکل گئے۔ یہ خود کیوں نکلے اگر یہ حق پر تھے۔ کیا دال میں کچھ کالا کالا تھا' اگر نہیں تھا۔ ان کا دامن صاف تھا تو انہوں نے اس پر احتجاج کیوں نہ کیا جب کہ یہ احتجاج کا مرحلہ آنے سے پہلے ہی کیوں مستعفی ہوئے؟

ہم سمجھتے ہیں کہ طاہر القادری جیسی معروف مذہبی شخصیت کے بارے میں یہ واقعہ اب عدالت کے ذریعہ اخباروں میں پہنچ گیا ہے تو اس کی ازسرِنو تحقیق ہونی چاہیے۔ طاہر القادری صاحب اس واقعہ میں صاف دامن رکھتے ہیں تو ان کا دامن صاف ہونا چاہیے اور اگر معاملہ اس کے برعکس کچھ اور ہے تو تب بھی بات واضح ہونی چاہیے تاکہ لوگوں کو اس شخص کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

ایک پرانے ڈرامے کا اعتراف

ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے اس بات کو بھی درست تسلیم کیا کہ علامہ طاہر علاؤ الدین ان کے پیر ہیں جن کی شادی نواب آف قلات کی لڑکی سے ہوئی ہے اور نواب آف قلات سے ان کا بیوی کی جائیداد کا تنازعہ پیدا ہوا تھا۔ جس پر نواب آف قلات کے بیٹوں نے اپنے بھانجوں کو اغوا کر لیا تھا' انہوں نے اس بات کو بھی تسلیم کیا کہ علامہ طاہر علاؤ الدین کے بیٹوں کی برآمدگی اور ملزموں کی گرفتاری کے لیے انہوں نے جلوسوں اور احتجاجی مظاہروں کا پروگرام بنایا تھا اور ایک کفن بردار جلوس نکالنے کا فیصلہ بھی کیا گیا تھا۔ جس پر طاہر علاؤ الدین کے بیٹے برآمد کر کے ملزموں کو گرفتار کر لیا گیا۔

جبکہ غور فرمایئے کہ یہ واقعہ ماموں اور بھانجوں کا ہے۔ یہ واقعہ بلوچستان میں پیش آیا اور قادری صاحب نے یہاں پنجاب میں ماموں بھانجے کے رشتے اور تنازعہ جائیداد (جو کہ پرانے وقتوں کی مجوبہ کارکا تھا) کا ذکر تک نہ کیا اور بریلوی مکتب فکر کی عقیدت کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرنے کے لیے یہاں یہ مشہور کر دیا کہ خانوادۂ غوث الاعظم کے شہزادوں کو اغوا کیا گیا' ان کی عزت و ناموس پر ہاتھ ڈالا گیا۔

اب جب اس ڈرامے کی حقیقت پنجاب میں آشکار ہوئی تو قادری صاحب اپنے محسن میاں نواز شریف کو بلوچستان لے گئے۔ اس وقت کے وزیر اعلیٰ جمالی صاحب کو میاں صاحب نے منوالیا اور ماموں گرفتار ہوئے اور اسی رات پولیس کی ضمانت پر رہا بھی کر دیئے گئے۔ تاکہ طاہر القادری کا کچھ تو بھرم رہ جائے۔ اور لو! اب قادری صاحب نے اپنی زبان سے بھی اس کھیلے جانے والے ڈرامے کا اعتراف کر لیا ہے۔

ایک اور جھوٹ کا انکشاف

اس سوال پر کہ آیا ان کے والد ڈسپنسر تھے؟ تو طاہر القادری نے کہا کہ وہ غیر ملکی یونیورسٹی میں ڈاکٹری کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے رہے تاہم انہوں نے ڈاکٹری کی سند حاصل نہیں کی تھی۔

اپریل 1989ء کے قومی ڈائجسٹ میں طاہر القادری کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا' جس میں انہوں نے اپنے باپ کو ڈاکٹر قرار دیا۔ پھر یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے سعودی بادشاہ کا علاج کیا جس کے علاج سے دوسرے ڈاکٹر عاجز آ گئے تھے۔ اب نہ تو انہوں نے اس بادشاہ کا نام بتایا نہ سن کا ذکر کیا۔ اب اپنے باپ کو ڈاکٹر مشہور کرنے والا ڈاکٹر طاہر القادری اعتراف کر رہا ہے کہ اس کا باپ ڈسپنسر تھا۔ ڈاکٹر نہیں تھا۔ مگر کیا کیجئے جھوٹ کی عادت جھوٹ ظاہر ہونے پر بھی بدلی نہیں۔ ڈھٹائی کی حد ہے کہ بیان کرتے ہوئے قادری صاحب کہتے ہیں کہ وہ ایک غیر ملکی یونیورسٹی میں ڈاکٹری کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اب تو غیر ملک کا نام ظاہر کیا اور نہ یونیورسٹی کا نام لیا۔ اور بات پھر وہیں آ کر رکی کہ انہوں نے ڈاکٹری کی سند حاصل نہیں کی تھی۔ تو قادری صاحب کو آخر اس جھوٹ کا فائدہ کیا حاصل ہوا جب کہ بات وہی رہی جو کہ ہے۔ ہاں البتہ قادری صاحب کے مرید فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اگر وہ چاہیں تو؟ اس سے دامن چھڑا کر۔

اسحاق یا طاہر القادری؟ ایک اور جھوٹ کو چھپانے کی ناکام کوشش' اقرار بھی اور انکار بھی

ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے اس بات کو غلط قرار دیا کہ ان کا اصلی نام اسحاق ہے اور وہ اس نام کے ساتھ پیر محمد کرم شاہ صاحب کے رسالہ ''ضیائے حرم'' میں مضامین لکھتے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کے والد نے ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان کا نام طاہر رکھ دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ زمانہ طالب علمی میں ان کا کوئی مضمون چھپ گیا ہو جبکہ وہ مضمون نہیں لکھتے بلکہ ان کے انٹرویو شائع ہوتے ہیں۔

قادری صاحب نے پہلے تو انکار کیا ہے کہ ان کا نام اسحاق تھا پھر اقرار کرتے ہیں ایسے انداز سے جیسے طاہر القادری کو اپنی ذات پر بھی اعتماد نہ ہو۔ بلکہ ایسا دکھلائی دیتا ہے جیسے طاہر القادری صاحب کسی اور شخصیت کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔

کہ ہو سکتا ہے زمانہ طالب علمی میں ان کا کوئی مضمون چھپ گیا ہو۔ معلوم ہوتا ہے یہ ان سے

(ان کا نام) اسحاق ہی ہے اور طاہر القادری چھپانے کی اس لیے ناکام کوشش کر رہے ہیں کہ اس طرح تو ان کا وہ جھوٹ آشکار ہوتا جا رہا ہے کہ ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان کے باپ نے ان کا نام طاہر رکھ دیا تھا۔ کیا خوب ملی بھگت ہے باپ بیٹے کی کہ باپ نے پیدائش سے پہلے طاہر نام رکھ دیا اور بیٹے نے باپ کے مرنے کے بعد ڈسپنسر کو ڈاکٹر بنا دیا۔

مزید انکشاف۔ انہیں سچ سمجھا جائے یا جھوٹ گردانا جائے

قادری صاحب نے عدالت کے روبرو کہا کہ انہوں نے بارہ لاکھ روپے میں خود ایک مکان خرید لیا۔

دوسرے روز جب ان سے اس مکان کے بارے میں پوچھا گیا کہ سمن آباد والا مکان جو انہوں نے بارہ لاکھ روپے میں خریدا تھا اس کا بیع نامہ ان کے پاس موجود ہے؟ تو کہنے لگے۔ ساڑھے پانچ لاکھ میں خریدا تھا۔ رجسٹری موجود ہے۔ تب انہیں باور کرایا گیا کہ پہلے انہوں نے اس کی قیمت بارہ لاکھ بیان کی تھی تو کہنے لگے اس بارے میں اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو ان کے بیان میں اسے درست کر لیا جائے۔

بہر حال یہ غلطی تھی یا جھوٹ جس کی صراحت طاہر القادری صاحب نے عدالت اور لوگوں کے سامنے کی۔ وہ اصلی روپ میں سامنے آ رہے تھے۔

وکیل نے قادری صاحب کو باور کرایا کہ انہوں نے دس لاکھ روپے میاں شریف سے حاصل کیے۔ (بقول طاہر القادری صاحب یہ واپس کر دیئے. ڈیڑھ لاکھ روپے انہوں نے بیرون ملک سے حاصل کیے اور (بقول قادری صاحب) برانڈرتھ روڈ کی فرم سے انہیں چھ سات ہزار روپے کی آمدنی ہوتی ہے۔

جبکہ انہوں نے ماڈل ٹاؤن والا پلاٹ بھی سمن آباد کے پلاٹ کی فروخت سے پہلے خریدا تھا تو پھر (انہوں نے) ماڈل ٹاؤن والے پلاٹ کی رقم کہاں سے ادا کی؟ تو ڈاکٹر طاہر القادری نے کہا کہ انہوں نے میاں محمد شریف سے بطور قرض حاصل کی گئی رقم میں سے ہی پلاٹ کی قیمت ادا کی تھی۔ غور کیجئے یہ وکیل کے سوال کا جواب ہے یا کہ بوکھلاہٹ کا اظہار ہے۔

اس بات کا بھی انہوں نے اعتراف کیا کہ سوزوکی کاران کی اہلیہ کے نام ہے اور وہ انکم ٹیکس ادا نہیں کرتیں۔

اس بات کا بھی انہوں نے اعتراف کیا کہ ان کا بچہ حسن ایچی سن کالج میں پڑھتا ہے۔

یہ صرف دو دن کی جرح تھی جس میں سے چند ایک چیزیں ہم نے آپ کے سامنے رکھی ہیں۔ عدالت نے اس جرح کی سماعت کو اب غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دیا ہے------اب نہ جانے یہ جرح یونہی جاری رہتی تو کتنے دن چلتی اور اس میں کیا کیا انکشافات ہوتے۔ یہ اب اللہ ہی کو معلوم ہے۔

تاہم قادری صاحب کی زندگی کے تضادات اور قلابازیاں جو عدالت کے ذریعہ لوگوں کے سامنے آئی ہیں ان کا سبب قادری صاحب پر وہ قاتلانہ حملہ ہے' جس کے بارے میں ہم نے لکھا تھا (قاتلانہ حملہ یا ڈرامہ) تو اتنے بے شمار ڈراموں میں اب اس ایک ڈرامے کا اضافہ ہو گیا ہے' بس اس کے علاوہ تو کچھ نہیں ہوا۔

علامہ طاہر القادری مغرب زدہ

بے حجاب عورتوں کے جھرمٹ میں

یہ سات جون 1990ء کا ہفت روزہ ''تکبیر'' ہے۔ اس میں جناب قادری صاحب کے ایک عقیدت مند نے چند تصاویر مذکورہ رسالے کو روانہ کیں' ان میں سے دو تصاویر شائع ہوئی ہیں۔ ان تصاویر کے عقب میں لاہور کے ایک کلب کے بینر صاف دکھائی دیتے ہیں۔ اسی کلب کی جانب سے مغرب زدہ عورتوں اور مردوں کا مخلوط اجتماع ہے جس کے مہمان خصوصی قادری صاحب دکھائی دیتے ہیں۔ یہ وہی عورتیں ہیں جنہوں نے حدود آرڈیننس کو عورتوں کے سروں پر لٹکتی تلوار کہا۔ اسے منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا۔ اسلام کے قانون شہادت اور قانون توہین رسالت ﷺ کے خلاف مظاہرہ کیا۔ ان عورتوں کے جھرمٹ میں قادری صاحب براجمان ہیں۔ ایک عورت جس کا سامنے کا گریبان چاک ہے' وہ قادری صاحب کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑی ہے دوسری تصویر میں ننگے سر اور بے حجاب چہرے والی خاتون سے کوئی شے وصول کر رہے ہیں یا عطا فرما رہے ہیں کہ دونوں کے ہاتھوں نے ایک ہی شے کو تھام رکھا ہے۔

(روزنامہ الدعوہ لاہور جون 1990ء)

❁❁❁❁❁

طاہر القادری کا علمی و تحقیقی جائزہ

مفتی غلام سرور قادری

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زندگی کے کسی بھی شعبہ میں کسی بھی ذمہ داری پر کوئی شخص اس وقت تک فائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس متعلقہ شعبہ پر فائز ہونے کا اہل نہ ہو یعنی کسی بھی شعبہ کی ذمہ داری پر فائز ہونے کے لیے درحقیقت اہلیت شرط قطعی ہے۔ لیکن یہ کس قدر افسوسناک اور دکھ کی بات ہے کہ عوام کے نزدیک قوم کی دینی و مذہبی راہنمائی کے لیے کوئی شرط نہیں ہے اور نہ ہی کوئی معیار' جب کہ دنیوی معاملات کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی شخص وکالت کرنا چاہے تو اس کے لیے ایل ایل بی ہونا شرط ہے۔ علاج معالجہ کرنا چاہیے تو ایم بی بی ایس کی ڈگری رکھنا یا طبیہ کالج کا سند یافتہ ہونا ضروری ہے' اور اگر کوئی معالج باقاعدہ سند یافتہ نہ ہو اور اس نے کلینک یا مطب کھول رکھا ہو تو وہ مستحق سزا ہوتا ہے لیکن افسوس اور صد افسوس کہ ہمارا دین اور مذہب کسمپرسی کے عالم میں ہے۔ جس شخص کا جی چاہے وہ جذباتی قسم کی تقریریں شروع کر دے اور تقریر و خطابت کی مہارت پیدا کر لے تو وہ عوام کا دینی و مذہبی پیشوا بن جاتا ہے۔ جس شخص کا کوئی اپنا پیشہ نہ چل سکے مثلاً ڈاکٹر ہو اور اس کی ڈگری نہ چل سکے۔ وکیل کی وکالت نہ چلے تو وہ ڈاکٹری اور وکالت کو چھوڑ کر خطابت و تقریر میں کچھ مہارت پیدا کر لے اور کچھ ایکٹنگ بھی کرنا جانتا ہو تو نہ صرف عوامی سطح پر اسے قبول عام حاصل ہو جاتا ہے' بلکہ حکومتی سطح پر اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اس کی علمی صلاحیت کبھی نہیں دیکھی جاتی بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسے عوام کس قدر چاہتے ہیں۔ جیسے فلمی ایکٹر کے لیے محض اداکاری کا تجربہ اور گانے والوں کی آواز کی موزونیت کو مدنظر رکھا جاتا ہے' ایسے ہی پاکستان میں قوم کی دینی و مذہبی راہنمائی کرنے' نابغہ عصر اور مفسر قرآن

کہلانے کے لیے صرف تقریر کا فن ہی معیار ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے بعد وہ مذہبی تنظیم بھی بنا سکتا ہے۔ مذہبی راہنما اور روحانی پیشوا بھی کہلا سکتا ہے۔ چاہے تو قرآن کی تفسیر کرنا شروع کر دے۔ یا حدیث کی تشریح فرمانے لگے اور چاہے تو فتوے بھی صادر کرنے لگ جائے یا مسلمہ واجتماعی مسائل میں اختلاف کر کے امت مسلمہ کے مجتمع شیرازے کو بکھیرنا شروع کر دے۔ اسے نہ کسی کی پرواہ ہے اور نہ ہی کسی قسم کی باز پرس کا کوئی اندیشہ۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان فکری انتشار کا مرکز اور طرح طرح کے متضاد افکار کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔ جب کہ یہ صورت کسی بھی طرح لائق درگزر نہیں۔ اس کا سد باب کرنا اور اس کی حوصلہ شکنی کرنا اہل علم حضرات کے فرائض کا ایک اہم حصہ ہے۔

اس سلسلے میں بطور مثال ڈاکٹر کیپٹن مسعود عثمانی صاحب کراچی اور پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب لاہور' جیسی شخصیتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

قادری صاحب تو بنیادی طور پر وکیل (ایل ایل بی) تھے' جھنگ میں ایک عرصہ تک وکالت کرتے رہے اور کچھ نہ کچھ عربی بھی سیکھ لی تھی۔ پھر وکالت چھوڑ کر لاء کالج لاہور میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو دیکھا کہ وہ اپنا اصلی پیشہ چھوڑ کر مصنوعی اور غیر حقیقی طور پر علماء کی صف میں شامل ہو گئے تھے اور ٹی وی پر درس دینے لگے ہیں اور شہرت حاصل کر لی ہے تو طاہر صاحب کو بھی شوق چرایا اور شہرت حاصل کرنے کا جذبہ تو پہلے ہی سے ودیعت تھا تو یہ صاحب بھی اپنا اصلی پیشہ چھوڑ کر محض فن تقریر اور زور خطابت کے بل بوتے پر علماء کی صف میں آ کھڑے ہوئے اور ڈاکٹر اسرار صاحب کی جگہ لینے کی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ ان کی طرح ایک تنظیم بھی بنائی۔ لیکن ڈاکٹر اسرار صاحب عورتوں کی مخالفت کی وجہ سے پس منظر میں چلے گئے۔ لہٰذا طاہر القادری صاحب نے اس کے برعکس عورتوں کی حمایت کرنے کا فیصلہ کر لیا تا کہ ان کی ہمدردیاں حاصل کر سکیں اور ان میں ہر دلعزیز ہوں۔

ان کی ترقی کا راز دراصل میاں نواز شریف کی سرپرستی' اتفاق مسجد کی خطابت ہے کیونکہ میاں صاحب نے ان کی خوب سرپرستی فرمائی۔ ان کے بین الاقوامی تعلقات و وسائل پروفیسر صاحب کے شامل حال ہو گئے۔ پھر میاں صاحب نے سابق صدر مرحوم ضیاء الحق کے ذریعے ٹی وی والوں کو ہدایت کرائی کہ پروفیسر طاہر القادری کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دیں' جس کی وجہ سے موصوف ٹی وی پر آنا شروع ہو گئے اور اب ٹی وی ان کا ہے اور وہ ٹی وی کے ہیں۔ صدر ضیاء الحق کی سفارش نہ ہوتی تو لاہور میں ان سے بھی بڑے علماء اور بہتر بولنے والے موجود ہیں۔ بس یہی صورتحال ہے جو ان کے ظاہری عروج کا باعث ہے۔

اسلامی نظام کے نفاذ میں رکاوٹ کا باعث

وطن عزیز پاکستان اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے حاصل کیا گیا تھا' اور اس کے نفاذ کا اعلان 14 اگست 1984ء کو ہونے ہی والا تھا مگر قوم اور ملک کی بدقسمتی کہ جناب پروفیسر طاہر القادری نے عین اس وقت عورت کی دیت کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ جب اسلامی نظام کے نفاذ کے اعلان میں چند دن باقی رہ گئے تھے تو طاہر صاحب کی تقریر جو انہوں نے 4 اگست 1984ء کو خواتین کے ایک اجتماع سے گلبرگ میں فرمائی تو اس سے کچھ ناسمجھ خواتین کو اس بات کا علم ہوا کہ حدود و قصاص اور دیت کے مسودہ میں جسے حکومت نافذ کرنا چاہتی ہے' عورت کی دیت' مرد کی دیت کا نصف مقرر ہوئی تو انہوں نے طاہر القادری کے دیئے ہوئے سبق کی روشنی میں اس کی پرزور مخالفت شروع کر دی' اگرچہ اس سے قبل کچھ چہ میگوئی کا سلسلہ چل رہا تھا' چنانچہ روزنامہ نوائے وقت مورخہ یکم اگست 1984ء میں اس قانون قصاص و دیت کے بارے میں خواتین کا ایک مذاکرہ شائع ہوا' جس کے مطابق کچھ عورتوں نے جو اسلام کے نفاذ کو چاہتی تھیں' اس مسودہ کی حمایت کی جن میں سے آپا نثار فاطمہ سرفہرست تھیں' لیکن اسی مذاکرہ میں مغربیت سے متاثرہ کچھ خواتین نے کہا کہ آدھی دیت سے عورتیں دوسرے درجے کی شہری قرار پائیں گی' جسے برداشت نہیں کیا جائے گا' اور یہ بھی کہا کہ اس قانونِ اسلام سے عورتیں عدم تحفظ کا شکار ہو جائیں گی اور ساتھ ہی مرد کی گواہی کے مقابلے میں عورت کی نصف گواہی کے تسلیم کیے جانے پر بھی ان خواتین نے اعتراض کیا' اور کہا کہ عورت کی نصف دیت اور نصف شہادت نہیں ہونی چاہیے۔ اور یہ خواتین کے ساتھ ناانصافی ہے وغیرہ وغیرہ۔ محترمہ فوزیہ احمد' خاور ممتاز' محترمہ مہناز رفیع' محترمہ گل ناز' محترمہ خالدہ جمیل' محترمہ بیگم مسعودہ سلیم اور بیگم نسرین خورشید قصوری' ان سب محترمات نے فرمایا کہ عورتیں اس قانون قصاص و دیت اور قانون شہادت کو جس میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق نہیں دیئے گئے' بلکہ دیت اور شہادت کا آدھا حق دیا گیا ہے' تسلیم نہیں کریں گی۔ یہ سب کا مشترکہ خیال تھا' جس کا انہوں نے اس مذاکرہ میں برملا اظہار کیا۔ اور اس قانون قصاص و دیت اور قانون شہادت کی مخالفت کی۔

ادھر اسی 2 اگست کے روزنامہ میں سابق وزیر اطلاعات و نشریات و مذہبی امور راجہ ظفر الحق کی تقریر کا اقتباس بھی شائع ہوا' جس میں انہوں نے قصاص و دیت کے مسودہ قانون پر شوریٰ میں ہونے والی بحث کا خلاصہ پیش کیا اور اس قانون کی افادیت پر بھی روشنی ڈالی اور ساتھ ہی کچھ علماء کا ایک مذاکرہ بھی 2 اگست 1984ء کے روزنامہ نوائے وقت ہی میں شائع ہوا' جس میں مولانا مفتی محمد حسین نعیمی' مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی' جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث کاندھلوی صاحب وغیرہم شریک

ہوئے اورانہوں نے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں حکومت کی پیش رفت کو سراہا۔اور جناب پروفیسر طاہرالقادری صاحب اس دوران خاموشی سے دوطرفہ خیالات وبیانات کا جائزہ لے رہے تھے۔ بالآخر انہوں نے قانون قصاص ودیت اور قانون شہادت میں عورت کی نصف دیت اور نصف شہادت کی مخالف خواتین کی حمایت کر کے اس موقع پر لیڈ لے جانے اور شہرت حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے پہلے تو حضرت مفتی محمد حسین نعیمی صاحب کو لیڈ لے جانے کا مشورہ دیا لیکن نعیمی صاحب پر خدا خوفی غالب تھی' لہٰذا انہوں نے قرآن وسنت واجماع امت کے خلاف' عورت کی دیت اور شہادت کے مرد کی دیت وشہادت کے برابر ہونے کا فتویٰ جاری کر کے لیڈ لے جانے سے معذوری ظاہر کی' لیکن جناب طاہرالقادری نے 4 اگست 1984ء کو خواتین کا گلبرگ میں جلسہ کیا جس میں مذکورہ خواتین بھی شریک ہوئیں جو اسلامی نظام نہیں چاہتی تھیں تو جناب طاہر ایک سازش کا شکار ہو کر اور دنیا کے بدلے دین بیچ کر قرآن وسنت واجماع کے خلاف ان چند سرمایہ داروں کی بیگمات کی حمایت میں آواز بلند کر کے لیڈ لے گئے اور عورت کی دیت وشہادت کا جھگڑا کھڑا کر کے اسلامی نظام کے قیام میں ہمیشہ کے لیے رکاوٹ بن گئے۔ چنانچہ مفتی صاحب کا یہ بیان کہ طاہرالقادری صاحب نے مجھے لیڈ لے جانے کا مشورہ دیا لیکن میں خوف خدا کے تحت ایسا نہ کر سکا۔ مگر طاہر صاحب لیڈ لے گئے۔ روزنامہ وفاق' امروز' اور جنگ لاہور' جسارت کراچی مورخہ 19 اکتوبر 1984ء میں شائع ہوا اور عورت کی نصف دیت کے حق میں اجماعی موقف پر تمام مکاتب فکر کے علماء کی مشترکہ پریس کانفرنس فلیٹیز ہوٹل لاہور میں 18 اکتوبر 1984ء کو منعقدہ ایک تقریب کے حوالے سے اخبارات میں بیان شائع ہوا۔ نیز مفتی صاحب کا وہ انکشاف ملاحظہ ہو جو مذکورہ بالا اخبارات میں چھپا۔

انکشاف

''مجلس شوریٰ کے رکن اور ممتاز عالم دین مفتی محمد حسین نعیمی نے آج یہاں ایک پریس کانفرنس کے دوران کہا کہ کچھ عرصہ بیشتر وہ اور پروفیسر طاہرالقادری جناح ہال میں منعقدہ ایک تقریب میں اکٹھے بیٹھے تھے۔ پروفیسر طاہرالقادری نے انہیں کہا ''مفتی صاحب! آج لیڈ لے جانے کا موقع ہے۔ میں نے اس کی وضاحت طلب کی تو کہنے لگے۔ ''اگر آپ عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں مساوی قرار دے دیں تو آپ لیڈ لے جائیں گے۔'' مفتی محمد حسین نعیمی نے کہا' پروفیسر طاہرالقادری نے انہیں اس موقف کی تائید میں تین کتابوں کے حوالے دیئے۔ مگر جب دیکھا تو ان تینوں کتب میں سے کسی میں بھی یہ رائے اس مفہوم میں موجود نہ تھی۔ میں تو اس بنا پر ''لیڈ'' نہ لے جا سکا کہ ''کتاب و

سنت'' کے احکام سے سرتابی کر کے خدا کے غضب کو دعوت دینے کا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ تاہم پروفیسر طاہرالقادری لیڈ لے گئے۔

(روزنامہ وفاق' امروز' جنگ لاہور وجسارت کراچی 19 اکتوبر 1984ء)

طاہرالقادری نے محض لیڈ لے جانے اور سستی شہرت کمانے کے شوق میں پورے ملک وملت' خدا ومصطفےٰ ﷺ اور دین اسلام کے سنہری نظام کے ساتھ غداری و بے وفائی کی۔ جس مقدس نظام کے لیے اس ملک کو حاصل کیا گیا تھا' اس کے راستے میں روڑا اٹکا دیا۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے جس کا ہر واقف حال کو رنج ہے اور رہے گا۔

4 اگست کو عورتوں کے اجتماع میں جو موصوف نے خطاب کیا' نوائے وقت لاہور نے اس کی درج ذیل رپورٹنگ کی۔ ملاحظہ ہو:

پروفیسر طاہرالقادری نے کہا ''عورت کی دیت کو نصف قرار دینا اسے غیر مسلم قرار دینے کے مترادف ہے۔''

انہوں نے کہا کہ ''یہ تفرقات زمانہ جاہلیت کے پیدا کردہ ہیں' جنہیں آنحضرت ﷺ نے ختم کر دیا۔''

وہ آج 4 اگست 1984ء کو مجلس خواتین پاکستان کے زیر اہتمام بیگم وحیدہ مشتاق کی رہائش گاہ واقع گلبرگ میں خواتین کو قصاص ودیت کے موضوع پر درس دے رہے تھے۔

انہوں نے کہا کہ خواتین کی دیت آدھی قرار دینے کا مطلب انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور' 5 اگست 1984ء)

پھر 8 اگست کو جناب کو صدر مملکت نے اسلام آباد طلب کر لیا اور حکم دیا کہ کابینہ کے سامنے اپنا موقف بیان کریں۔ چنانچہ موصوف کی اس تقریر کے بارے میں ان کے دوست پروفیسر وارث میر کہتے ہیں۔

''انہوں (طاہرالقادری) نے اسلام میں اصول حرکت یعنی اجتہادی کاوشوں کو جاری رکھنے کی محض بات ہی نہیں کی' اپنی بات پر عمل کر کے بھی دکھا دیا ہے۔ قادری صاحب نے 5 اگست کے نوائے وقت میں اپنے ایک بیان کے ذریعے عورت کی نصف دیت کے حامیوں کو چیلنج دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایسا کرنا عورت کو جاہلیت کے دور میں پھینک دینے کے مترادف ہے۔ اس بیان نے حکومتی اور دینی حلقوں میں ہلچل پیدا کر دی۔ صدر مملکت نے بھی قادری صاحب کو کابینہ کے ایک خصوصی اجلاس

8اگست میں مدعو کیا۔ اس اجلاس میں عورت کی نصف دیت کی مخالفت میں قادری صاحب کے زوردار دلائل نے سب کو متاثر کیا۔

(روز نامہ نوائے وقت لاہور 30اکتوبر 1984ء)

آخر 9اگست کو صدر مملکت نے قصاص ودیت کے قانون کے التواء کا اعلان کر دیا۔

(ملاحظہ ہو روز نامہ ''نوائے وقت'' لاہور 9اگست 1984ء)

یہ ایک سازش تھی کہ صدر ضیاء الحق پر شوریٰ کا دباؤ تھا اور اس دباؤ میں آ کر اس نے 14اگست 1984ء کو اسلامی قوانین خصوصاً قصاص ودیت اور قاضی کورٹس کے نافذ کرنے کے اعلان کا وعدہ کر رکھا تھا' مگر صدر کے آس پاس کے رفقاء اور کچھ دیگر ارباب اقتدار شاید نہیں چاہتے تھے کہ اسلامی قانون کا نفاذ ہو۔ لیکن اب اس کے لیے معقول بہانہ اور معقول عذر درکار تھا۔ اس سلسلے میں انہیں طاہر القادری بکاؤ مال ہاتھ آ گیا۔ اور اس کے ساتھ سودا ہو گیا۔ چنانچہ اس نے عورت کی دیت کے بارے میں جھگڑا ڈال کر حکومت کو چانس فراہم کر دیا۔ اس کے بعد جناب کے ساتھ کیے گئے وعدے پورے ہوئے۔ ایک سو ساٹھ کنال اراضی بھی اونے پونے داموں آپ کو دے دی گئی۔ ایک ہنڈا کار نئی شوروم سے نکل کر آ گئی اور پورے ملک کے سرمایہ داروں کو اشارہ ہو گیا کہ اندرون ملک اور بیرون ملک اپنے وسائل سے اس کی ہر ممکن مدد کی جائے۔ چنانچہ اس کے بعد ایسا ہی ہوا۔ یہ وہی طاہر القادری ہے جسے زمانہ جھنگ کی وکالتی پریکٹس کے دوران شاید سائیکل خریدنے کی استطاعت بھی نہ تھی۔ اب ایک مسئلہ میں اسلامی نظام کے مخالفوں کے ہاتھ فروخت ہونے کی سعادت حاصل ہوئی' تو اب جناب کے ارد گرد کلاشنکوفوں والے محافظ اور گاڑیاں اور دولت کی ریل پیل ہے۔ ماشاء اللہ جناب! ارباب اقتدار اور سرمایہ داروں سے دام معقول وصول فرما رہے ہیں۔

دو گواہ

چنانچہ روز نامہ جنگ لاہور بروز بدھ مورخہ 16اکتوبر 1984ء میں مولانا متین ہاشمی کا درج ذیل بیان شائع ہوا' جو انہوں نے دیت کے متعلق مذاکرہ شادمان میں' جس کا اہتمام طاہر القادری نے کیا تھا' طاہر القادری کی موجودگی میں متین ہاشمی صاحب نے یہ بیان فرمایا:

''انہوں (متین ہاشمی) نے معتبر ذرائع کے حوالہ سے بتایا کہ 14اگست 1984ء کو قاضی آرڈیننس کے نفاذ کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ لیکن دیت کے تنازعہ کی وجہ سے ملک ایک اچھے قانون کے نفاذ سے محروم رہ گیا۔''

جناب عرفانی فرماتے ہیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد کے ہمہ وقتی ممبر جناب عبدالمالک عرفانی لکھتے ہیں:

''اس مسئلہ پر شدید اختلاف رائے پیدا ہونے سے مسودہ قانون قصاص ودیت کی منظوری معرض التوا میں پڑ گئی ہے' اور اگر یہی صورت رہی تو شاید یہ التواء مستقل حیثیت اختیار کر جائے۔''

(عورت کی دیت ص 8 طبع اردو بازار لاہور)

ان فاضل دو گواہوں نے گواہی دے دی کہ طاہر القادری کے شور مچانے اور اجماعی مسئلہ دیت کے خلاف ایک سازش کے تحت آواز بلند کرنے سے اسلامی نظام کو روک دیا گیا۔

قارئین! یہ اسلام کا قانون قصاص ودیت ہی ہے جو ملک میں قتل وغارت اور مار دھاڑ کو روک سکتا ہے۔ قانون قصاص ودیت کے نافذ کرنے میں جب تک تاخیر رہے گی' قتل وغارت اور مار دھاڑ کا بازار گرم رہے گا۔ اور اس کی تمام تر ذمہ داری طاہر القادری پر ہو گی۔ اور اس کا گناہ اس کے اعمال نامہ میں لکھا جاتا رہے گا۔

اور اب 1988ء کے الیکشن میں پیپلز پارٹی نے ایک پمفلٹ شائع کیا' جس میں اس نے طاہر القادری کے عورت کو مرد کی دیت کے برابر کے نظریہ کو دلیل قرار دے کر مرد کی طرح اس کے سربراہ مملکت ہونے کا جواز پیش کیا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی سی چال

طاہر القادری نے بالکل اسی طرح کی چال چلی ہے' جس طرح کی چال مرزا غلام احمد قادیانی نے چلی تھی۔ اس نے پہلے ہی سے یکدم نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ پہلے تو ''ملہم'' ہونے کا دعویٰ کیا کہ اس پر الہام ہوتا ہے (پھر وحی کے نزول کا دعویٰ کر دیا۔ پھر آخر کار نبوت کا مدعی بن بیٹھا۔

بعینہ یہی محترم طاہر القادری کا حال ہے کہ آپ نے حسب ترتیب اور یکے بعد دیگرے درج ذیل ارتقائی اعلانات فرمائے اور دعوے کیے۔

1- نابغہ عصر میں فرمایا کہ آپ اجتہاد کرنے کا شوق رکھتے ہیں اور تقلید جامد کے قائل نہیں ہیں۔ یہ تقلید جامد کی اصطلاح جو منکرین اتباع ائمہ کرام کی وضع کردہ ہے' اختیار کر کے لوگوں کے دلوں سے ائمہ کی اتباع کے جذبہ کو مٹانا شروع کیا۔

2- پھر عمرہ ادا کرنے گئے تو غار حرا تک پہنچنے کے لیے میاں نواز شریف اور اختر رسول صاحبان جیسے ملکی سطح بلکہ بین الاقوامی شہرت کے مالک حضرات کے کندھوں کی سواری فرمائی اور واپس

آ کر اتفاق مسجد کے خطبہ جمعہ میں اس کا ڈھنڈورا پیٹا تا کہ اس سے دنیا والوں کے ذہنوں میں کم از کم یہ تصور آ جائے کہ طاہر القادری کس قدر اونچی اور علمی شخصیت کے مالک ہوں گے جنہیں ایسے ایسے لوگ بھی کندھوں پر اٹھانا فخر محسوس کرتے ہیں۔

-3 پھر منہاج القرآن سے متعلق حضور ﷺ کی ذات اقدس کی طرف اس بشارت کو منسوب کیا کہ آپ نے موصوف کو منہاج القرآن کے نام سے ادارہ بنانے کا حکم فرمایا۔ اس طرح طاہر صاحب نے لوگوں کے دل و دماغ میں یہ بات راسخ کرنے کی کوشش کی گویا انہیں بارگاہ رسالت میں رسائی حاصل ہے۔

-4 پھر غار حرا میں فرشتہ کے نزول کا دعویٰ کیا اگر عوام شور نہ مچاتے اور کچھ لوگ سڑکوں پر نکل کر قادری صاحب کے پتلے کو نہ جلاتے تو شاید قادری صاحب اس کی تاویل و توجیہ کرنے کی زحمت گوارا ہی نہ فرماتے کہ ان کی مراد فی الواقع فرشتہ نہ تھا بلکہ ایک انسان تھا جس نے وہاں ان کی خبر گیری کی تھی۔

-5 اس کے بعد جناب نے فروعی مسائل میں اجتہاد کی ضرورت پر زور دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنے ایک رسالہ ''اجتہاد کا دائرہ کار'' میں لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم ائمہ اربعہ کے وضع کردہ اصول اجتہاد کی روشنی میں اجتہاد کریں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ کہیں نتیجتاً ہماری فقہی رائے ائمہ اربعہ (میں سے جس کی ہم تقلید کرتے ہیں یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کی رائے سے مختلف و متصادم ہو جائے اس سے تقلید میں فرق نہیں آئے گا کیونکہ اصول میں ہم ان کی ہی پیروی کرتے ہیں۔ اصول انہی کے ہیں ہمارے نہیں' ہم ان کے اصولوں سے نہیں ہٹیں گے۔ یعنی ہم اپنے اصول نہیں بنا سکتے کیونکہ اس سے امت میں فتنہ کے اٹھنے کا اندیشہ ہے۔''

(از ص 14 تا 20)

-6 اجتہاد کے دعویٰ کے ساتھ حضرت الحاج میاں محمد شریف صاحب مدظلہ کی کوٹھی پر عورت کی نصف اور پوری دیت کے سلسلے میں 8 ستمبر 1984ء کو منعقد کیے گئے مذاکرہ میں طاہر صاحب نے فقہاء ائمہ اہلسنّت کو بڑی جسارت کے ساتھ اپنا فریق قرار دے کر ان کے حوالوں کو سند کے طور پر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح صحابہ و تابعین و اتباع تابعین و فقہاء اور ائمہ کے اجتماعی مسئلہ کا انکار کر کے اجماع کے ہی منکر ہو گئے۔ ان کے یہ ٹیپ شدہ الفاظ اب بھی بے شمار لوگوں کے پاس موجود ہیں' خصوصاً راقم کے ہاں' جامعہ نعیمیہ' جامعہ

نظامیہ' شاہ تراب الحق (کراچی) اور دیگر بہت سے احباب کے ہاں یہ کیسٹ موجود ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ پروفیسر صاحب اپنی ناسمجھی اور نادانی سے قرآن حکیم کے ایسے ترجمے اور ایسی تفسیریں کر کے قرآن حکیم کو اپنی کج فہمی کا تختہ مشق بنا رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب کے ایسے تراجم و تفاسیر اور غلط معلومات آنے والی نسلوں کے لیے علمی مغالطوں کا باعث ہوں گی۔

مگر حکومت پنجاب کی بلاواسطہ اور بالواسطہ سرکاری اور غیر سرکاری طور پر نوازشات و عنایات نے موصوف کو اس قدر اونچا کر دیا کہ موصوف قرآن و حدیث اور فقہی علوم کے بارے میں علمی و تحقیقی انداز سے کچھ کہنے کی بجائے ہوائی باتیں کرتے چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جناب والا کو وزارت تک کی پیشکش بھی کی گئی (رسالہ دید شنید) 4 تا 9 اپریل 1986ء بحوالہ انٹرویو) یہ ترقی و عروج جو حسن اتفاق سے اتفاق کی بدولت نصیب ہوا اس کے سامنے حقیقت اور مسلک اہلسنّت بھی موصوف کی پرواز سے نیچے رہ گئے اور دولت کی ریل پیل اور امارت کی دل کشی موصوف کو زمانہ جھنگ اور لاء کالج کی لیکچررشپ کے اوقات تک بھول گئے۔ یہ سب کچھ حسن اتفاق کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے:

یہ دلکشی کہاں میری شام و سحر میں تھی
دنیا تیری نظر کی بدولت نظر میں ہے

پروفیسر طاہر القادری کی بدترین جہالت

قارئین! پروفیسر علامہ و ڈاکٹر طاہر القادری کے علامہ پن کا مشاہدہ فرمائیں یا اس کی بدترین جہالت کا ایک اور روشن نمونہ ملاحظہ کریں۔ موصوف اپنی کتاب ''تسمیۃ القرآن'' میں جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں ''میں اپنی زیر تالیف تفسیر ''منہاج القرآن'' کا ایک ایک حرف اور ایک ایک جز حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔''

گر قبول افتد زہے عز و شرف

(ملاحظہ ہو انتساب تسمیۃ القرآن) لکھتے ہیں۔

''عربی قاعدے کی رو سے ''الرحمٰن'' اسم فعلان واقع ہوا ہے۔ فعلان کا باب عام طور پر ایسی صفات کے لیے استعمال ہوتا ہے جو محض حالت کی حیثیت سے کسی ذات میں موجود ہوتی ہیں' مثلاً پیاسے کے لیے ''عطشان'' مست و بے خود کے لیے ''سکران'' غضبناک کے لیے ''غضبان'' پریشان و ششدر ہونے والے کے لیے ''حیران'' بہنے والے کے لیے ''جریان'' اور سرکشی و بغاوت کے لیے ''طغیان''۔

(تسمیۃ القرآن ص 110)

قارئین! یقین فرمایئے کہ اس بے ہودہ ولغو اور جاہلانہ تحقیق پر مشتمل کتاب کے حضور ﷺ کی ذات والا کی طرف انتساب سے حضور ﷺ کی روح مبارک کانپ اٹھی ہوگی اور آپ کو اس انتساب سے یقیناً ایذا پہنچی ہوگی۔ اس قدر بڑی جسارت کہ بے سروپا اور بے بنیاد اور جاہلانہ تفسیر کو حضور ﷺ کی ذات اقدس کی طرف منسوب کیا جائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اہل علم جانتے ہیں اور جنہوں نے کچھ عربی قواعد پڑھے ہوں گے وہ پروفیسر صاحب کی اس نرالی تحقیق پر ضرور غم کے آنسو بہائیں گے۔ سب اہل علم جانتے ہیں کہ ''رحمٰن'' اسم مبالغہ ہے اس کا وزن ''فعلان'' ہے۔ اس میں پہلے حرف پر فتح (زبر) ہے اور دوسرے حرف پر جزم' لیکن اس کی آخری دو مثالیں' جو نام نہاد علامہ نے پیش کی ہیں۔ یعنی ایک ''جریان'' اور دوسری ''طغیان'' وہ نہ صرف غلط بلکہ موصوف کی بدترین جہالت کا روشن ثبوت ہیں کیونکہ ''جریان'' کے پہلے حرف پر اگرچہ زبر ہے مگر دوسرے پر جزم نہیں ہے' بلکہ اس پر بھی زبر ہے' نیز یہ کوئی رحمٰن کی طرح اسم مبالغہ نہیں بلکہ مصدر ہے۔ ملاحظہ ہو اقرب الموارد میں لکھتے ہیں۔ ''جری یجری جریا وجریانا'' (اقرب الموارد ج 1 ص 119) لہٰذا اسم مبالغہ کے لیے مصدر کی مثالیں پیش کرنا اور دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس کرنا کسی اہل علم سے نہیں' طاہر القادری جیسے نام نہاد علامہ سے ہی متوقع ہو سکتا ہے۔ اسی طرح موصوف کا ''رحمٰن'' کی تحقیق میں ''طغیان'' کی مثال پیش کرنا بھی موصوف کی علمی ابتری کا چمکتا ثبوت ہے کیونکہ ''رحمٰن'' کے پہلے حرف پر فتح (زبر) ہے لیکن ''طغیان'' کے پہلے حرف پر ضم (پیش) ہے۔ پھر ''رحمٰن'' اسم مبالغہ ہے' اور ''طغیان'' مصدر ہے' چنانچہ المنجد میں ہے ''طغی یطغی طغیا و طغیانا'' (ص 467)

قارئین! جب کوئی شخص کسی ایسے منصب پر فائز ہو جائے' جس کا وہ اہل نہیں تو اس منصب کی جو مٹی پلید ہوگی' اس کا قیاس کون کر سکتا ہے۔ طاہر القادری صاحب جو بنیادی طور پر ایک وکیل ہیں' جھوٹے خوابوں اور جھوٹی بشارتوں کے ذریعے اور جھوٹے علامہ پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے' قرآن کی تفسیر لکھنے اور اس کے الفاظ و معانی کی تحقیق فرمانے لگے ہیں' ان سے ایسی جاہلانہ باتوں کا سرزد ہونا کوئی عجیب بات نہیں۔ بس ان کی خدمت میں اس کے سوا کیا عرض کیا جا سکتا ہے کہ خدارا تصنیف و تالیف کے دھندے سے باز آ جائیں۔ بہت کچھ کما لیا ہے' اب خدا کا خوف کریں اور قرآن و سنت اور اسلامی علوم کو مزید تختۂ مشق و ستم نہ بنائیں۔

بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

مرزا قادیان اور جناب طاہر القادری

قارئین کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور جناب طاہر القادری کے عقائد میں کچھ مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً غلام احمد قادیانی ان تمام حدیثوں کا منکر ہے جو اس کے مؤقف کے خلاف ہیں۔ اسی طرح طاہر القادری صاحب نے ان تمام صحیح حدیثوں کا انکار کر دیا جن سے ان کے باطل و بے بنیاد موقف عورت کی دیت سو اونٹ کے خلاف پچاس اونٹ کا واضح ثبوت میسر آتا ہے۔ اسی طرح قادیانی نے اجماع کا انکار کیا تو طاہر القادری صاحب نے بھی اجماع کا انکار کر کے ساری امت کے فقہاء وائمہ مجتہدین کو اپنا فریق قرار دیا۔ اس کے علاوہ مرزا قادیانی انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کا منکر ہو گیا اور ان سے اتحاد کا نعرہ بلند کیا اور طاہر القادری صاحب ان انگریزوں کے پیدا کردہ اور ان کے مداح مخالفین اہلسنت گمراہ فرقوں کے خلاف لسانی و قلمی جہاد کرنے کے منکر ہو کر ان کے ساتھ اتحاد کے داعی بن بیٹھے۔ قادیانی بھی کہتا ہے کہ اسے خدا اور رسول نے یہ خدمت سونپی ہے۔ اس کا شعر ملاحظہ ہو۔

اب تو جو فرمان ملا اس کا ادا کرنا ہے کام
گرچہ میں ہوں بس ضعیف و ناتواں و دل فگار

(براہین احمدیہ ج 5 ص 98)

اور طاہر القادری صاحب نے بھی یہ دعویٰ کر دیا کہ ''مجھے رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی اور فرمایا: ''تم اللہ کے دین کا' میری امت کی نصرت اور میری سنت کی خدمت کا اور میرے دین کی سربلندی کا کام کرو۔ میں یہ کام تمہارے سپرد کرتا ہوں۔'' میں نے عرض کیا۔ میں تو ایک ناکارہ' نااہل کمزور اور ناتواں انسان ہوں' خطاکار ہوں اور اس لائق نہیں ہوں کہ یہ کام کر سکوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم شروع کرو اللہ تمہیں توفیق اور وسائل دے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ منہاج القرآن کا ادارہ بناؤ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارے ادارہ منہاج القرآن میں خود آؤں گا۔ تم منہاج القرآن کا ادارہ نصرت دین کے لیے قائم کرو' میرا وعدہ ہے کہ میں لاہور میں تمہارے ادارہ منہاج القرآن میں آؤں گا۔''

(قومی ڈائجسٹ ماہ نومبر 1986ء ص 24)

پہلے تو طاہر القادری صاحب کا یہ دعویٰ مسلک اہلسنت کی نفی کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نورانیت کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہیں۔ اس مسلک کو حاضر و ناظر کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

در حقیقت ہمارے حضور ﷺ اس قدر قریب ہیں کہ اس قدر ہماری جانیں بھی ہمارے قریب نہیں
قرآن کہتا ہے۔

"النبی اولی بالمومنین من انفسھم"

کہ نبی کریم ﷺ مسلمانوں کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

بس درمیان میں ایک حجاب و پردہ ہے۔ حضور ﷺ اگر اس حجاب و پردہ کو دور فرما دیں تو ہم حضور پر نور ﷺ کو اپنے میں موجود پائیں گے اور یہ شان اعجازی ہے جو ہماری عقل ناقص سے بالا ہے۔ لیکن طاہر صاحب کا دعویٰ نہ صرف مسلک اہلسنت کی نفی کرتا ہے بلکہ یہ دعویٰ غلام قادیانی کے دعویٰ سے مماثلت رکھتا ہے۔ وہی الفاظ "ضعیف و ناتواں" کے جو قادیانی نے استعمال کیے طاہر صاحب نے بھی وہی کیے۔

پھر غلام احمد قادیانی نے اس پیش گوئی کا دعویٰ کیا کہ مجھے وحی آئی ہے۔

"ہر طرف سے مال آئے گا۔"

پھر کہتا ہے کہ

"یہ مالی امداد اب تک پچاس ہزار روپیہ سے زیادہ آ چکی ہے بلکہ میں یقین کرتا ہوں کہ ایک لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے۔"

(براہین احمدیہ ج 5 ص)

اسی طرح طاہر القادری صاحب نے بھی پیش گوئی جڑ دی اور کہا کہ اسے حضور ﷺ نے بشارت دی کہ:

"رسول اللہ نے فرمایا کہ تم شروع کرو اللہ تمہیں توفیق اور وسائل دے گا۔"

(قومی ڈائجسٹ نومبر 1986ء ص 14)

نیز غلام احمد قادیانی کا دعویٰ تھا کہ وہ بیک وقت نبی بھی ہے اور حضور سید المرسلین ﷺ کا امتی بھی۔ چنانچہ لکھتا ہے۔

"مجھے خدا تعالیٰ نے میری وحی میں بار بار امتی کہہ کے بھی پکارا ہے اور نبی کہہ کے بھی پکارا ہے میں ظلی طور پر نبی ہوں۔ پس میں امتی بھی ہوں اور ظلی طور پر نبی بھی ہوں۔ میں امتی بھی ہوں اور نبی بھی۔"

(براہین احمدیہ ج 5 ص 184/188/189)

غلام احمد قادیانی کے دعویٰ کا مطلب یہ ہے کہ بیک وقت وہ نبی اور امتی دونوں ہو سکتا ہے

وہ اس کی مثال یہ دیتا ہے کہ:

"جیسے پہلے انبیاء علیہم السلام میں سے کچھ پیغمبر تشریعی نبی بھی ہوتے تھے اور اپنے سے پہلے رسول کی امت میں اور اس کی شریعت کے تابع ہوتے تھے۔"

اور جناب طاہر نے بھی اسی قادیانی موقف کی تائید کر دی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"پھر انہی (موسیٰ علیہ السلام) کی امت و شریعت میں حضرت داؤد علیہ السلام ہیں، جنہیں کتاب زبور مرحمت فرمائی گئی۔ (الی ان قال) پھر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جنہیں کتاب انجیل مرحمت فرمائی گئی۔

(اجزائے ایمان حصہ دوم ص 28)

طاہر صاحب نے اس اعتبار میں واضح طور پر اس بات کا اظہار فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام دونوں اپنی اپنی جگہ پیغمبر اور نبی ہوتے ہوئے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں تھے۔ امت میں ہونے کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں ہو سکتا کہ وہ ان کے امتی تھے۔ یعنی نبی بھی تھے اور امتی بھی۔ اور یہی مرزا غلام احمد قادیانی کا موقف ہے کہ وہ بھی ایک جہت سے حضور ﷺ کا امتی ہے اور دوسری جہت سے نبی بھی ہے۔ اس موقف کی تائید میں وہ طاہر القادری صاحب کی اس عبارت کو پیش کر سکتے ہیں اور بلاشبہ طاہر القادری صاحب کا مفہوم و مقصود بھی یہی ہے، جب کہ یہ سراسر غلط ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امتی ہوں بلکہ وہ تو بجائے خود پیغمبر، در مستقل طور پر نبی تھے۔ کسی نبی کے اپنے سے پہلے رسول کی شریعت و کتاب کے احکام کی پیروی کرنے یا اس کی روش کو اپنانے سے اس کا امتی ہونا لازم نہیں آتا، مثلاً ہمارے حضور اکرم ﷺ نے تشریف لا کر انبیائے سابقین کی نبوتوں اور ان کی کتابوں کی تصدیق فرمائی اور آپ ﷺ کو ان کی روش کے اپنانے کا بھی حکم ہوا کہ آپ ﷺ ان کی ہدایت کی پیروی کریں اور ملت پر رہیں تو کیا اس سے آپ ﷺ ان کے امتی ہو گئے؟ ہرگز نہیں بلکہ آپ ﷺ اول مخلوق ہونے اور باقی سب کے آپ ﷺ کے نور سے پیدا ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ امام الانبیاء اور امام المرسلین ہیں اور سب نبیوں کے کمالات اور خوبیاں حضور ﷺ ہی کی خوبیوں کا عکس ہیں۔ اس لیے تمام انبیاء، انبیاء ہوتے کے باوجود آپ ﷺ کے خلفاء و امتی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن انبیاء سابقین میں سے کسی کو کسی دوسرے رسول کی امت میں یا اس کا امتی شمار کرنا، جیسے طاہر صاحب نے کیا، قادیانی نظریہ کی حمایت اور اس عقیدہ میں اس کی ہمنوائی ہے۔

طاہرالقادری کا فکری تنزل

جسے فکری بلند پروازی کا نام دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

-1 پروفیسر کو یہ سوال ہر وقت پریشان کرتا رہتا کہ------ ہماری درس گاہوں (دینی مدارس) کی فضا اس قابل کیوں نہیں کہ وہ طلباء کو فکری بلند پروازی عطا کر سکے۔

(فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے ص 21-22)

(یہ دینی درس گاہوں کے علماء وطلباء پر تنقید ہے' جس میں انہیں فکری بلند پروازی سے محروم بتایا جارہا ہے۔)

-2 غیر مسلم داعیان انقلاب کارل مارکس' فریڈرک انجلز' لینن' سٹالن اور ماؤزے تنگ وغیرہ کے افکار کے مطالعہ سے آپ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ ان کی تحریروں میں افکار اور فلسفہ انقلاب کی بابت جو خود اعتمادی وعزم کی پختگی' نظریاتی خاصیت اور نتیجہ خیزی کا یقین پایا جاتا ہے' عصر حاضر کے بیشتر اسلامی داعیان انقلاب کی تحریروں میں وہ بھی نظر نہیں آتا۔

حرف آخر

پروفیسر' علامہ اور ڈاکٹر کہلانے والے دنیائے علم وتحقیق سے بے خبر طاہرالقادری صاحب کی بے تکیوں کا باب تو بہت وسیع ہے۔ کاش کہ پڑھے لکھے' دین اور دانش اور عقائد ومسلک سے باخبر اہل علم خود ہی ان کی کتابیں پڑھ کر ان کی علمی کجرویوں سے واقف ہو جاتے اور بے چارے عوام سنیوں کو جو اپنا دھن اور دولت ان پر قربان کرتے پھر رہے ہیں ان کے دام فریب میں مبتلا ہونے سے بچانے کی فکر کرتے۔

(علامہ ڈاکٹر طاہرالقادری کا علمی وتحقیقی تجزیہ از مفتی غلام سرور قادری)

❀❀❀❀❀

طاہرالقادری علماء ودانشوروں کی نظر میں

مولانا عزیز الرحمٰن ثانی

سیّد منظور احمد شاہ صدر اہلسنت پنجاب

''پروفیسر طاہرالقادری کو عزت راس نہیں آئی اور اب ان کا زوال بڑی تیزی سے ان پر مسلط ہو گیا ہے۔''

(ندائے اہلسنت لاہور' جون 1989ء)

مولانا غلام علی اوکاڑوی

''طاہرالقادری کی رسوائی میں قادیانیوں کے لیے حمایت کی فکر نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے مجھے بھی دعوت دی تھی۔ مگر میں نے ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ میں انہیں حق پر نہیں سمجھتا۔''

(ندائے اہلسنت لاہور' جون 1989ء)

علامہ الٰہی بخش

''پروفیسر طاہرالقادری شروع سے ہی قوم اور ملک سے دھوکہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے لندن کانفرنس کے ذریعے بھی علماء مشائخ کو دھوکہ دیا۔ اور حضرت سیّد طاہر علاؤالدین کے شہزادوں کے نام پر اس دجل وفریب کا مظاہرہ کیا گیا۔ طاہرالقادری نے مینار پاکستان کے گراؤنڈ میں مباہلہ کانفرنس کر کے اصل میں ''قادیانیوں سے معانقہ'' کانفرنس کی تھی۔ علماء ومشائخ اس شخص کے چہرے کو پہچانیں اور اس کے فریب سے اہلسنت کو بچانے کی جدوجہد کریں۔''

(ندائے اہلسنت لاہور، جون 1989ء)

مفتی محمد حسین نعیمی

پروفیسر طاہر القادری قادیانیوں کی حکومت قائم کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی نئی سیاسی جماعت میں قادیانیوں کو شمولیت کی دعوت دے کر جمہوریت کے ذریعے ملک میں قابض ہونے کی دعوت دی ہے۔

پروفیسر طاہر القادری نے جس طرح آج اپنے ذاتی طور پر اقتدار میں نہ آنے کے حلفیہ وعدے کیے ہیں۔ اس طرح وہ کچھ عرصہ پہلے سیاست میں نہ آنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ اس لیے ان کے کسی وعدے پر اعتبار نہیں کر سکتے قادیانیوں کو اپنی جماعت میں ممبر بننے کی دعوت دے کر پروفیسر طاہر القادری نے رسول اکرم ﷺ کی ناراضگی مول لی ہے اور پاکستان کی سلامتی کے خلاف بھی سازش کی ہے۔ اس لیے جب کسی سیاسی جماعت میں کوئی رکن بنتا ہے تو وہ ملکی دستور کے مطابق پارٹی کا سربراہ بھی بن سکتا ہے۔ اور پارٹی کا سربراہ ملک کا بھی سربراہ بنتا ہے۔ اس طرح پروفیسر طاہر القادری نے مسلمانوں کی سو سالہ جدوجہد سے غداری کی ہے اور اپنی سستی شہرت کے لیے رسول اکرم ﷺ کے دشمنوں سے بھی مصالحت میں شرم محسوس نہیں کی۔ پروفیسر طاہر القادری پر اللہ کی کوئی ناراضگی وبال بن کر پڑ گئی ہے کہ وہ روحانیت اور عشق رسول ﷺ کی صراط مستقیم چھوڑ کر سیاست کی گندی نالی میں گر گئے ہیں۔

وہ ذہنی مریض ہیں اور ان کے بہت سارے خیالات ہمارے فہم سے بالاتر ہیں۔ انہوں نے اپنا سارا پروگرام بشارت اور خوابوں پر رکھا ہے۔ ایک مذہبی رہنما کو مذہب کا کام کرنا چاہیے جس طرح کہ دوسرے دنیادار لوگ اسلام کو اپنے مخصوص اغراض کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے بھی جو مقام حاصل کیا ہے اور جو پوزیشن ان کو ملی ہے، وہ محض اسلام کے عنوان سے اور اسلام کے اعلان سے ہے۔ اسلام کے نام سے پوزیشن حاصل کرنے کے بعد سیاست میں آنا مغربی طرز سیاست اور مغربی جمہوریت میں حصہ لینا مناسب نہیں۔

پروفیسر صاحب نے دیت اور شہادت کے سلسلہ میں اجماع امت کے خلاف جو نظریہ پیش کیا اس سے بہت نقصان پہنچا۔ اوّل یہ کہ اس سے اسلام کے باقی تمام مسلمات بھی مشکوک ہو گئے اور ایک اسلامی قانون جو آنے والا تھا، قصاص و دیت سے متعلق وہ ان کی مداخلت سے التوا میں پڑ گیا بلکہ اب اس کا امکان نہیں۔ انہوں نے اسلام بیزار لوگوں کا کام آسان کر دیا ہے۔

(ندائے اہلسنت لاہور، جون 1989ء)

علامہ اختر رضا خاں بریلوی

عالم اسلام کے نامور راہنما اور آستانیہ عالیہ بریلی شریف کے سجادہ نشین اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی امام احمد رضا خان کے پوتے مولانا مفتی اختر رضا خان بریلوی نے کہا ہے کہ "طاہر القادری کا پروگرام قرآن اور سنت کے خلاف ہے اس لیے اسے منہاج القرآن نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ منہاج الشیطان ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت کے خلاف تحریک کو قرآن کی تحریک کہنا یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ طاہر القادری حضور نبی کریم ﷺ کے مقابلے میں اتر آئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے مشن سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص طاہر القادری سے کوئی تعلق نہیں رکھ سکتا۔"

(ندائے اہلسنت لاہور، اگست 1989ء)

مفتی غلام سرور قادری

میرا ان سے کافی پرانا تعلق ہے، اس لیے میں نے انہیں قریب سے دیکھا ہے۔ وہ علماء میں سے نہیں ہیں بلکہ بنیادی طور پر ایک وکیل ہیں۔ جھنگ میں وہ وکالت کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے ایم اے اسلامیات بھی کیا اور یہ کوئی بڑی علمی ڈگری نہیں کیونکہ آج کل تو بچے ایم اے اسلامیات کر رہے ہیں۔ البتہ درس نظامی ایک بہت بڑی ڈگری ہے جو انہوں نے ابھی تک حاصل نہیں کی ہے۔ اس کی دلیل اس قدر کافی ہے۔ جو میں نے اپنی کتاب "پروفیسر طاہر القادری کا علمی و تحقیقی جائزہ" میں دلائل پیش کیے ہیں۔ ان کی کتابوں کے حوالے سے اقتباسات لے کر میں نے ثابت کیا ہے کہ انہیں عربی گرائمر پر عبور نہیں اور انہوں نے کچھ حضرات کی سفارش سے علامہ کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث کی سند پڑھے بغیر لی۔ اس کے بعد انہوں نے بھٹو دور میں بے روزگار ہونے کے سبب روزگار کی درخواست دی اور اس وقت انہیں پبلک سروس کمیشن کے امتحان کے بغیر براہ راست لاء کالج میں لیکچرار لگا دیا گیا۔

اس زمانے میں یہ کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کا ساتھ دیتے رہے۔ اب بھی وہ پروفیسر صاحبان موجود ہیں۔ کئی ایک ذمہ دار اس وقت بھی ہیں۔ ان سے گواہی لی جا سکتی ہے، حتیٰ کہ جن دنوں لیکچرار تھے بیمار ہونے کے باوجود الیکشن میں بائیں بازو والوں کو ووٹ دینے کے لیے گاڑی میں لائے گئے۔ بعد میں انہیں بریلوی مکتب فکر کے میلاد کے جلسوں کا سٹیج مل گیا۔ اس زمانے میں ڈاڑھی بھی منڈواتے تھے۔ پتلون پہنتے تھے۔ ٹائی لگاتے تھے۔ جب انہیں توجہ دلائی جاتی تو یہ کہتے کہ یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ وہاں سے انہیں مقرر بننے کا شوق ہوا۔ اسے سوئے اتفاق کہیے کہ اتفاق مسجد میں یہ خطیب لگ گئے۔

محترم میاں نواز شریف کی نوازشات ان کے بین الاقوامی تعلقات اور ضیاء الحق مرحوم کی ٹی وی والوں سے سفارش کی وجہ سے ٹی وی پر ان کا آنا جانا ہو گیا۔ ان چیزوں نے انہیں غیر معمولی اٹھایا۔ اور ان کے دماغ میں یہ بات سما گئی کہ اب میں ملکی سطح کا لیڈر بن جاؤں گا اور تقریروں میں انہوں نے علماء کے خلاف کہنا شروع کیا تا کہ نسل نو علماء سے متنفر ہو کر ان کے ساتھ ہو جائے۔

حتیٰ کہ انہوں نے طاہر علاؤالدین صاحب کی بیعت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پہلے تو ان کو نہایت ہی اونچے درجے کا بزرگ ثابت کرنے کی کوشش کی جبکہ بحیثیت غوث الاعظم کی اولاد ہونے کے ناطے وہ تو ویسے ہی محترم ہیں۔ سب ان کا احترام کرتے ہیں لیکن ان سے بڑے بڑے علماء بھی پاکستان میں موجود ہیں۔ بھارت میں موجود ہیں۔ وہ سادات بھی ہیں اس لیے انہیں کبھی پوچھا تک نہیں۔ حضرت طاہر علاؤالدین صاحب کو لوگوں کی نظروں میں اپنے تعلق کے حوالے سے اس طرح پیش کیا کہ گویا کہ رسول اللہ ﷺ کا فیض طاہر علاؤالدین کے پاس آتا ہے اور وہاں سے جناب طاہر القادری کے پاس آتا ہے۔ اور گویا باقی دنیا اس فیض سے محروم ہے۔ پھر انہوں نے اپنے خوابوں کا سلسلہ شروع کیا۔ اپنے خوابوں کا ڈھونگ رچایا' اور اپنے آپ کو پیر طاہر علاؤالدین صاحب سے بھی بڑھ کر حضور ﷺ کا مقرب ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس کا واحد مقصد اپنے آپ کو بین الاقوامی طور پر بہت بڑا ولی علامہ اور مفکر ثابت کر کے زیادہ سے زیادہ لوگوں سے دولت سمیٹنا ہے اور عیش کرنا ہے۔ اس وقت ان کے پاس ایک روایت کے مطابق کم از کم 87 کروڑ روپیہ موجود ہے۔ اب اپنا بنگلہ تیس پینتیس لاکھ روپے کا بنوایا ہے۔ ان کے اپنے وسائل تو نہیں تھے پھر کہاں سے آئے۔ جب طاہر القادری جھنگ سے یہاں آئے تو ان کے پاس سائیکل خریدنے کے لیے پیسے بھی نہیں تھے۔ ان کے مکان کا کرایہ فیض الحسن ملک اپنی جیب سے ادا کرتے تھے۔ پجیرو گاڑی' کلاشنکوف بردار باڈی گارڈ دستہ آخر یہ سب اخراجات کون پورے کرتا ہے؟

انہوں نے حال ہی میں کہا تھا کہ میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا انقلاب لاؤں گا۔ کیا یہ چہرہ اور کردار فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا انقلاب لا سکتا ہے؟

انہوں نے سیاسی جماعت بنانے کا ارادہ کیا ہے اور اس کے عزائم جو ہیں' ہٹلر بننے کے ہیں۔ گزشتہ دنوں انہوں نے اطاعت امیر پر درس دیا اور انہوں نے اطاعت امیر کی شاندار مثال ہٹلر کے دور کی دی۔

مذہب اور سیاست میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ سیاست دین کی روح ہے' لیکن اسی کو یہ زیب دیتی ہے جس میں صلاحیتیں ہوں اور جس میں سچائی اپنانے کا جذبہ ہو' جو جھوٹ نہ بولتا ہو۔ طاہر القادری

میں اس میں سے ایک بھی خصوصیت نہیں ہے۔ انہیں جھوٹ کا بادشاہ کہنا چاہیے۔ جھوٹ' چغل خوری اور غیبت میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ اس لیے یہ تو صرف اس قابل ہے کہ جھنگ واپس جا کر پریکٹس کرے۔ ان کا تعلق ترکھان برادری سے ہے لیکن اس برادری سے تعلق ظاہر کرنا بھی گناہ سمجھتے ہیں بلکہ کسی بھی انسانی برادری سے اپنا تعلق ظاہر کرنے سے کتراتے ہیں اور فرشتوں کی برادری کی چیز اپنے آپ کو ثابت کر رہے ہیں۔

غضب کی بات یہ ہے کہ نام مذہب اور دنیا کا لینا' ادھر یہ کہنا مرزائیوں کے حقوق کا بھی تحفظ کروں گا' مرزائیوں کے کوئی حقوق نہیں ہیں وہ اسلام میں مرتد ہیں اور مرتد کے لیے دو باتوں میں سے ایک بات ہے یا تو اسلام لائے یا تلوار۔ میں سمجھتا ہوں ان کو مرزائیوں کی بھی پشت پناہی حاصل ہے تو اس کی دلیل ہے کہ اتنی دولت انہوں نے کہاں سے حاصل کی ہے۔ دولت اکٹھی کرنا میرے خیال میں زیادہ بڑی بات نہیں ہے۔ لیکن یہ دولت جو اس نے اکٹھی کی اس کی تین وجوہ ہیں۔ جن میں بنیادی بات میاں نواز شریف کا اس کو نوازنا ہے۔ دوسرا صدر ضیاء الحق مرحوم نے اس کو بڑی اہمیت دی۔ 14 اگست 1984ء کو اس نے قصاص اور دیت کے مسودے کا اعلان کرنا تھا۔ آرڈیننس کا نفاذ کرنا تھا لیکن اس نے 18 اگست کو کابینہ کے سامنے انہیں مشورہ دیا کہ قصاص و دیت کے آرڈیننس کو نافذ نہ کیا جائے چنانچہ دیت کے مسئلے کی بنیاد پر 19 اگست کو ضیاء نے اس کے التوا کا اعلان کر دیا۔ تیسری وجہ ٹی وی ہے۔ ٹی وی پر اس کو بلاجواز مسلط کر دیا ہے جبکہ اس سے بہتر بولنے والے لوگ ہیں۔ یہ اسباب ہیں اس کی شہرت اور اہمیت کے' جن کے سبب اس نے دولت اکٹھی کرنی شروع کی۔

حقیقت میں نہ صرف یہ کہ بریلوی نہیں بلکہ یہ سنی بھی نہیں ہے۔ اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ اگر میں یہ بات عدالت میں ثابت نہ کر سکوں تو عدالت مجھے سزا دے سکتی ہے۔ میں یہ صرف الزام نہیں لگا رہا' میرے پاس اس کے ٹھوس دلائل موجود ہیں لیکن کچھ سنی عوام کو ان کی سادہ لوحی اور کم علمی کی وجہ یا رسول اللہ ﷺ یا غوث الاعظم کا اور میلاد اور پیری مریدی اور خوابوں کا چکر دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو علمائے اہلسنت ہرگز اس کے ساتھ نہیں ہیں۔ جو صاحب تحقیق ہیں وہ اس کے ساتھ نہیں ہیں۔ جو اس کے ساتھ ہیں وہ علماء نہیں ہیں بلکہ وہ جاہ پرستوں اور مفاد پرستوں کا ایک گروہ ہے جو ہر چڑھتے سورج کو پوجتے ہیں ورنہ عوام کی اکثریت ان کے ساتھ نہیں ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ عوام ہر آنے والے ہر نئے نعرے کو کچھ عرصے کے لیے پسند کرتے ہیں لیکن اب حقیقت کھلتی ہے تو وہ کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اس کی حقیقت بھی جلد کھل جائے گی۔

میرے خیال میں ایسا ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگ ضرور ہیں اس کی پشت پر جو کتاب و سنت کا وہ

نظام اس ملک میں لانا نہیں چاہتے جو معروف اور اجماع کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے اور تواتر کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ اس میں کمیونسٹ بھی ہو سکتے ہیں۔ قادیانی اور اس قبیل کے دوسرے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو انہیں تیار کر رہے ہوں۔

(ہفت روزہ چٹان لاہور 25 مئی 1989ء)

علامہ محمود احمد رضوی

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ طاہر القادری کیا چاہتے ہیں۔ ویسے بھی مروجہ سیاست جو ہے اس میں خود سیاست دان کہتے ہیں' اس میں بڑی لچک ہے اور فکر و عمل میں تضاد کا ہونا اہل سیاست کے نزدیک کوئی بری بات نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاست دان جسے صبح ضیاء کہتے ہیں شام کو ظلمت سے تعبیر کرتے ہیں اس لیے میں تو تقریباً 70ء سے اسی سیاست میں قدم رکھنے سے پرہیز کر رہا ہوں۔

ملک میں جس جمہوریت کو تسلیم کیا جاتا ہے اس میں ہر شخص رائے کی آزادی کا حق رکھتا ہے حتیٰ کہ اس مادر پدر آزادی کا اس قدر احترام کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص توریت' انجیل' زبور اور قرآن کو بھی فرسودہ اور پرانی کتب سے تعبیر کرے تو مروجہ سیاست میں اسے ایسی فضولیات کا بھی حق دیا جاتا ہے۔ اس لیے اگر طاہر القادری صاحب سیاسی جماعت بنانا چاہتے ہیں تو جمہوریت کے اصول کی بنیاد پر ان پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے؟

(ہفت روزہ چٹان لاہور 5 مئی 1989ء)

سیّد وصی مظہر ندوی

مختصراً یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ عوام میں انہوں نے اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں خوش عقیدگی پر مبنی جن باتوں کو وسیع پیمانے پر پھیلایا ہے' اب اس کے اثرات و نتائج وہ سیاسی طور پر سمیٹنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تمام دعوے جن سے لوگ ایک مذہبی آدمی کی حیثیت سے صرف نظر یا غض البصر کیا کرتے تھے' سیاسی حریف بننے کے بعد بھی اس صرف نظر کے مستحق سمجھے جاسکیں گے۔ کیا ان کے سیاسی مخالفین کی غیر جسمانی پیدائش کی حکایت پر ان کی اپنے والد بزرگوار سے پس از مرگ ملاقات، غوث الاعظم جیلانیؒ اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ خصوصی مشورے، کیا ان سب باتوں کو لوگ نظر انداز کرسکیں گے؟

علامہ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنی تحریر و تقریر میں جن امور کو ہمیشہ زیادہ نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے' ان سے خانقاہی طرز کا کوئی نیا فرقہ پیدا ہوسکتا ہے۔ تاہم ان کی جماعت کی سیاسی

اساسات کے بارے میں ہماری معلومات بہت کم ہیں۔ اگر وہ محض خوش عقیدگی کو اسی طرح کامیابی کا زینہ بنانا چاہتے ہیں جس طرح ان سے قبل بعض جماعتوں نے جنت کی چابی اور نبی ﷺ کے روضے کو وسیلہ بنایا تھا تو مجھے یہ ڈر ہے کہ شاید علامہ صاحب اتنی بھی کامیابی حاصل نہ کرسکیں جتنی ان کے پیشروؤں کو حاصل ہوئی ہے۔

مسلمان عوام میں اللہ تبارک وتعالیٰ، حضور نبی کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ دین کے ساتھ عقیدت و محبت کا ایسا تعلق ہے کہ جس تعلق کی بناء پر وہ اپنی جانیں تک قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن جہاں تک اسلامی تعلیمات، رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے طریقے اور بزرگان دین کی ہدایت پر عمل کرنے کا تعلق ہے تو اس معاملے میں مسلمان بہت پیچھے ہیں۔

قادری صاحب نے مسلمانوں کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان کی خوش عقیدگی میں تو خوب خوب اضافہ کیا ہے لیکن عمل کی طرف دعوت دینے کی غلطی نہیں کی۔ میرے خیال میں ان کی مقبولیت کا راز اسی بات میں پنہاں ہیں۔

(ہفت روزہ چٹان لاہور 25 مئی 1989ء)

اجمل قادری

ان کی کوئی مذہبی اور علمی بنیاد نہیں ہے اور میرے خیال میں کوئی ایسا شخص جس نے ذاتی مطالعہ کو سب کچھ سمجھ رکھا ہو اور کسی استاد کے سامنے باقاعدہ دینی تربیت حاصل نہ کی ہو' اس کی رائے پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی یہ حرکت سیاست میں اپنے پاؤں پر کلہاڑا چلانے کے مترادف ہے۔ جو پذیرائی انہیں حاصل ہے شاید اس سے بھی ہاتھ دھونا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ چند عاقبت نااندیش مشیروں کے مشورے ایک غلط راہ پر چل پڑے ہیں۔ خاص طور پر ان حالات میں جبکہ قصاص اور دیت کے بارے میں انہوں نے بہت ہی ناپختہ باتیں کی ہیں۔ یوں لگنے لگا ہے کہ طاہر القادری صاحب کو اللہ کی رضا کے بجائے لوگوں کی خوشنودی زیادہ عزیز ہے۔

(ہفت روزہ چٹان لاہور 25 مئی 1989ء)

عبدالقادر آزاد

یہ شخص اس قابل نہیں کہ اس کے بارے میں رائے دی جائے۔ رائے دی جاتی ہے اس کے بارے میں جو گمراہی یا نیکی میں کوئی مقام رکھتا ہو۔ یہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ یہ حادثے کی پیداوار ہیں۔ وقت نے انہیں پیدا کیا ہے' وقت ہی انہیں برباد کردے گا۔

قصاص اور دیت کے مسئلہ پر جس پر شیعہ سنی سب متفق ہیں اس پر انہوں نے ایک الگ رائے اختیار کی ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ میرا موقف روزنامہ جنگ میں شائع ہو چکا ہے جب انہوں نے دیت کے مسئلے میں تمام عالم اسلام سے الگ مسلک اختیار کیا۔ امت کے اجتماعی اجماعی مسائل پر انہوں نے یہ مسلک اختیار کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ انہیں مقام مل جائے کہ انہیں شیخ الاسلام رکھ لیا جائے۔ ان کے دماغ میں ایک کیڑا ہے۔ یہ نہ کسی ادارے میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے ہیں۔ آپ ان کی مثال نواب آف قلات کے بچوں کے معاملہ سے لے سکتے ہیں۔ ان بچوں کے درمیان کار کا تنازعہ تھا اپنے ماموں سے۔ انہوں نے غوث الاعظم کے خانوادے کی عزت و ناموس کا نام دیا۔ تیسرا انہوں نے مباہلے کا ڈرامہ کھیلا۔ قادیانی کبھی بھی مباہلے کی صورت میں نہیں آتے۔ انہوں نے سستی شہرت کے لیے اس مسئلے کو بھی استعمال کیا' ان میں کوئی ایسی بات نہیں جس کے سبب انہیں سیاست میں قیادت اور دین میں امامت دی جاسکے۔

(ہفت روزہ چٹان لاہور' 25 مئی 1989ء)

سردار آصف احمد علی سابق وفاقی وزیر مملکت برائے اقتصادی امور

خلیج کی جنگ میں تقریباً سبھی مذہبی جماعتوں نے عراق سے پیسے لیے تھے۔ گو ہمارے پاس ثبوت نہیں ہیں۔ لیکن عراقیوں کا کہنا ہے کہ ہم نے پاکستان کی مذہبی جماعتوں میں 25 کروڑ روپے تقسیم کیے تھے۔ صرف مولانا طاہر القادری کی جماعت کو عراق کی حمایت کرنے کے صلے میں 4 کروڑ روپے دیئے گئے۔ کسی مذہبی جماعت نے اس الزام کی تردید نہیں کی۔ طاہر القادری بتائیں کہ انہوں نے گلف وار کے دوران 7 کروڑ روپے کے پوسٹر کہاں سے لیے تھے' ادارہ منہاج القرآن کی کروڑوں روپے کی زمین انہوں نے کہاں سے حاصل کی تھی؟

(روزنامہ خبریں لاہور 29 جنوری 1993ء)

(روزنامہ پاکستان لاہور 2 فروری 1993ء)

زاہد انور واہلہ

سابق چیئرمین وزیر اعظم مانیٹرنگ اینڈ ایویلیوایشن سیل اینڈ خصوصی مددگار سیل

س: خصوصی مددگار سیل کو انتظامی کارروائیوں کے لیے بھی استعمال کیا جارہا ہے کہ خصوصی مددگار سیل ان کی کردار کشی کر رہا ہے اور زاہد انور واہلہ کو ان کے پیچھے لگا دیا گیا ہے؟

ج: میں طاہر القادری صاحب کو چیلنج کرتا ہوں کہ ان پر جو فراڈ کا الزام لگایا گیا ہے وہ اس پر میرے خلاف عدالت میں جائیں۔ ان کا کردار مذہبی رہنمائی کے دعویداروں کے مطابق نہیں ہے۔ ایک عالم دین کے لیے اس کا کردار قابل رشک اور لائق تقلید ہونا چاہیے۔ خصوصی مددگار سیل کا طریقہ کار یہ ہے کہ لوگ اپنے مسائل اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کے بارے میں درخواستیں بھیجتے ہیں اور اس پر ہم انکوائری کر کے دادرسی کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک بیوہ خاتون کی درخواست آئی کہ ادارہ منہاج القرآن کی مجلس عاملہ کے رکن اور ڈاکٹر طاہر القادری کے ایک شاگرد نے اس کے ساتھ 16 لاکھ کا فراڈ کیا ہے۔ جس پر معمول کے مطابق انکوائری کی گئی اور بیوہ کی درخواست درست پائی گئی۔ ڈاکٹر طاہر القادری اپنے ساتھیوں کا غلط دفاع کر رہے ہیں۔ حالانکہ انہیں بیوہ کی دست گیری کرنی چاہیے تھی جس سے ان کا کردار مشکوک ہو گیا ہے۔ اسی طرح ممتاز نعت گو شاعر مظفر وارثی کے ساتھ فراڈ ہوا جس کی بنا پر وہ ادارہ منہاج القرآن اور عوامی تحریک کو چھوڑ گئے۔ طاہر القادری عدالت میں جائیں' میں جانے کے لیے تیار ہوں لیکن وہ بیان بازی کریں گے، عدالت میں نہیں جائیں گے کیونکہ وہ پہلے بھی ایک مرتبہ عدالت سے بھاگ چکے ہیں۔ طاہر القادری کا اخلاقی کردار یہ ہے کہ انہوں نے آج سب سے زیادہ زبان اس شخص کے خلاف کھولی ہوئی ہے جس نے انہیں کندھوں پر بٹھا کر غار حرا تک پہنچایا تھا اور دوسری جانب کردار یہ ہے کہ آج تک زبان نہیں کھولی گئی۔ لوگ پوچھ سکتے ہیں لاء کالج کا وزٹنگ پروفیسر اربوں کا مالک کیسے بن گیا؟

(ہفت روزہ تکبیر کراچی 6 اکتوبر 1999ء)

مظفر وارثی

جب طاہر القادری نے نظام مصطفوی ﷺ کا نعرہ لگایا تو میں سب کشتیاں جلا کر اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ طاہر القادری سے اپنے ہزار اختلاف کے باوجود میں یہ ضرور کہوں گا کہ اس جیسا مقرر پورے برصغیر میں نہیں۔ وہ یقیناً صاحب علم اور صاحب زبان ہے لیکن افسوس کہ صاحب دل نہیں۔ میں سال سوا سال طاہر القادری کے قریباً ہر وقت ساتھ رہا ہوں اور میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں انہیں قریب سے دیکھ کر بہت مایوس ہوا ہوں۔ میں نے ان کے لیے سٹیٹ بنک کی ملازمت چھوڑی مگر وہ میری لاکھوں کیسٹیں فروخت کر کے بھی مجھے ان کی رائلٹی نہیں دے

رہے۔ وہ کسی بھی معاملے میں فیئر نہیں' سیاست میں بھی نہیں۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور کا ہفت روزہ جمعہ میگزین ندائے ملت 29 مارچ 1996ء)

مجیب الرحمان شامی

جناب ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری نے اپنے مکان پر فائرنگ کا جو قصہ بیان کر کے زمانے کو لرزایا تھا' عدالتی ٹریبونل نے اسے افسانہ قرار دے ڈالا ہے------اب حضرت بیان دے رہے ہیں کہ فیصلہ یک طرفہ ہے' ہم تو ٹریبونل کا بائیکاٹ کر چکے تھے------حضرت ایل ایل بی ہیں اور ایک لاء کالج میں لیکچر بھی دیتے رہے ہیں' انہیں قانون کا کچھ تو پتہ ہونا چاہیے کہ ان کے واویلا مچانے سے فیصلہ تبدیل ہونے سے رہا------اب تو وہ قانونی طور پر وہ قرار پا چکے ہیں کہ اگر ہم اسے دہرائیں گے تو حضرت ہم پر خوخیائیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(اداریہ ہفت روزہ زندگی' لاہور)

جناب پروفیسر طاہر القادری کی رہائش گاہ پر فائرنگ کی تحقیقات کے لیے عدالتی ٹریبونل کے قیام کا اعلان کیا گیا تھا' لیکن (تادم تحریر) اس نے کارروائی کا آغاز نہیں کیا------اس پر پروفیسر صاحب اور ان کے مداح تشویش اور اضطراب میں مبتلا ہیں۔ پروفیسر صاحب تو اس قدر جذباتی ہیں کہ اپنے مخالفین کو مرزا غلام احمد کے لہجے میں ''جہنمی' لعنتی' عذاب کا مستحق' اور دجال و کذاب'' قرار دے رہے ہیں------پروفیسر صاحب ماشاء اللہ معروف عالم دین ہیں' انہیں یہ بتانا کہ علماء کا لہجہ اور الفاظ کیسے ہونے چاہئیں' سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے------اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں ان کے اپنے حواس پر قابو پانے کی توفیق عطا فرمائے------پنجاب انتظامیہ ان کے اطمینان کے مطابق فوری کارروائی کرے کہ اس معاملے میں کوئی سستی بہر حال درست نہیں ہے------رہے پروفیسر صاحب کے کوسنے' ان کی دھمکیاں' اور مخالفوں کو تہہ تیغ کر دینے کے اعلانات' تو ان کا جواب یہی ہے کہ کوئی جواب نہیں------

(ہفت روزہ زندگی' لاہور 11 تا 17 مئی 1990ء)

رؤف طاہر' معروف صحافی

جہاں تک علامہ طاہر القادری کا تعلق ہے' وہ ابھی انتخابی کشمکش سے گزرے ہی نہیں۔ دسمبر 1984ء کے ریفرنڈم کی مہم میں وہ لاہور کے جلسے میں صدر ضیاء الحق کے ساتھ سٹیج پر نظر آئے اور 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات میں انہوں نے اپنے روحانی اثرات اور عقیدت کے تعلقات کو میاں نواز شریف اور اختر رسول کے حق میں استعمال کیا' بلکہ 1985ء میں نواز شریف صاحب کے پہلے انتخابی جلسے کو بھی مین رتن سینما کے اندر انہوں نے رونق بخشی۔ ان کے حق میں پرزور تقریر فرمائی۔ ضیاء الاسلام انصاری ان کے ساتھی مقرر تھے۔ خواجہ افتخار ماشاء اللہ موقع کے گواہ ہیں۔

(ہفت روزہ زندگی' لاہور جلد 10 شمارہ 43)

طاہر القادری سنو!

صحافی آپ کے زر خرید غلام نہیں!

''آپ اپنے گرد آٹھ آٹھ کلاشنکوف بردار کمانڈوز لے کر چلتے ہیں۔ یہ شاید پاکستان کے بھی سیاست دانوں میں پہلی مثال ہے کہ ایک نیا سیاستدان جس کی مخالفتیں اور دشمنیاں بھی نہیں ہیں وہ توپوں اور تلواروں کے سائے میں چلتا ہے۔ چنگیز خان' ہلاکو خان اور اس قبیل کے جنگجو اور انسانیت دشمن بادشاہوں کے بارے میں تاریخ میں آتا ہے کہ جب بادشاہ محل سے باہر نکلتا تھا تو لاتعداد مسلح جوان بادشاہ کے دائیں بائیں ہوتے تھے کہ یہ ان کی شان کے عین مطابق تھا' کیونکہ نصف دنیا ان کے پاؤں تلے تھی' نصف دنیا ان کی مخالف تھی۔

آج کے سیاست دان کے پاؤں تلے کیا ہے؟ خاک بھی نہیں ہے کہ جب وہ زمین سے پاؤں اٹھا لیتا ہے تو خاک بھی علیحدہ ہو جاتی ہے۔ ایسی بے وقعتی میں آٹھ آٹھ مسلح کمانڈوز کے جلو میں شاہانہ انداز و نیاز میں باہر نکلنا عوامیت کی نہیں بلکہ آمرانہ ذہنیت کی واضح علامت ہے۔ سیاست کے بھی آداب ہوتے ہیں------اور یہ آداب زندگی کے تمام آداب سکھا دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی سیاست کے آداب ہی نہیں سیکھ پاتا تو پھر زندگی کے دوسرے آداب بھلا کیا سیکھے گا------؟

آپ کا غیر سیاسی' غیر روائتی رویہ

سادہ لوح افراد کے لیے قابل قبول ہو سکتا ہے لیکن اہل وطن اسے کسی صورت میں قبول نہیں کر سکتے۔ اور یہ رویہ پائیدار ثابت ہو سکتا ہے نہ کامیابی کی دلیل ہے۔ ایسی صورت حال شخصی اقتدار اور جاہ و جلال کے لیے تو درست ہے لیکن ایک سیاسی راہنما کے لیے کسی طور درست نہیں ہے کہ جس نے انقلاب برپا کرنا ہے۔ اور انقلاب بھی ''مصطفوی انقلاب''

(پندرہ روزہ ''آف دی ریکارڈ'' کراچی 15 جولائی تا 31 جولائی 1990ء)

اور طاہر القادری بھاگ گئے

محبوب الرسول قادری

لاہور میں سو بچوں کے قتل کے خلاف عوامی تحریک کے احتجاجی جلوس پر پولیس کا وحشیانہ تشدد، جلوس کو منتشر کرنے کے لیے آنسو گیس اور لاٹھی چارج کا استعمال صحافیوں سمیت تحریک کے کارکن مرد خواتین اور بچے زخمی، طاہر القادری کارکنوں کو مار پڑتے ہی جلوس سے کھسک گئے، پولیس کے لاٹھی چارج سے متعدد صحافی زخمی جبکہ فوٹو گرافروں کے کیمرے ٹوٹ گئے۔ تفصیلات کے مطابق عوامی تحریک نے لاہور میں سو بچوں کے قتل کے خلاف مال روڈ مسجد شہداء میں قرآن خوانی کے بعد احتجاجی جلوس کی کال دے رکھی تھی۔ تحریک کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری نے مسجد شہداء کے سامنے جیسے ہی جلوس کی قیادت کرنا شروع کی تو انتظامیہ نے ڈاکٹر طاہر القادری کو خبردار کیا کہ مال روڈ پر دفعہ 144 کی وجہ سے جلسے جلوسوں پر پابندی ہے، اس لیے آپ جلوس کو منتشر کریں۔ طاہر القادری کے انکار اور جلوس کو رواں دواں رکھنے کے اعلان پر شرکاء پر لاٹھی چارج شروع کر دیا جس سے مال روڈ پر آہ و بکا شروع ہو گئی۔ جلوس میں شریک سکول کے بچے اپنی کتابیں اور جوتیاں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جلوس پر لاٹھی چارج کو دیکھتے ہی تحریک کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری جلوس سے اپنی سیکورٹی گارڈوں کے ہمراہ گاڑیاں بھگا کر نکل گئے۔ لاٹھی چارج کا یہ سلسلہ پولیس نے ریگل چوک سے اسمبلی ہال کے سامنے تک جاری رکھا۔

سول لائن پولیس نے مال روڈ پر احتجاجی مظاہرہ کرنے اور دفعہ 144 کی خلاف ورزی کرنے پر مقامی مجسٹریٹ طارق محمود کی درخواست پر عوامی تحریک کے سربراہ علامہ طاہر القادری سمیت

...وں کارکنوں کے خلاف 186,188 اور 353 کے تحت مقدمہ درج کر کے 28 کارکنوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ گرفتار ہونے والوں میں تحریک کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات قاضی فیض اور امیر تحریک لاہور سردار بشیر خان ڈوگر وغیرہ شامل ہیں۔ (روزنامہ خبریں لاہور 12 دسمبر 1999ء)

انوکھی قرآن خوانی

جو صرف فوٹو سیشن تک محدود رہی

پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ طاہر القادری نے ہفتہ کے روز دوپہر 12 بجے کے قریب مسجد شہداء کے اندر لاہور میں قتل ہونے والے سو بچوں کے لیے قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی کا انعقاد کیا تھا۔ لیکن عملاً قرآن خوانی صرف ویڈیو فلم بنانے اور پریس فوٹو گرافی تک محدود رہی۔ طاہر القادری کی آمد سے قبل سکول کے چھوٹے بچوں اور نوجوانوں کو بسوں میں مسجد شہداء لایا گیا۔ مسجد شہداء کے صحن میں صفیں ترتیب دینے کے دوران تحریک منہاج القرآن کے میڈیا سیل کے انچارج قاضی فیض اور بعض دوسرے نوجوان بوٹ پہنے ہوئے مسجد میں گھومتے رہے، اسی دوران مسجد کے اندر سے آنے والے ایک عالم دین نے ان نوجوانوں کو توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ یہ کیسی جہالت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ مسجد کے اندر آپ لوگ جوتے پہن کر گھوم رہے ہیں۔ جس پر نوجوانوں نے جوتے اتار لیے۔ علامہ طاہر القادری کی آمد پر صفوں کی ترتیب ختم ہو گئی اور تمام شرکاء علامہ طاہر القادری کی جانب منہ کر کے بیٹھ گئے، متعدد نوجوانوں اور بچوں کے ہاتھوں میں قرآن پاک کے سپارے پکڑے ہوئے تھے اور انہیں کھول رکھا تھا جبکہ عملاً تمام لوگ علامہ طاہر القادری کی باتیں اور اعلانات سننے میں مصروف تھے اور ایک ہی جانب منہ ہونے کی وجہ سے پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں کھول کر پکڑے ہوئے قرآن پاک کی بے حرمتی بھی ہو رہی تھی۔ عملاً چند صفوں کی بھی قرآن خوانی نہ ہو سکی۔

(روزنامہ دن لاہور 12 دسمبر 1999ء)

پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری نے کہا ہے کہ کاش مجھے اپنے کارکنوں پر لاٹھی چارج اور شیلنگ کی بروقت اطلاع ہوتی تو میں اس وقت واپس پلٹتا اور تشدد کروانے والے پولیس افسروں کے بوتھے توڑ دیتا اور پوچھتا کہ تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی۔ اگر میرے خلاف مقدمہ درج ہوا ہے تو ایک نہیں دس پرچے کروا لیں، میں ضمانت نہیں کراؤں گا۔ ضمانتوں کو ٹھوکر سے اڑا دوں گا۔

(روزنامہ دن لاہور 13 دسمبر 1999ء)

شہناز شیخ پاکستان عوامی تحریک کے دفتر جا کر پھٹ پڑیں اور روتے ہوئے کہا کہ تمہاری پارٹی نے میرے ساتھ بے وفائی کی اور دھوکہ میں رکھا۔ سابق وفاقی وزیر شیخ رشید کی بیوی کہلانے والی شہناز شیخ کو پاکستان عوامی تحریک نے یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ آپ لیاقت باغ اپنی سہیلیوں اور متاثرہ خواتین کے ساتھ جمع ہو جائیں ہم اپنی پارٹی کی خواتین کو لے کر جلوس کی شکل میں آپ کے ساتھ شریک ہوں گے۔ عوامی تحریک کے دفتر میں بیٹھے عہدیداروں سے بات چیت کرتے ہوئے شہناز شیخ نے کہا کہ تمہارا علامہ طاہر القادری بھی شیخ رشید کے ساتھ مل گیا ہے۔ تم اور تمہاری پارٹی بے وفا ہے، میرے ساتھ آپ لوگوں نے بہت بڑا فراڈ کیا ہے۔ یہ کہنے کے بعد شہناز شیخ وہاں سے چلی گئیں۔

(روزنامہ خبریں لاہور 13 دسمبر 1999ء)

معروف کالم نگار جناب جواد نظیر اپنے مستقل کالم "پانچواں درویش" میں لکھتے ہیں۔

"کل کا مظاہرہ لاہور میں سو بچوں کے قتل کے خلاف مولانا طاہر القادری نے کیا۔ اصل پروگرام قرآن خوانی کا تھا، مگر بعد میں ڈیڑھ دو سو افراد نے جن میں اکثریت اپنی ماؤں کے ساتھ آنے والے بچوں اور طاہر القادری کے مدرسوں کے طالب علموں کی تھی۔ مظاہرہ کرنا شروع کر دیا۔ مظاہرین کا رخ اسمبلی ہال کی طرف تھا، قیادت طاہر القادری اپنی قیمتی گاڑی میں فرما رہے تھے، جن کے بارے میں ان کا فرمان ہے کہ "میں تو غریب ہوں، یہ گاڑیاں تحریک کی ملکیت ہیں۔" مظاہرین مکمل پرامن تھے، کسی نے پتھر مارا، نہ اینٹ، پچاس گز کے سفر کے بعد پولیس نے "ایکشن" کر دیا۔ ڈیڑھ سو لوگوں کو منتشر کرنے کے لیے ایک ایس پی کی قیادت میں مظاہرین سے زیادہ پولیس والے تھے۔ ادھر پولیس نے ایکشن شروع کیا، ادھر عظیم انقلابی رہنما طاہر القادری اپنی قیمتی جیپ میں بیٹھ کر موقع واردات سے فرار ہو گئے تا کہ انہیں چوٹ لگے، نہ ان کی گاڑی کو خراش آئے، بچے اور بڑے جنہیں وہ اپنے سیاسی شو کے لیے گھیر گھار کر لائے تھے، پولیس کے ہاتھوں پٹ گئے۔"

(روزنامہ آواز لاہور 12 دسمبر 1999ء)

"سرراہے"

ایک اخبار نے راولپنڈی سے خبر دی ہے کہ شیخ رشید کی بیوی ہونے کی دعویدار خاتون شہناز شیخ، پاکستان عوامی تحریک کے دفتر میں جا کر پھٹ پڑیں اور روتے ہوئے کہنے لگیں کہ تمہاری پارٹی نے میرے ساتھ بے وفائی کی ہے اور مجھے دھوکے میں رکھا۔ اس نے عوامی تحریک کے عہدیداروں سے کہا کہ تمہارا لیڈر علامہ طاہر القادری بھی شیخ رشید کے ساتھ مل گیا ہے۔ اس نے مجھے یقین دہانی کرائی تھی کہ

آپ لیاقت باغ میں اپنی سہیلیوں اور متاثرہ خواتین کو لے کر جمع ہو جائیں، ہم اپنی پارٹی کی خواتین کو لے کر آپ کے جلوس میں شامل ہو جائیں گے، لیکن عوامی تحریک کی کوئی خاتون نہیں آئی۔

اس سے قبل شہناز شیخ نے علامہ طاہر القادری کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ عصر حاضر کے محمد بن قاسم بن کر سامنے آئے ہیں اور میں انہیں سلام پیش کرتی ہوں لیکن ایک ہی روز علامہ صاحب ہیرو سے زیرو ہو گئے اور شہناز شیخ انہیں فراڈ قرار دے رہی ہیں۔ اتوار کے روز شہناز شیخ نے پنڈی میں جو مظاہرہ کیا، اس میں حبیب وہاب الخیری نے ان کا پورا پورا ساتھ دیا، اس لیے ہو سکتا ہے کہ شہناز شیخ کی عقیدت علامہ طاہر القادری کی بجائے اب خیری صاحب کی طرف منتقل ہو جائے لیکن اس بات سے وہ کیسے انکار کر سکتی ہے کہ انہیں پریس سے علامہ صاحب ہی نے متعارف کرایا تھا۔ علامہ صاحب بھی کچھ کر سکتے تھے۔ ساری عمر کے لیے ان کے غلام تو نہیں بن سکتے تھے۔ انہوں نے ساتھ بیٹھ کر پریس کانفرنس کرا دی

آگے تیرے بھاگ لچھے!

ڈاکٹر طاہر القادری کا مورچہ

تنویر قیصر شاہد

جناب ڈاکٹر محمد طاہر القادری وطن عزیز کے دینی رہنماؤں اور سیاستدانوں میں اپنی الگ پہچان اور منفرد شہرت رکھتے ہیں۔ ان کی سیاسی جماعت ''پاکستان عوامی تحریک'' (PTA) اور ان کا دینی ادارہ ''منہاج القرآن'' دونوں علیحدہ علیحدہ اور الگ الگ تشخص رکھتے ہیں لیکن اس امتیاز کے باوجود دونوں ایک دوسرے کا اٹوٹ انگ بھی ہیں۔ دونوں کو ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی شخصیت اور ان کے وضع کردہ افکار نے باہم مربوط کر رکھا ہے۔ ادارہ منہاج القرآن نے جنم لیا تو اس ''پہلوٹھی ولادت'' کے دوران قادری صاحب کو اتفاق خاندان کی سرپرستی اور میاں محمد شریف کی تمام تر شفقتیں اور محبتیں میسر تھیں۔ اگر یوں کہا جائے کہ اس خاندان کی محبتوں کا مینہ ان پر اور ان کے احباب پر پوری طرح برس رہا تھا تو شاید یہ بے جا بھی نہ ہو۔

قادری صاحب یونیورسٹی لاء کالج میں تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہیں۔ اس دوران انہوں نے ڈاکٹریٹ کا سمندر طے کرنا چاہا تو بقول شخصے، پنجاب حکومت کی تمام ہمدردیاں اور تعاون انہیں قدم قدم پر حاصل تھا۔ ڈاکٹر پروفیسر محمد طاہر القادری کی ذات گرامی ایک کامیاب انسان کی کہانی ہے اور اس امر کا ثبوت بھی کہ اگر کوئی شخص ایک خاص مقصد اور خاص کمٹمنٹ کے ساتھ آگے بڑھنا چاہے، ترقی کی منازل طے کرنا چاہے تو پاکستان کی سرزمین اس کے سامنے بچھتی چلی جاتی ہے۔ اس کا دامن کسی بھی محنتی اور مخلص پاکستانی کے لیے کبھی تنگ محسوس نہیں ہوا۔

ایک زمانے سے پروفیسر طاہر القادری صاحب سے ہماری یاد اللہ چلی آرہی ہے۔ وہ ہمیں

اور ہم ان کو اندر باہر سے اچھی طرح ہی نہیں، بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہماری شناسائی گزشتہ ڈیڑھ عشرہ کے دوران بارہا، نشیب و فراز کے ان گنت مراحل سے گزری ہے۔ ایک بار ان کے گھر پر ''فائرنگ'' کا واقعہ بھی رونما ہوا تھا۔ اس میں خون اور گولیوں کی جو داستان انہوں نے لوگوں کو سنائی، اس سے ہم دونوں بخوبی آگاہ ہیں۔ اس مقدمے میں انہوں نے ہم ایسے کمزور اور لاچار اخبار نویس کو بھی لپیٹنے کی کوشش کی تھی کہ وہ وکیل بھی ٹھہرے۔ اس مقدمے نے اپنے پر کھولے تھے تو اس میں بہت سی چیزیں برہنہ ہوگئی تھیں۔ ''آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر'' والی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ کاش قادری صاحب یہ مقدمہ شروع نہ کرواتے تو بہت بہتر ہوتا۔ اس کیس کے فیصلے نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ آج بھی اس (فیصلے) کے الفاظ ڈاکٹر محمد طاہر القادری پر کپکپی طاری کر دیتے ہوں گے۔

کچھ دنوں سے ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب بہت یاد آرہے ہیں، بہت نظر آرہے ہیں۔ اب کے وہ ایک نئے مسیحا کی شکل میں، ایک پیر دستگیر کے روپ میں سامنے آئے ہیں۔ چند روز قبل انہوں نے راولپنڈی جاکر سابق وفاقی وزیر شیخ رشید کی مبینہ اہلیہ شہناز کے غموں کو ہلکا کرنے کی کوشش کی۔ قادری صاحب ایک متوسط خاندان کے فرد رہے ہیں۔ اس لیے وہ شہناز نامی اس غریب خاتون کے دکھوں اور دردوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کوشش کی کہ موصوفہ کی کھوئی ہوئی متاہلانہ زندگی ایک بار پھر پٹڑی پر چڑھ جائے۔ یہ ایسی کوشش تھی کہ جسے مستحسن ہی کہا جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سعی (لاحاصل؟) کے دوران شیخ رشید صاحب اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب، ہر دو فریق نے ایک دوسرے پر الفاظ کے جو چھینٹے اڑائے، وہ غیر ضروری بھی تھے اور بے جا بھی...... لیکن اس سے اتنا ضرور ہوا کہ پنجاب کے اخبارات میں علامہ صاحب ایک مرتبہ پھر ''فرنٹ پیج'' پر آگئے۔

ابھی محترمہ شہناز اور طاہر القادری صاحب کی اکٹھی تصویریں چھپنے کا سلسلہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ گیارہ دسمبر کو، جبکہ مہربانوں کو اقتدار میں آئے پورا دوسرا مہینہ ہو رہا تھا۔ طاہر القادری صاحب نے اپنے منہاجی دستوں اور تحریکی دوستوں کے جلو میں لاہور کی مال روڈ پر جلوس نکالنے کا پروگرام بنایا۔ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے سبب وہ قانونی اعتبار سے یہ جلوس نہیں نکال سکتے تھے لیکن انہوں نے نکالا اور دھڑلے سے نکالا۔ وہ بی بی سی کے نمائندے کے ساتھ دوسرے غیر ملکی نامہ نگاروں کو بھی آوازیں دے دے کر قریب بلاتے رہے تاکہ ان کا ساز و آواز دور تک ابلاغ کر سکے۔ یہ جلوس انہوں نے لاہور میں سو کی تعداد میں مبینہ طور پر قتل ہونے والے بچوں کے والدین کے آنسو پونچھنے کے لیے نکالا۔ ہمارے اخبار ''پاکستان'' میں ایک رنگین تصویر چھپی ہے جس میں طاہر القادری صاحب مسجد شہداء میں ان بچوں کے لیے قرآن خوانی کروا رہے ہیں جو بہیمانہ انداز میں قتل کر دیے گئے۔ تصویر میں وہ ایک بلند کرسی پر بیٹھے،

ہاتھ میں قرآن کا ایک پارہ تھامے، تلاوت کر رہے ہیں جبکہ ان کے جاں نثار ان کی کرسی کے ساتھ اور ارد گرد نیچے بیٹھے قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔ مسجد شہداء کے خطیب قاری محمد یونس صاحب نے اس انداز قرآن خوانی پر شدید احتجاج کیا، بلکہ انہوں نے اس پر سراپا احتجاج بن کر کہا کہ باقی لوگوں کا زمین پر بیٹھ کر اور اکیلے قادری صاحب کا بلند کرسی پر بیٹھ کر قرآن پڑھنا، قرآن کی حرمت وعظمت کے خلاف عمل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زمین پر نہیں بیٹھ سکتے، وہ نماز بھی کرسی پر بیٹھ کر ادا کرتے ہیں۔

گیارہ دسمبر کو لاہور کی مال روڈ پر جناب طاہر القادری کے پیروکاروں اور پولیس کے درمیان جو معرکہ آرائی ہوئی ہے، جو مورچہ لگا ہے، اسے قادری صاحب کی سیاسی زندگی کا پہلا باقاعدہ دنگل کہا جاسکتا ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ اس دنگل میں بے شمار کمسن اور کم عمر بچے پولیس کے اہلکاروں اور قادری صاحب کے جانثاروں کے پاؤں تلے کچلے گئے۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ جب لاہور پولیس کی آہنی اور چوبی لاٹھیاں جلوس کے شرکت کنندگان پر بارش کی طرح برس رہی تھیں۔ پروفیسر صاحب وہاں موجود نہیں تھے۔ مال روڈ پر طاہر القادری صاحب کے پیروکاروں اور مریدوں کے ننگے سروں پر جب ڈنڈے برس رہے تھے۔ ان کے سروں پر گومڑ بنتے جا رہے تھے، دور کھڑے لوگ بیک زبان کہہ رہے تھے کہ طاہر القادری صاحب، قاضی حسین احمد نہیں بن سکتے۔ غالباً لوگوں کو محترمہ بے نظیر بھٹو کے زمانے کا واقعہ یاد آ رہا تھا جب قاضی صاحب نے راولپنڈی میں بے نظیر کے خلاف دھرنا دیا تھا۔ شدید گرمی اور ناقابل برداشت حبس کے باوجود پولیس کے دھاوے میں قاضی صاحب اپنے ساتھیوں کے ساتھ ڈٹے رہے اور ان کے پاؤں میں سر مو لغزش نہ آئی۔ قاضی صاحب نے اس مورچے میں ان گنت ساتھیوں کو زخمی کروایا، خود بھی زخمی ہوئے اور چند ساتھیوں سے ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھو بیٹھے...... مگر اس روز ان کی استقامت نے بے نظیر اقتدار کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ اب سپریم کورٹ کے حکم پر اس واقعہ میں دو افراد کی ہلاکت کا مقدمہ بے نظیر بھٹو، نصیر اللہ بابر اور عارف نکئی کے خلاف درج ہو گیا ہے۔

ہمیں دل کی گہرائیوں سے پروفیسر طاہر القادری کے زخمی اور گرفتار ہونے والے ساتھیوں سے ہمدردی ہے۔ ہم ان کے غمگسار بھی ہیں اور ان کی چوٹوں کے طرفدار بھی...... لیکن "پاکستان عوامی تحریک" کے "امام" سے ان کے چاہنے والوں نے ہمیشہ سے جو توقعات وابستہ کر رکھی تھیں گیارہ دسمبر کو مال روڈ کے کارزار میں ان توقعات کا، ان ارمانوں کا خون کر دیا گیا۔

(روزنامہ پاکستان لاہور 5 دسمبر 1999ء)

❁❁❁❁❁

طاہر القادری صاحب! خدارا قانون ہاتھ میں نہ لیجئے

عبدالقیوم حجازی

سابق وفاقی وزیر شیخ رشید کی مبینہ بیوی شہناز شیخ نے پاکستان عوامی تحریک کے مرکزی سیکرٹریٹ میں پریس کانفرنس کی جس میں انہوں نے شیخ رشید پر گھناؤنے الزامات عائد کیے۔ عوامی تحریک کے سربراہ علامہ طاہر القادری بھی ان کے ہمراہ تھے۔

اس موقع پر پروفیسر طاہر القادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ شیخ رشید نے اپنی بیوی کو بیوی ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ درندوں کی سرکوبی اور عوام کو ان کا حق دلانے کے لیے پاکستان عوامی تحریک "عوامی دادرسی سیل" کے قیام کا اعلان کرتی ہے۔ میں حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ شیخ رشید کے خلاف پرچہ درج کیا جائے اور بلا تاخیر گرفتار کیا جائے۔ طاہر القادری نے کہا کہ مظلوم خاتون کو دادرسی اور انصاف نہ ملا تو مجھے بے شک قانون ہاتھ میں لینا پڑا، میں سڑکوں پر آ جاؤں گا۔

"اگر انصاف نہ ملے اور قانون ہاتھ میں لے لیا جائے تو اس کا انجام انتہائی گھناؤنا ہوتا ہے۔ ہمارے سیاسی جغادری فی الوقت سیاست کی گتھیاں سلجھانے میں اس قدر مصروف ہیں کہ انہیں گرد و نواح کی کوئی فکر نہیں۔ ان کا ذہن اور نظریں صرف اونٹ پر مرکوز ہیں کہ وہ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ عوام پر

قیامت ٹوٹے یا کوئی جنونی معصوم بچوں کی پنجری مکمل کرکے انہیں گٹر میں بہا دے اور 100 ماؤں کے جگر چھلنی ہو جائیں، ہمارے سیاستدانوں کے منہ سے مذمت اور تعزیت کے دو الفاظ بھی نہیں نکلے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے سیاستدان اپنے سیاسی رقیبوں کی مذمت کا تو کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ طاہر القادری صاحب کی پاکستان عوامی تحریک کے سیکرٹریٹ میں ہونے والی پریس کانفرنس ہمارے سیاستدانوں کی موقع پرستی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بیگم شہناز شیخ رشید کی داشتہ تھیں یا زوجہ۔ قوم کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ یہ تو بیگم شہناز اور شیخ رشید کا ذاتی معاملہ ہے۔ پریس کانفرنس میں قومی سانحہ کی بجائے کسی کے ذاتی مسئلہ کو اتنی ہوا دینا طاہر القادری صاحب کے شایان شان نہیں۔ ملک میں ایسی ہزاروں بیگمات ہیں جن کی داستانیں بیگم شہناز سے کہیں زیادہ توجہ طلب ہیں۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ طاہر القادری صاحب کی اس کانفرنس سے وہ بھی اپنے ازدواجی معاملات کے تقریباً ہر روز پریس کانفرنس منعقد ہوا کریں گی اور موصوف ایسی بیگمات کے شانہ بشانہ بیٹھ کر ان کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کو منظر عام پر لانے کی مقدور بھر کوشش فرمایا کریں گے۔ اس طرح انہیں مصروف رہنے کا بہانہ مل جائے گا۔ شہ سرخیوں سے ان کی اس صلاحیت اور خوبی کو ضرور پذیرائی ملے گی۔ دوسروں کی ازدواجی زندگی میں "تو کون میں خوامخواہ" کی مثل مداخلت کرنے اور اس سے اپنی سیاسی دکان چمکانے کے اس پہلو پر ابھی تک کسی دوسرے سیاستدان نے غور نہیں فرمایا۔ اگر طاہر القادری کا یہ انداز عوام میں مقبولیت کا باعث بنا تو یقیناً دوسرے سیاستدان بھی ان کی پیروی کریں گے۔ ویسے تو خدا ترسی کے اس کام کے لیے ہماری سیاسی جماعتوں کے متعدد رہنما انتہائی موزوں ہیں، مگر دیکھنا یہ ہے کہ کون طاہر القادری کی پیروی میں پہل کرتا ہے۔ ویسے تو ہمارے سیاستدانوں کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ "ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ۔"

طاہر القادری صاحب کسی قسم کے مشورہ کے محتاج تو نہیں ہیں مگر ان کے لیے یہ مشورہ انتہائی ضروری ہے کہ وہ خدارا قانون کو ہاتھ میں لینے سے پہلے قانون کو مشرف بہ اسلام کرلیں تاکہ قانون کے لمبے ہاتھوں میں ہاتھا پائی کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ قانون کو ہاتھ میں لینے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ قانون کے ساتھ پہلے سے ہی ہاتھ ہو رہا ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ قانون ہاتھ میں لیے بغیر قانون کے ہاتھ مضبوط کیے جائیں تاکہ ملک میں قانون نافذ کرنے والوں کی بجائے قانون کی حکمرانی ہو۔

(روزنامہ دن لاہور، 5 دسمبر 1999ء)

طاہر القادری صاحب سے اپیل

محمد عارف خان

جھوٹے خوابوں اور جعلی بشارتوں کے ذریعے پاکستان کے معصوم عوام کو بے وقوف بنانے والے علامہ طاہر القادری صاحب آخر کار اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے نظر آتے ہیں۔ ان کی شبانہ روز محنت رنگ لائی ہے اور پاکستان کے دیگر قومی سیاست دانوں اور علماء کی طرح اخبارات میں ان کی خبریں چھپنے لگی ہیں۔ افسوس علامہ صاحب کے نظریات اور رہن سہن پر نہیں، بلکہ ان غریب اور ناخواندہ عوام پر ہے، جو ہر کسی کو اپنا نجات دہندہ سمجھ لیتے ہیں۔ مذہب کے نام پر پہلے بھی درجنوں لوگوں نے اپنی دکانیں چمکائیں، مگر علامہ صاحب نے تو کمال ہی کر دکھایا ہے۔

غالباً 1989ء میں انہوں نے اپنی انقلابی تحریک کا اعلان قرآن پاک کو فضا میں لہرا کر کیا اور سیاست سے دور رہنے کا بھی وعدہ کیا۔ مگر جلد ہی انہیں اپنی اس غلطی کا احساس ہو گیا اور انہوں نے محسوس کیا کہ سیاست کے بغیر شہرت کے بام عروج پر پہنچنا نہایت مشکل ہے۔ لہٰذا انہوں نے یہ فاصلہ بھی طے کر دیا اور اب ان کی پہچان عالم دین کی حیثیت سے کم اور سیاستدان کی حیثیت سے زیادہ ہو رہی ہے۔

علامہ صاحب کارکنان کے عطیات سے سیاست کرنے کو معیوب نہیں سمجھتے، بلکہ علی الاعلان کہتے ہیں کہ میں تو غریب ہوں اور میرے پاس جو کچھ ہے وہ تحریک کی ملکیت ہے۔ علامہ صاحب قیمتی لباس پہنتے، قیمتی بستر پر سوتے، قیمتی سٹیشنری استعمال کرتے اور قیمتی گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ معصوم کارکنان (جو مذہب کے نام پر سب کچھ لٹانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں) کے عطیات سے ہی ممکن تھا، ورنہ علامہ صاحب تو ایک لیکچرار تھے اور ہمارے معاشرے میں لیکچرار کو

وسائل کیا ہوتے ہیں، وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ علامہ صاحب تحریکی کارکنوں کے خرچ پر یورپ اور امریکہ میں تبلیغی دوروں پر اس تواتر کے ساتھ جاتے ہیں کہ آپ اکثر ان کے ادارے سے یہ جواب موصول پائیں گے کہ ''قائد محترم یورپ کے تبلیغی دورے پر ہیں۔'' اب یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ان کو ساری لادینیت یورپ اور امریکہ ہی میں کیوں نظر آتی ہے؟ غریب ممالک میں کیوں دکھائی نہیں دیتی۔ دوسرا یہ کہ وہ انقلاب تو پاکستان میں لانا چاہتے ہیں، مگر بیشتر وقت یورپ میں گزارتے ہیں۔ یہ بات بھی ہمارے فہم سے بالا ہے۔

قارئین محترم! آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس شخص کا اپنے عقیدت مندوں کے عطیات کے ساتھ یہ سلوک ہے، تو اقتدار ملنے کے بعد وہ ملکی خزانے کا کیا حشر کریں گے؟ تاریخ میں آتا ہے کہ خلیفہ راشد پنجم حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب نجی گفتگو فرماتے تو اس چراغ کو بجھا دیتے، جو سرکاری تیل سے جلتا تھا، مگر افسوس! آج کے نام نہاد علماء نے اس روایت کو فروغ دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ علامہ صاحب کو اپنی حفاظت کے لیے اسلحہ اور محافظ رکھنے والی روایت تو نظر آ گئی، مگر فقر، درویشی، قناعت اور سادگی کی سنت دکھائی نہیں دی۔

علامہ صاحب سو سے زیادہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ گذشتہ دنوں مجھ حقیر کو بھی ان کے ادارے میں ''دارالکتب'' دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کی تمام تصانیف فرداً فرداً دیکھیں، مگر ہمت نہیں ہوئی کہ ان کی کسی کتاب پر اپنے پیسے ضائع کروں۔ کوئی تحقیقی اور جدید کام کرنے کے بجائے کمزور روایات اور توہمات سے بھرپور کتابیں معروف اور بڑے بڑے بریلوی علماء کی کتابوں کا چربہ ہیں۔ ان کو تالیف کیا گیا ہے، نہ کہ تصنیف۔ پھر مجھے ان کے ایک عقیدت مند نے بتایا کہ ''قائد محترم'' کی ہزار سے زیادہ کتب کے مسودے پڑے ہیں اور کچھ زیر طبع ہیں۔ میں نے اس امید کے ساتھ ان مسودوں کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا کہ شاید کوئی کام کی تحریر پڑھنے کو مل جائے، مگر مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان مسودوں پر بجائے طاہر القادری کے، مختلف طلبہ کے نام درج تھے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ادارے میں زیر تعلیم طلبہ آخری سال جو مقالہ لکھتے ہیں، وہ بجائے ان کے نام کے ساتھ چھپنے کے، علامہ صاحب کے نام سے چھپتا ہے۔ میں جلد ہی اس حقیقت تک پہنچ گیا کہ موصوف نے سو سے زیادہ کتب کس طرح تالیف کر لیں۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ لاہور ہائی کورٹ کے ایک تحقیقاتی ٹربیونل نے علامہ صاحب پر قاتلانہ حملے کی تحقیقات کی تھی اور جو کچھ فیصلہ دیا تھا، اس کے الفاظ اس قدر سخت تھے کہ میں انہیں دہرانا نہیں چاہتا۔

گزشتہ دنوں یعنی 12 دسمبر کو بھی علامہ صاحب نے سو بچوں کے قتل کے خلاف مظاہرہ کیا۔

اس کام کے لیے وہ ہمیشہ اپنے ادارے میں زیر تعلیم معصوم بچوں اور بچیوں کو گھیر گھار کر لاتے ہیں، جو ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ حسب معمول اس مظاہرے کے لیے بھی انہوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ اپنی قیمتی گاڑی میں تشریف لائے تھے اور لاٹھی چارج ہونے پر معصوم بچوں کو پولیس کے حوالے کر کے اسی گاڑی میں واپس تشریف لے گئے۔ معصوم بچوں کو اگر اس واقعہ سے بھی اندازہ نہیں ہوا تو میں انا للّٰہ پڑھنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں۔ اگلے روز علامہ صاحب کا یہ بیان بھی چھپا کہ ''ہم لاشوں پر سیاست کرنے والوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔'' مگر علامہ صاحب! آپ کیوں بھول گئے ہیں کہ یہ تو آپ کا پرانا مشغلہ ہے۔ آپ تو اپنے پیر مکرم کی لاش بھی صوبہ بلوچستان سے اپنی مذہبی دکانداری چمکانے اور اپنی گدی مستحکم کرنے کے لیے ٹاؤن شپ لائے تھے۔ اب وہاں ایک شاندار مزار کی تعمیر کا کام جاری ہے۔

میری درخواست ہے کہ علامہ طاہر القادری صاحب اب سیاست میں ہیں۔ وہ شوق سے سیاست کریں، مگر خدارا دین کو بیچ میں نہ لائیں اور نہ خدا کے دین کے نام پر لوگوں کو اپنی سیاسی اغراض کے لیے استعمال کریں۔

(روزنامہ خبریں لاہور، 17 دسمبر 1999ء)



منہاج القرآن کے بانی اور طاہر القادری کے دیرینہ ساتھی مفتی محمد خان قادری کا پہلا انکشافاتی انٹرویو

- محمد نواز کھرل
- ملک محبوب الرسول قادری
- حافظ محمد یعقوب فریدی

س: منہاج القرآن کیسے قائم ہوا؟ اور آپ کا اس سلسلے میں کیا کردار تھا؟

ج: ڈاکٹر محمد علی صاحب کی کوٹھی میں درس قرآن شروع ہوا۔ طاہر القادری صاحب بہتر سوچ کے حامل تھے۔ وہ ہمارے مشورے قبول کرتے رہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس دور میں میاں جمیل احمد شرقپوری، مفتی محمد حسین نعیمی، مفتی عبدالقیوم ہزاروی، مولانا محمد بخش مسلم اور علامہ عبدالحکیم شرف قادری جیسی ہستیوں نے طاہر القادری صاحب کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی اور اس کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ یہ سب حضرات خود بھی درس قرآن میں آ کر بیٹھتے تھے تا کہ دیگر لوگوں میں بھی رجحان بڑھے۔ ہم نے قادری صاحب کے درس کو کامیاب کرنے کے لیے بہت محنت کی۔ قرض لے لے کر میں نے اخباروں میں اشتہار

دیئے۔ درس کو ٹیپ ریکارڈ سے نقل کر کے آئندہ ہفتے چھپوا کر مفت تقسیم کیا جاتا۔ تیرہ درس اسی کوٹھی میں ہوئے۔ درس والے دن ڈاکٹر صاحب اپنے بچوں کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دیتے تھے۔ اس کے باوجود جگہ ناکافی ہو جاتی۔ اس دوران مجھے اور میرے ساتھیوں کو بہت زیادہ تکالیف کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ ہم نے تہمتیں بھی برداشت کیں لیکن ہم نے ہمت نہ ہاری اور اللہ نے کامیابی دی۔ اس درس قرآن میں میاں نواز شریف کے والد محترم میاں محمد شریف صاحب بھی آتے تھے۔

س: میاں محمد شریف صاحب کو درس قرآن میں آنے کی دعوت کس نے دی تھی؟

ج: راؤ ارتضٰی حسین اشرفی صاحب نے میاں محمد شریف کو درس قرآن میں تشریف لانے کی دعوت دی تھی۔ راؤ صاحب کی کوشش تھی کہ میاں شریف کو قادری صاحب سے متعارف کروا کر اتفاق مسجد کی خطابت کے لیے بات کی جائے۔ اس طرح پروفیسر راؤ ارتضٰی حسین اشرفی صاحب کی جدوجہد کے نتیجے میں میاں شریف کا قادری صاحب سے اس درس قرآن میں تعارف ہوا۔ قادری صاحب کے ان دروس سے متاثر ہو کر میاں صاحب نے اپنی خواہش پر اتفاق مسجد میں قادری صاحب کا جمعہ کا خطاب شروع کروایا۔ درس قرآن بدستور رحمانیہ مسجد میں ہوتا رہا۔ آگے چل کر یہی درس قرآن "منہاج القرآن" کے قیام کی بنیاد بنا۔ جب منہاج القرآن کے قیام کا اعلان ہوا تو اس وقت علماء کا قادری صاحب سے اختلاف ہو گیا۔ علماء نے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ نہیں چل سکتے۔

س: کس بات پر اختلاف ہوا؟

ج: دراصل منہاج القرآن کے دستور میں ایک شق یہ تھی کہ بلا امتیاز مسلک کوئی بھی شخص ہمارا ممبر بن سکتا ہے۔ اس شق پر علماء نے اعتراض کیا۔ آپ حیران ہوں گے کہ اس مرحلے پر میں نے قادری صاحب کی وجہ سے اپنے اساتذہ کرام کو بھی ناراض کر لیا اور طاہر القادری کا ساتھ دیا۔ اساتذہ کی ناراضگی کئی سال میرے لیے پریشانی کا باعث رہی۔ بہرحال میرا ان سے مسلسل رابطہ رہا۔ انہوں نے ہمیشہ شفقت کی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اخلاص کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ بہرحال تمام تر مخالفتوں کے باوجود ہم نے "منہاج القرآن" کی بنیاد رکھ دی۔ مجھے "منہاج القرآن" کا پہلا ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ ہم منہاج القرآن میں شامل نہیں ہوئے بلکہ ہم تو منہاج القرآن بنانے والے تھے۔ اس وقت ان کو کوئی جانتا ہی نہیں تھا۔ منہاج القرآن کے اصل بانی اور موسس تو ہم ہیں، قادری صاحب کے لاہور

میں قدم جمانے والے ہم ہیں، درسِ قرآن کے لیے میں انہیں لے کر آیا۔ درسِ قرآن کے اشتہار قرض لے کر میں نے شائع کروائے۔ آج وہ میرے بارے میں کہتے ہیں کہ مفتی محمد خان قادری شامل ہوا تھا اور میں نے ان کو نکال دیا۔ کتنے ظلم کی بات ہے کہ جس شخص کو ہم لے کر آئے، آج وہ بانی بنا پھرتا ہے۔ وہ چونکہ اچھے خطیب تھے اس لیے ہم نے اس وقت انہیں تحریک کا سربراہ بنایا اور دن رات ایک کر کے دیوانہ وار ان کے ساتھ کام کیا تاکہ دین کو فائدہ ہو۔ منہاج القرآن کے اصل بانی تو ڈاکٹر محمد علی ہیں، حاجی شوکت صاحب ہیں، شادمان کے دوسرے حضرات ہیں جنہوں نے مالی وسائل مہیا کیے۔ اس میں مفتی عبدالقیوم ہزاروی اور حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کی خدمات کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ وہ دراصل اس تحریک کے محسن تھے۔

س: کتنا عرصہ آپ منہاج القرآن میں رہے؟ کن ذمہ داریوں پر کام کیا؟ قادری صاحب کو کیسا پایا؟

ج: قادری صاحب اس زمانے میں کرائے کے مکان میں رہتے تھے اور کرایہ بھی ہمارے ساتھی ادا کرتے تھے۔ طاہر صاحب کی اتنی تنخواہ ہی نہیں تھی کہ وہ کرایہ ادا کر سکیں۔ صدیق پارک والے ان کے مکان میں مفتی عبدالقیوم ہزاروی صاحب کے ساتھ نشست ہوئی۔ قادری صاحب نے مفتی صاحب سے کہا کہ ان (مفتی محمد خان قادری) کو فارغ کر دیں۔ اس طرح میں اتفاق اسلامک اکیڈمی میں آ گیا۔ جس کے سربراہ میاں محمد شریف تھے اور طاہر القادری صاحب ناظم تعلیم تھے۔ اتفاق مسجد سے ملحقہ چند کمروں پر مشتمل اس اکیڈمی میں ہم نے کام کا آغاز کیا۔ جھنگ سے ہمارے ساتھی محترم رانا جاوید القادری بھی یہاں منتقل ہو گئے۔ چالیس طالب علم اکیڈمی میں زیرِ تعلیم تھے۔ اکیڈمی کا سارا خرچ میاں شریف برداشت کرتے تھے۔ میاں شریف سے قادری صاحب نے کہا کہ ہم دین خرچ کریں گے، آپ دنیا خرچ کریں۔ کئی سال تک ہم وہاں کام کرتے رہے۔ اکیڈمی کا سارا تعلیمی نظام میرے سپرد تھا۔ اس دوران ادارہ منہاج القرآن کی تعمیر بھی شروع ہو گئی۔ تعمیر مکمل ہونے کے بعد تعلیمی پروگرام ادارہ منہاج القرآن میں شفٹ کر دیا گیا جبکہ قادری صاحب کا جمعہ کا خطاب اتفاق مسجد میں جاری رہا۔ بعد میں ان کے شریف خاندان کے ساتھ اختلاف پیدا ہو گئے اور انہوں نے اتفاق مسجد چھوڑ دی۔

س: اختلاف پیدا ہونے کی وجوہات کیا تھیں؟

ج: ہم نے طاہر القادری صاحب سے کئی مرتبہ پوچھا لیکن وہ کوئی وجہ بیان نہیں کر سکے۔ یہ صرف اتنا کہتے تھے کہ ہمارے ان سے نظریاتی اختلاف ہیں۔ لیکن کوئی ایسی بات ہمارے سامنے نہیں آئی۔ میرے خیال میں شریف خاندان نے ان کے ساتھ روحانی تعلق بنایا تھا۔ میری طرح وہ بھی ان کو روحانیت کا شاہکار تصور کرتے تھے۔ میاں شریف اور ان کے بیٹوں نے طاہر القادری کے ساتھ محبت و عقیدت کی انتہا کر دی۔ میں حجاز مقدس کے اس سفر میں ان کے ساتھ تھا جب اختر رسول اور میاں نواز شریف ان کو کندھوں پر اٹھا کر غارِ حرا لے گئے۔ قادری صاحب نے کہا کہ مجھے دل کی تکلیف ہے، اس لیے میں اوپر جا نہیں سکتا۔ یہ سن کر نواز شریف کی اہلیہ کلثوم نے کہا کہ آپ لوگ کھلاڑی ہیں، آپ کی صحت اور طاقت کا کیا فائدہ، اگر قادری صاحب ہمارے ساتھ اوپر نہیں جاتے۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ میاں شریف جن سے ضیاء الحق بھی وقت لے کر آتا تھا، وہ قادری صاحب سے وقت لے کر ملتے تھے۔ قادری صاحب نے بھی میاں شریف کو اپنا والد اور ان کی اہلیہ کو اپنی والدہ بنا لیا تھا۔ میاں شریف بھی ان کو حقیقی بیٹوں کی طرح سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے گھر میں جو چیز بھی آتی پہلے وہ قادری صاحب کے گھر بھیجتے۔ جب ہم اتفاق اکیڈمی میں ہوتے تھے تو میں نے دیکھا کہ روزانہ قادری صاحب کے لیے میاں شریف کے گھر سے سُوپ کا بھرا ہوا تھرمس آتا اور وہ ظہر تک تھرمس خالی کر دیتے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت انہوں نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ میں ناشتہ صرف ایک سلائس سے کرتا ہوں حالانکہ وہ سُوپ کا بھرا ہوا تھرمس صبح سے ظہر تک پی جاتے تھے۔ اگر کبھی میاں صاحب سُوپ بھجوانا بھول جاتے تو نائب قاصد کی شامت آئی ہوتی تھی کہ تم خود جا کر کیوں نہیں لے آئے۔ میاں صاحب ان کو روحانی آدمی سمجھ کر ان کی خدمت کرتے رہے۔ انہوں نے جو مانگا انہوں نے حاضر کر دیا۔

س: قادری صاحب کی باقاعدہ تنخواہ مقرر تھی یا ویسے ہی نذرانے کی صورت میں اتفاق والے خدمت کرتے تھے؟

ج: تنخواہ میں تو بہت تھوڑا ملتا ہے اور ''دوسری'' صورت میں لاکھوں ملتا ہے۔ انہوں نے ان کو گاڑی دی۔ جدید ضروریات زندگی کی ہر چیز فراہم کی۔ قادری صاحب ہندوستان، دبئی اور شارجہ گئے تو میاں شریف نے میاں طارق شفیع کو ان کے ساتھ بھیجا۔ قادری صاحب کی تمام تر شاپنگ کے اخراجات وہ برداشت کرتے تھے۔ ایک سفر میں، میں بھی ساتھ تھا۔ میرے سامنے قادری صاحب کی ساری خریداری نواز شریف نے کی۔ یہ الگ بات ہے کہ قادری

صاحب کوشش کرتے تھے کہ مجھے ان معلومات کی خبر نہ ہو لیکن آخر میں بھی انسان ہوں، الحمدللہ قادری صاحب بھی گواہی دیں گے کہ میاں نواز شریف سے میاں شریف تک ایک پیسہ بھی مفتی محمد خان قادری نے کبھی وصول نہیں کیا۔ میاں صاحب ہزاروں روپے دینے کی کوشش کرتے لیکن میں نے ہمیشہ کہا کہ میں غیرت مند ہوں، مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ قادری صاحب خود ان سے کہتے کہ مفتی صاحب نذرانے نہیں لیتے۔ کئی سال تک اتفاق والے قادری صاحب پر لاکھوں خرچ کرتے رہے پھر انہوں نے سوچا کہ یہ شخص سب کچھ ہم سے لے بھی رہا ہے۔ ہمارے پیسوں سے پل بھی رہا ہے اور پھر منبر رسول پر کھڑے ہو کر کہہ بھی دیتا ہے کہ میں نے کبھی اتفاق والوں سے ایک پائی بھی نہیں لی۔ اس طرح ان کے خاندان میں اس کے خلاف نفرت پیدا ہوئی۔ انہوں نے سوچا کہ یہ آدمی روحانی نہیں ہے تو کم از کم اس سے سیاسی فائدہ اٹھایا جائے۔ خود قادری صاحب کہتے تھے کہ انہوں نے مجھے کہا کہ چھانگا مانگا چلو اور وہاں پر موجود ممبران اسمبلی کو خطاب کر کے ہماری حمایت کے لیے تیار کرو تو میں نے انکار کر دیا۔ تو پھر انہوں نے دیکھا کہ اس شخص سے نہ روحانی فائدہ ہے نہ سیاسی تو ہم نے اس کو چاٹنا ہے۔ قریب تھا کہ وہ خود اس کو اتفاق مسجد سے نکال دیتے...... اس وقت ہوا یہ کہ قادری صاحب پشاور کے دورے پر تھے۔ واپس آ کر انہوں نے مجھے اور محترم خلیل الرحمٰن قادری صاحب کو بلا کر کہا کہ میاں شریف بہت غلط آدمی ہے۔ اس لیے میں اتفاق مسجد چھوڑ رہا ہوں۔ ہم نے مشورہ دیا کہ نہیں چھوڑنی چاہئے۔ سچی بات ہے کہ ہم بہت حیران ہوئے کہ پشاور جانے سے پہلے تک جو میاں شریف، ولی اللہ تھا، اب اچانک بُروں کا کپتان کیسے بن گیا؟ بہر حال باقاعدہ منہاج القرآن کی عاملہ کا اجلاس ہوا۔ اس میں طے ہوا کہ قادری صاحب اتفاق مسجد نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن آئندہ جمعہ پر انہوں نے کسی سے مشورہ کیے بغیر اتفاق مسجد چھوڑنے کا اعلان کر دیا کیونکہ اسے یقین ہو گیا تھا کہ میری اصل حقیقت ان پر ظاہر ہو گئی ہے اس لیے یہ لوگ مجھے اب برداشت نہیں کریں گے۔ اسی لیے جب ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ نے بغیر مشورہ کے یہ اعلان کیوں کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ مفتی صاحب! اگر وہ خود اٹھا کر باہر پھینک دیتے تو؟ اگر میں نے چھوڑ دیا تو کونسا کفر ہو گیا ہے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اتفاق فیملی کے طاہر القادری پر اتنے احسان ہیں کہ وہ تا قیامت انہیں اتار نہیں سکتا۔ میرے سامنے شریف خاندان نے قادری صاحب کو 16 لاکھ کی خطیر رقم دی۔ یہ بھاری رقم دراصل رانا جاوید القادری میاں محمد شریف صاحب

سے لے کر آئے تھے۔ انہوں نے یہ رقم قادری صاحب کی جھولی میں ڈھیر کر دی۔ اسے آپ قرض کہیں یا کچھ اور کہہ لیں۔ لیکن مجھے یہ بتائیں کہ آج کے دور میں کوئی آدمی ہے ایسا جو یہ کہے کہ بیس لاکھ لے لو اور دس دس ہزار کر کے لوٹا دینا۔ اس کو آپ مفاد نہیں کہتے تو اور کس کو کہتے ہیں؟ مفاد کس چیز کا نام ہے؟ انہوں نے تو اس وقت لیکچرر شپ نہیں چھوڑی تھی۔ جب تک اتفاق والوں نے انہیں مستحکم بنیادوں پر کاروبار شروع نہیں کروایا تھا۔ لیکن افسوس کہ یہ ایسا احسان فراموش اور محسن کش انسان ہے کہ اس نے سارے مفادات سمیٹنے کے بعد اپنے محسنوں کے خلاف زبان درازی کی اور آج تک اپنے محسنوں کے خلاف دریدہ دہنی سے کام لیتا آ رہا ہے۔ میں نے اس موقع پر محترم خلیل صاحب سے کہا کہ جو والد اور ماں کے ساتھ مخلص نہیں، وہ مصطفوی ﷺ انقلاب کا داعی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ جس سے پیالہ پانی کا بھی پی لیں، اس کے ہمیشہ ممنون رہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میاں شریف اس لحاظ سے عظیم آدمی ہے کہ اس نے آج تک زبان بندکی ہوئی ہے۔ انہوں نے اقتدار میں ہونے کے باوجود کبھی اس کے خلاف انتقامی کاروائی نہیں کی حالانکہ اس نے ان کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا۔ اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ میں نے سنا ہے کہ میاں شریف کہتا ہے کہ اس کا فیصلہ قیامت کے روز میں رسول اللہ ﷺ سے لوں گا۔ اس نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ تم دنیا خرچ کرو، میں دین خرچ کروں گا؟ جھوٹا کون ہے؟ اس کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے۔ جتنا عرصہ میں منہاج القرآن میں رہا۔ وہاں کے تعلیمی معاملات میرے سپرد تھے۔ ویسے تو سارے کام ہی میں، محترم خلیل صاحب اور رانا جاوید صاحب کرتے تھے، خصوصاً جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن کو میں نے کامیابی کے ساتھ چلایا اور اچھے نتائج دیئے۔

س: قادری صاحب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا مزاج آمرانہ ہے۔ وہ کسی شوریٰ وغیرہ کے پابند نہیں ہیں؟ کیا یہ تاثر ٹھیک ہے؟

ج: جو آدمی شریعت کا پابند نہ ہو وہ کسی اور کا پابند کیسے ہو سکتا ہے۔ جو آدمی شریعت کی بات نہ مانے، وہ کسی اور کی کیا مانے گا؟ ہم نے اس کے سامنے شریعت کی باتیں رکھیں۔ کتاب و سنت کی بات کی، لیکن انہوں نے قبول نہ کی۔ اس شخص نے یہاں تک ہمیں کہہ دیا کہ میری ذات پر اندھا اعتماد کرو اور غیر مشروط وفاداری کرو۔ حالانکہ یہ شان صرف رسول اللہ ﷺ کی ہے۔

س: سیاسی جماعت بنانے کا فیصلہ طاہر القادری نے ذاتی طور پر کیا یا یہ اجتماعی فیصلہ تھا؟ کون لوگ

تھے جنہوں نے یہ فیصلہ کروایا۔ کیا آپ بھی اس مشورہ میں شامل تھے؟

ج: یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ منہاج القرآن بناتے وقت ہم نے اللہ کی بارگاہ میں جو وعدے کیے تھے ان میں سیاست میں حصہ نہ لینے کا وعدہ بھی شامل تھا۔ ایک حلف یہ بھی تھا کہ پیری مریدی نہیں کریں گے۔ اتحاد کا کوئی موقع آیا تو ہم پیچھے ہٹ جائیں گے۔ ذہن میں تصور تھا کہ جب بھی اختلاف ہوتا ہے، قیادت کے مسئلے پر ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں موقع ملا تو ہم سب کو اکٹھا کر کے خود پیچھے بیٹھ جائیں گے۔ لیکن اس حوالے سے آپ کو دلچسپ بات بتاتا چلوں کہ جب پاکستان عوامی تحریک کا تحریک جعفریہ اور تحریک استقلال کے ساتھ اتحاد ہوا تو پہلی پریس کانفرنس سے خطاب کے لیے ہوٹل جانے سے پہلے قادری صاحب نے بعض افراد کو اس ہدایت کے ساتھ قبل از وقت ہوٹل بھیج دیا کہ وہ درمیان والی کرسی پر کسی کو نہ بیٹھنے دیں۔ وہ وہاں جا کر باقاعدہ درمیان والی کرسی پر قابض ہو گئے اور جب پریس کانفرنس سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو اصغر خان نے کہا کہ ہم نے تو آپ لوگوں کی پارسائی دیکھ لی ہے۔ آپ کا تو دعویٰ ہے کہ ہم وزارت عظمیٰ قبول نہیں کریں گے جبکہ تم پریس کانفرنس کی کرسی کسی کو دینے کے لیے تیار نہیں۔ اس واقعہ کے اقبال محمود اعوان ایڈووکیٹ گواہ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے خود قائد کے حکم پر کرسی قبضہ میں لی تھی۔ جہاں تک سیاست میں آنے کی بات ہے تو یہ ان کا ذاتی شوق تھا۔ شاید بہت دیرینہ خواب۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ آپ لوگوں سے مشورہ لیں کہ ہمیں موجودہ حالات میں سیاست کا راستہ اختیار کرنا چاہیے یا نہیں؟ چنانچہ طویل غور و فکر ہوا۔ لوگوں کی رائے لی گئی۔ کچھ حق میں تھے اور کچھ خلاف تھے۔ پھر انہوں نے ایک اور طریقہ اختیار کیا، وہ اس طرح کہ جمہوری طریقے سے رائے لینے کی بجائے خاص لوگوں کو مسجد میں جمع کر لیا اور حضور ﷺ کے متعلق خوابیں سنانا شروع کر دیں اور پھر خوابیں بیان کرتے کرتے کہنے لگے کہ میں تو اس راستے پر چلنے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے وعدہ کر چکا ہوں۔ تم نے ساتھ چلنا ہے تو چلو۔ مجھے بتاؤ اس موقع پر کون انکار کر سکتا تھا۔ وہ لوگ جو شام کو کہہ رہے تھے کہ ہم سیاسی جماعت بنانے کے حق میں نہیں ہیں، اب خوابیں سننے کے بعد وہی لوگ رو رہے تھے۔ اس طرح یہ سیاسی جماعت بنی۔ اس کے بعد قادری صاحب نے کہا کہ مدینہ منورہ اور بغداد شریف جائیں گے۔ وہاں پر بھی ہم گئے اور انہوں نے عجیب و غریب باتیں کیں۔ مثلاً ہم حضور غوث پاک کے دربار پر حاضر ہوئے تو وہاں جو دربار کا خادم ہے، وہ حضرت پیر طاہر علاؤ الدین القادری گیلانی کا مرید ہے۔ اس

نے قادری صاحب کو چادر دی۔ اس کو ہم نے فتح کا جھنڈا بنا لیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ چادر تو وہاں سے کئی لوگوں کو ملی ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ ادارہ منہاج القرآن کے امیر، انور قریشی صاحب نے بتانا چاہا کہ غوث پاک کے دربار سے تو مجھے بھی چادر ملی ہے، تو ان کو روک دیا گیا۔ یعنی وہ فتح کا جھنڈا بن گیا۔ پھر وہاں نماز کے دوران امام نے تلاوت کی۔

اذا جاء نصر اللّٰہ و الفتح

جس کو ہم نے کہا کہ اللہ کی نصرت اتر آئی ہے۔ یہ آیتیں ہمارے لیے پڑھی گئی ہیں۔ پھر مدینہ منورہ پہنچے، وہاں پر ان کو خواب آیا کہ میں ایک سفر شروع کر رہا ہوں، سفر کے آغاز سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے میرے گلے میں ہار ڈالے ہیں وغیرہ۔ حالانکہ یہ صرف اور صرف نواز شریف کی مخالفت کے لیے سیاست میں آئے۔ کیونکہ اس وقت جو الیکشن ہوا، انہوں نے اعلان کیا کہ میں کسی کے ساتھ اتحاد نہیں کروں گا، نہ مسلم لیگ کے ساتھ اور نہ ہی پیپلز پارٹی کے ساتھ۔ ان دنوں جب یہ جلسوں میں حلفاً کہہ رہے تھے کہ میرا کسی سے رابطہ نہیں۔ یہ رات کو پی پی پی کے خواجہ طارق رحیم اور سلمان تاثیر کے ساتھ خفیہ میٹنگ کرتے تھے۔ راتوں کو عبدالرشید فاروقی کے گھر پیپلز پارٹی کے لیڈروں کے ساتھ بیٹھ کر پلان بناتے تھے۔ خود مجھے کہا گیا کہ تم حلقہ 95 میں نواز شریف کے مقابلے میں الیکشن لڑو، میں نے انکار کر دیا۔ مجھے کہا گیا کہ بی بی سی لندن سے تمہارا اعلان ہوگا۔ میری مسجد کی انتظامیہ کے ذریعے مجھ پر دباؤ ڈالا گیا۔ پھر قادری صاحب نے مجھے الگ بلا کر کہا کہ اگر آپ الیکشن نہیں لڑتے تو میرا نقصان ہوگا کیونکہ میرا پی پی سے معاہدہ ہوا ہے کہ آپ نواز شریف کے خلاف کوئی مضبوط بندہ کھڑا کریں تو ہم حلقہ 97 میں آپ کے امیدوار کے حق میں اپنا امیدوار دستبردار کروا لیں گے۔ بہرحال میں الیکشن نہ لڑنے کی ضد پر قائم رہا۔ لیکن مجھے یقین ہو گیا کہ یہ سب پی پی کا کیا دھرا ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے پاس دستاویزی ثبوت بھی ہیں جو ہم مناسب موقع پر منظر عام پر لائیں گے۔ محترم خلیل صاحب پاکستان عوامی تحریک کے مرکزی آدمی تھے ان کے پاس ساری ''تفصیلات'' موجود ہیں۔ میرے خیال میں اصل فیصلے قدرت کے ہوتے ہیں۔ اللہ اس شخص کو سیاست کے میدان میں لایا تاکہ اس کا اصل چہرہ بے نقاب ہو جائے اور لوگ اس کی اصلیت سے آگاہ ہو جائیں۔

س: آپ پر کب واضح ہوا کہ قادری صاحب مخلص نہیں ہیں۔ اتنا عرصہ آپ ان کے ساتھ کیسے رہے؟

ج: اصل میں پہلے میں عقیدت مند تھا اور آپ جانتے ہیں کہ عقیدت انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ میں تو ہمیشہ ان کا دفاع کرتا رہا۔ میرے ذہن میں یہ تھا کہ ایک نئی تحریک ہم نے بنائی ہے۔ ایک نہج پر ہم قوم کو لے کر چلے ہیں، تو چھوٹی موٹی غلطیوں سے درگزر کرنا چاہیے۔ حتیٰ کہ میاں شریف جوان کی خدمت کرتے تھے، میں تو اس کے بھی حق میں تھا کہ ایک تحریک کا سربراہ ہے، اس کی بھی ضروریات ہیں لیکن ایک موڑ پر پہنچ کر میری سوچ میں تبدیلی پیدا ہوئی اور محترم خلیل صاحب، رانا صاحب اور میری سوچیں اس طرف بڑھیں۔ 88ء کی بات ہے۔ ایک انتہائی قیمتی گاڑی اتفاق والوں نے ان کو دی ہوئی تھی۔ 26 نمبر تھا اس کا۔ وہ گاڑی عرصہ تک ان کے زیر استعمال رہی۔ پھر ایک دن قادری صاحب نے ہم چار پانچ ساتھیوں کو بلا کر کہا کہ "یہ گاڑی کافی پرانی ہو گئی ہے، دوسرا مسئلہ یہ بھی ہے کہ اس گاڑی کے کاغذات اتفاق والوں کے نام ہیں۔ اس لیے میں اس گاڑی کو بیچ کر نئی گاڑی خریدنا چاہتا ہوں۔" ہم نے کہا کہ آپ ضرور لیں، ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ چند دنوں کے بعد ان کے پاس نئی گاڑی آ گئی جو پہلے والی گاڑی سے کئی گناہ زیادہ قیمتی تھی۔ ہم سے لوگوں نے پوچھا کہ یہ گاڑی کہاں سے آئی ہے؟ ہم نے لوگوں کو بتایا کہ پہلے والی گاڑی بیچ کر اور کچھ قرض لے کر یہ نئی گاڑی خریدی گئی ہے۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ وہ گاڑی ان کے زیر استعمال رہی۔ اس دوران منہاج القرآن کے سابق ناظم اعلیٰ ڈاکٹر شجاع الحسن (حسن میموریل کے سربراہ) سے خلیل صاحب کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ نئی گاڑی کہاں سے آئی ہے۔ خلیل صاحب نے وہی جواب دیا جو قادری صاحب نے بتایا تھا۔ لیکن ڈاکٹر شجاع الحسن نے بتایا کہ نئی گاڑی بھی اتفاق والوں نے دی ہے۔ ثبوت کے طور پر ڈاکٹر شجاع صاحب نے گاڑی کے کاغذات بھی خلیل صاحب کو دکھائے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ کو اب بھی شک ہے تو میرے ساتھ آئیں اور دیکھ لیں کہ پہلے والی گاڑی اتفاق والوں کے پاس کھڑی ہے۔ خلیل صاحب نے مجھے اور رانا صاحب کو بتایا۔ ہمیں احساس ہوا کہ ہم سے دھوکا کیا گیا ہے۔ "قائد" نے ہمارے ساتھ جھوٹ بولا ہے۔ اس کے بعد ہم نے ڈسکس کرنا شروع کیا کہ ہم جو آنکھ بند کر کے اس کو انتخاب نبی ﷺ سمجھ کر چل رہے ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ ہمیں لوگوں کی باتوں پر غور کرنا چاہیے۔ پھر رانا صاحب نے بتایا کہ میں نے یہ دیکھا، خلیل صاحب نے کہا کہ میں نے یہ دیکھا، اس طرح باتیں کھلتی گئیں اور ساری صورت حال سامنے آتی گئی۔ جب قادری صاحب کو معلوم ہوا کہ ہمیں پتہ چل گیا ہے کہ گاڑی تو اتفاق والوں نے

دی ہے تو انہوں نے فوراً رانا صاحب کو بلا کر گاڑی میں بٹھا کر کہا کہ اتفاق والوں کو گاڑی واپس دے آئیں اور ہمیں کہا کہ "میں آپ کو بتا نہیں سکا۔ مجھے یاد نہیں رہا۔ وہ بڑے میاں صاحب آ گئے تھے اور وہ میرے پاؤں پڑ گئے تھے کہ آپ گاڑی ضرور قبول فرما لیں۔" حالانکہ بعد میں گاڑی چھوڑنے کے لیے جانے والے رانا جاوید صاحب سے جب ہم نے پوچھا کہ جب آپ گاڑی میاں شریف کے گھر چھوڑنے گئے تھے تو ان کا کیا ردعمل تھا۔ رانا صاحب نے بتایا کہ جب گاڑی لے کر گیا تو انہوں نے کہا کہ "وہاں کھڑی کر دو۔" اب ہم نے سوچا کہ اگر وہ پاؤں پکڑ کر اور منت سماجت کر کے گاڑی دے گئے ہوتے تو گاڑی واپس کرنے پر وہ پریشان اور حیران ہوتے کہ کہیں قادری صاحب ناراض تو نہیں ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد ہم نے غور و فکر شروع کیا۔ وہ لوگ جو میاں صاحبان کے گھروں سے قادری صاحب کے لیے مختلف چیزیں لے کر آتے تھے ان سے پوچھا تو "بہت کچھ" سامنے آیا۔ اس طرح ہماری آنکھیں کھلتی گئیں۔ خوابوں کے مسئلہ پر میں قادری صاحب کے دفاع میں ماہنامہ "منہاج القرآن" میں لکھتا تھا۔ یہ ساری باتیں منظر عام پر آئیں تو میں نے لکھنا بند کر دیا۔ ں کے بعد میری عقیدت ختم ہو گئی۔ سب سے پہلے ذہنی طور پر میں ٹوٹا۔ میں نے باقی ساتھیوں سے کہا کہ میں منہاج القرآن چھوڑنا چاہتا ہوں۔ محترم خلیل صاحب نے کہا کہ آپ ایسا نہ کریں۔ اس کی اصلاح کرتے ہیں۔ پھر ہم نے بہت اجلاس کیے۔ عاملہ کے ساتھیوں کے سامنے بھی بات کی اور اس۔ کے منہ پر بھی سب کچھ کہا۔ لیکن بالآخر ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ ناقابل اصلاح ہے۔

س: آپ نے اتمام حجت کے لیے اصلاح کی کوشش کی؟

ج: بہت کوشش کی۔ 88ء سے لے کر 90ء تک......! ہم نے ان کے ساتھ کئی نشستیں کیں لیکن ہم کامیاب نہ ہو سکے۔

س: کہا جاتا ہے کہ قادری صاحب کی اکثر باتیں آپ کی لکھی ہوئی ہیں جو ان کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔ حقیقت کیا ہے؟

ج: آپ اس کو اس طرح کہہ لیں کہ منہاج القرآن میں جو علمی کام ہوا ہے وہ میرے ہاتھوں ہوا ہے۔ "گستاخ رسول ﷺ کی شرعی سزا" پر تمام کام میں نے کیا۔ (الحمدللہ) لیکن میرے بعد وہ اس کام کو صحیح مرتب بھی نہ کر سکے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ قادری صاحب میں صلاحیت نہیں تھی، دراصل مسئلہ یہ تھا کہ قادری صاحب کام کی طرف آنے والے نہیں تھے۔ محنت

نہیں کرتے تھے۔ کئی دفعہ ان سے کہا کہ تفسیر کا کام مکمل کریں لیکن وہ اس طرف نہیں آتے تھے کیونکہ انہیں جلسوں اور سیاست کا چسکا پڑ چکا تھا۔ میرے سمیت کئی دوسرے علمی لوگوں کا کام ان کے نام سے چھپا۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے نام سے شائع ہونے والی کتابوں میں دیے گئے حوالہ جات کا آج تک انہیں پتہ نہ ہو کہ یہ کس کتاب سے ہیں۔ اب بھی کئی ساتھی جو مجبور ہیں، وہ وہاں بیٹھے ہیں۔ کام وہ کرتے ہیں اور چھپتا قادری صاحب کے نام سے ہے۔

س: جب طاہر القادری صاحب پر قاتلانہ حملہ ہوا تو اس وقت آپ منہاج القرآن میں موجود تھے، اس مشہور واقعہ کی اصل تفصیل کیا ہے؟ جبکہ عدالت اسے ''ڈرامہ'' قرار دے چکی ہے۔

ج: میں وہیں تھا، 25 رمضان المبارک کی بات ہے، میں اور رانا جاوید صاحب کسی جگہ محفل پر گئے ہوئے تھے، وہاں سے واپس ادارہ پہنچے تو اس وقت فائرنگ ہو رہی تھی۔ فائرنگ کی آواز سن کر محترم خلیل صاحب بھی اپنے گھر سے باہر آ گئے اور پھر ہم تینوں سب سے پہلے جائے وقوعہ پر پہنچے۔ قادری صاحب بیس پچیس منٹ بعد باہر نکلے۔ ہم نے جائے وقوعہ دیکھا تو میں نے اسی وقت خلیل صاحب سے کہا کہ اگرچہ ہم اس طرح کے کاموں میں کبھی شریک نہیں ہوئے لیکن پھر بھی چند باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ ایک تو یہ کہ دیواروں پر جو خون لگا ہے، اس کا بہاؤ فطرتی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں نے زخمی لوگوں کے جسم سے خون نکلتے دیکھا ہے اس میں خون کے ساتھ بوٹیاں نکلتی ہیں۔ اس خون میں وہ نہیں۔ تیسری اہم بات یہ تھی کہ جہاں سے یہ فائرنگ بتا رہے ہیں، وہاں سے گولیاں اندر نہیں لگ سکتیں۔ میری یہ باتیں سن کر خلیل صاحب نے کہا کہ آپ رمضان شریف میں کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ پھر کیس عدالت میں چلتا رہا۔ وہاں حقائق سامنے آئے۔ جب عدالت میں انہیں شکست نظر آئی تو وہاں سے بھاگ آئے۔ عدالتی کاروائی کے دوران ان کے ساتھیوں نے ہمیں بتایا کہ فائرنگ قادری صاحب کے باڈی گارڈوں نے کی ہے، باہر سے کسی نے نہیں کی۔ ہم نے ان ساتھیوں کو قادری صاحب سے ملوا بھی دیا تھا۔

بہرحال اس واقعہ کو غلط ڈیل کیا گیا اور اس سے سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی کیونکہ ان کو جب مشورہ دیا گیا کہ آپ کسی کا نام نہ لیں تو قادری صاحب نے کہا کہ ''پنجاب میں نواز شریف کی حکومت ہے وہ تو ہمیں نہیں پوچھے گی اور اگر مرکز میں پی پی پی سے فائدہ اٹھانا ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ فائرنگ کا الزام پنجاب حکومت پر عائد کیا جائے۔'' اس سلسلہ

میں اتنا ضروری عرض کروں گا کہ اس واقعہ پر عدالت عالیہ کے جج کا فیصلہ ''الہامی فیصلہ'' ہے۔ جج کے الفاظ الہامی ہیں۔ قوم کو ان الفاظ پر غور کرنا چاہیے۔ طاہر القادری صاحب کے تمام ساتھیوں اور حواریوں کو جج کے فیصلے کے الفاظ پر غور کرنا چاہیے۔

س: جج کے فیصلے کے الفاظ کیا تھے؟

ج: تفصیلی فیصلہ تمام اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکا ہے۔ جج نے ان کے بارے میں لکھا تھا کہ ''یہ شخص محسن کش، جھوٹا، شہرت کا بھوکا، دولت کا پجاری اور لالچی ہے۔''

س: پیر سید طاہر علاؤ الدین گیلانی کے صاحبزادگان کے اغواء کے مسئلہ پر قادری صاحب نے کفن پوش جلوس نکالے۔ بعض ذرائع کہتے ہیں کہ یہ جلوس کسی خاص اشارے پر نواز شریف حکومت پر اپنی طاقت ظاہر کرنے کے لیے نکالے گئے۔ آپ اس پر کیا کہتے ہیں؟

ج: میں اس وقت حج کے لیے حجاز مقدس گیا ہوا تھا، اس لیے میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ویسے ''طاہر القادری اور منہاج القرآن'' کے موضوع پر ہم ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ اس میں ''سب کچھ'' شائع ہو جائے گا تا کہ آئندہ نسل، دین کے ان ''ٹھیکیداروں'' سے دھوکہ نہ کھائے۔ اس حوالے سے ہمارا یہ بھی اعلان ہے کہ دنیا کے کسی بھی منصف کے سامنے یا کسی بھی عدالت میں ہم بھی اپنا موقف پیش کرتے ہیں، قادری صاحب بھی پیش کریں۔ اگر ہم جھوٹے ثابت ہوں تو ہماری گردنیں اڑا دی جائیں اور قادری صاحب جھوٹے ثابت ہو جائیں تو وہ توبہ کر لیں۔

س: سنا ہے کہ آپ نے جب ادارہ منہاج القرآن کو چھوڑا تو آپ کے ساتھ وہاں سے بہت سارے طلبہ بھی ادارہ چھوڑ آئے تھے؟

ج: الحمدللہ، اس کے بعد طلبہ بھی مجھ سے ملے اور اساتذہ بھی۔ بلکہ ان کی محبت اب تک قائم ہے۔ لیکن اللہ گواہ ہے کہ میں نے ہر استاد اور ہر طالب علم سے کہا کہ جہاں تک میرا مسئلہ ہے، اس کو آپ چھوڑ دیں۔ آپ اپنی تعلیم مکمل کریں۔ میرے بعد وہاں کے ایک استاد مولانا محمد اشرف جلالی میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھا کہ میرے لیے کیا حکم ہے؟ میں نے انہیں کہا کہ میرا حکم یہ ہے کہ فی الفور جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن میں جا کر پڑھاؤ۔ کئی طلبہ چھپ کر بھی ملنے آتے تھے، کیونکہ جو طالب علم مجھ سے ملنے آتا تھا، وہ اسے جامعہ سے نکال دیتے تھے بلکہ انہوں نے جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن سے ایک پوری کلاس محض اس لیے خارج کر دی کہ اس کلاس کے طلبہ نے قادری صاحب سے پوچھا کہ مفتی صاحب ادارہ

کیوں چھوڑ گئے ہیں۔ قادری صاحب نے پابندی لگادی تھی کہ جو وجہ پوچھے گا میں اس کی زبان کھینچ لوں گا۔

س: ایک طرف آپ خود ادارہ منہاج القرآن کو غلط سمجھ کر چھوڑ آئے، دوسری طرف آپ دوست احباب کو وہاں پڑھنے اور پڑھانے کی تلقین کر رہے تھے؟ آخر کیوں؟

ج: دراصل اس وقت میرے پاس ان کی تعلیم یا روزگار کا کوئی متبادل بندوبست نہیں تھا۔ کیونکہ میں استحصالی ذہن نہیں رکھتا۔ اس لیے میں نے اپنے اختلافات میں اساتذہ اور طلبہ کو نہیں جھونکا۔ جو کلاس منہاج القرآن سے میری حمایت کی وجہ سے خارج کردی گئی تھی، اس کلاس کے طلبہ کو شادمان میں پڑھانے کے لیے مولانا عبداللطیف صاحب کی خدمات حاصل کیں اور پھر ان طلبہ کو جامع نظامیہ رضویہ میں امتحان بھی دلوایا۔

س: آپ جو حضرات ادارہ چھوڑ کر آئے تھے، آپ سب وہاں اہم عہدوں پر فائز تھے۔ کیا آپ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ ادارہ کی شوریٰ کو اپنا ہمنوا بناتے۔ اپنا موقف تفصیل سے پیش کرتے اور تحریک کی قیادت تبدیل کر دیتے؟

ج: ایک بنیادی مسئلہ یہ درپیش تھا کہ ہم اپنے ہاتھ کاٹ کر ان کو دے چکے تھے۔ وہ اس طرح کہ دستور کے مطابق شوریٰ کا فیصلہ بھی طاہرالقادری صاحب کی توثیق کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتا تھا۔ منہاج القرآن کے آئین میں طاہرالقادری صاحب اختیارات کا ''گھنٹہ گھر'' ہیں اور پھر شوریٰ کا کوئی معیار بھی نہیں تھا۔ شوریٰ میں کوئی جید عالم دین نہیں تھا۔ سب ہاں میں ہاں ملانے والے تھے۔ شوریٰ میں صرف وہی لوگ تھے جو حلف اٹھا چکے تھے کہ ہم طاہرالقادری پر اندھا اعتماد کریں گے۔ اب ''ایسی شوریٰ'' کے سامنے ہم کیا بات کرتے؟ بہرحال اس کے باوجود ہم نے شوریٰ کے کچھ افراد کے سامنے بات کی۔ ہماری باتوں سے لاجواب ہو کر ایک موقع پر قادری صاحب اٹھ کر بھاگے تھے کہ میں جاتا ہوں تم سب سنبھالو۔ دراصل یہ ڈرامہ بھی شوریٰ کے اراکین کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے رچایا گیا۔

س: سنا ہے قادری صاحب آپ لوگوں کے گھروں میں آئے اور معافی مانگی؟

ج: محترم خلیل صاحب کے ساتھ اس طرح کا واقعہ ہوا تھا۔ لیکن ہم ان چیزوں کو اچھالنا نہیں چاہتے۔

س: سنا ہے کہ پیر طاہر علاؤالدین گیلانی جب پہلی بار لاہور تشریف لائے تھے تو قادری صاحب

نے اپنے گھر کی تزئین و آرائش کے لیے میاں محمد شریف سے تین لاکھ روپے خرچ کروائے تھے۔ کیا یہ سچ ہے؟

ج: اس واقعہ کے راوی صاحبزادہ خادم حسین طاہر اور پروفیسر راؤ ارتضیٰ حسین اشرفی کے بقول جب پیر سید طاہر علاؤالدین گیلانی صاحب لاہور تشریف لا رہے تھے تو میاں محمد شریف نے ان کے قیام کے لیے لاہور کے فائیو سٹار ہوٹل ''پی سی'' میں پانچ کمرے بک کروا دیے۔ لیکن جب طاہرالقادری صاحب کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے میاں شریف سے کہا کہ ''میری غیرت کو یہ بات گوارا نہیں ہے کہ لاہور میں میرا گھر موجود ہو اور میرے شیخ طریقت ہوٹل میں قیام کریں اس لیے آپ جو خرچ ہوٹل میں کر رہے ہیں، وہی خرچ میرے گھر میں کر دیں۔'' میاں محمد شریف نے طاہرالقادری کی یہ بات تسلیم کر لی اور اپنے سیکرٹری مختار کو کہا کہ قادری صاحب جو جو چیز منگوانا چاہیں، وہ لا کر انہیں پیش کر دی جائے۔ اس طرح قادری صاحب نے اپنے گھر کے لیے ایک ہی رنگ کے قالین، پردے اور فرنیچر کے ساتھ قیمتی برتن، فریج اور ایئر کنڈیشنر منگوائے جن پر ساڑھے تین لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔

س: منہاج القرآن چھوڑنے کے بعد عالمی دعوت اسلامیہ میں شمولیت کی کیا وجوہات ہیں؟

ج: ادارہ منہاج القرآن چھوڑنے کے بعد ہم سے مختلف تنظیموں اور مختلف شخصیات نے رابطہ کیا۔ اس سلسلہ میں ایک بات میں ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ ہم پر یہ تہمت لگائی گئی کہ ہم نے نواز شریف کے اشارے پر یہ فیصلہ کیا ہے۔ میں سختی سے اس کی تردید کرتا ہوں۔ یہ بے بنیاد اور جھوٹا الزام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ طاہرالقادری صاحب کے خواب تو آپ سن چکے ہیں۔ لیکن ایک خواب مجھے بھی آیا تھا۔ یہ خواب ادارہ چھوڑنے سے پہلے میں نے کئی ساتھیوں کی موجودگی میں قادری صاحب کو بھی سنایا تھا۔ خواب یہ تھا کہ میں قادری صاحب اور جامعہ کے ایک استاد مولانا ظہور الٰہی صاحب ایک کچے راستہ میں موجود ہیں۔ دیوار کے پاس ایک راستہ جاتا تھا۔ ہم سوچتے ہیں کہ اب کیا کریں۔ خطرہ بہت ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ آپ میرے پیچھے پیچھے آئیں۔ قادری صاحب کو ہم درمیان میں کر لیتے ہیں۔ دیوار کی ایک طرف گندہ پانی ہے۔ ایک طرف موڑ آ گیا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو دونوں غائب تھے۔ میں بھاگ کر پیچھے آتا ہوں۔ پھر میں نے دیکھا کہ مولانا ظہور الٰہی غائب ہیں اور قادری صاحب گندے پانی میں گرے ہوئے ہیں۔ میں ان کو بچانے کے لیے گندے پانی میں داخل ہوتا ہوں اور ان کے جسم کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہوں

لیکن جیسے جیسے صاف کرتا ہوں وہ پھر گندہ ہو جاتا ہے اور پھر قادری صاحب ہاتھ چھڑا کر گندے پانی میں ڈبکی لگا لیتے ہیں۔ اس زمانے میں قادری صاحب اور دیگر ساتھیوں نے یہ تعبیر بیان کی تھی میں قادری صاحب کا دفاع کروں گا اور ہاں میں نے ایک مدت تک ان کا دفاع کیا بھی...... لیکن ایک مرحلہ پر مجھے ہوش آیا۔ جب میرے ایک سابقہ شاگرد نے مجھے آ کر کہا کہ ''کیا آپ کی تخلیق صرف قادری صاحب کی دفاع کی خاطر ہے'' اس جملہ نے میرے اندر انقلاب پیدا کر دیا۔

(ماہنامہ اخبار اہلسنت، لاہور اکتوبر، نومبر 1997ء)

❁❁❁❁❁

''جانے والوں کے بارے میں جس نے پوچھا اس کی زبان گدی سے کھینچ لوں گا''

تحریک کے مرکزی رہنماؤں کے نام طلباء کا کھلا خط

آج سے آٹھ سال قبل ہمارے والدین نے ہمیں تعلیم و تربیت کے لیے جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن میں بھیجا تھا۔ ہم نے ان گزشتہ برسوں میں تعلیمی واجبات کی ادائیگی کے علاوہ جامعہ کے جملہ قوانین کی پابندی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ اس دوران جامعہ میں بے شمار تبدیلیاں آئیں لیکن ہماری توجہ تعلیم پر مرکوز رہی۔ جامعہ میں نئے استاد بھی آتے رہے اور کئی اساتذہ جامعہ کو چھوڑ کر جاتے بھی رہے۔ چونکہ اس سے ہمارا تعلق نہ تھا۔ اس لیے ہم نے کبھی ان معاملات میں دلچسپی نہ لی۔ گزشتہ دنوں جب مفتی محمد خان قادری اور دیگر مرکزی احباب نے ادارے کی رکنیت سے استعفیٰ دیا، ہمیں اس کا افسوس ضرور تھا لیکن اس کے باوجود چونکہ اس کے ساتھ ہمارا تعلق براہِ راست نہ تھا، اس لیے ہم نے اس کے متعلق بھی کوئی رائے نہ دی۔ لیکن بعد میں قبلہ قادری صاحب نے کچھ ایسے اقدامات کیے جن سے طلبہ کے ذہنوں میں انتشار پیدا ہونا لازمی امر تھا۔ ہوا یوں کہ ہمارے طالب علم ساتھی قاری فیاض الحسن جمیل نے قادری صاحب سے مفتی صاحب اور دیگر احباب کے استعفوں کے متعلق سوال کیا اور وہ وجوہات جاننا چاہیں جو ان کے استعفوں کا سبب بنی تھیں، لیکن بجائے اس کے کہ وہ اسے پیار سے سمجھاتے، اس پر گھڑی چوری کا الزام لگا کر بغیر کسی تفتیش کے جامعہ سے نکال دیا۔ بعد ازاں قادری صاحب نے طلبہ کو خطاب کیا جس میں انہیں موجودہ حالات و واقعات سے آگاہ کرنے کی بجائے فرمایا کہ جس طالب علم

نے مفتی صاحب اور دیگر احباب کے حوالے سے کوئی بات پوچھی تو اس کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے گی۔ تمہارا تعلق فقط علمی مسائل، سے ہونا چاہئے، دوسری کوئی بات زبان پر نہیں آنی چاہئے۔

یاد رہے کہ اس سے قبل وہ ہمیں متعدد دفعہ فرما چکے ہیں کہ تم مجھ سے ہر قسم کا سوال پوچھ سکتے ہو۔ اس کی شاہد وہ تحریریں بھی ہیں جو صفہ بلاک میں کیلنڈروں کی شکل میں اب بھی صفہ بلاک کی دیواروں پر نظر آتی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ

''جس کی تربیت کرنی ہو، اس سے زندگی کا کوئی گوشہ پوشیدہ نہیں رکھنا چاہئے۔''

پھر قادری صاحب نے آخری کلاس کے طلبہ سے نشست فرمائی جس میں انہوں نے مفتی صاحب اور دیگر احباب کے متعلق وہ وہ شرمناک باتیں کیں جو قلم کے ذریعے لکھی نہیں جاسکتیں۔ ڈاکٹر نثار قادری صاحب کو جو کہ جامعہ اور ادارہ کے لوگوں کے مستقل معالج بھی ہیں، جن سے ادارے والے آج بھی دوا لینے جاتے ہیں، کے بیٹے عامر نثار قادری کا اخراج نیز حاجی محمد طاہر نجمی، محمد ایوب طفیل (سال ششم) نعیم علی (سال پنجم) شیخ غلام مصطفیٰ (سال پنجم) جیسے اہم تحریکی اور ذمہ دار طلبہ کا جامعہ سے بلا جواز اخراج ایسی باتیں تھیں جس نے طلبہ کے ذہنوں کو پراگندہ کیا اور سوائے طلبہ کو ذہنی پریشانی کے اور کچھ نہ دیا۔ ستم بالائے ستم ابھی چند دن قبل جامعہ اسلامیہ سب سے پہلی اور ذہین ترین مشنری کلاس سال ششم کو جامعہ سے خارج کر دیا گیا۔

ہمارا دل خون کے آنسو روتا ہے جب ہم ان طلبہ کا خیال کرتے ہیں جو قادری صاحب سے ٹوٹ ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ ان آنکھوں نے طلبہ کی محبت کے وہ نظارے دیکھے ہیں کہ جس کی نظیر فی زمانہ ملنا مشکل ہے۔ مگر اب وہی طلبہ قادری صاحب کا نام بھی بے ادبی سے لیتے ہیں اور تحریک کی تباہی کا الزام قادری صاحب پر لگاتے ہوئے بھی نہیں چوکتے۔ آپ ذرا تصور کریں کہ جو طالب علم جامعہ چھوڑ کر جاتا ہے، وہ اپنے علاقہ میں جا کر اس طرح کی باتیں تنظیمات کو بتائے گا تو اس سے کیا نتائج برآمد ہوں گے؟ چند دن قبل قادری صاحب نے یوم والدین پر جو کچھ فرمایا وہ اپنے سابقہ اقوال کی کلیۃً تردید تھا۔ والدین جو آئے تھے، ان کے تاثرات بعد از خطاب اتنے بدلے ہوئے تھے کہ لگتا ہی نہ تھا کہ یہ لوگ تحریک کے ساتھ منسلک ہیں کیونکہ وہ سرعام قادری صاحب کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ اس کی وجہ آپ قبلہ قادری صاحب کا خطاب کا کیسٹ سن کر لگا سکتے ہیں کہ انہوں نے قادری صاحب کی کونسی تضاد بیانی پکڑی ہے۔

والسلام!

منجاب، جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن لاہور

طاہر القادری سے چند سوالات

اشتیاق حسین نقشبندی

میں ماہنامہ ندائے اہلسنت کی وساطت سے جناب طاہر القادری کی خدمت میں چند سوالات پیش کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ جواب کی زحمت فرمائیں گے۔

-1 آپ کا یہ فرمانا کہ مجھے غیبی آواز آئی کہ ''طاہر القادری اٹھو اور حکمرانوں کا تختہ الٹ دو۔''

(روزنامہ جنگ لاہور، 24 جولائی 1989ء)

کیا یہ دعویٰ آپ کو دعوائے نبوت کی طرف تو نہیں لے جا رہا ہے اور کہیں کوئی ٹیچی ٹیچی تو نہیں مل گیا؟

-2 سابق صدر ضیاء الحق کی موجودگی میں آپ اس سے خوشامد سے پیش آتے رہے اور اس کی موت کے بعد اسے گالیاں دے رہے ہیں، کیا یہ ایک مرد مومن اور حق گو عالم دین کا کام ہے؟

-3 کیا سیکولر سیاست اور اپنی سیاسی پارٹی کا لادینی نام رکھنا بھی معاذ اللہ سرکار دو عالم ﷺ سے عطا ہوا ہے؟

-4 عورت کی سربراہی قرآن وسنت اور اجماع امت کے واضح فیصلوں کے مطابق جائز نہیں ہے اور اس سے پہلے آپ بھی یہی کہتے رہے ہیں مگر اب گومگو اور دوغلا پن کی پالیسی کے پیچھے کوئی دست غیب تو نہیں ہے؟

-5 آپ بریلوی، دیوبندیت، اور سعودیت کو فرقہ وارانہ اور جہالت کی پیداوار قرار دے چکے ہیں مگر خمینی صاحب کے لیے یہ کہنا کہ ''وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح جیے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ

کی طرح مرے" اس بات کا اشارہ نہیں کرتا کہ آپ کے ڈانڈے کہاں مل رہے ہیں؟

6- آپ کے قریبی دوستوں کے آپ سے جدا ہونے کی رفتار خاصی تیز ہے، کیا آپ اس پر روشنی ڈالیں گے؟

7- اب تک آپ کے ساتھ مشائخ میں سے تو کوئی بھی نہیں اور مستند علماء کی بھاری اکثریت جن کی قیادت غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی مرحوم فرماتے تھے، آپ کو گمراہ قرار دے چکی ہے، ایسے عالم میں آپ اجماع امت کیسے پیدا کریں گے؟

میں آپ سے صرف یہی گذارش کرنا چاہوں گا کہ آپ جس طرح یوم حشر کو بھول کر ہر بات کو حضور سرور کائنات ﷺ سے منسوب کیے جا رہے ہیں اس طرز پر غور فرمایئے اور امت کو صحت عقیدہ کی صراط مستقیم پر رہنے دیجئے۔

(ماہنامہ ندائے اہلسنت لاہور، مارچ 1989ء)



طاہر القادری انسانیت آزار اور دروغ گو ہیں

ادارہ ندائے اہلسنت

طاہر القادری نے سیاست کا جس شدت سے انکار فرمایا، اس سے ان کا اب وادی سیاست میں داخل ہونا واقعتاً ایک متضاد خیالی کا شاہکار ہے۔ ان کی منہاج القرآن کی بزم میں نوجوان بڑی تعداد میں داخل ہوئے۔ انہوں نے طاہر صاحب کے خطبات، جدت طرازی اور سائنٹیفک بنیادوں پر کام کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرار دیا۔ مگر جوں جوں ان کا قرب حاصل ہوتا گیا، پیاز کی طرح طاہر صاحب کے پردے اترتے چلے گئے اور آخر میں ہاتھ میں سوائے چھلکوں کے کچھ نہ آ سکا۔ طاہر صاحب کو نوجوانوں نے جہاں ایک روشن دماغ مفکر، جدت طراز منتظم سمجھا تھا، عملی طور پر وہ ڈکٹیٹر، منتقم مزاج اور اسلام کے عملی پیغام سے کوسوں دور ثابت ہوئے۔

ان کے سیاسی جنم کے بعد ہمارے سامنے ان سے متعلق ذاتی اور قومی سطح کی اتنی خوفناک معلومات کا انبار جمع ہے کہ جن کو پڑھ کر یہی کہنا پڑتا ہے کہ

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے

طاہر صاحب کے قول و فعل میں اس قدر خوفناک بلکہ المناک تضاد کا لاوا ہے کہ جسے دیکھ کر انسان انگشت بدنداں اور حیرت بداماں رہ جاتا ہے اور اسے لازماً یہ کہنا پڑتا ہے کہ

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

ہمیں طاہر صاحب کے سابق نورتنوں میں سے ایک نوجوان مشتاق احمد علوی نے یہ المناک خبر سنا کر غرق حیرت کر دیا کہ جنرل ضیاء الحق اپنے دور اقتدار میں میاں نواز شریف کے دولت کدہ پر

آئے۔ اتفاق سے اس دن جمعہ تھا۔ ضیاء الحق جمعہ پڑھنے اتفاق مسجد میں آئے۔ مسجد میں ہمیشہ کا یہ معمول تھا کہ پروفیسر صاحب کی تقریروں پر مشتمل آڈیو کیسٹوں اور منہاج القرآن کے لٹریچر کے سٹال لگائے جاتے۔ ان کا سٹال لگانے والوں میں مشتاق علوی بھی شامل تھے۔ مذکورہ جمعہ کو پروفیسر صاحب کا موضوع خطاب ''اسلام کا نظام خلافت'' تھا۔ گیارہ بجے سٹالوں کو صحیح طریقے سے لگانے اور ضیاء الحق کے تشریف لانے کے بارے میں خود مفکر اسلام کے خصوصی حکم پر سٹالوں کی نوک پلک سنواری گئی اور خطبہ جمعہ میں خلاف معمول ڈاکٹر صاحب کا موضوع بدل گیا۔ نظام خلافت کے علاوہ دنیا بھر کے موضوعات کی سیر کرتے رہے۔ ضیاء الحق کے انتظار میں معمول کو توڑ کر نماز جمعہ پون گھنٹہ لیٹ ادا کی گئی اور پروفیسر صاحب نے ضیاء الحق کو اسلامی ریاست کا سربراہ کہہ کر اختتامی دعا کی درخواست کی، چنانچہ ضیاء الحق نے دعا فرمائی۔ اخبارات میں خبریں چھپنے کے بعد آئندہ جمعہ تک پورے ملک سے سینکڑوں خطوط میں ادارہ کے کارکنوں، ہمدردوں اور پروفیسر صاحب سے تعلق رکھنے والوں نے ضیاء الحق سے دعا کرانے کو ایک حکمران کی خوشامد قرار دے کر پروفیسر صاحب پر تنقید کی۔

مشتاق علوی کے بقول چونکہ ڈاک انہیں کے ذریعے پروفیسر صاحب تک پہنچتی تھی، اس لیے وہ ڈاک کے مندرجات سے واقف ہیں۔ پروفیسر صاحب اس تنقید سے گھبرا گئے۔ آئندہ جمعہ انہوں نے پورے مجمع کو حیرت اور سکتے میں ڈال دیا اور کھلی آنکھوں سب کے سامنے خانہ خدا میں منبر رسول پر کھڑے ہو کر یہ صریح جھوٹ بولا کہ انہیں ضیاء الحق کے مسجد میں آنے سے متعلق پروگرام کا علم ہی نہیں تھا۔ ضیاء الحق اچانک آئے تھے۔

اس غلط بیانی پر مشتاق علوی کے بقول سینکڑوں کو حیرت ہوئی کہ اس قدر بے باکی سے تو کوئی سیکولر سیاستدان بھی جھوٹ نہیں بولتا۔ چہ جائیکہ دینی فکر کا دعوے دار مفکر، برسر منبر یوں کذب بیانی فرمائے۔ پروفیسر صاحب نے اپنی اتفاق برادری سے مالی مفادات نہ لینے کا جس دھڑلے سے دعویٰ کیا ہے اور بار بار اس کی تکرار فرما رہے ہیں، خلوتیان راز ان کی ان باتوں پر ہنستے اور دین دار اُن کی اس صریح دروغ گوئی پر نفس دین پر شک وشبہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

(ماہنامہ ندائے اہلسنت لاہور، جولائی 1989ء)

❁❁❁❁❁

دوپہر کو دی جانے والی ''افطار پارٹی''

عطاء الحق قاسمی

آج پروفیسر طاہر القادری کی وجہ سے خواجہ سعد رفیق کی حق تلفی ہوگئی ہے کیونکہ میرا ارادہ خواجہ صاحب کے اس مصرعہ طرح ''ہم خیال گروپ سلطانی گواہ کا کردار ادا کر رہا ہے'' پر ''پوری غزل'' کہنے کا تھا، اسی طرح پروفیسر صاحب نے پاکستان مسلم لیگ کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن سلیم ضیاء کا بھی حق مارا ہے۔ جنہوں نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ ''اعجاز الحق میں کچھ صلاحت ہوتی تو ضیاء الحق ان کی بجائے نواز شریف کی زندگی کے لیے دعا نہ کرتے'' میں سلیم ضیاء کے اس بیان پر کالم لکھتا اگرچہ یہ فکاہیہ جملہ اپنے طور پر ایک پورا فکاہیہ کالم ہے۔

مگر یہ دونوں متوقع کالم پروفیسر طاہر القادری صاحب کی وجہ سے رہ گئے ہیں کیونکہ پروفیسر صاحب کے بارے میں این پی آئی کے حوالے سے خبر شائع ہوئی ہے کہ گذشتہ روز دوپہر کے وقت پریس کانفرنس کے اختتام پر پروفیسر صاحب نے صحافیوں کو دعوت دیتے ہوئے کہا کہ آپ کے لیے ساتھ والے کمرے میں چائے کا اہتمام کیا گیا ہے، جس پر صحافی حیران رہ گئے اور یاد دلایا کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے اور وہ سب روزے سے ہیں۔ یہ سن کر ڈاکٹر طاہر القادری پریشان ہو گئے اور کہا کہ مجھے پتہ ہے کہ چائے کی یہ دعوت صبح اخباروں کی خبر ہوگی۔

اب ظاہر ہے کہ اس خبر کی اشاعت کے بعد کالم کا سب سے زیادہ استحقاق ڈاکٹر طاہر القادری کا ہے خود خواجہ سعد رفیق اور سلیم ضیاء بھی یقیناً یہی محسوس کر رہے ہوں گے، میں ویسے بھی ڈاکٹر طاہر القادری کا پرانا مداح ہوں۔ ایک تو یہ کہ وہ پڑھے لکھے انسان ہیں اور دوسرے بہت لبرل

ہیں۔ تیسرے دوسروں کا نقطہ نظر پورے تحمل سے سنتے ہیں نہ صرف یہ کہ سنتے ہیں بلکہ مخالف نقطہ نظر رکھنے والے کو پوری عزت اور احترام سے اپنی تقریبات میں مدعو بھی کرتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر صاحب کی دوپہر کے وقت دی جانے والی "دعوت افطار" کے بارے میں جو خبر شروع ہوئی ہے، میں اس حوالے سے بدگمانی کا نہیں بلکہ حسن ظن سے کام لینے کا قائل ہوں۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ چونکہ یہ واقعہ (جسے دینی حلقے سانحہ کا نام دیں گے) دوسرے روزے میں پیش آیا ہے اس لیے حسن ظن کا تقاضا یہ ہے کہ اسے بھول چوک کے زمرے میں شمار کیا جائے۔ میں نے تو کئی دفعہ بارھویں چودھویں روزے میں بھی کئی لوگوں کو سڑکوں پر کھاتے پیتے دیکھا ہے۔ ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو چند ایک نے کہا کہ وہ عیسائی ہیں اور اکثر نے بتایا کہ وہ بھول گئے تھے کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے اور وہ روزے سے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کی دوپہر کے وقت دی گئی یہ افطار پارٹی بھی بھول چوک کے کھاتے میں ڈالی جاسکتی ہے۔

لیکن اگر میرے ممدوح ڈاکٹر طاہر القادری میرے اس مؤقف سے اتفاق کریں تو پھر اس افطار پارٹی کو ان کے لبرل ازم کا "شاخسانہ" قرار دیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اگرچہ عالم دین ہیں اور ادارہ منہاج القرآن کے سربراہ ہیں مگر وہ عوامی تحریک کے رہنما بھی ہیں جس کے متعلق وہ کئی دفعہ وضاحت فرما چکے ہیں کہ یہ مذہبی نہیں سیاسی جماعت ہے، بلکہ انہوں نے تو گزشتہ دنوں یہ بھی کہا ہے کہ وہ ماؤزے تنگ کی طرح ملک میں عوامی انقلاب برپا کرنے والے ہیں۔ چنانچہ عوامی تحریک نے اگر رمضان المبارک میں تھکے ہوئے اخبار نویسوں کو چائے کے کپ کا پوچھ لیا تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں اس سے ان لوگوں کو خاصی شرمساری کا سامنا کرنا پڑے گا، جو مذہبی لوگوں کو تنگ نظر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر طاہر القادری کی یہ روشن خیالی ان تمام لوگوں کو مذہب کے قریب لائے گی جو مذہب کے قائل نہیں ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی عوامی تحریک میں گزشتہ دنوں ہمارے مسیحی پاکستانی بھائی بھی شامل ہوئے ہیں ان کی دلجوئی کے لیے بھی سیکولرازم کا یہ مظاہرہ ضروری تھا۔ اس سیکولرازم کو حکمت عملی بھی کہا جاسکتا ہے۔ اسی طرح عوامی تحریک میں کلچرل ونگ بھی قائم کیا گیا ہے۔ جس میں ابھی تک ڈاکٹر انور سجاد، فردوس جمال اور روحی بانو شامل ہو چکی ہیں۔ ریما، ریشم اور شفقت چیمہ کی شرکت متوقع ہے۔ آرٹسٹ لوگ ذرا آزاد خیال ہوتے ہیں لہٰذا دوپہر کو دی گئی افطار پارٹی کو اس تناظر میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔
مجھے یقین ہے یہ سب چیزیں امریکہ پر یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ عوامی تحریک اور اس کے سربراہ ہرگز فنڈا منٹلسٹ نہیں ہیں۔ اور یوں ملک کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دینے میں کوئی حرج نہیں، امید

ہے امریکہ کا سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اس ضمن میں فوری کاروائی کر کے خود پر اسلام دشمنی کا الزام دھونے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ جو کچھ بھی ہے ڈاکٹر صاحب ادارہ منہاج القرآن کے بھی اس وقت تو بہر حال سربراہ ہیں جب تک وہ اس سے بھی دستبرداری کا اعلان نہیں کرتے۔

میری یہ سب معروضات ڈاکٹر صاحب کی پُرکشش اور دوستانہ شخصیت کی وجہ سے حسن ظن میں شمار کی جاسکتی ہیں، لیکن ممکن ہے کچھ "شکی القلب" قسم کے لوگ اس سے مطمئن نہ ہوں لہٰذا اس کے خلاف ہونے والے ردعمل کا واحد حل یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب فوری طور پر اخبارات کو ایک بیان جاری کریں کہ یہ خبر مصطفوی انقلاب کا راستہ روکنے کے لیے شائع کی گئی ہے ورنہ عوامی تحریک احترام رمضان کا اتنا ہی خیال رکھتی ہے جتنا غیر مسلم رکھتے ہیں کیونکہ احترام رمضان مذہبی مسئلہ ہو نہ ہو ثقافتی مسئلہ ضرور ہے اور ثقافت سے عوامی تحریک کی وابستگی اور وارفتگی کا ثبوت اس کا ثقافتی ونگ ہے۔ امید ہے اس تردید کے بعد مسئلہ حل ہو جائے گا کیونکہ تردید سیاستدان کا حق بھی جاتی ہے۔

(روزن دیوار سے 1 دسمبر 2000ء)

ڈاکٹر طاہر القادری اور دوسرا روزہ

چوہدری خادم حسین

پیپلز پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو برسر اقتدار تھے۔ دائیں بازو کے نظریات کی حامل جماعتیں پاکستان قومی اتحاد کے پلیٹ فارم پر جمع ہو چکی تھیں۔ بھٹو مرحوم کے خلاف تحریک کا سماں تھا۔ ایسے میں بائیں بازو کی ''ثقہ'' جماعتوں کو بھی بھٹو مخالف اتحاد بنانے کی سوجھی۔ بائیں بازو کی جماعتوں کے اس اتحاد کے روح رواں پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے جناب سی آر اسلم تھے۔ ان کی جماعت کا دفتر میکلوڈ روڈ پر ایک عمارت کے تہ خانے میں تھا۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ تھا اور روزے رکھے جا رہے تھے، ایسے میں ایک روز بائیں بازو کے اتحاد کے حوالے سے ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ کامریڈ اسلم جوان دنوں پیس میکر لگوا کر دل کی دھڑکن کو برقرار رکھے ہوئے ہیں جوان اور بہت سرگرم تھے، وہ بائیں بازو کے نظریات پر بہت گفتگو کرتے اور بولتے بھی کچھ زیادہ ہی تھے۔ اس لیے ان کو عموماً اسلم ریڈیو کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اسلم صاحب کے خلوص میں کوئی کمی نہیں تھی۔ اس لیے وہ سیاسی رہنماؤں کے علاوہ اخبار نویسوں کے بھی جانے پہچانے تھے اور ان کی عزت بھی کی جاتی تھی۔ اسلم صاحب نے ایک روز اخبار نویسوں کو ایک پریس کانفرنس کی اطلاع دی جو بائیں بازو کی جماعتوں کا اتحاد ہو جانے کے حوالے سے تھی۔ پریس کانفرنس کا وقت جب دوپہر بتایا گیا تو اخبار نویسوں کو تھوڑی سی حیرت ہوئی کہ سخت گرمی اور رمضان کے دوران دوپہر کی پریس کانفرنس کچھ جچ نہیں رہی تھی۔ بہر حال سیاسی سرگرمیوں کا دور تھا، خبر کے لیے تو جانا ہی پڑتا ہے اور اخبار نویس پہنچ بھی گئے۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے اس دفتر میں بائیں بازو کی جماعتوں کا اجلاس ہو چکا تھا۔ جب

پریس والوں کو بلایا گیا اور رپورٹر حضرات سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچے تو تہ خانے میں نہ صرف سگریٹوں کا دھواں بھرا ہوا تھا بلکہ ایک بڑی سی میز پر پلیٹیں بھی سجی ہوئی تھیں، جن میں مٹھائی تھی۔ جب میزبان سے پوچھا گیا کہ یہ کیا تکلف ہے تو سادگی سے بولے اخبار نویسوں کے لیے ہے، جب تھوڑا احتجاج کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے تو وہ حیران ہو کر پوچھنے لگے۔

''آپ کا روزہ ہے۔'' جب جواب اثبات میں ملا تو وہ اور بھی حیران ہوئے۔ غالباً ان کے خیال میں روزہ نہ رکھنا ہی ترقی پسندی کے زمرے میں آتا تھا اور جو اخبار نویس ترقی پسندانہ نظریات کے حامل تھے، ان کو روزے سے نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بہر حال روزے داروں ہی کے احتجاج پر یہ چائے مٹھائی ہٹا دی گئی اور پریس کانفرنس ہو گئی، جس کے بعد روزہ دار چلے آئے اور روزہ خوروں نے پردے میں چائے وغیرہ پی لی (دفتر بہر حال تہ خانے میں تھا) اتنا پرانا واقعہ اس لیے یاد آ گیا کہ گذشتہ دنوں رمضان کے دوسرے روز بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آ گیا۔ آج کل سردی کا موسم ہے اور دن بھی چھوٹے ہیں، روزہ یوں بھی کچھ نہیں کہتا اور پھر روزے داروں کی تعداد بھی تو بڑھی ہے، ایسے میں ایک دعوت نامہ ایک بڑے رہنما کی پریس کانفرنس کا تھا۔ وقت دو بجے کا تھا اور مقام منہاج القرآن سیکرٹریٹ تھا۔ پریس کانفرنس سے پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین ڈاکٹر طاہر القادری نے خطاب کرنا تھا جو عوامی تحریک جیسی سیاسی تنظیم کے سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ منہاج القرآن کے بانی اور عالم دین کی حیثیت سے شہرت بھی رکھتے ہیں۔

بعد دوپہر دو بجے کے وقت کے بارے میں توضیح یہ پیش کی گئی کہ ڈاکٹر طاہر القادری چونکہ لکھنے پڑھنے میں بہت مصروف ہیں، اس لیے یہی وقت نکلا ہے۔ اخبار نویس پہنچے اور ان کی تفصیلی تقریر سنی۔ سوالات کیے اور پریس کانفرنس اختتام کو پہنچی۔ یہی وہ وقت تھا جب اخبار نویس حیرت کے جھٹکے سے دوچار ہوئے۔ محترم قادری صاحب نے اختتام پر وہاں موجود اخبار نویسوں کو دعوت دی کہ وہ اوپر چلیں، جہاں ان کی تواضع کے لیے چائے کا اہتمام ہے۔ یہاں جتنے اخبار نویس موجود تھے، وہ روزے دار تھے، ایک ایسے عالم دین سے یہ سن کر وہ پریشان ہوئے۔ ایک لمحہ کے لیے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر بتایا کہ وہ سب تو روزے سے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر طاہر القادری نے معذرت کی اور عذر کیا کہ ان کو تو یاد ہی نہیں تھا کہ آج روزہ ہے، ساتھ ہی وہ بولے اچلیے آپ کی خبر تو بن گئی، جی ہاں! خبر تو ضرور بنی اور چھپ بھی گئی، لیکن اخبار نویسوں کی ابھی تک حیرت دور نہیں ہوئی۔ وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا واقعی طاہر القادری کو یہ یاد نہیں تھا کہ روزے ہیں، حالانکہ وہ دوسرا روزہ تھا، اسے تجاہل عارفانہ ہی کہا جائے یا کچھ اور۔

ماضی کے ایک واقعہ اور موجودہ قصے میں بہرصورت یہ مماثلت تو ہوئی ہے کہ اگر سوشلسٹ حضرات نے اخبار نویسوں کو شدید گرمی کے موسم میں روزہ خور جانا تو سردی کی موجودہ کیفیت میں محترم ڈاکٹر طاہر القادری نے بھی یہی تاثر لیا اور یوں یہ دونوں ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر طاہر القادری کی اس دعوت کو ایک دوسرے رخ سے بھی تو دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ پہلے ان کے نام کے ساتھ علامہ پھر پروفیسر اور بعد میں ڈاکٹر بھی لکھا جاتا تھا اور ان کا پورا نام پروفیسر ڈاکٹر علامہ طاہر القادری پڑھا اور لکھا جاتا تھا، جو بعد میں کم ہوتے ہوتے ڈاکٹر طاہر القادری تک محدود ہو گیا اور یہ سب ان کی خواہش پر ہوا۔ اس کے علاوہ ایک بار نہیں کئی بار کہہ چکے ہیں کہ ان کی جماعت پاکستان عوامی تحریک دینی یا مذہبی جماعت نہیں اور وہ اعتدال پسندانہ نظریات کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر طاہر القادری کی تنظیم منہاج القرآن کا دائرہ مغرب میں بھی پھیلا ہوا ہے۔ وہ یورپ اور امریکہ کے دورے بھی کرتے رہتے ہیں۔ شائد یہی وجہ ہے کہ وہ بنیاد پرستی کے "الزام" سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں (اگر یہ الزام ہو، اگر مسلمان اور دینی ہونا الزام ہے تو یہ سب کو قبول ہوگا) کیونکہ آج کل وہ بڑے پُر جوش ہیں، مسلسل دورے کر رہے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ ان کی جماعت برسر اقتدار آنے والی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ یہ بھول گئے تھے کہ دوسرے روزہ کے دن بھی روزہ نہیں ہے۔

اس سادگی پر تو مر جانے کو جی چاہتا ہے۔

(روزنامہ پاکستان لاہور 4 دسمبر 2000ء)

❁❁❁❁❁

وزیر اعظم طاہر القادری

عباس اطہر

جنرل پرویز مشرف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بڑے بہادر اور ڈٹ جانے والے آدمی ہیں۔ فوج کی کمانڈو فورس سے تعلق رکھتے ہیں اور ملک کے چیف ایگزیکٹو بن جانے کے باوجود کمانڈو کی وردی ان کا پسندیدہ لباس ہے۔ لیکن مجھے خدشہ محسوس ہونے لگا ہے کہ وہ ڈاکٹر علامہ پروفیسر طاہر القادری کے سامنے نہیں ٹھہر سکیں گے اور جلد یا بدیر ہار مان کر وزارت عظمیٰ کا عہدہ نہیں دے دیں گے۔ میاں محمد اظہر کے ساتھ میرے ذاتی قسم کے خصوصی تعلقات ہیں اور میں نے ان کی وزارت عظمیٰ کے حوالے سے مستقبل کے لیے بڑے سہانے خواب دیکھ رکھے ہیں۔

منگل کے روز شہر میں ایک ضمیمہ مفت تقسیم ہو رہا تھا۔ مفت کا مال کون چھوڑتا ہے۔ ایک ضمیمہ میں نے بھی پکڑ لیا جونہی بڑی سرخیوں پر نظر پڑی میرا دل دھک سے رہ گیا۔

"عوامی گروپ کی تاریخ ساز فتح، جنگ جیت لی"

"فیصلہ آ گیا......طاہر القادری وزیر اعظم"

"سپیشل خبرنامہ" کے عنوان سے جاری ہونے والے اس خصوصی ضمیمہ میں ایک سروے شائع کیا گیا ہے کہ پاک انٹرنیٹ سائٹ پر عوامی ووٹنگ میں میاں نواز شریف اور محترمہ بے نظیر بھٹو دونوں کو مسترد کر دیا گیا ہے۔ میاں صاحب کو 12 اور محترمہ کو 13 فیصد ووٹ ملے ہیں جبکہ پروفیسر طاہر القادری 22 فیصد ووٹ لے کر بھاری اکثریت سے جیت گئے ہیں۔ ضلعی انتخابات میں پروفیسر صاحب کی جماعت پہلے ہی اتنی تعداد میں نشستیں حاصل کر چکی ہے کہ ہر ضلع میں اس کی حکومت بن جائے گی اور جنرل (ر) محمد صفدر کی صوبائی حکومت گورنر ہاؤس کی چار دیواری میں محدود ہو جائے گی۔ ضمیمہ میں

پروفیسر صاحب کے ساتھ امریکی سفیر، سفارتخانے کے پولیٹیکل سیکرٹری اور روسی سفیر کی تصاویر بھی شامل ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امریکہ اور روس دونوں پروفیسر صاحب پر متفق ہیں اور انہیں مسائل حل کرانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔

مجھے یقین ہے کہ پروفیسر صاحب کو غیر ممالک سے امداد کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی وہ کرشمے دکھانا جانتے ہیں۔ کافی عرصہ پہلے کی بات ہے وہ یک غیر ملکی دورے سے واپس آئے، دس اخبار نویسوں کو بات چیت کے لیے اپنے گھر مدعو کیا۔ اندر سے ایک بیگ منگوایا اور کلون کی شیشیاں نکال کر تقسیم کرنے لگے۔ بیگ خالی ہونے پر انہوں نے کہا کہ اس میں صرف 8 شیشیاں تھیں، میں نے دل میں ایک دعا پڑھ کر پھونک ماری تو دس ہو گئیں۔

پاکستان آج کل خاصے مشکل حالات سے دوچار ہے۔ پانی کا مسئلہ انتہائی سنگین ہو چکا ہے۔ پروفیسر طاہر القادری کو وزارت عظمٰی دے دی جائے تو پھونکیں مار مار کر ڈیم اور دریا بھر سکتے ہیں۔ ڈالر کی قیمت بڑھنے سے مہنگائی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ وہ ایسی پھونک مار سکتے ہیں کہ ڈالر کی قیمت کم ہو کر اچانک نصف پر آ جائے۔ بے روزگاری ہو یا غربت، پروفیسر گھر بیٹھے بیٹھے ان کا نام و نشان مٹا سکتے ہیں۔ بجلی، گیس اور پٹرول جیسی بلاؤں کو قابو کرنا بھی ان کے لیے کوئی بڑا مسئلہ نہیں وہ قوم کو پہلے ہی یہ بتا چکے ہیں کہ ملک کے تمام مسائل کا حل ان کے بریف کیس میں موجود ہے۔

جنرل پرویز مشرف کے منصوبے اپنی جگہ انہیں وزیر اعظم کے طور پر میاں اظہر پسند ہیں تو وہ اپنی مرضی کر لیں لیکن پروفیسر طاہر القادری کی کرامات سے فائدہ نہ اٹھانا ملک کے لیے انتہائی نقصان دہ ہوگا اور کچھ نہیں تو انہیں ملکی خزانے پر ہی بٹھا دیا جائے۔ وہاں کچھ ہو نہ ہو، حکومت جتنی رقم مانگے گی اندر سے نکلتی آئے گی۔ کوئی ٹیکس لگانا پڑے گا نہ یوٹیلیٹیز کی قیمتیں بڑھانی پڑیں گی۔

ہٹلر کے زمانے کا ایک لطیفہ ہے کہ ایک باپ بڑا فکر مند بیٹھا تھا۔ اس کا بیٹا جنگ پر گیا ہوا تھا۔ کسی دوست نے اس سے کہا کہ ہمارے بیٹے بھی تو محاذ پر ہیں ہم نے تو انہیں اللہ کے سپرد کر رکھا ہے تمہیں کونسی الگ فکر لگی ہوئی ہے۔ باپ بولا مجھے اور تو کوئی ڈر نہیں لیکن میں نے سنا ہے ہٹلر غصے کا بہت برا ہے۔ میرے بیٹے کا مزاج بھی ایسا ہی ہے کہیں دونوں کا آمنا سامنا نہ ہو جائے۔

آخر میں جنرل پرویز مشرف سے انتہائی فدویانہ اور مودبانہ درخواست ہے کہ پروفیسر صاحب کو وزیر اعظم بنا دیں۔ اسلم خان نے مجھے اسلام آباد میں "دی نیوز" کے چیف رپورٹر شکیل شیخ کی حالت زار کی تفصیل نہ بتائی ہوتی تو میں "چھین لو وزارت عظمٰی چھین لو" کا نعرہ بھی لگا دیتا لیکن اس میں احتیاط ہی کی جائے تو بہتر ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت، لاہور 15 اپریل 2001ء)

ڈاکٹر طاہر القادری کی سالگرہ اور عوام کی آزمائش

ملک نجیب الرحمٰن ارشد

پاکستان کی سیاسی تاریخ بوالعجبیوں سے بھری پڑی ہے۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ جس کے ہاتھ پاؤں کے ساتھ ساتھ زبان بھی فالج کی زد میں آ کر لکنت کھا جاتی ہے وہ بھی اپنی رگوں میں دوڑتے ہوئے اقتدار کے نشے سے بے بس ہو کر اپنے اشارۂ ابرو سے اسمبلیوں کو شکست و ریخت کا شکار کر دیتا ہے۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ عدالتیں اقتدار پر قابض افراد کو نظریہ ضرورت کی ایسی عینک پہنا دیتی ہیں کہ انہیں ہر جانب ہرا ہرا ہی نظر آتا ہے۔ پھر عدالتوں پر ہی کیا موقوف کہ وعدے کے نوے دن اقتدار کی لامتناہی خواہشوں کے سامنے یوں گھٹنے ٹیکتے ہیں کہ یہ عہد نوے دنوں کا نوے سالوں میں بھی مکمل نہیں ہوتا الا یہ کہ حضرت عزرائیل ان خواہشوں کی رسیوں کو کاٹ دیں پھر یوں بھی ہوتا ہے کہ عوام جنہیں منتخب کر کے اپنی نمائندگی کے لیے پارلیمنٹ میں بھیجتے ہیں وہ خود ایک ترمیم کر کے اپنے ساتھ ساتھ منتخب ایوانوں کی قسمت کا فیصلہ ایک غیر منتخب فرد کے ہاتھ میں دے کر اپنے تئیں کوئی کارنامہ سرانجام دیتے ہیں اسی طرح کبھی یوں ہوتا ہے کہ اقتدار پہ قابض شخص ایک ریفرنڈم کا انعقاد کراتا ہے اور عوام سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ آپ اسلامی نظام حکومت کے حامی ہیں یا نہیں اور اگر وہ حامی ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کا اقتدار پر براجمان رہنا ضروری ہے اور اگر جواب نفی میں آتا ہے تو بھی ان کے اقتدار کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایسی صورت میں ایک چھوٹا سا سوال ابھرتا ہے کہ ان حالات میں عوام کے پاس جانے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ اس مسئلے پر عوام کے پاس گئے تو یقیناً ان کی کوئی ضرورت ہوگی اور اس ضرورت کا اندازہ کہ یہ حکمرانوں کی ضرورت مجھ جیسا قلمکار کیسے کر سکتا ہے۔

اس کے بعد پھر بھی یہی ارکان پارلیمنٹ متفقہ طور پر اپنے تمام حقوق کو اپنے پارلیمانی قائد کے پاس گروی رکھ دیتے ہیں۔ قارئین کرام اس اشارے سے آپ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہی درست ہے۔ میں چودھویں آئینی ترمیم کی ہی بات کر رہا ہوں۔ اقتدار کی نہ ختم ہونے والی خواہشیں رکھنے والوں کی جانب سے آئینی آمریت قائم کرنا اور اپنے پارلیمانی قائد سے اختلاف رائے رکھنا تو دور کی بات ہے اس کی رائے کے حق میں صرف ووٹ نہ دینے کی صورت میں بھی رکن پارلیمنٹ کی نشست سے محروم ایک امرِ ناگریز بن جاتا ہے۔ چلیں پارلیمانی قائدین تو اس لامحدود اختیار سے لطف اندوز ہونے کے ناطے اس ترمیم کے حق میں ہی ہونے چاہئیں، لیکن ان ارکان پارلیمان کی عقل اس لیے کیا گھاس چرنے گئی ہوئی تھی کہ وہ اپنے بولنے، سوچنے، سمجھنے اور رائے رکھنے کے تمام حقوق کو متفقہ طور پر اپنے پارلیمانی قائدین کے پاس رہن رکھنے کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ تو چند واقعات کی طرف اشارہ ہے ورنہ تاریخ کے صفحات ایسی بے شمار بوالعجبیوں سے بھرے پڑے ہیں اور آج کل انتہائی سنجیدہ اور متین سیاسی زعیم پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالیہ تسلسل اور تواتر کے ساتھ ایسے غیر سنجیدہ امور میں ملوث پائے گئے ہیں کہ اب ان کی جانب سے بھی بات اچنبھے کا باعث نہیں بنتی۔ کبھی کسی کی منکوحہ کو اس کے اعلان نکاح کے ساتھ سامنے لا تے ہیں لیکن پھر وہ معاملہ بلکہ معاملات حالات کی گرد میں گم ہو جاتے ہیں اگر کسی کی دادرسی کرنا ہی مقصود ہو تو پھر اسے منطقی انجام تک لانا تو ضروری ہوتا ہے لیکن پروفیسر صاحب معاملات کو درمیان میں چھوڑ کر کہیں گم ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک معاملہ کسی خاتون کے ہاتھ ملانے کا رونما ہوا اور اس پر لے دے ہوئی، شرعی جواز بھی سامنے آ گئے۔ پھر یہ معاملہ بھی دب گیا اور اب اپنی سالگرہ کی تزک و احتشام سے منائی جانے والی تقریب کی ایک تصویری اخباری خبر میں یہ قرار دیا گیا کہ ماضی کی معروف مغنیہ اور حال کی سیاست دان مسرت شاہین اور اجمل خٹک کے ہاتھوں سے کٹتے ہوئے کیک پر نگاہ پڑتی ہے تو مجھے ماضی میں اپنے ساتھ بیتے ہوئے ایک واقعہ کی یاد آتی ہے۔ جس میں مسرت شاہین کو سیاست میں آمد پر ایک استقبالیہ دیا گیا اور مجھے بھی مذکورہ تقریب میں اظہار خیال کے لیے مدعو کیا گیا۔ راقم نے اس تقریب میں اپنی معروضات پیش کرتے ہوئے یہ کہا کہ فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والے لوگ چونکہ لطیف احساسات کے حامل ہوتے ہیں اس لیے ایسے لوگوں کا سیاست میں آنا کثیف سیاسی فضاء میں شائد لطافت کا بہانہ بن جائے اور اس حوالے سے راقم نے سابقہ امریکی صدر رونالڈ ریگن اور بھارتی ممثل امتیابھ بچن کا بھی حوالہ دیا۔ وہاں موجود راولپنڈی پیرودھائی کی ایک خانقاہ کے سجادہ نشین نے پروگرام کے مطابق اداکارہ مسرت شاہین کو سیاست میں آمد پر ایک چادر عطا کرنی تھی اور وہ ایک کی بجائے دو چادریں لے آئے اور محترمہ کو دوسری چادر پیش کرنے کا شرف اور ذمہ داری بندہ کے ناتواں

ندھوں پر ڈال دی اور اس طرح میری ایک تصویر لی گئی جو اخبارات میں شائع بھی ہو گئی۔ اخباروں میں تلف سیاسی و سماجی سرگرمیوں میں شامل رہنے کی بناء پر بندہ کی متعدد تصاویر اخباروں میں شائع ہوتی ہتی ہیں لیکن مذکورہ بالا تصویر نے جتنی شہرتیں پائیں اس کی نظیر کہیں اور نہ مل سکی اور آج بھی کئی سال گزرنے کے باوجود یاروں کی زبان پر اس تصویر کا تذکرہ آ جاتا ہے اور اب اسی حوالے سے پروفیسر صاحب کی سالگرہ کی تقریب کی تصویر بہت عرصے تک تبصرے کی زد میں رہے گی اس لیے میں اسے بلا تبصرہ چھوڑتا ہوں لیکن پروفیسر صاحب کے گذشتہ دنوں کے تند و تیز بیانات تو بہرحال بلا تبصرہ نہیں چھوڑے جا سکتے وہ اکثر اپنی تقریروں کے آغاز میں یہ فرماتے ہیں کہ لات بھی گیا اور منات بھی گیا اور لات و منات سے مراد وہ محترمہ بے نظیر بھٹو اور میاں نواز شریف کو لیتے ہیں اور عجیب اتفاق ہے کہ وہ ماضی میں ایک کے پاس مسجد کے خطیب کی حیثیت سے رہے اور دوسرے کے ساتھ ایک سے زائد اتحادوں میں شامل رہے لیکن اب وہ جس انداز سے بات کرتے ہیں اس سے یوں لگتا ہے کہ ان سے کسی قسم کی غلطی سرزد ہونے کا کوئی امکان نہیں، جبکہ ماضی کے حوالے سے دیکھا جائے تو یا تو ان سے ماضی میں غلطی ہوئی ہے یا پھر اب وہ غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں لیکن گذشتہ دنوں ان کا ایک بیان اخبارات کی زینت بنا جس میں انہوں نے قرار دیا کہ عوام بے نظیر اور نواز شریف دونوں کو آزما چکے ہیں چلیں اسے درست مان لیا جائے تو ایک سوال ضرور ابھرتا ہے کہ پروفیسر صاحب کو عوام نے نہیں آزمایا لیکن وہ تو عوام کو آزما چکے ہیں اور اگر آزمائے جانے کے بعد دوسری آزمائش نہیں ہونی چاہیے تو پھر عوام کو پروفیسر صاحب دوبارہ آزمائش میں کیوں ڈالنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ دوبارہ آزمائش میں بھی عوام اگر اسی قسم کے ردعمل کا اظہار کریں جس طرح کا 1993ء میں پروفیسر صاحب کے ساتھ اور 1997ء میں عمران خان کے ساتھ اظہار ہوا تھا تو پھر گذشتہ صدی کے ساتھ ساتھ نئی صدی میں بھی عوام کہیں آزمائش پر پورے نہ اتر جائیں۔

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد، یکم مارچ 2001ء)

علامہ طاہر القادری اور دال ساگ

میاں غفار

چینی کہاوت ہے کہ ایک تصویر ایک ہزار الفاظ سے کہیں بہتر ابلاغ کرتی ہے۔ لاہور کے ایک انگریزی اخبار میں پروفیسر ڈاکٹر اور علامہ طاہر القادری کی ایک تصویر شائع ہوئی ہے جس میں یہ ''عاشق رسول'' معروف نعت خواں حضرات کے درمیان کمال رعونت سے محفل میں رکھی ہوئی اکلوتی کرسی پر براجمان ہیں۔ پاؤں کے نیچے ایک انتہائی خوبصورت نرم اور دیدہ زیب پائیدان پڑا ہے۔ اس پائیدان پر فوم کی تہہ اور قالین کا کور چڑھا ہوا ہے کہ ''کہیں پائے نازک میں موچ نہ آ جائے۔''

اس تصویر میں دیگر تمام احباب فرش پر بیٹھے ہیں۔ ان میں ملک کے معروف نعت خواں حضرات شامل ہیں جبکہ ڈاکٹر صاحب کا مقام ان سے خاصا مختلف اور بلند ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو ویسے بھی اونچائی پر بیٹھنے کا بہت زیادہ شوق ہے۔ یہ اونچائی کرسی کی ہو یا مریدین کے کاندھوں کی۔ ویسے کہتے ہیں کہ میاں نواز شریف کو بھی ورزش کرنے اور کندھے مضبوط کرنے کا شوق اباجی کے حکم پر اس وقت پیدا ہوا جب انہیں بیمار ڈاکٹر طاہر القادری کو اپنے کاندھوں پر بٹھا کر خانہ کعبہ کا طواف کرانا پڑا۔ بعد میں اقتدار کا بوجھ پڑنے پر جب میاں نواز شریف نے طاہر القادری کو اپنے کندھوں سے اتارا تو اس وقت تک علامہ صاحب کو ہزاروں کندھے مل چکے تھے۔ ڈاکٹر طاہر القادری کو ویسے بھی منفرد نظر آنے کا جنون کی حد تک شوق ہے اور وہ ہر وقت شارٹ کٹ کی تاک میں رہتے ہیں اور اکثر ان کا سرکٹ اس کوشش میں شارٹ بھی ہو جاتا ہے۔ یار لوگ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب پنجاب کے معروف کردار دُلا بھٹی کے اس واقعہ سے بے حد متاثر ہیں جو کچھ اس طرح سے ہے۔

''دلا بھٹی اپنے استاد سے پوچھنے لگے ماسٹر جی بندہ کیسے مشہور ہوتا ہے۔ استاد نے کہا کہ ایک مشہوری تو عارضی ہوتی ہے اور فوری مل جاتی ہے مگر اس میں نیک نامی نہیں ہوتی۔ ایک شہرت مستقل ہوتی ہے جو نیک کام کرنے سے آہستہ آہستہ ملتی ہے مگر دیر تک رہتی ہے۔ دلا بھٹی ایک منٹ کے لیے سوچ میں پڑ گیا، پھر اچانک اس نے اینٹ اٹھائی اور ماسٹر جی کے سر پر مار دی۔ دور دور تک مشہور ہو گیا کہ دلا بھٹی نے اپنے محسن اور استاد کا سر پھاڑ دیا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو کی موت کے بعد جب ان کی بیٹی نے لاش کی سیاست کا آغاز کیا اور مظلوم بن کر ہر طرف مشہور ہو گئیں تو پروفیسر طاہر القادری کو یہ طریقہ کار بھی پسند آ گیا۔ تھوڑی سی مدد قدرت کی طرف سے بھی ہو گئی اور انہی دنوں ان کے مرشد سیدنا طاہر علاؤ الدین کا بیرون ملک انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کی اتنی پبلسٹی کی گئی جو شاید انہیں ساری زندگی میں نہ ملتی تھی۔ ان کی میت لاہور ایئر پورٹ سے مال روڈ ناصر باغ چوبرجی اور نجانے کدھر کدھر سے گزار کر ایک بڑے جلوس کی شکل میں ٹاؤن شپ لے جا کر دفنا دی گئی۔ ایک بڑے ٹرک پر ان کی میت رکھی گئی تھی۔ میت کا دیدار کم اور پروفیسر صاحب کا دیدار زیادہ ہو رہا تھا۔ اس طرح سے ایک لاش کی آڑ میں طاہر القادری کو لاہور میں پہلی مرتبہ اپنی قوت کا اوپن مظاہرہ کرنے کا بھرپور موقع مل گیا جو مستقبل میں پہلا اور آخری ثابت ہوا۔

ڈاکٹر طاہر القادری کا المیہ یہ ہے کہ انہیں ہر دور میں ''شرپسند'' خواہ مخواہ تنگ کرتے رہے ہیں۔ چند سال قبل انہوں نے اپنے گھر پر سینئر صحافیوں کے اعزاز میں ظہرانے کا اہتمام کیا۔ دوران گفتگو انتہائی معذرت خواہانہ انداز میں لقمہ دیا کہ میں سپیشل انتظام نہ کر سکا جو گھر میں دال ساگ ہے بس وہ حاضر ہے۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ منہاج القرآن کے نوجوان معروف ہوٹلوں کے لنچ بکس میں ''دال ساگ'' لے کر آ رہے ہیں۔ پھر وسیع و عریض دستر خوان سجایا گیا اور چائنیز کونٹی نینٹل، دیسی، ولایتی ہر قسم کے کھانے چن دیے گئے۔ تمام مہمانوں کے سامنے چینی کی پلیٹیں اور سٹیل کے چمچ رکھے گئے مگر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے اپنے سامنے مٹی کی دور کابیاں (کولیاں) اور لکڑی کے چمچ سجا لیے۔ کسی نے بھی ان کی اس ''حرکت'' کا جب نوٹس نہ لیا تو وہ خود ہی فرمانے لگے۔ ''حضرات! آپ محسوس نہ کیجئے گا میں آپ کا ساتھ نہ دے سکا اور میں نے کچے برتنوں میں کھانا شروع کر دیا۔ دراصل نبی کریم ﷺ مٹی کے برتن اور لکڑی کے چمچ استعمال کرتے تھے۔ میں ان کی سنت پر عمل کرتا ہوں۔'' دستر خوان پر موجود ایک جرأت مند صحافی سے نہ رہا گیا اور انہوں نے چھوٹتے ہی کہا معاف کرنا، ڈاکٹر صاحب! جتنی اقسام کا کھانا ہم یہاں کھا رہے ہیں آقائے نامدار جن کی زندگی ہم سب کے لیے رہنمائی کا خوبصورت ترین نمونہ ہے، نے اپنی ساری زندگی میں بھی اس قسم کے پرتکلف کھانوں کا شاید ہی تصور کیا۔

ہو۔ ویسے ہم بھی چینی کی پلیٹوں میں کھا رہے ہیں جو مٹی کی ہی ایک قسم ہے۔ صرف ملمع کاری کا فرق ہے۔" اس پر محفل میں بدمزگی پیدا ہوگئی اور ڈاکٹر صاحب نہ تو "سادگی" کا مظاہرہ کر سکے اور نہ ہی "سنت پر عمل۔"

ڈاکٹر صاحب کی طرح ڈاکٹر صاحب کے ساتھی بھی خاصے ایڈوانس واقع ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ جون کی شدت کی گرمی میں ان کا پریس سیکرٹری "خبریں" کے دفتر میں ایک تصویر لے کر آ گیا جس میں ڈاکٹر طاہر القادری مسجد میں خطبہ جمعہ دے رہے تھے۔ "خبریں" لاہور کے سینئر سٹاف رپورٹر آصف شہزاد اس وقت مذہبی جماعتوں کے رپورٹر تھے انہوں نے تصویر کو دیکھا اور ہنستے ہوئے پریس سیکرٹری سے کہنے لگے کہ اس تصویر میں کیا غلطی ہے۔ پریس سیکرٹری نے تصویر کو غور سے دیکھ کر سوالیہ انداز میں پوچھا، کوئی ڈویلپنگ کی غلطی ہے، جس پر آصف شہزاد نے کہا حضرت جون کا مہینہ ہے، مگر مولانا نے گرم چادر اور گرم ٹوپی پہن رکھی ہے جبکہ نمازی حضرات نے بھی اوورکوٹ، سوئٹرز اور چادریں لپیٹ رکھی ہیں۔ رپورٹنگ سیکشن میں قہقہہ بلند ہوا، تو پریس سیکرٹری نے معذرت کی کہ دراصل اس خطبے کی تصویر نہیں بن سکی تھی اس لیے میں پرانی تصویر اٹھا لایا۔

ڈاکٹر صاحب ادارہ منہاج القرآن ٹاؤن شپ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کی صحت اور صحت مندانہ سرگرمیوں کا خصوصی خیال رکھتے ہیں جو کہ کسی بھی سیاسی لیڈر کے لیے سیاسی مظاہرے کے دوران ضروری ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے ٹاؤن شپ میں ایل ڈی اے کی 20 کروڑ کی مالیت کی 185 کنال اراضی پر مشتمل ایک بڑے پلاٹ پر قبضہ کر کے چار دیواری قائم کر لی۔ عوام کا داخلہ بند کر کے منہاج القرآن یونیورسٹی کی طرف سے گراؤنڈ میں ایک گیٹ نکال لیا۔ پھر کسی "شرپسند" نے "خبریں" کو مطلع کر دیا اور روزنامہ "خبریں" میں اس "اسلامی قبضے" کی تفصیلات تواتر سے شائع ہونا شروع ہوگئیں تو ایل ڈی اے کے خصوصی سکواڈ نے دفتری اور عدالتی اوقات کے بعد اچانک کارروائی کر کے دیواریں گرا دیں اور یہ گراؤنڈ "خواص" پر بند کر کے ایک بار پھر عوام کے لیے کھول دیا۔

فروری کے آخری عشرے میں "خبریں" ملتان میں پاکستان عوامی تحریک کی جانب سے بھجوائی جانے والی ایک پریس ریلیز شائع ہوئی کہ پروفیسر ڈاکٹر علامہ طاہر القادری کی سالگرہ کے موقع پر تحریک کے پانچ سو نوجوان خون کا عطیہ دیں گے۔ ڈاکٹروں اور تھیلیسیمیا کے بہت سے مریض بچوں کو ایک امید بندھ گئی۔ 19 فروری کا بے چینی سے انتظار ہونے لگا کہ شاید اس روز نشتر ہسپتال سمیت ملتان کے تمام ہسپتالوں میں بلڈ بینک کم پڑ جائیں گے مگر 19 فروری 2001ء کو اس کے برعکس خون لینے والوں

کی تعداد بڑھ گئی اور اس روز خون دینے والے معمول سے بھی کم آئے۔ جب پاکستان عوامی تحریک کے مقامی ذمہ داران سے پوچھا گیا تو انہوں نے "خبریں" کو بتایا کہ یہ مہم 28 فروری تک جاری رہے گی۔ اب پتہ چلا ہے کہ پانچ سو خون دینے والوں کا ٹارگٹ پورا کرنے کے لیے پاکستان عوامی تحریک نے اس مہم کے دورانیہ میں 365 دن کا اضافہ کرتے ہوئے 28 فروری 2002ء تک کی تاریخ مقرر کر دی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اس وقت تک پاکستان عوامی تحریک کے 500 خون دینے والے کارکنوں کی فہرست مکمل ہو جائے۔

(روزنامہ خبریں لاہور، 10 اپریل 2001)

بے اصولی کی سیاست

طاہر القادری سے چند سوالات

سلطان محمود

پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر علامہ محمد طاہر القادری بلاشبہ علم و فراست کا ایک گہرا چشمہ ہیں اور ہم ان کے خاموش نیاز مندوں اور پرستاروں میں شامل ہیں۔ لیکن یقین نہیں آتا کہ پروفیسر صاحب کا سیاسی مزاج ٹھہراؤ سے اس قدر عاری ہے۔ ہم یہ دعوے اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر کر رہے ہیں کیونکہ ان کی شخصیت کی سخت گیری نے ایک بار ہمارے مزاج درست کر کے رکھ دیے تھے۔ ان دنوں کا قصہ ہے جب علامہ صاحب کی بے نظیر بھٹو سے گاڑھی دوستی تھی۔ دونوں رہنماؤں کو نواز شریف مخالفت نے ایک دوسرے کا حلیف بنا دیا تھا۔ ان ہی دنوں میں بے نظیر بھٹو اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ علامہ صاحب کے کسی بچے کی سالگرہ میں شرکت کرنے ان کی رہائش گاہ جا پہنچی تھیں۔ علامہ صاحب بے نظیر کے اس جذبہ خیر سگالی سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے از راہ شفقت اور دلبری محترمہ کو اپنی چھوٹی بہن قرار دے دیا۔ سالگرہ کے موقعہ پر اتاری گئی ڈھیروں تصاویر قومی اخبارات میں شائع ہوتی تھیں۔ نوائے وقت میں اس تقریب کی جو تصویریں شائع ہوئی تھیں۔ ان میں بے نظیر کو بچے کو چومتے ہوئے دکھایا گیا تھا اور ان کے بازو میں علامہ صاحب سراپا سپاس مسکراتے ہوئے کھڑے تھے۔
جن دنوں بہن بھائی کا یہ رشتہ مضبوطی اور استقامت کی منزلیں طے کر رہا تھا، برطانوی اخبارات نے بے نظیر بھٹو اور ان کے شوہر نامدار آصف علی زرداری کی قومی وسائل کی لوٹ کھسوٹ کے نت نئے انکشافات کو اپنی جلی سرخیاں بنا ڈالا اور بالخصوص سرے محل کو لے کر بہت کچھ کہا سنا گیا۔ سنڈے ٹائمز جیسے برطانیہ کے سنجیدہ اخبار نے بھی آصف علی زرداری کو مسٹر ٹن پرسنٹ لکھنا شروع کر دیا۔ الزامات کی اس اخباری

یلغار سے علامہ صاحب کو بہت قلق ہوا اور انہوں نے بین السطور میں اس شاہی جوڑے کا دفاع کرنا شروع کر دیا۔

جن دنوں بے نظیر بھٹو اور آصف علی زرداری برطانوی ذرائع ابلاغ کے ''اندھادھند'' کرپشن کے الزامات کی سولی پر لٹکے ہوئے تھے، ان ہی دنوں پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری برطانیہ کے دورے پر لندن تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب کے برطانیہ میں بھی ہمنواؤں، مداحوں اور فدائیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ وہ جب بھی لندن آتے ہیں، عوامی پذیرائی ان کے حصہ میں آتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے یہ پرستار ہم سے اکثر یہ گلہ شکوہ کرتے تھے کہ ہم ڈاکٹر صاحب کے برطانیہ میں انعقاد پذیر جلسے جلوسوں کی نوائے وقت کے لیے کوریج نہیں کرتے۔ چنانچہ اس بار ڈاکٹر صاحب کا اپنے انداز کا ایک خصوصی انٹرویو کرنے کا پروگرام بنایا۔ جب ڈاکٹر صاحب سے لندن میں ٹیلی فون پر رابطہ کیا تو انہوں نے فرمایا۔ ''آج میں بہت مصروف ہوں۔ کافی پروگراموں میں شرکت کر رہا ہوں۔ کل میں گلاسگو (سکاٹ لینڈ) جا رہا ہوں۔ آپ میرا موبائل نمبر نوٹ کر لیں۔ آپ کل مجھے اس نمبر پر فون کریں تو میں سفر کے دوران ہی آپ کو ٹیلی فون پر انٹرویو دے دوں گا۔۔''

جو حکم آقا کے عین مطابق ہم نے دوسرے دن ڈاکٹر صاحب کو فون کیا۔ اس وقت بی بی سی ریڈیو کے مشہور براڈ کاسٹر اور پروڈیوسر جناب محمد ایوب ہمارے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ ہماری فون پر ڈاکٹر صاحب سے ہونے والی تمام گفتگو صاف صاف سن رہے تھے۔ وہ اس طرح ممکن ہوا تھا کہ ہم نے ایک خصوصی آلہ استعمال کرتے ہوئے فون کی آواز کو اس حد تک اونچا کر دیا تھا کہ کمرے میں بیٹھا ہر شخص اسے سن سکتا تھا۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب کے اس ٹیلی فون انٹرویو کا جو پہلا سوال پوچھا، وہ کچھ اس طرح تھا۔ ''ڈاکٹر صاحب! برطانوی ذرائع ابلاغ بغیر ٹھوس شہادت کے کسی پر الزام دھرنے کی خطا نہیں کرتے۔ اس وقت برطانوی پریس بے نظیر اور ان کے شوہر کی کرپشن کی گلا پھاڑ کر دہائی دے رہا ہے لیکن آپ ہر جگہ اس شاہی جوڑے کا دفاع کر رہے ہیں۔'' ہمارا یہ جائز سوال پوچھنے کی دیر تھی کہ ڈاکٹر صاحب بم کی طرح پھٹ پڑے اور انہوں نے ایک ہی سانس میں ہماری ایسی درگت بنائی کہ ہمارے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ فرمانے لگے ''یہ سب بکواس ہے۔ سب جھوٹ ہے۔ نواز شریف حکومت کی ڈس انفارمیشن ہے، آپ جیسے...... رپورٹرز اس کی (نواز شریف) سازش کا حصہ بنے ہوئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔'' ڈاکٹر صاحب کی بے نظیر نوازی کے حوالے سے ہماری یوں جارحانہ انداز میں گوشمالی سے ہمارا جو حال ہوا سو ہوا ہی تھا، لیکن حضور والا کی تلخی گفتار پر ایوب صاحب بھی ششدر رہ گئے تھے۔ ہمارے پہلے ہی سوال سے موصوف نے ناراض ہو کر فون بند کر دیا۔ یہ تو خیر ان دنوں کی بات ہے جب ڈاکٹر

صاحب نواز شریف حکومت کے خلاف بے نظیر بھٹو کے الائنس کا ہراول دستہ بنے ہوئے تھے، لیکن آج ڈاکٹر صاحب کی بے نظیر کے بارے میں رائے بہت مختلف ہے۔ وہ آج کل اپنے اخباری بیانوں اور اپنی تقریروں میں نواز شریف کے ساتھ ساتھ اسی برہنہ بولی میں بے نظیر اور ان کے مجازی خدا آصف زرداری کو "قومی لٹیرے" قرار دیتے ہوئے نہیں جھکتے۔ ہمارا ڈاکٹر صاحب سے سوال یہ ہے کہ بے نظیر بھٹو کے بارے میں آپ کے کل اور آج کے استدلال میں اس نمایاں تضاد کا کیا جواز ہے؟

(نوائے وقت "سنڈے میگزین" 8 اپریل 2001ء)

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت

امتیاز احمد بریار

علامہ، پروفیسر اور ڈاکٹر طاہر القادری کو مسٹر طاہر القادری لکھنے کو جی چاہتا ہے کہ کچھ عرصہ قبل موصوف نے اخبار نویسوں کو اپنے نام کے ساتھ مولانا اور علامہ لکھنے اور بولنے سے منع کر دیا تھا کہ وہ مولانا کے لفظ سے الرجک ہیں اور خود کو مغرب گزیدہ اور جدیدیت پرست ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ایسا جدت پرست جو دین کے شعار کو دقیانوسی سمجھتا ہے اور ان سے جان چھڑانا چاہتا ہے۔ اسی حوالے سے عوامی تحریک کے وائس چیئرمین بخاری صاحب نے خود ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ قادری صاحب مولانا اور علامہ کہنے پر ناراض ہو جاتے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ دنیا کے بڑے بڑے القابات میں سب سے زیادہ عزت اور شرف کی علامت القابات مولانا اور علامہ ہیں، جبکہ خود ہم اپنے نبی پاک ﷺ کے نام کے ساتھ سیدنا و مولٰینا کے لفظ لکھتے ہیں۔ مگر قادری صاحب اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور یہ صرف مسٹر بننے اور امریکہ کے کافروں کو خوش کرنے کے لیے ہے۔ وہ ارشاد فرما چکے ہیں کہ ہمارے اور دینی جماعتوں کے درمیان قدر مشترک صرف داڑھی ہے۔ آج کل موصوف امریکہ کی زبان اسامہ اور طالبان کے خلاف بول رہے ہیں۔ وقت کے حکمرانوں سے چند ٹکے کا مفاد حاصل کرنے کے لیے بچھے جا رہے ہیں۔ کبھی دینی رہنماؤں کو افغان مسئلہ میں یہود و نصاریٰ کی مخالفت نہ کرنے کے مشورے دیتے ہیں اور کبھی اس کفر اور اسلام کی جنگ کو غلط معنی پہناتے ہیں اور کبھی اسامہ کو امریکہ کے حوالے کرنے کی باتیں کرتے ہیں۔ قادری صاحب آپ یاد رکھیں سورۃ المائدہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔ "اے لوگو! جو ایمان والے ہو کبھی بھی یہود و نصاریٰ کو اپنا ولی، مددگار، خیر خواہ اور دوست نہ بناؤ۔ یہ تو آپس میں

ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں۔ جوان کو دوست بنائے گا، وہ انہی میں شمار کیا جائے گا۔" (آیت: ۵۰) اب آپ اور جنرل پرویز مشرف اس آیت کی روشنی میں دنیا کے سب سے بڑے دجال اور دہشت گرد امریکہ کی حمایت کر کے دیکھ لیں۔ آپ کس میں شمار ہو رہے ہیں۔

ویسے تو مجھے آپ کا ماضی کا طرزِ عمل یاد ہے، کیونکہ بدقسمتی سے میں بھی آپ کی تحریک منہاج القرآن کا رفیق رہا ہوں، جس کا نام خوبصورت ہے، مگر بہت پہلے اس تحریک کا نام عملاً عوامی تحریک میں بدل گیا اور خوبصورت پرچم کی جگہ بھارت سے مشابہت والے ترنگے جھنڈے نے لے لی، لیکن مجھ جیسا شخصیت پرستی میں الجھا ہوا شعور کی بیداری کے بعد آپ کو چھوڑ گیا۔ آپ کے رویے کی وجہ سے بڑے قابل اور قیمتی لیڈر مفتی محمد خان صاحب، رانا جاوید القادری اور خلیل القادری صاحب آپ کی جھوٹی اسلام دوستی اور مصطفوی انقلاب کے جھوٹے نعروں کی وجہ سے آپ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ آپ نے شریف خاندان سے مراعات حاصل کیں، چندے لیے اور اپنا ڈیرہ ماڈل ٹاؤن میں ہی چندے مانگ کر بنایا، عوامی تحریک کی بنیاد رکھی اور مصطفوی انقلاب کا نعرہ عوامی انقلاب میں بدل دیا۔ پھر آپ نے 1990ء کے قومی انتخابات میں بدنام زمانہ قسم کے لوگوں کو اپنی پارٹی کے ٹکٹ دیئے۔ مثلاً آج کل منشیات کیس میں سزا یافتہ منور حسین منج آپ کے مضبوط امیدوار تھے، مگر اللہ کے فضل سے بڑے بڑے دعوؤں کے باوجود پورے ملک سے ایک بھی سیٹ نہ مل سکی۔ آپ نے سستی شہرت کے لیے اپنے گھر فائرنگ کا ڈرامہ رچایا، جس میں نواز شریف اور پروفیسر غفور احمد کو ملوث کیا۔ پھر ہائیکورٹ سے رسوا ہو کر بھاگے اور جج صاحب نے لکھا کہ یہ آدمی شہرت کا بھوکا، احسان فراموش، لالچی اور ذہنی توازن کے بگاڑ کا شکار ہے۔ حالانکہ آپ نے پریس میں آنے کے لیے یہ ڈرامہ رچایا تھا۔

بدنام ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

پھر دوبارہ آپ کو سیاست کا جنون ہوا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ کرپشن کی بادشاہ پیپلز پارٹی وغیرہ کے ساتھ مل کر عوامی اتحاد بنایا۔ اس امید کے ساتھ کہ بے نظیر پر بہت زیادہ کرپشن کے الزامات اور مقدمات ہیں، لہٰذا وہ نااہل ہو جائیں گی، تو میں لیڈر بن جاؤں گا۔ آپ نے اس وقت بے نظیر کا بھائی بن کر سندھی ٹوپی پہن کر ٹوپی ڈرامہ شروع کیا، مگر جلدی اور دو سال کی مدت پوری ہونے پر بی بی نے آپ کو ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرنے کے بعد بیزاری کا اظہار کیا اور جان چھڑائی۔

بہر حال اللہ کی پھٹکار نواز شریف پر پڑی، کارگل سے مجاہدین کی واپسی اور اعلان واشنگٹن کی وجہ سے وہ اللہ کی پکڑ میں آیا اور جنرل پرویز مشرف کو اللہ نے موقع دیا۔ آپ یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ جنرل مشرف اتاترک کو اپنا آئیڈیل کہتے ہیں۔ اور بغل میں کتوں کے بچے اٹھائے یورپ اور امریکہ کو

اپنا لبرل ازم دکھا رہے ہیں اور یقین دلا رہے ہیں کہ میں آپ کے ایجنڈے کی تکمیل اور خدمت بہتر طور پر کر سکتا ہوں۔ آپ نے ہر ممکن طریق سے خوشامدانہ کوشش اس امید کے ساتھ جاری رکھی کہ شاید ان کو آپ پر رحم آ جائے اور آپ کو فی سبیل اللہ کوئی وزارت دے دیں، لیکن تمام تر کاوشیں کرنے، حکومت کے ہر جائز و ناجائز اقدام کی حمایت کرنے کے باوجود ابھی تک آپ کو کوئی خیرات نہیں ملی۔ نواز شریف حکومت کے خاتمہ کے بعد آپ نے بڑی کوشش کی تھی کہ آپ کو وزیر اعظم بنا دیا جائے۔ مگر جنرل پرویز مشرف شاید آپ کی اداؤں سے واقف ہو گئے تھے اور انہیں پتا چل گیا کہ حکمرانوں کی مدح سرائی آپ کا آبائی پیشہ ہے، اس لیے وہ آپ کے دام فریب کا شکار نہیں ہوئے۔

جناب طاہر القادری صاحب! آپ جہاد کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی غلط تشریح کر رہے ہیں، جہاد کو فساد کہتے ہوئے آپ کی غیرت ایمانی نہیں جاگی۔ شاید آپ جہاد کے حقیقی مفہوم ہی سے آگاہ نہیں، اوپر سے یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی مجھ سے زیادہ بہتر تشریح اور کون کر سکتا ہے۔ ایک عالم دین، مفکر، دانشور ہونے کا دعویٰ اور انانیت کا یہ عالم، اللہ آپ کو معاف فرمائے۔ قائد انقلاب صاحب! آپ کو یہ نیا ذہنی فکری انقلاب مبارک ہو۔ حافظ حسین احمد صاحب نے آپ کے بارے میں درست ہی فرمایا ہے کہ آپ کو صاحب عقل قرار دینا توہین عدالت ہے کہ عدالت آپ کو شہرت کا بھوکا، نفسیاتی مریض، کذاب وغیرہ قرار دے چکی ہے۔ اب کون شریف آدمی توہین عدالت کا مرتکب ہونا پسند کرے گا؟

(روزنامہ انصاف لاہور 14 اکتوبر 2001ء)

❁❁❁❁❁

پروفیسر صاحب! آپ کو اتنی کیا جلدی ہے؟

صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی

12 اکتوبر 1999ء کے فوجی انقلاب کے بعد ریاست وحکومت کے بہت سے معاملات و اقدامات میں عوام کو جس تیزی کی توقع تھی، وہ تیزی نظر نہیں آئی۔ نہ ہضم شدہ رقوم کی وصولیوں میں، نہ احتساب میں اور نہ محکمہ جاتی کارکردگی میں، البتہ پانچ حضرات تیز اور چاق وچوبند دکھائی دینے لگے۔ جناب عمران خان، فاروق احمد خان لغاری، محترم اجمل خٹک، جناب اعجاز الحق اور پروفیسر طاہر القادری۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عمران خان کا لہجہ بدلنے لگا۔ لغاری صاحب کا طنطنہ بھی پہلے والا نہیں رہا، اجمل خٹک کا دریا جتنا چڑھا تھا، اتنا ہی اتر چکا ہے، اعجاز الحق ''وکیل صفائی'' بنے رہے۔ اب ان کا بھی معاملہ کچھ کچھ کھٹائی میں پڑ گیا ہے۔ ایک ہمارے پروفیسر صاحب ہیں، جن کی ون وے، ٹریفک زوروں پر ہے۔ اول الذکر چار حضرات کی کیا آرزوئیں تھیں، یہ انہیں معلوم ہے یا خدا کو معلوم، اور پروفیسر صاحب کا کیا راز ہے؟ یہ بھی صرف انہیں معلوم ہے۔ ہم کسی بھی پہلو سے تبصرہ کرنے کے نہ تو اہل ہیں اور نہ روادار! تاہم ہماری حیرت روز افزوں اور استعجاب برقرار ہے۔

جنرل صاحب کی طرف سے بظاہر نہ تو کوئی سند نیسہ ہے نہ نامہ و پیام اور نہ شوق ملاقات، مگر بارہ اکتوبر کے اقدام سے لے کر دو روز قبل پیش ہونے والے بجٹ کی حمایت تک پروفیسر صاحب کے ہر بیان، ہر تقریر، ہر پریس ریلیز اور ہر اعلامیہ میں حکومت کے لیے نیک جذبات اور غیر مشروط تعاون کی جھلک نظر آتی ہے، جبکہ حکومت اس باب میں بالکل خاموش ہے، نہ ہاں اور نہ ناں۔ غالب کو بھی اس حیرت نے اپنی لپیٹ میں لیے رکھا۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟

اسی انداز کی حمیت ایک سیاسی مزاج آدمی سے عجیب معنی پیدا کرتی ہے۔ دوسری باتیں بھی چونکا دینے کے لیے کافی ہیں اور بچی بات یہ ہے کہ میرے جیسے آدمی کے لیے بہت ہی اجنبی اور ورطہ حیرت میں ڈالنے والی ہیں۔

ایک عوامی تحریک کے کلچر ونگ کا قیام اور دوسرا پروفیسر صاحب کا روزنامہ نوائے وقت میں چھپنے والا ایک بیان جس میں انہوں نے فرمایا: ''داڑھی مونچھ کے سوا مذہبی جماعتوں سے ہماری کوئی قدر مشترک نہیں اور دینی جماعتوں میں اسلام کا کوئی تصور نہیں۔''

کلچرل ونگ میں جو لوگ آئے ہیں، ان میں معروف اداکار ندیم، فردوس جمال، افضال احمد اور ورسٹائل آرٹسٹ ڈاکٹر انور سجاد شامل ہیں۔ کلچر ونگ کا قیام اور داڑھی مونچھ کے حوالے سے دیا جانے والا بیان دراصل خود کو ''لبرل''، ''ماڈریٹ'' اور ''اڈلا اڈیٹڈ'' ظاہر اور ثابت کرتا ہے، حالانکہ ہمارے خیال میں یہ دونوں باتیں روشن خیال ہونے کی قطعاً دلیل نہیں۔ بلکہ غیر ضروری طور پر اور بہت عجلت میں ''پاپولر'' بننے کی غمازی کرتی ہیں اور ان بنیادوں پر پاپولر ہونا ایک پڑھے لکھے، سنجیدہ فہمیدہ اور مصطفوی انقلاب کے علمبردار شخص کے لیے اعزاز نہیں بلکہ توہین ہے۔ پاپولیریٹی تو علم وفضل، سنجیدگی ومتانت، تصنیف وتالیف، منہاج القرآن جیسے عالی شان دینی ادارے کے قیام اور اپنی تقریر وتحریر کو قرآن و حدیث کے حوالوں سے آراستہ کرنے کے بغیر بھی حاصل کی جاسکتی ہے بشرطیکہ کوئی ایسی پاپولیریٹی کی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہو، شہرت ایک رات میں اور ایک اقدام سے بھی مل سکتی ہے، مگر ثقاہت و متانت کے لیے برسوں ریاضت کرنی پڑتی ہے۔

عوامی تحریک، جس کا نصب العین ملک میں مصطفوی انقلاب برپا کرنا ہے، کیا اس انقلاب کے بعد وہی کلچر رائج کیا جائے گا، جو برسوں سے ٹی وی اور فلم کے ذریعے جناب ندیم، فردوس جمال اور افضال احمد پیش کرتے چلے آرہے ہیں؟ 19 جون کے معاصر اخبار میں خبر ہے یہ خبر بھی آئی ہے کہ کلچرل ونگ کے جنرل سیکرٹری فردوس جمال نے فرمایا ہے کہ 10 جولائی کو خواجہ غلام فریدؒ کے عرس کے موقع پر عوامی تحریک کے زیر اہتمام کلچرل شو ہوگا جس میں عابدہ پروین، ثریا خانم وغیرہ اپنے فن کا مظاہرہ کریں گی اور انہوں نے خواہش ظاہر کی ہے کہ عابدہ پروین کو کلچر ونگ کے شعبہ خواتین کا صدر بنایا جائے تاکہ بیک وقت خواتین، سندھ اور موسیقی کی نمائندگی ہوسکے۔

اب ان باتوں پر ایک ایسا شخص کیا تبصرہ کرے جس کے دل میں پروفیسر صاحب کا احترام

بھی ہو، محبت بھی ہو اور جسے ایک گونہ ذاتی تعلق خاطر بھی ہے۔ آخر پروفیسر صاحب کو اتنی جلدی کیا پڑ گئی ہے؟ ''جس کا کام اسی کو ساجے'' کے مصداق یہ فنکار بس فنکار ہی اچھے لگتے ہیں۔ سیاسی حوالے سے ان کی حیثیت صفر کے برابر ہے۔ یہ عوامی تحریک کو کیا سپورٹ فراہم کریں گے؟ ''1985ء کے الیکشن میں قوی خان، جمیل فخری اور عنائت حسین بھٹی حصہ لے چکے اور نتیجہ دیکھ چکے ہیں۔ انہی دنوں ڈرامہ ''اندھیرا اجالا'' چل رہا تھا جس کے مرکزی کردار قوی خان اور جمیل فخری تھے اور یہ ڈرامہ دیکھنے کے لیے بازار اور کاروبار سنسان ہو جاتے تھے مگر انہی اداکاروں کے پولنگ بوتھ الیکشن کے روز بھی سنسان نظر آئے۔

اسی طرح پروفیسر صاحب کا دینی افراد اور جماعتوں سے فاصلہ رکھنے، گریز کرنے اور اظہار بیزاری فرمانے سے عام آدمی کبھی ان کے قریب نہیں آئے گا، نہ پیپلز پارٹی کا کوئی سپورٹر اور نہ مسلم لیگ کا کوئی ووٹر۔ انہیں جو بھی حلقہ عقیدت میسر آیا ہے، دینی افراد کا میسر آیا ہے۔ منہ پر داڑھی، ہاتھ میں تسبیح اور زبان پر قرآن و حدیث ہے، وہ لاکھ ''لبرل'' بنیں لوگ انہیں ''مولوی'' ہی سمجھیں گے۔ اسے لوگوں کی ''کورذوقی'' اور ''کم فہمی'' ہی کہہ لیں۔ امر واقعہ یہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان کی اگر دینی جماعتوں سے داڑھی مونچھ کے علاوہ کوئی قدر مشترک نہیں تو دوسروں سے کیا قدر مشترک ہے؟ مثلاً پیپلز پارٹی سے کیا قدر مشترک ہے؟ فلمی اداکاروں سے کیا قدر مشترک ہے؟ فوجی حکمرانوں سے کیا قدر مشترک ہے؟ عمران خان سے کیا قدر مشترک ہے؟ منظور وٹو سے کیا قدر مشترک ہے؟ ساکنان شہر تازہ ہوا کا شوق ضرور پالیں لیکن اس کے لیے گھر میں اتنے دروازے نہ بنادیں کہ دیوار ہی گر پڑے......

پروفیسر صاحب ماشاء اللہ جہاندیدہ آدمی ہیں، انہیں ہم سے زیادہ معلوم ہے کہ سیاست امکان اور انتظار کا کھیل ہے، امکان شکر اور انتظار صبر کا تقاضا کرتا ہے۔ کئی سیاستدانوں کی جتن کرتے عمریں گزر گئیں مگر صدر اور وزیراعظم نہ بن سکے۔ یہ انتظار میں رہے اور تارڑ صاحب گھر بیٹھے صدر بن گئے، یہ امکان ہے۔ ان دو کے علاوہ تیسرا راستہ ہمارے خیال میں خسارے کا ہے۔ مٹی پر چلنے والا کم گرتا ہے اور سنگ مرمر پر دوڑنے والا جلد پھسلتا ہے۔

(روزنامہ انصاف، لاہور 22 جون 2000ء)

عوامی تحریک کا کلچرل ونگ

جاذب بخاری

پچھلے دنوں پاکستان عوامی تحریک کا کلچرل ونگ قائم کیا گیا، جس میں مشہور فلمی و ٹی وی اداکاروں ندیم کو صدر اور افضال احمد کو نائب صدر اور فردوس جمال کو سیکرٹری جنرل نامزد کیا گیا۔ بعد میں معروف ڈرامہ نگار، ہدایت کار اور اداکار انور سجاد بھی اس میں شامل ہو گئے۔ یہ ایک منفرد واقعہ تھا کہ کسی ایک خالص دینی جماعت کی ذیلی تنظیم میں ایسا کلچرل ونگ قائم کیا گیا جو فلمی دنیا سے تعلقات رکھنے والے مشہور و معروف فنکاروں پر مشتمل ہے۔ انگریزی لفظ کلچر اپنے اندر وسیع مفہوم و معانی رکھتا ہے، جسے مختصر الفاظ میں تہذیب، تمدن، ثقافت اور ذہنی تربیت کے علاوہ جسمانی تربیت سے موسوم بھی کیا جاتا ہے۔ عوامی تحریک کو چونکہ عوام کی اس ''خصوصی تربیت'' کا شدت سے احساس تھا، لہٰذا اس کے قیام کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا۔ لیکن نہ جانے اس اہم کلچرل ونگ کا اخبارات میں اعلان ہوتے ہی بہاولپور کے روزنامہ ''انصاف'' کے قاری محمد انور گرے وال کو اعتراض کا یہ پہلو کیوں ہاتھ آ گیا کہ اس ونگ کے زیر اہتمام تیار ہونے والی فلم یا ڈرامے میں کام کرنے کے لیے ایک اہم مرحلہ ہیروئن، اس کی ماں یا دیگر کارکن خواتین کا ہے کہ وہ کہاں سے دستیاب ہوں گی۔ لیکن ندیم اور افضال احمد کے بعد امید ہے کہ خواتین بھی ادھر کا رخ ضرور کریں گی۔

ویسے بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی فلم یا ڈرامے میں عورت کا کردار نہ ہو تو اس کی کامیابی مشکوک ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ''عوامی تحریک'' کے چاہنے والے اس ونگ کے ڈراموں یا فلموں کو عورت کے بغیر بھی پذیرائی بخش سکتے ہیں۔ مجھے یاد رہے کہ پاکستان بننے سے پہلے اور بعد میں حکومتوں نے

"دیہات سدھار" نام سے ایک پروگرام شروع کر رکھا تھا، جس کے ذریعے فنکاروں کی مختلف ٹولیاں دیہات کی حالت سدھارنے کے سلسلے میں مختلف ڈراموں کے ذریعے گاؤں گاؤں جا کر لوگوں کو اپنی مدد آپ کے لیے قائل کرتی تھیں۔ ان ٹولیوں یا ثقافتی طائفوں میں خواتین شامل نہیں ہوتی تھیں۔ اگر کہیں کسی خاتون کے کردار کی ضرورت پڑتی بھی تو مرد فنکار ہی خواتین کا روپ بدل کر پوری کر لیا کرتے تھے۔ ہمارے معاشرے میں میراثی، ڈوم اور مخنث قسم کے لوگ بھی تو عورتوں کے بغیر ان کا روپ دھار کر عوام الناس کی ضیافت طبع کا سامان فراہم کرتے ہی ہیں۔

عوامی تحریک میں اس ونگ کا قیام اس لیے بھی ضروری تھا کہ عوام الناس کی توجہ اس پارٹی کی طرف مبذول کروائی جا سکے، کیونکہ نہ جانے عوام کیوں دینی پارٹیوں کو عزت و احترام دینے کے باوجود اپنے سیاسی ووٹ سے محروم رکھتے ہیں۔ یہ ونگ "عوامی تحریک" کے لیے یقیناً ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ اس ضمن میں ہمیں اپنا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ہمیں آج سے کوئی چالیس برس پہلے ضلع لاہور کے ایک گاؤں لدھر میں واقع ایک پرائمری سکول میں اس غرض سے تعینات کیا گیا کہ ایک تو پرائمری سکول کو مڈل تک بڑھایا جائے، دوسرے سکول میں بچوں کا داخلہ زیادہ سے زیادہ کیا جائے۔ ہم نے پہلا مرحلہ تو بخیر و خوبی طے کر لیا، مگر دوسرا درد سر بن گیا۔ باوجود سمجھانے بجھانے کے گاؤں کے زراعت پیشہ لوگوں کی اکثریت بچوں کو سکول میں زیادہ سے زیادہ داخل کروانے پر رضامند نہیں ہوتی تھی۔ ان میں سے اکثر یہ کہتے پائے جاتے تھے کہ اگر ہم سارے بچوں کو سکول میں داخل کروا دیں تو کھیتی باڑی کون کرے گا؟ ہم رات دن اس مسئلے کے حل کے لیے سوچ بچار کرتے، مگر کوئی حل نظر نہ آتا تھا۔ انہی دنوں محکمہ تعلیم کی طرف سے ایک حکم نامہ آیا کہ ان لوگوں کے بچوں کے ناموں کی فہرستیں جلد از جلد بھجوائی جائیں، جو تعلیم حاصل نہیں کر رہے۔ یہ "یک نہ شد دو شد" والا معاملہ ہو گیا۔ ہم پہلے ہی پریشان تھے، یہ ایک مصیبت اور آن ٹپکی۔ بہر حال ہم روزانہ کوچہ گردی کرتے اور بمشکل چند نام اکٹھے کرتے اور فہرست میں لکھتے، مگر معاملہ آگے بڑھنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ شب و روز اسی ذہنی کشمکش میں گزر رہے تھے کہ قدرت نے ہماری مدد فرمائی۔ ہوا یوں کہ ایک دن ہم سکول کے صحن میں بیٹھے کلاس لے رہے تھے کہ ایک بندریا رسی سمیت ہمارے سکول کی ایک دیوار پر آن دھمکی۔ اس خلاف توقع صورتحال پر ہم، بچے اور دوسرے استاد گھبرا گئے۔ عجیب منظر تھا، گاؤں کے کتے متفقہ طور پر سکول کا مکمل گھیراؤ کیے ہوئے تھے اور بھونک بھونک کر اپنا آپ ہلکان کیے جا رہے تھے۔ جبکہ بندریا دیوار پر بیٹھی جان بچنے پر شکر ادا کر رہی تھی اور بار بار کتوں کا منہ چڑاتی ہوئی ہمیں داد طلب نظروں سے دیکھتی کہ شاید ہم اس کی کچھ مدد کر سکیں۔

ساری صورتحال کو بھانپتے ہوئے ہم نے جرات کر کے اس کی رسی قابو کی اور ساتھ ہی گلے

ملکے سے اسے باندھ دیا اور مشترکہ کوششوں سے کتوں کو مار بھگایا۔ اس طرح یہ بندریا لگ بھگ دو ہفتے ہمارے پاس رہی۔ بندریا کیا آئی ہمارا کام آسان ہو گیا۔ بندر ایک ایسی چیز ہوتی ہے جسے چھوٹے تو کیا بڑے بھی ذوق و شوق سے دیکھتے اور اس کی حرکات سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بندریا کا سن کر گاؤں کے بچے اسے دیکھنے کے لیے سکول آنے لگے۔ یوں سکول کے باہر ایک مجمع سا لگا رہتا اور پھر جو بچے سکول سے غیر حاضر رہتے تھے وہ بھی باقاعدگی سے سکول حاضر ہونے لگے۔ الغرض ہم نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور بچوں کے نام اور ولدیت پوچھ پوچھ کر فہرستیں بنائیں اور اوپر بھیج دیں۔ دو ہفتے بعد بندریا کا مالک اس کی تلاش میں سرگرداں سکول آ پہنچا اور ضد کر کے بندریا لے گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ قریبی گاؤں کرباٹھ کے ایک درخت کے نیچے بیٹھا کھانا کھا رہا تھا کہ ایک بارات کے پٹاخوں کی وجہ سے یہ رسی چھڑا کر بھاگ نکلی اور پھر کتوں نے بھگا بھگا کر اسے یہاں پہنچا دیا، لہٰذا وہ دو ہفتے کی تلاش کے بعد یہاں تک پہنچا ہے۔ یہ مثال بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عوامی تحریک کے کلچرل ونگ کے "پروگراموں" کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو عوامی تحریک کے قریب ہونے کا موقع ملے گا، جس سے بالواسطہ فائدہ "تحریک" کو ہی پہنچے گا۔ دعا ہے علامہ طاہر القادری صاحب اپنے اس مشن میں "کامیاب و کامران ہوں۔"

(روزنامہ انصاف، لاہور 24 جون 2000ء)

بیگم رفعت طاہر القادری کہتی ہیں

''پاکستانی سیاست میں خواتین کا کوئی کردار نہیں''

انٹرویو نگار: سلمٰی عنبر

ایک خصوصی ملاقات میں پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری، ان کی اہلیہ رفعت جبیں قادری، بیٹیوں فاطمہ قرۃ العین، عائشہ قرۃ العین اور خدیجہ قرۃ العین نے اپنے گھر کے حوالے سے کیے گئے مختلف سوالوں کے جواب میں بتایا:

س: آپ کی لو میرج ہوئی یا ارینج؟

رفعت قادری: ہماری شادی مکمل طور پر ارینج میرج ہے۔ دراصل میں اور ڈاکٹر طاہر القادری فرسٹ کزن ہیں اور بچپن سے ہماری بات طے تھی۔ لہٰذا شروع سے ہی سلسلہ تھا کہ میری شادی اپنے تایازاد سے ہونا ہے، البتہ گھر کا ماحول چونکہ مکمل طور پر مشرقی تھا، اس لیے کبھی آپس میں زیادہ بات چیت نہیں کی تھی۔

س: شادی کے بعد پہلا تحفہ کیا ملا؟

رفعت قادری: ڈاکٹر صاحب نے مجھے رسٹ واچ دی تھی جو کہ میرے پاس اب بھی ہے۔

س: شادی کی سالگرہ مناتے ہیں؟

رفعت قادری: جی بالکل مناتے ہیں، اگر ڈاکٹر صاحب گھر ہوں تو پھر بچے کیک اور پھول وغیرہ منگواتے ہیں لیکن جب کبھی بیرون ملک گئے ہوں تو فیکس کے ذریعے مبارکباد بھیجتے ہیں اور ٹیلی فون بھی کرتے ہیں۔

س: آپ کو جہیز ملا تھا؟

رفعت قادری: جی ہاں! میرے والدین نے مجھے مکمل جہیز دیا تھا۔

س: ڈاکٹر صاحب کس بات پر ناراض ہوتے ہیں؟

رفعت قادری: بہت کم ناراض ہوتے ہیں اور اکثر اوقات لڑائی جھگڑا شغل کے طور پر کرتے ہیں۔ ویسے آج تک کوئی سنجیدہ جھگڑا نہیں ہوا۔

س: تفریح کے لیے کہاں جاتے ہیں؟

رفعت قادری: ہم لوگ زیادہ تر بیرون ملک تفریح کے لیے جاتے ہیں، بچے بھی ساتھ ہوتے ہیں۔

س: تفریح کے حوالے سے کہاں جانا پسند کرتے ہیں؟

رفعت قادری: ڈاکٹر صاحب باہر کے ملک میں زیادہ تر سمندر کے ساحل پر جانا پسند کرتے ہیں۔

س: آپ کی تعلیم کیا ہے؟

رفعت قادری: میں نے گریجوایشن کیا ہے اور اس کے علاوہ دو کتابیں حضور اکرمﷺ کی ''ازواج مطہرات'' اور ''صحابیات'' کی زندگیوں کے بارے میں لکھی ہیں۔

س: ڈاکٹر صاحب کھانے میں کیا پسند کرتے ہیں؟

رفعت قادری: گڑ کے چاول اور اچار مرغوب غذا ہے۔

س: معاشرتی بے راہ روی بڑھنے کی کیا وجوہات ہیں؟

رفعت قادری: میرے خیال میں میڈیا اور بھارتی فلموں نے ہماری اسلامی اور مشرقی روایات کو ختم کر دیا ہے۔ آج کل نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مغرب کی تقلید کرنا پسند کرتے ہیں۔ ٹی وی پر اس طرح کے پروگرام دکھائے جاتے ہیں کہ انسان اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر دیکھنے میں شرمندگی محسوس کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بچے اب ٹی وی دیکھنے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ صورت حال انتہائی تشویشناک ہے اور اس کے لیے نہ صرف حکومت بلکہ لوگوں کو انفرادی سطح پر بھی کام کرنا ہوگا۔

س: اسلام میں پردے کا کیا تصور ہے؟

رفعت قادری: سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ''عورتیں اپنے سروں کو اوڑھنیوں سے ڈھانپ لیں یعنی کہ اسلام میں ایسی چادر لینے کا حکم ہے جس سے عورت کا بناؤ سنگھار چھپ جائے۔ انہوں نے کہا کہ چہرہ، ہاتھ اور پاؤں پردے سے مستثنیٰ ہیں لیکن موجودہ حالات کے تحت اگر نقاب کر لیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

س: کیا خواتین کو ملکی ترقی میں حصہ لینا چاہئے؟

رفعت قادری: بالکل عورتوں کو ملکی ترقی میں ہر شعبہ ہائے زندگی میں حصہ لینا چاہئے اور کوئی بھی معاشرہ عورتوں کو ترقی دیئے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا۔

س: آپ خواتین کے سیاست میں موجودہ کردار سے مطمئن ہیں؟

رفعت قادری: میرے خیال میں تو پاکستان کی سیاست میں خواتین کا کوئی کردار ہے ہی نہیں۔

س: فاطمہ آپ بتائیں کہ آپ کیا کرتی ہیں؟

فاطمہ قرۃ العین: میری دو سال قبل شادی ہوگئی تھی، لہٰذا میں ابوظہبی میں مقیم ہوں اور اپنے والد کی تحریک میں کام کرتی ہوں۔

س: آپ کے والد کا گھر میں رویہ کیسا ہوتا ہے؟

فاطمہ قرۃ العین: مجھے یہ بتاتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ میرے والد بہت براڈ مائنڈڈ انسان ہیں۔ انہوں نے ہمیں گھر میں ہر طرح کی جائز آزادی دی ہے۔

س: آپ کو شاپنگ کے لیے لے کر جاتے ہیں؟

فاطمہ قرۃ العین: ہم لوگ زیادہ تر باہر کے ممالک سے شاپنگ کرتے ہیں اور پاکستان میں بہت کم شاپنگ کے لیے جاتے ہیں۔ دراصل پاکستان میں سب لوگ جانتے ہیں اور پردے کا بھی خصوصی اہتمام کرنا پڑتا ہے جبکہ بیرونی ممالک میں شاپنگ کرنے میں آسانی محسوس کرتی ہوں۔

س: نوجوانوں کو کوئی پیغام دینا چاہیں گی؟

فاطمہ قرۃ العین: مجھے سمجھ میں نہیں آتی کہ لوگ اسلام کو تنگ نظری سے کیوں دیکھنے لگے ہیں، حالانکہ اسلام آسان اور سادہ مذہب ہے جس میں ہر طرح کی آسانی موجود ہے، اور نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ دین سے دور ہونے کی بجائے اس کو سمجھیں اور اپنی زندگیوں کو قرآن و سنت کے اصولوں کے مطابق ڈھالیں کیونکہ اسلام ہی ہماری انفرادی پہچان ہے۔

س: عائشہ آپ کس کلاس میں پڑھتی ہیں؟

عائشہ: میں ساتویں میں پڑھتی ہوں اور ساتھ ہی قرآن شریف بھی حفظ کر رہی ہوں اور اس وقت تک چار پارے حفظ کر چکی ہوں۔

س: ابو سے کیا فرمائش کرتی ہیں؟

عائشہ: زیادہ تر گڑیا کی فرمائش کرتی ہوں اور ابو بھی دنیا کے ہر کونے سے میرے لیے گڑیا لاتے ہیں۔

س: ٹی وی دیکھتی ہیں؟

عائشہ: کبھی کبھی دیکھتی ہوں، ویسے ہی میرے پاس کارٹون اور انگلش فلموں کی کیسٹیں موجود ہیں لہٰذا جب بھی دل کرے، وی سی آر پر دیکھ لیتی ہوں۔

س: خدیجہ آپ بتائیں کہ ابو اچھے لگتے ہیں کہ امی؟

خدیجہ: آٹھ سالہ خدیجہ نے اپنی توتلی زبان میں بتایا کہ میرے ساتھ ابو خصوصی طور پر پیار کرتے ہیں اور کسی کو ڈانٹ پڑوانا میرے لیے مشکل نہیں۔ میں ون کلاس میں پڑھتی ہوں اور ابو جب بھی باہر جاتے ہیں مجھے دن میں دو سے تین مرتبہ فون کرتے ہیں جب کہ بیگم طاہر القادری نے بتایا کہ خدیجہ اپنے والد کی لاڈلی ہے اور وہ اکثر کہتے ہیں کہ جس نے مجھے خوش رکھنا ہے وہ خدیجہ کو خوش رکھے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں کرسکتے۔

(روزنامہ دن، لاہور 17 اگست 1998ء)

مولانا، خان صاحب اور

''بھولی عوام''

میاں غفار

ریذیڈنٹ ایڈیٹر روزنامہ خبریں، ملتان

کسی گھر میں چار پانچ نوجوان اکٹھے رہتے تھے۔ ایک دوپہر کسی خاتون نے ان کا دروازہ زور سے کھٹکھٹایا تو اندر سے کسی لڑکے نے بلند آواز میں پوچھا ''کون؟''

دروازہ کھٹکھٹانے والی نے آواز دی۔ ''میں بھولی!'' عورت کی آواز سن کر سب نے یک زبان ہو کر کہا ''فیر لنگ آ وَ اندر ای'' اتنی ساری آوازیں سن کر اس نے باہر سے اندر کی صورت حال کا اندازہ لگا لیا اور کہا ''اینی وی بھولی نئیں'' اور فوراً ہی چلتی بنی۔

اب ہمارے سیاستدانوں کو بھی بخوبی اندازہ ہوتا جا رہا ہے کہ ''عوام'' اتنی بھی بھولی نہیں اور اب چوپالوں، تھڑوں اور بیٹھکوں میں سیاستدانوں کے بعد بیوروکریٹ اور جج حضرات حتیٰ کہ فوجی افسران بھی موضوع گفتگو بننے لگے ہیں اور لوگ کھل کھلا کر اپنا غبار نکا لتے ہیں۔

گزشتہ چند برسوں میں دو جماعتیں اچانک ابھریں اور پھر اچانک اپنے ہی حق میں بیٹھ گئیں۔ پہلی جماعت پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کی پاکستان عوامی تحریک تھی اور دوسری عمران خان کی تحریک انصاف۔ روایت ہے کہ سیاست میں علامہ طاہر القادری کا ڈنکا بج رہا تھا تو ایک دن انہوں نے چند کالم نویسوں اور سینئر اخبار نویسوں کو کھانے پر مدعو کیا اور اپنی جماعت کے پروگرام سے آگاہ کیا۔ پھر

فرمایا کہ گھر میں جو دال ساگ ہے، حاضر کیے دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد بہترین قسم کے چائنز سوپ اور آٹھ دس قسم کی مختلف ڈشوں پر مشتمل ''دال ساگ'' دسترخوان پر چن دیا گیا۔ علامہ طاہر القادری نے اپنے سامنے لکڑی کا پیالہ رکھ کر اس میں سوپ پینا شروع کر دیا جبکہ دیگر مہمانوں نے چینی کے برتنوں میں کھانا شروع کیا۔ مہمانوں کے استفسار پر علامہ صاحب نے بڑی عقیدت سے کہا کہ ''محسوس نہ کیجئے گا، میں کچے برتن اور لکڑی کے چمچے سے کھاتا ہوں کیونکہ یہ سنت نبویؐ ہے۔''

اس واقعہ کے چند ہفتوں بعد علامہ طاہر القادری کے پریس سیکرٹری روزنامہ خبریں کے دفتر میں ایک پریس ریلیز لے کر آئے جس کے ساتھ ایک تصویر بھی تھی اور اس پر کیپشن لکھا تھا: ''پروفیسر ڈاکٹر علامہ طاہر القادری جمعہ کے اجتماع سے خطاب کر رہے ہیں۔''

لاہور آفس میں ہمارے ایک رپورٹر آصف شہزاد نے تصویر دیکھی اور پاکستان عوامی تحریک کے پریس سیکرٹری سے پوچھا ''اس تصویر میں کیا غلطی ہے'' وہ کافی دیر تصویر کی پٹی کو دیکھتا رہا، مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ غلطی کہاں ہے۔ پھر آصف شہزاد نے کہا ''مولانا! یہ جولائی کا مہینہ ہے اور ان دنوں سخت گرمی پڑ رہی ہے۔ آپ کی تصویر میں خود ڈاکٹر طاہر القادری نے گرم سویٹر اور گرم ٹوپی پہن رکھی ہے جبکہ تمام نمازیوں نے بھی جیکٹس اور چادریں اوڑھ رکھی ہیں۔ کیا ٹاؤن شپ میں موسم سرما شروع ہو چکا ہے؟'' جس پر پریس سیکرٹری نے تصویر واپس لیتے ہوئے کہا کہ غلطی ہو گئی، دراصل اس مرتبہ فوٹوگرافر نہیں آ سکا، اس لیے پرانی ہی چلا دی۔ دوسرے روز وہی تصویر بعض اخبارات میں شائع بھی ہوئی۔

1993ء کے الیکشن ہوئے اور پاکستان عوامی تحریک تیسری قوت بن کر بھی سامنے نہ آ سکی اور یوں ''بھولی عوام'' پاکستان عوامی تحریک سے بال بال بچ گئی۔

(روزنامہ خبریں، لاہور 23 دسمبر 1997ء)

ہم اور پاکستان عوامی تحریک

مظفر وارثی

سیاسی خمیر کے رکھنے کے باوجود ادب کی طرح ہم کسی سیاسی جماعت میں کبھی شامل نہیں ہوئے۔ پاکستان عوامی تحریک میں شمولیت ایک حادثہ تھی۔ پانچویں ہارٹ اٹیک کے بعد ہسپتال سے آ کر ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ہم بستر پر تھے۔ حضور ﷺ نے پہلی بار ہم پر کرم فرمایا، ابن سیرین کی کتاب سے تعبیر لی "دین کمزور ہے" اس تعبیر نے ہمیں پریشان کر دیا۔ ہم نے سمجھا شاید قدرت ہم سے کوئی کام لینا چاہتی ہے۔ تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کی طرف نظر دوڑائی، ایک سے ایک بڑی دکان نظر آئی۔ کچھ ہی دن بعد اخبار میں خبر پڑھی، طاہر القادری صاحب سیاسی جماعت بنا رہے ہیں جس کے نام، پرچم اور مقاصد کا اعلان 25 مئی کو موچی دروازے کے جلسے میں کریں گے، وہ ملک میں مصطفوی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں۔ مصطفوی انقلاب کا پڑھتے ہی ہم بے چین ہو گئے۔ طاہر القادری صاحب سے دو چار جلسوں میں ہماری ملاقات ہو چکی تھی ہم نے انہیں فون کیا، جواب ملا، میٹنگ میں ہیں۔ ہم نے پیغام چھوڑ دیا، چند ہی لمحوں بعد فون کی گھنٹی بجی، طاہر القادری صاحب خود بول رہے تھے۔ وارثی صاحب کیسے یاد کیا؟ ہم نے اخبار کی خبر کی تصدیق چاہی، تفصیل پوچھی اور ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا۔ نقاہت کے باوجود دوسری صبح ہم ان کے دفتر میں تھے۔ ہم نے مصطفوی انقلاب کے سپاہی بننے کا عندیہ دیا تو بڑے خوش ہوئے، بولے آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس بھیجا ہے، ہماری نظر تو بہت پہلے سے آپ پر تھی۔ آپ جیسا محب وطن، محب دین شاعر ہماری ضرورت ہے۔ ہم نے کہا ہم ہر طرح آپ کے ساتھ ہیں لیکن فی الحال اعلانیہ سیاست میں حصہ نہیں لے سکتے۔ اسٹیٹ بنک میں ملازم ہیں، یہ مسئلہ

ایک لمحہ میں انہوں نے حل کر دیا، فرمایا: نوکری چھوڑ دیجئے، آپ جو تنخواہ اس وقت لے رہے ہیں، اس سے زیادہ ہر ماہ آپ کو ادارہ پیش کیا کرے گا۔ اپنے ریکارڈسٹ حافظ عنصر صاحب کو بلایا اور ہدایت کی کہ وارثی صاحب کی جتنی کیسٹیں ہیں۔ سب ان سے لے کر ان کی ماسٹر کیسٹیں تیار کرو، صرف اخراجات نکال کر ساری آمدنی وارثی صاحب کو دی جایا کرے گی۔ بہر کیف ہم ان کے دفتر آنے جانے لگے، 25 مئی کا جلسہ برپا ہوا، ہم نے نظم پڑھی اعلان کر دیا گیا مظفر وارثی صاحب نے مصطفوی انقلاب کی خاطر اسٹیٹ بنک سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ یہ پہلا جھٹکا تھا جو ہمیں لگا، زیادہ اس لیے نہ محسوس ہوا کہ مصمم ارادوں نے جکڑا ہوا تھا۔

لاہور میں روزانہ کسی نہ کسی علاقے میں عوامی تحریک کا جلسہ ہونے لگا۔ ہر روز شام ڈھلے گاڑی ہمیں لینے آ جاتی۔ طاہر صاحب کے گھر سے پجیرو میں ہم ان کے ساتھ جاتے، قائد انقلاب کی تقریر سے پہلے ہماری نظم ہوتی، ہم آگ لگاتے، وہ تیل چھڑک دیتے، ہمیں بھی بڑی سرکار سے شاعر انقلاب کا خطاب مل چکا تھا۔ جلسے سے واپسی پر حضرت صاحب پجیرو کے حاضرین سے خصوصی داد وصول کیا کرتے، غلطی سے کوئی ہماری تعریف بھی کر دیتا تو بات کا رخ بدل دیتے۔ دراصل قیادت میں شرک کے قائل نہ تھے۔ لاہور سے باہر بھی جلسے ترتیب دیئے جانے لگے۔ ایک روٹ مقرر کر لیا جاتا۔ ہفتہ ہفتہ بعد واپسی ہوتی، مضافات میں احمد علی قصوری اور دیگر صاحبان بھی پہنچتے لیکن دن کے دن، جلسے کے بعد بسا اوقات ان کی واپسی ہو جاتی۔ حضرت جہاں جاتے گرمیوں میں ٹھنڈے اور سردیوں میں گرم کمرے میں قیام فرماتے اور ہم جو مشاعروں میں بڑے بڑوں سے نخرے اٹھواتے، حضرت صاحب کے پہرے داروں کے ساتھ سوتے۔

طاہر صاحب کے بار بار اصرار پر استعفے کے اعلان کے بعد ہم نے چھٹی لے لی تھی اور پری میچور ریٹائرمنٹ کے لیے درخواست دے دی تھی۔ ہم ڈپٹی ٹریژرار تھے اور ابھی ملازمت میں پانچ سال باقی تھے۔ پراویڈنٹ فنڈ کے پیسے ملے تو حضرت صاحب نے اسلام آباد کے ایک چیلے مقبول بلوچ کے کاروبار میں لگوا دیئے اور وہ ماہانہ منافع ہمیں دینے لگے۔ ادارے سے نہ پہلے کوئی پیسہ ہمیں دیا گیا نہ بعد میں۔ جیسے بھٹو نے روٹی پلانٹ لگوا کر عوام سے روٹی کا وعدہ پورا کر دیا تھا۔ اسی طرح موصوف ہماری ساری پونجی ایک نامعتبر شخص کے جعلی کاروبار میں لگوا کر اپنے خود عائد کردہ فرض سے سبکدوش ہو گئے۔

تحریک کے لیے ہم سے ایک نغمہ لکھنے کو کہا گیا، ہم نے ایک مارچنگ سانگ لکھا: قدم سے ملا کر قدم، چلے حق کی راہوں پہ ہم۔ اور یہ نغمہ فلمی گلوکاروں کی آواز میں ریکارڈ کرایا گیا۔ ہم نے اڑتی سی خبر سنی کہ حضرت صاحب کو یہ ترانہ پسند نہیں آیا، وجہ معلوم ہوئی نہ ہم نے پوچھی۔ دوسرے شہروں میں

جلسوں کے لیے جب گاڑیوں کا قافلہ جایا کرتا تو ایک گاڑی والے صاحب راستے بھر مختلف ترانے بجایا کرتے تھے۔ جیسے ہی شہر میں داخل ہونے لگتے طاہر صاحب کی خفیہ ہدایت کے مطابق طالب علموں کا لکھا اور گایا ہوا ترانہ بجایا جاتا ظلمت آفاق میں چمکے گا طاہر القادری اب ہم سمجھے کہ ہمارا ترانہ کیوں نہیں پسند آیا تھا، ترانے میں ہم نے طاہر القادری کا نام نامی استعمال نہیں کیا تھا۔ آہستہ آہستہ ہمارے ذہن کے پردوں پر ان کا باطن فاش ہو رہا تھا۔

ہم ایک سپاہی کی طرح ان کے لشکر میں شامل ہوئے تھے، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تحریک میں شامل ہونے والے ہم پہلے آدمی تھے باقی تمام لوگ ادارہ منہاج القرآن کے وابستگان تھے جو گذشتہ سات آٹھ برس سے قائم تھا۔ ہمیں کسی عہدے یا اہمیت کا قطعاً لالچ نہ تھا، از خود ہمیں ایگزیکٹو کا ممبر بنالیا گیا تھا، جس کا خود ہمیں بہت بعد میں علم ہوا۔ ان کی آمریت کا خوبصورت شاہکار میٹنگوں میں دیکھنے کو ملا۔ دکھاوے کو رائے سب سے لیتے، کرتے اپنی، جب کوئی اپنی بات پر درست اصرار کرتا تو فرماتے آپ تو بادشاہ آدمی ہیں اور یوں اس کی گویائی ضبط کر لی جاتی۔

شدید گرمی میں تپتی ہوئی سڑکوں پر لوگ گھنٹوں اپنے ''قائد'' کا انتظار کرتے۔ اس طرح کے انتظامات پیشگی کر دیے جاتے تھے۔ سیدھے سادے عوام ''مصطفوی انقلاب'' کے نعرے لگاتے نہیں تھکتے تھے۔ قافلے کا گزر ہوتا تو قائد انقلاب پجیرو کی چھت کے سوراخ سے دیدار کراتے، معلوم نہیں بے نظیر نے یہ ادا ان سے سیکھی تھی یا انہوں نے بے نظیر سے۔ انگلیوں پر تسبیح لپٹی ہوتی، آگے پیچھے ہم نے یہ ہتھیار کبھی ان کے ہاتھ میں نہیں دیکھا۔ ڈرائیور کو حکم دے رکھا تھا کہ ان کے گھر سے نکلنے سے آدھ گھنٹہ قبل گاڑی کا اے سی چلا دیا کرے۔ گاڑی یخ ہو جاتی تو قائد محترم برآمد ہوتے۔ ماؤزے تنگ جیسا عظیم لیڈر اپنی قوم کے ساتھ پیدل چلا کرتا تھا اور پیدل بھی اس طرح کہ ایک ہاتھ میں بھاری بریف کیس، دوسرے میں اوور کوٹ، اور مصطفوی انقلاب کے داعی کی خورد و نوش کی چیزیں تک خدام لے کے چلتے۔ پجیرو کا پچھلا حصہ انہی ضروریات کے لیے وقف ہوتا۔ پھلوں کا جوس، یخنی، چائے، کھانا غرض ہر طرح کے بیمار کی خوراک دستیاب ہوتی۔ بھولے بھٹکے ہم سے بھی نہ پوچھنے کی طرح پوچھ لیا جاتا لیکن محض لفظ ''شکریہ'' سننے کے لیے دوسری بار کہنا ان کے مذہب میں نہ تھا۔ قہر درویش بر جان درویش، ہم بیچارے پانی سے پیٹ بھرتے یا چنوں سے، پانی بھی پیاس بھر نہ ملتا جبکہ ہم شوگر، ہارٹ اٹیک، ریڑھ کی ہڈی کے درد، اور السر کے پرانے مریض ہیں اور بہت حساس اور خود دار واقع ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں کس جذبے کے تحت سب کچھ برداشت کرتے چلے گئے۔ جذبہ تو ایک ہی تھا اور وہ تھا مصطفوی انقلاب، یہ آتش فشاں ایسا ہمارے اندر پھٹا ہوا تھا جس نے آس پاس کی تمام پریشانیوں کو بھسم کر ڈالا تھا۔

لیاقت باغ راولپنڈی کا جلسہ چند بڑے جلسوں میں سے ایک تھا۔ بظاہر طاہر صاحب آئی جے آئی اور پیپلز پارٹی کو ترازو کے دونوں پلڑوں میں رکھتے تھے لیکن بہت پہلے ہم نے محسوس کر لیا تھا کہ تنقید زیادہ آئی جے آئی یعنی نواز شریف پر کی جاتی ہے۔ مذکورہ جلسے میں انتہا کر دی گئی تو ہم سے چپ نہ رہا گیا، گاڑی میں بیٹھتے ہی ہم نے حضرت صاحب سے سوال کیا کہ آپ تو دونوں کو ایک کٹہرے میں کھڑا کرتے تھے۔ آج تو کٹہرا ابھی ایک تھا اور ملزم بھی ایک، فرمانے لگے وارثی صاحب بے نظیر تو ہے ہی کھلی بے دین، منافق نواز شریف ہے اور منافق زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ طاہر صاحب منافق اسے کہہ رہے تھے جو اپنے کاندھوں پر بٹھا کر انہیں غار حرا تک لے گیا تھا۔ جو لوگ جا چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اپنا وجود لے کر اس پہاڑ پر چڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ کاندھوں پر کسی کو لاد کر جس نے غیر ممالک میں جی کھول کر انہیں شاپنگ کرائی، جس کے سیکرٹریٹ میں ان کی فائل کھلی تھی، حضرت صاحب کے تمام احکامات اس میں درج ہوتے اور باری باری اُن پر عمل کیا جاتا۔ اس نواز شریف کو نشانہ تضحیک بنایا جا رہا تھا، جس سے بہنوں کے نام پر پلاٹ الاٹ کرائے گئے۔ سالے کو نائب تحصیلدار اور بھانجے کو اے ایس آئی بھرتی کرایا گیا تھا۔ وہ نواز شریف جس کے باپ سے رانا جاوید القادری نے نقد سولہ لاکھ روپے لاکر حضرت صاحب کے سامنے ڈھیر کر دیئے تھے۔ میاں شریف شادمان سے انہیں اتفاق مسجد لے گئے اور اتفاق مسجد سے آ ان پر جا بٹھایا۔ گاڑی دی، مکان دیا، چالیس طالب علموں کی اکیڈمی کا سارا خرچ برداشت کرتے، حضرت پیر سیدنا علاؤالدین گیلانی کی آمد پر حضرت صاحب نے اپنی کوٹھی پر میاں شریف صاحب سے تین لاکھ روپے اس کی تزئین و آرائش پر خرچ کر دیئے۔ میاں شریف صاحب کو حضرت صاحب تلقین فرمایا کرتے۔ ''آپ دنیا خرچ کریں، ہم دین خرچ کریں گے۔'' میاں شریف کو اپنا باپ کہنے والا اب انہیں فرعون کہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اگر میں نے میاں صاحب سے فائدے اٹھائے تو کونسی قیامت آ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تو فرعون کی گود میں پلے تھے۔ شاید حضرت صاحب کے علم میں ہو کہ فرعون کے ہاں بھی موسیٰ نے دودھ ماں کا پیا تھا۔ بہر کیف حضورؐ کا فرمان ہے دو مسلمانوں میں سے اگر ایک شخص دوسرے کو کافر کہہ دے اور وہ کافر نہ ہو تو کہنے والا کافر ہو گیا۔ اپنے دفاع میں حضرت صاحب پیغمبر سے کم تو بات ہی نہیں کرتے، ایک جگہ ایک وکیل نے اعتراض کیا کہ آٹھ دس گن مین لے کر چلنے کی کیا ضرورت ہے؟ جواب عطا ہوا، کہ پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ ﷺ کی حفاظت بھی ان کے سرفروش اسی طرح کیا کرتے تھے کہاں عشاق کہاں تنخواہ دار ملازم۔

دو انتخابات کا انہوں نے شروع میں اعلان کیا تھا کہ دو میں کامیابی نہ ہوئی تو پھر خونی انقلاب لائیں گے۔ پہلے الیکشن میں زور شور سے حصہ لیا گیا لیکن ہم نے خود جا کر دیکھا الیکشن بوتھوں پر خاک اڑ

رہی تھی۔ جہاں کچھ ووٹ پڑے بھی وہاں امیدوار کے خاندان کے لوگوں سے کم ووٹ تھے۔ دوسرے دن صوبائی انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ پہلے دن کے خوفناک انجام کی روشنی میں رات گئے ایک مکروہ کھیل کھیلا گیا۔ عبدالرشید فاروقی کے گھر خواجہ طارق رحیم اور سلمان تاثیر سے میٹنگ ہوئی۔ حضرت صاحب پیش بندی کے طور پر یہ اشارۃً ہمیں بتا چکے تھے کہ اعتزاز احسن میرے پاس آئے تھے، کہہ رہے تھے، "ہمارا خیال رکھئے" کس نے کس کا خیال رکھا یہ تو حالات نے اگل دیا۔ ان کا مصطفوی انقلاب، خدا رسولؐ کی باتیں اور ان کی مولویت بھی کچھ تو بکاؤ تھا۔ مصطفوی انقلاب انقلاب کی سیڑھی اقتدار اعلیٰ تک پہنچنے کے لیے تھی۔ خونی کیا دھونی انقلاب بھی ان کے بس کا نہ تھا۔ دولت اور اقتدار کو اپنے خطاب کے دوران اچھل اچھل کر ہوا میں ٹھوکریں مارنے والا اندر سے کتنا حریص، کتنا خود گرفتہ دولت، عزت اور شہرت کا بھوکا تھا۔ اونچی کرسی پر پہنچنے کے لیے کیسے کیسے جتن کر رہا تھا۔ کون نہیں جانتا کہ اصغر خاں صاحب خالص سیکولر ذہن کے آدمی ہیں۔ آغاز میں حضرت صاحب نے ہم سے اور احمد علی قصوری صاحب سے اصغر صاحب کے ساتھ الحاق کا ذکر کیا تھا جس کی ہم نے شدت سے مخالفت کی تھی اور اس وقت تو وہ خاموش ہو گئے، بعد میں چپ چاپ کام دکھا دیا، یعنی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ تحریک استقلال اور تحریک جعفریہ سے الحاق کے لیے پریس کانفرنس بلائی گئی۔ جنرل سیکرٹری چودھری ریاست علی صاحب اور پنجاب کے صدر ایڈووکیٹ اقبال محمود اعوان صاحب کو بہت پہلے درمیانی کرسی پر قبضہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ (یہ دونوں حضرات بھی انہیں چھوڑ چکے ہیں) اصغر خاں صاحب کو یہ سازش اچھی نہ لگی اور انہوں نے کہا آپ لوگ تو کہتے ہیں ہم صدارت وزارت نہیں چاہتے اور پریس کانفرس کی کرسی تک دینے کو تیار نہیں۔

پہلے یوم تاسیس پر مینار پاکستان پر جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ سٹیج کے دائیں جانب تین بڑی بڑی تصویریں لگائی گئیں۔ ایک تصویر علامہ اقبال صاحب کی تھی، ایک قائداعظم کی اور تیسری حضرت کی۔ اقبال کی تصویر کے نیچے لکھا تھا "خواب" قائد کی تصویر کے نیچے "تعبیر" اور علامہ کی تصویر کے نیچے لکھا تھا، "تکمیل"۔ ذرا خوش فہمی ملاحظہ ہو خواب اور تعبیر سے، تکمیل بہت بڑا لفظ ہے۔ بہت بڑا بننے کا کتنا شوق ہے، حضرت صاحب کو۔ اللہ کرے زور زقند اور زیادہ، ان کی شخصیت کی کتنی ہی پرتیں ہیں۔ "پاکستان عوامی تحریک" کا نام تجویز کرنے کے لیے روضہ رسولؐ پر جایا گیا۔ یہ سارا ڈرامہ ساتھیوں کو مرعوب کرنے کے لیے رچایا گیا ورنہ نام پہلے رکھ لیا گیا تھا اور اس التزام کے ساتھ رکھ لیا گیا تھا کہ کوئی سابقہ لاحقہ مذہبی قسم کا نہ ہو۔ موچی دروازے کے جلسے کے لیے تاکید کی گئی تھی کہ اگلی صف میں میرے سوا کوئی داڑھی والا نہ بیٹھنے پائے۔ وہ ایک اجلاس میں کہہ چکے تھے کہ عوامی تحریک کو داڑھی والے نہیں چاہئیں۔ ایسے

لوگوں کے لیے منہاج القرآن موجود ہے۔ اس تمام واقعے سے ہم آگاہ نہ تھے۔ اس کے راوی منہاج القرآن کے سابق شیخ الجامعہ مفتی محمد خان قادری اور ناظم اعلیٰ خلیل الرحمٰن قادری جیسے ثقہ لوگ ہیں۔ یوم پاکستان کے جلسے کے سٹیج پر پندرہ پندرہ کرسیوں کی کئی لائنیں تھیں۔ دو لائنوں میں جب اپنے نام کی چٹ نہ دیکھی تو ہم واپس آنے لگے۔ طاہر صاحب نے دیکھ لیا اور میجر علوی نے اصرار کر کے پہلی صف کی آٹھویں نویں کرسی پر ہمیں بٹھا دیا۔ یہ سلوک اس کے ساتھ کیا جا رہا تھا جس نے ان کے ارشاد پر روزگار ختم کیا، رات دن کے چین اور سکون کو خیر باد کہا، شدید گرمیوں میں دور دراز کے سفر کیے، گلا پھاڑ پھاڑ کر نظمیں پڑھیں گویا ان کے مشن کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اب ان کی گاڑی چل نکلی تھی، اب وہ وارثی صاحب وارثی صاحب کیوں کرتے، ہم پرانے سال کا کیلنڈر تھے، وہ نئے خلیلوں کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ بے روزگار کرا کے وہ ہماری بے بسی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ جس بلوچ کے گاڑیوں کے فراڈ کاروبار میں انہوں نے ہمارے سوا دو لاکھ روپے لگوائے تھے، وہ چند ماہ منافع دے کر بھول ہی گیا، کئی بات ہم نے موصوف کی اس طرف توجہ دلائی۔ موصوف کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ تو درجنوں چیلے چانٹے لے جا کر اس کے ہاں اسلام آباد میں کئی کئی دن ٹھہرتے۔ اس کی گاڑیاں استعمال کرتے، الیکشن میں اس سے بے دریغ پیسہ بھی خرچ کرایا۔ اس سے کہتے تو کس منہ سے کہتے، پیارا انہیں وہ ہوتا کہ ہم۔ ہمیں ایک ایک لحہ ڈس رہا تھا اور حضرت صاحب چالیس روزہ خود ساختہ اعتکاف میں جا بیٹھے۔ ہم خلیل قادری صاحب سے جا جا کر کہتے "طاہر صاحب سے کہئے ہمارا مسئلہ حل کرائیں، ہم تو بے پناہ مقروض ہو گئے ہیں کیا۔ انہیں احساس ہے ہمارا کچن کس طرح چل رہا ہے۔" طاہر صاحب سے بات کرنے کے صرف وہی مجاز تھے، وہ بھی تحریری، اب حضرت صاحب فرماتے ہیں اعتکاف میں منہ چھپانا اور کسی سے بات نہ کرنا مکروہ ہے۔ معلوم نہیں وہ پہلے غلط تھا یا اب غلط ہیں۔ حضرت صاحب اعتکاف سے باہر آئے تو ہمارے شدید احتجاج پر میٹنگ بلائی گئی۔ حضرت صاحب نے ایک لمبی چوڑی تقریر جھاڑی جس میں اپنے آپ کو بڑا درویش، صابر اور بیوی کا مقروض قرار دیا۔ ہم نے عرض کی طاہر صاحب یہ بتائیے آپ کی یہ تقریر دلپذیر کیا ہمارے چولہے میں آگ جلا سکتی ہے؟ ہمارے تیور دیکھ کر طاہر صاحب خلیل صاحب کو باہر لے گئے اور واپس آ کر ہمیں ادائیگی کر دی گئی۔ یہ ادائیگی مقبول بلوچ کی کچھ گاڑیوں کے عوض کی گئی تھی جو ادارے نے اپنے قبضے میں لے لی تھیں۔ یہ بھی ہم نے سنا تھا دیکھا نہیں تھا۔ ہمارے ساتھ احمد علی قصوری صاحب کے پیسے بھی دے دیئے گئے۔ وہ اس معاملے میں ہمارے مقتدی تھے، ہم نے سارے قرضے اتارے اور پھر ہاتھ کے خالی دل کے قلندر کہلانے لگے۔ اس واردات کا افسوس ناک ترین پہلو یہ ہے کہ خلیل قادری صاحب نے ہمیں بتایا کہ طاہر صاحب نے

باہر لے جا کر انہیں ہدایت کی تھی کہ اس شخص کو ادائیگی فوری کر دی جائے ورنہ یہ مشن کو بدنام کر دے گا۔ ہم اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر جن کے ساتھ ہوئے ہیں ہمارے بارے میں یہ ان کی قیمتی رائے تھی۔ کیا خوب صلہ دیا تھا انہوں نے ہماری بے لوث قربانیوں کا۔ ہم ان کے ایک دھیلے کے بھی احسان مند نہیں جب کہ وہ ہمارے سامنے جھوٹے بھی ثابت ہو چکے تھے اور بے حس بھی۔

ہم نے ادارے جانا چھوڑ دیا تھا۔ تیرہ ماہ میں وہ ہمارے سامنے تیرہ انچ کے بھی نہیں رہ گئے تھے۔ اتمام حجت کے طور پر پروگرام اور دعوت نامے ڈاک سے آتے رہتے۔ جناح ہال کے جلسے کے لیے صبح دم طاہر صاحب نے فون کیا ''آپ خود تشریف لے جائیں گے یا میں لینے حاضر ہو جاؤں'' ہم نے کہا طاہر صاحب بہت عرصے سے منافقت جیسے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اب ہم سے یہ بوجھ نہیں اٹھایا جاتا۔ کیا ہی اچھا ہو آمنے سامنے بیٹھ کر کچھ باتیں ہو جائیں۔ بولے پرسوں فلاں وقت گھر آ جایئے۔ ہم اس دن اور اس وقت ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ذاتی طور پر جو شکایات تھیں وہ لکھ کر لے گئے کہ انہیں زبانی کہنے کا ہم میں یارانہ تھا۔ سیاسی شکایات کے سلسلے میں ہم نے اسی رقعے میں تحریر کر دیا تھا کہ باتیں دوبدو ہوں گی۔ وہ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر وہ بیٹھ گئے، سامنے والے پر ہم بیٹھ گئے۔ ہم نے وہ رقعہ انہیں دیا، ہم نے لکھا تھا قادری صاحب باتیں چھوٹی چھوٹی بھی ہیں بڑی بڑی بھی، اینٹ پر اینٹ جمتی رہے تو اونچی سے اونچی عمارت بن جاتی ہے۔ ایک ایسی ہی کئی منزلہ عمارت پر ہم آپ کو لیے چلتے ہیں جہاں لے جا کر آپ نے ہم کو دھکا دیا، لہولہان ہو گئے لیکن زندہ ہیں۔ جو سنہرے وعدے کر کے زبردستی نوکری چھڑائی ایک بھی ان میں سے پورا نہیں کیا گیا۔ ہمارے اندر اندھیرے پھیل رہے تھے اور آپ اپنی تابانیوں میں مست رہے، چھوٹی چھوٹی دیواریں تو شروع سے ہی ہمارے اندر کھنچنا شروع ہو گئی تھیں لیکن انہیں ہم پھلانگ سکتے تھے۔ آخر ایک ایسی بند گلی میں لے جایا گیا جہاں صرف چیخیں ہی ماری جا سکتی تھیں۔ ہمیں مصیبتوں کے چوراہے پر بٹھا کر خود اعتکاف میں جا بیٹھے۔ پیسے خدا خدا کر کے واپس کیے جیسے بھی تو آپ کا وعدہ اور قرض تھا اور وہ بھی کس کربناک ریمارکس کے ساتھ، کاش کسی ایک زخم پر بھی ہاتھ رکھا ہوتا تو ہم سمجھتے کہ کسی کو خون خون دیکھ کر آپ کی آنکھیں بھی بھیگ سکتی ہیں۔ قادری صاحب ہم نے کیا بگاڑا تھا آپ کا جس کی اتنی بڑی سزا ہمیں دی گئی۔ محترم ہم کسی عزت، شہرت کے بھوکے نہیں تھے، اللہ نے ہمیں ان نعمتوں سے بے پایاں نوازا ہے اتنا کہ آپ کے ہاں کسی کو بھی نصیب نہیں۔ اپنی تمام حیثیتوں کو بالائے طاق رکھ کر ایک سپاہی کی طرح ہم آپ کے پیچھے چلے، صرف اور صرف مصطفوی انقلاب کی خاطر جس کا ہمیں اب دور دور تک نشان نظر نہیں آتا۔ ہماری ساری کہانی آپ کے گرد گھومتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آپ کی پرکار کیا کہتی

ہے۔ سیاسی باتیں بھی ہوں گی لیکن آپ کا موجودہ چہرہ دیکھ کر۔ مظفر وارثی 93-5-29۔ طاہر صاحب یہ تحریر پڑھ رہے تھے اور ہم ان کا چہرہ۔ مجال ہے جو ذرا سا تغیر بھی آیا ہو جیسے ہم نے سادا کاغذ انہیں پکڑایا تھا۔ صوفے سے اٹھے اور ہماری طرف آئے ہم بھی احتراماً کھڑے ہو گئے۔ گویا ہوئے، وارثی صاحب ہر شخص کا ایک نہ ایک ساتھی ایسا ضرور ہوتا ہے جس سے وہ اپنے دل کی بات کہہ سکتا ہے۔ آج سے آپ مجھے وہ نہیں بنا سکتے۔ قربان جایئے! اس حسن تغافل کے، بہر کیف ہم نے کہا طاہر صاحب آج تک آپ کو ہم نے کیا بنایا ہوا تھا۔ پندرہ روزہ تحریک نکلا کرتا تھا فرمانے لگے اس کی چیف ایڈیٹری قبول کر لیجیے، ہم اندر ہی اندر خوب ہنسے۔ پھر ایک نیا شکاری اور نیا جال ہمارے سامنے تھا (مدت ہوئی وہ پرچہ بھی بند ہو چکا ہے) ایک ایسے رسالے کی چیف ایڈیٹری پیش کی جا رہی تھی جو رسالہ نہیں ''طاہر نامہ'' تھا طاہر صاحب کہہ کر مخاطب کرنے والے کے قلم سے وہ اعلیٰ حضرت پروفیسر، قائد انقلاب اور جانے کیا کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ ہم نوکر بن جائیں وہ آقا، یہ خواہش ان کی ایسی تھی کہ جس خواہش پر دم نکلے۔ مولانا کوثر نیازی کی سفارش پر ملنے والی نواب زادہ کے اتحاد کی نائب صدارت کے بارے میں ایک ہی سوال پر وہ ''نہیں نہیں یوں نہیں یوں تھا'' کرنے لگے ہم نے فیصلہ کیا سیاست پر مزید بات کرنا تضیع وقت ہوگا، جن لوگوں کو منہ بھر بھر برا بھلا کہا کرتے تھے، ان چیلیوں اور محترمہ کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر ان کی ہوس انہیں دھتکار چکی تھی۔ ایسے راندۂ غیرت سے مزید بات کرنا اپنی عزت کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ مایوس ہو کر ہم اٹھ کھڑے ہوئے تو ایک منٹ کا کہہ کر اندر تشریف لے گئے اور ہزار ہزار کے چند نوٹ لا کر ہمارے ہاتھ پر رکھنے لگے، ہم نے ہاتھ کھینچ لیا۔ سمجھے شاید ہم تکلف کر رہے ہیں، انہیں یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ ہماری کتنی بڑی اہانت کر رہے تھے۔ دوبارہ وہی حرکت دہرائی تو ہم نے سختی سے انہیں روک دیا اور سلام کر کے باہر نکل گئے۔

کہاں ہم ہر قدم پر ساتھ رہتے تھے کہاں بالکل غائب ہو گئے۔ تحریک کے لوگوں نے ان سے پوچھا تو فرمایا پیسے مانگتا تھا، نکال دیا، یہ نہیں بتایا کہ ان کی خیرات ان کے منہ پر مار کر ہم چلے آئے۔ اقبال محمود اعوان صاحب کے بعد ہم شاید چوتھے پانچویں آدمی تھے جس نے ان سے جان چھڑائی تھی۔ ہمارے بعد تو گویا قطار لگ گئی چودھری ریاست علی، احمد علی قصوری، مفتی محمد خان قادری، خلیل الرحمٰن قادری، رانا جاوید القادری، مجددی صاحب، سرحد کے صدر خالد رضا زکوڑی شریف، منصور آفریدی غرض بے شمار لوگ انہیں چھوڑ گئے۔ مجددی اور قادری صاحبان باقاعدہ اخبار میں اعلان کر کے علیحدہ ہوئے تھے، ان کے متعلق بھی حضرت صاحب سے پوچھا گیا، فرمایا نکال دیا اور قادریوں پر تو غبن کے الزامات بھی لگائے گئے۔ پچھلے دنوں پیر فضل حق صاحب نے ٹی وی پر طاہر القادری سے علیحدگی کا اعلان

کیا کہ وہ شریعت بل کے خلاف ہے۔ شریعت آ گئی تو اس کی روٹی پانی بند ہو جائے گا۔ اگلے دن اخبار میں طاہر صاحب کا بیان آیا ہم نے انہیں نکال دیا۔ پیر سید زوار حسین بخاری صاحب نے بھی یہ کہہ کر منہاج القرآن کو خیر باد کہا کہ منہاج القرآن میں دہشت گرد موجود ہیں اور طاہر القادری منفی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔

موصوف اپنی کرامات بڑے فخر سے بتایا کرتے، میں چلتا تو بھیڑیں چل پڑتیں، میں رکتا تو رک جاتیں، اہلیہ کو غصے میں اندھی کہہ دیا وہ واقعی اندھی ہو گئیں اور پھر ان کی دعا سے آرام آیا۔ اسی طرح دھاڑیں مار مار کر وہ خواب بیان کیا کرتے تھے اور حضورؐ کے بارے میں گستاخانہ الفاظ کہہ جاتے۔ ہم نہیں کہتے کہ انہوں نے حضورؐ والے خواب نہیں دیکھے، ضرور دیکھے ہوں گے لیکن تعبیریں وہ اپنی مرضی کی لیتے ہیں۔ ہر مطلب کے آدمی کو نوید سناتے کہ خواب میں حضورؐ نے ان کی خدمات کو بڑا سراہا ہے۔ خدارا طاہر صاحب خدا کے خوف سے ڈرو، اس کی دہائی دے کر اس کے بندوں کو مت گمراہ کرو۔ رسول اللہ کے خواب مت بیچو، دولت اور اقتدار کی ہوس میں اپنی اصلیت پر پردے مت ڈالو، ہم تمہارے بھلے کی کہتے ہیں خدا تمہیں آخرت کے عذاب سے بچائے۔

طاہر القادری صاحب کو امام خمینی بننے کا شوق تھا لیکن انداز سارے رضا شاہ پہلوی والے تھے۔ ایک صاحب نے مجلس شوریٰ میں پوچھا آپ مخالفین کے ساتھ کیوں جا بیٹھے؟ تڑپ کر بولے خبروں میں "IN" بھی تو رہنا ہے۔ یہ بات سو فیصد درست ہو گی کیونکہ ان کی ہوسِ شہرت کے ہم عینی گواہ ہیں۔ ایک رات ان کے دولت کدے پر فائرنگ ہوئی ہم صبح صبح دوڑے گئے۔ پولیس افسران اور شہباز صاحب نے جائے واردات کا معائنہ کیا، دو کالے بکروں کا صدقہ دیا گیا۔ اس واقعے کا مرکزی کردار ان کا اپنا سالا قدرت اللہ تھا جس نے برآمدے میں کھڑے ہو کر خوب گولیاں چلائی تھیں، پڑوس کے باتھ روم کی چھت پر جو خون تھا وہ تحقیق کرنے پر کسی جانور کا نکلا تھا۔ حضرت صاحب پنجاب کی حکومت کو بدنام کرنے کی غرض سے عدالت چلے گئے۔ عدالت نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا۔ بقول مفتی محمد خان قادری صاحب عدالت کا فیصلہ الہامی فیصلہ تھا۔ عدالت نے موصوف کے تمام محاسن گنائے تھے۔ جھنگ کی اک ادنیٰ فیملی کا سپوت، محسن کش، جھوٹا، شہرت کا بھوکا، دولت کا پجاری اور جانے کیا کیا، پیر فضل حق صاحب نے درست کہا کہ اگر وہ مصطفوی انقلاب کا ڈھونگ رچانا چھوڑ دیں تو ان کے پلّے رہتا ہی کچھ نہیں۔

قدرت اللہ کہا کرتا تھا، میری زبان نہ کھلواؤ ورنہ قیامت آ جائے گی۔ اس کی شادی کراچی کے ایک متمول شخص کی بیٹی سے کرا کے اسے آسٹریلیا بھیج دیا گیا، دوسرے انتخابات میں حصہ نہ لینے کا

ڈول تنظیم نو کے نام پر حضرت صاحب پہلے ہی ڈال چکے تھے تاکہ خونی انقلاب کا کوئی تقاضہ نہ کر سکے۔ سیاست کا لوہا گرم دیکھا تو پھر ہتھوڑا لے کر نکل آئے۔ بے نظیر کے ساتھ اتحاد بنا کر تمام شکوک کا خاتمہ کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کو کوثر نیازی چاہئیں تھے، بھٹو کی بیٹی کو طاہر القادری مل گئے لیکن قادری صاحب کوثر نیازی صاحب سے زیادہ ذہین نکلے۔ وہ بھٹو پر قناعت کر گئے تھے۔ حضرت صاحب بے نظیر کو راستہ بنا کر سیاست کی شملہ پہاڑی پر چڑھ گئے۔ وزارت عظمیٰ سے کم کوئی عہدہ ان کی شان کے شایاں نہیں۔ یہ وہی صاحب ہیں جو فٹ فٹ اچھل کر دولت اور اقتدار کو ٹھوکریں مارا کرتے تھے۔ ہم بہت پہلے تاڑ چکے تھے کہ وہ دیکھتے کسی طرف ہیں، قدم کسی اور طرف رکھتے ہیں۔ ہم نے سات آٹھ سال پہلے ان سے کنارہ کشی اختیار کی تھی اور جن حقائق اور خدشات کی بنیاد پر کی تھی، سو فیصد انہوں نے اپنے آپ کو ان کا اہل ثابت کیا۔

(گئے دنوں کا سراغ از مظفر وارثی سے لیا گیا ایک باب)

❁❁❁❁❁

طاہر القادری کے تضادات

عرفان احمد

پاکستان کے عوام روزِ اوّل سے ہی مسائل کا شکار چلے آ رہے ہیں۔ اخلاقی زوال، معاشرتی توڑ پھوڑ، معاشی بدحالی اور سیاسی اضطراب، غرض ملک کی کشتی ایک گہرے بھنور میں پھنسی نظر آتی ہے۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں لیکن ان میں سے سب سے اہم سبب یہاں کے عوام کا کمزور حافظہ ہے۔

کچھ عرصہ سے بڑی بے تابی کے ساتھ چند حضرات مطلع سیاست پر نمودار ہونے کی بے تابانہ جستجو کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔ ان میں طاہر القادری صاحب بہت نمایاں ہیں۔ اپنے تئیں طاہر القادری صاحب خود کو حلقہ تصوف کے نمائندہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ تصوف، قلب کے تزکیہ اور اعمال کی پاکیزگی کا نام ہے۔ اربابِ تصوف کے نزدیک جو مادی خواہشات انسان کے دل سے بتدریج ختم ہوتی ہیں، ان میں سب سے آخر میں شہرت اور لوگوں میں پرستش کی خواہش ہے۔ حلقہ تصوف کے اس نمائندہ انقلاب کی اقتدار اور پرستش کی خواہش "نکارش" کی حدوں کو چھو رہی ہے، حتیٰ کہ خورشید گیلانی صاحب نے بالآخر یہ لکھ دیا کہ طاہر القادری صاحب جلدی کیا ہے؟ کیا اسلام کلچرل ونگ کے ذریعے آئے گا؟ شاید طاہر القادری تاریخ میں اپنا نام ابوالفضل اور فیضی کے ساتھ لکھوانا چاہتے ہیں۔ نظام الدین اولیاء اور شاہ ولی اللہ کی صف میں کھڑا ہونے کی جستجو ان کے دل سے غالباً رخصت ہو چکی ہے اور وہ جی ایچ کیو سے شرفِ باریابی کے منتظر اور اسی صف میں جگہ پانے کے متمنی ہیں۔

اتفاق مسجد سے "شریفوں" کی سرپرستی میں مصطفوی انقلاب کا سفر شروع ہوا، لیکن 90ء میں

عوامی تحریک کی جدوجہد جو بری طرح ناکام ہوئی، موچی دروازے کا کنونشن اور پھر سیاست سے تائب ہو گئے۔ دوبارہ مذہبی روپ دھار لیا اور علمی انقلاب کی جدوجہد میں شروع ہو گئے۔ تعلیمی ادارے قائم ہو گئے۔ مقامِ افسوس ہے کہ ان سکولوں میں اقبالؒ کے ساتھ طاہر القادری کے افکار پڑھائے جاتے اور نعرے لگوائے جاتے ہیں، پھر یہ سفر پیپلز پارٹی کے اشتراک جی ڈی اے کے ساتھ شروع ہوا۔ ادھر ادھر سے چند سو کارکن جمع کر کے جھنڈے اور وزیر اعظم قادری کے نعروں کی گونج میں انہوں نے جلسوں سے خطاب کیا اور فرمایا کہ جس طرح مثبت اور منفی چارج مل کر بجلی پیدا کرتے ہیں، اسی طرح پی پی اور عوامی تحریک مثبت انقلابی تبدیلی لائیں گے، اب انہی کے احتساب کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

ابؔ اگر ذرا ان کے ذاتی افکار کا مطالعہ کر لیا جائے تو تضادات اور سطحی سوچ کھل کر سامنے آتی ہے۔ فرمایا کہ "پہلی بات جو میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ عوامی تحریک (ہم) مذہبی جماعت نہیں ہیں بلکہ ایک معروف بڑی سیاسی پارٹی ہے۔" پھر ایک سوال کے جواب میں کہا "مذہبی جماعتیں اپنا اعتماد کھو چکی ہیں، ان کی ووٹن محدود ہے، سماجی اور سیاسی میدان میں ان کی ووٹن زیادہ نہیں ہے۔ جمہوری علم بھی زیادہ نہیں ہے۔

ذرا ان الفاظ پر غور کریں، پھر ان کے ناقص علم، مطالعہ اور معلومات کو داد دیں کہ مذہبی جماعتوں کی عوام میں جڑیں نہیں ہیں، تو کیا جناب جڑوں کے بغیر صوبہ سرحد میں جے یو آئی کی حکومت بنی تھی اور ہمیشہ ان کی پارلیمنٹ میں نمائندگی رہی ہے، بلوچستان، سرحد، کی اسمبلیوں میں بھاری تعداد مذہبی جماعتوں کے ممبروں کی رہی۔

جماعت اسلامی کے پاس کراچی جیسے معقول اور بڑے سلجھے شہر میں، میئر شپ رہی، لاہور میں جماعت اسلامی کے ممبران بھاری ووٹوں سے ایم این اے، ایم پی اے منتخب ہوتے رہے۔ صوبہ سرحد میں بڑی تعداد میں ووٹ لیے، نشستیں حاصل کیں، کیا یہ عوامی جڑوں کے بغیر ہیں؟ لاکھوں افراد کے اجتماع کیے، بہت زبردست سیاسی، احتجاجی جدوجہد کی، دھرنے، ریلیاں، مارچ، ٹریڈ یونینز اور طلبہ یونین میں سابقہ حکمرانوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ ایک غالب نظریاتی گروہ (کمیونسٹ) کو شکست فاش دی اور ہزاروں جوان، کشمیر اور افغانستان تحریک جہاد کے لیے تیار کیے۔ جمعیت علمائے پاکستان کے مولانا نورانی اور شاہ فرید الحق بھی عوامی نمائندے رہے اور کراچی کے عوام میں ان کی جڑیں تھیں۔ یہ ایک الگ معاملہ ہے کہ ان جماعتوں کی مقبولیت کا گراف کم ہوا ہے۔ ان کے اسباب و عوامل کچھ اور ہیں۔ (یہ ایک علیحدہ موضوع ہے) پھر جناب اگر آپ کی جماعت، مذہبی جماعت نہیں تو اعتکاف اور محفل میلاد کیوں منعقد کرتے ہیں؟ کیا آپ مولانا مفتی محمود اور شاہ احمد نورانی جیسا پارلیمنٹرین بن کر دکھا سکتے

ہیں، جنہوں نے مرحوم بھٹو کے ناک میں دم کر دیا؟ جہاں تک جمہوریت کا تعلق ہے، تو یہ مغرب کے مرعوب ذہنوں کی علامت ہے۔

آپ کی ذاتی آمریت کا حال یہ ہے کہ آپ کی پارٹی میں کوئی آپ کے علاوہ کسی کو جانتا ہی نہیں، حالانکہ جن جماعتوں کے جمہوری تصور پر آپ تنقید کر رہے ہیں، ان میں تو فضل الرحمٰن کے بعد حافظ حسین احمد، عبدالغفور حیدری کو لوگ جانتے ہیں۔ مولانا نورانی کے بعد صدیق راٹھور، شاہ فرید الحق کو جانتے ہیں، جماعت اسلامی کے بانی اپنی زندگی میں امارت سے مستعفی ہو گئے، میاں طفیل امیر بن گئے۔ وہ بھی خود چھوڑ گئے اور قاضی حسین احمد امیر بن گئے۔ لوگ اب بھی ان کے بعد لیاقت بلوچ، منور حسین اور پروفیسر غفور احمد کو جانتے ہیں۔ کیا آپ اس کو کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں؟ تو پھر یہ جمہوریت کے دعوے کیسے؟

پھر کلچرل ونگ، اعتکاف، میلاد، پی پی سے اتحاد، شریف خاندان کے احسانات، آخر ان تضادات کا جواز کیا ہے؟ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا پاکستانی معاشرے کے سماجی ماحول کے بارے نقطہ نظر بڑا محدود اور ناقص ہے۔ حالانکہ آپ 90ء کے الیکشن کے پٹے ہوئے مہرے ہیں۔

جمہوریت کی موجودہ گیم میں طاہر القادری صاحب اس وقت عمران، لغاری اور میاں اظہر سے بھی تیز قسم کی پتلی بن کر دکھا رہے ہیں، جو اشارہ ہونے سے پہلے ہی تماشائیوں کے سامنے آ رہی ہے۔ جبکہ 85ء کی پتلیوں میں بہترین پتلی نواز شریف تھے۔ اب دیکھئے مذکورہ بالا شخصیات میں کون طاہر القادری سے آگے نکلتا ہے۔

(روزنامہ "خبریں" 16 جولائی 2000ء)

پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری سے اداکارہ انجمن کی درخواست

تنویر قیصر شاہد

مدینۃ الاولیاء یعنی ملتان سے تعلق رکھنے والی اداکارہ انجمن ہمارے ملک کی مشہور فنکارہ ہیں۔ گذشتہ ڈیڑھ دہائی سے وہ پاکستان فلم انڈسٹری پر راج کرتی آ رہی ہیں۔ دراز قد انجمن نے "گھریلو اکیڈمی" سے فن کے اسرار و رموز سیکھے اور درجنوں فلموں میں فنکاری کے جوہر دکھائے اور ایک سکہ سا بٹھا دیا۔ ان کی دولت، عزت اور شہرت میں اضافہ ہوا تو انکم ٹیکس والوں کے مطالبات بھی بڑھ گئے۔ یہ مطالبات پریشانیوں کی شکل اختیار کرنے لگے تو ذہین انجمن نے محکمہ انکم ٹیکس کے ایک افسر مبین ملک سے شادی رچا کر ان پریشانیوں سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لی۔ تب سے ان کی زندگی آرام سے گزر رہی ہے۔

اور اب اچانک اداکارہ اور فنکارہ انجمن نے ایک اعلان کر کے سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اس اعلان میں چونکہ "پاکستان عوامی تحریک" کے چیئرمین اور ادارہ "منہاج القرآن" کے بانی اور مالک ڈاکٹر پروفیسر محمد طاہر القادری کا اسم گرامی بطور خاص شامل کیا گیا ہے، اس لیے اس انجمنی اعلان نے سب کو چونکا دیا ہے۔ ایک اخبار میں شائع ہونے والی خبر کے مطابق: "اداکارہ انجمن نے کہا کہ سیاست میں پروفیسر طاہر القادری میرے آئیڈیل ہیں اور اب میں نے سیاست میں آنے کا باقاعدہ فیصلہ کر لیا ہے، لہٰذا اگر پروفیسر طاہر القادری مجھے اپنے کلچرل ونگ میں شمولیت کی دعوت دیں گے تو میں

اس پر سنجیدگی سے غور کروں گی۔ اداکارہ انجمن نے کہا کہ میں آئندہ عام انتخابات میں باقاعدہ حصہ لینے کے لیے تیاری کر رہی ہوں اور جلد ہی اپنے حلقہ انتخاب کا اعلان کروں گی۔"

افسوس یہ ہے کہ اپنی ذات اور کردار میں اداکارہ انجمن کا یہ انتہائی اہم اعلان، خواہش اور اظہار پسندیدگی جب اخبارات کی زینت بنا تو پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری یورپ کا برق رفتار دورہ کر رہے تھے۔ انجمن اور ان کے اعلان کو معمولی خیال نہیں کرنا چاہیے۔ وہ میڈونا سے کسی طور پر کم نہیں۔ آج اگر امریکی اداکارہ میڈونا بل کلنٹن یا جارج ڈبلیو بش کی پارٹی جوائن کرنے کی خواہش کا اظہار کرتیں تو امریکہ اور یورپ کا الیکٹرانک میڈیا اسے اپنی تازہ ترین خبروں میں اولین حیثیت دیتا اور پرنٹ میڈیا اسے صفحہ اول پر شائع کرتا۔ پاکستانی میڈونا یعنی انجمن کی خبر "ادارہ منہاج القرآن" اور "پاکستان عوامی تحریک" والوں کے لیے غیر معمولی خوشی کا باعث بنی چاہیے۔

قائد انقلاب ڈاکٹر پروفیسر قبلہ محمد طاہر القادری (جب بھی قادری صاحب کا نام لکھتا ہوں، دل میں ایک وہم سا رہتا ہے کہ کہیں ان کے القابات میں سے کوئی لقب رہ نہ جائے) مذہبی اور سیاسی دنیا میں اگر ہمارے ملک کی نامور اور محبوب شخصیت ہیں تو شوبز اور فنکاروں کی دنیا میں انجمن کے نام کا ڈنکا بجتا ہے۔ (اگرچہ اس ڈنکے کی چوٹ میں اب کمزوری کے آثار بھی ظاہر ہونے لگے ہیں۔)

سلور سکرین سے گہری دلچسپی رکھنے والے اگر انجمن سے پوری طرح شناسا ہیں تو پروفیسر محمد طاہر القادری کی ذات گرامی سے گہری عقیدت رکھنے والے ان کے نام کی مالا جپتے ہیں۔ لوگ اگر انجمن کی اداکاری اور ڈانس سے محظوظ ہوتے ہیں تو ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کے عقیدت مند ان کی دعاؤں کے پھول اور ان کے علم و فضل کے موتی چنتے ہیں۔ پروفیسر طاہر القادری دامت برکاتہ نے جب سے اپنے اداروں میں "کلچرل ونگ" کا اجراء کیا ہے، ان کی شہرت اور ہر دلعزیزی میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان میں بہت سے لوگ جہادیوں اور بنیاد پرستوں کی شدت پسندی سے خوف زدہ ہیں۔ سہمے ہوئے ہیں اور ان سے ایک فاصلے پر کھڑے ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایسے میں پروفیسر طاہر القادری کا "کلچرل ونگ" پاکستانیوں کے لیے ایک بڑی نعمت کے طور پر سامنے آیا ہے۔ یہ ایک کرن کی شکل میں نہیں، امید و شوق کی بہت ساری کرنوں کی شکل میں اہل وطن کے سامنے ظہور پذیر ہوا ہے تو "اہل شوق" جوق در جوق اس کی طرف لپک رہے ہیں۔ اداکارہ انجمن بھی اہل شوق کے اسی قافلے میں شامل ہو کر ثواب دارین حاصل کرنے کے لیے سامنے آئی ہیں۔

چیئرمین پاکستان عوامی تحریک و قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری و بانی ادارہ منہاج القرآن نے جب "کلچرل ونگ" کا ڈول ڈالا تو بعض لوگوں نے اس اقدام پر استہزا کیا، ٹھٹھہ اڑایا.....

لیکن جب ہماری فلموں اور ڈراموں کے بہت ہی خوبصورت اور سنجیدہ و فہمیدہ کلاکاروں نے اس ونگ میں شامل ہو کر طاہر القادری صاحب کو اپنا رہنما تسلیم کر لیا تو پھر لوگوں کو قائد انقلاب کی عہد آفریں شخصیت، ان کی باتیں اور اقدام سمجھ میں آنے لگے۔ مثلاً طاہر القادری کے کلچرل ونگ میں اداکار ندیم اور اداکار فردوس جمال ایسے لوگ شامل ہوئے تو قادری صاحب کی رواداری اور لبرل ازم لوگوں پر آشکار ہو گئی اور یہ بھی کہ پروفیسر صاحب جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ جو لوگ منہاج القرآن اور "پاکستان عوامی تحریک" کے خالق کے وضع کردہ "کلچرل ونگ" کو مذاق سمجھ رہے تھے، ان پر یہ حقیقت اس وقت کھلی جب ڈاکٹر انور سجاد ایسا منجھا ہوا اداکار، صداکار، دانشور اور اعلیٰ پائے کا ناول نگار کلچرل ونگ میں شامل ہوا اور اب انجمن ایسی مستند اداکارہ نے بھی اس "کلچرل ونگ" میں شامل ہونے کی خواہش کا اظہار کیا ہے تو قادری صاحب کے نقادوں کو "پاکستان عوامی تحریک" کے کھلے پن اور اس کی روز افزوں اثر پذیری کا گرویدہ ہو جانا چاہیے۔

علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری تصوف سے گہرا شغف رکھتے ہیں۔ صوفیائے کرام اور مشائخ عظام سے وہ گہری عقیدت اور محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے مرشد جناب علاؤ الدین القادری الگیلانی جناب پروفیسر طاہر کو اپنے دل کے قریب رکھتے اور ان پر اپنی شفقتیں نچھاور کرتے۔ ان کے صاحبزادگان ایک بار "اغواء" ہوئے تو ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے کفن بردار جلوس نکال ڈالا۔ قادری صاحب کی پیروی میں اداکارہ انجمن بھی پیروں فقیروں کو دل کے قریب رکھتی ہیں۔ ان کے چرن چھونا دنیا و دین کو بہتر بنانے کا ذریعہ خیال کرتی ہیں۔ ان کے دل پر بھی صوفیائے عظام کی عظمت کا نقش گہرا ہے کہ وہ عظیم صوفیاء کے عظیم شہر ملتان کی باسی رہی ہیں، لیکن مدت دراز سے لاہور میں رہنے کے باوجود ہنوز ان کے اعتقادات باسی نہیں ہونے پائے۔ علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور اداکارہ انجمن دونوں ہی بزرگان دین پر دل و نظر نثار کرتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر اداکارہ انجمن، طاہر القادری صاحب کے "کلچرل ونگ" میں شامل ہو جاتی ہیں، تو صوفیائے کرام کے دونوں چاہنے والے سیاست اور ثقافت کے میدانوں میں قابل فخر مثالیں قائم کریں گے۔ گذشتہ کچھ عرصہ سے انجمن صاحبہ دلی طور پر کوشش کر رہی ہیں کہ انہیں بزرگوں کی چھاؤں میں پناہ مل جائے۔ پناہ پانے کی یہ سن گن حضرت مولانا محمد اکرم اعوان کو ملی تو وہ بھی اس عظیم اداکارہ کو راہ ہدایت پر لانے کے لیے ان کے دولت کدے پر خود تشریف لے گئے۔ سچے مصلح کی ہمیشہ ہی یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ لوگوں کی اصلاح کے لیے خود چل کر ان کے پاس جائے نہ کہ ہدایت کے متلاشی چل کر مصلح کے پاس آئیں۔ سو حضرت مولانا محمد اکرم اعوان نے انجمن کے گھر پہنچ کر ایک سچے مصلح کا کردار ادا کیا اور اب انجمن صاحبہ جناب ڈاکٹر طاہر القادری کے

وست شفقت کی منتظر ہیں۔ اب دیکھئے یہ انتظار ہم جیسے طاہر القادری صاحب کے دیوانوں اور چاہنے والوں کے سامنے کیا منظر لاتا ہے۔

ڈاکٹر پروفیسر محمد طاہر القادری کے ''کلچرل ونگ'' میں ابھی تک چونکہ کسی خاتون فنکارہ کو شامل نہیں کیا گیا، اس لیے ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں ڈاکٹر طاہر القادری، انجمن صاحبہ کی کلچرل ونگ میں شامل ہونے کی درخواست مسترد نہ کر دیں۔ اس خدشے کے ساتھ ایک اور خدشہ بھی جنم لے رہا ہے۔ کچھ عرصہ قبل ایک اور اداکارہ جو انجمن ہی کے جثے اور ڈیل ڈول کی مالک ہیں۔ یعنی مسرت شاہین نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن کی جماعت میں شامل ہونے کی بجائے اپنی سیاسی جماعت ''مساوات پارٹی'' بنالی اور ڈنکے کی چوٹ مولانا کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں۔ انتخابات میں مسرت شاہین نے مولانا کو جیتنے نہ دیا۔ اب اگر ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری نے انجمن کو اپنے ''کلچرل ونگ'' میں شامل کرنے سے انکار کر دیا تو ممکن ہے انجمن بھی اپنی سیاسی جماعت بنا کر کل کو طاہر القادری صاحب کے سامنے آ کھڑی ہوں۔ اس سے قادری صاحب کے لیے جو پریشانیاں پیدا ہوں گی، وہ کسی تبصرے کی محتاج نہیں۔

ہمیشہ سے دُور کی سوچنے اور لمبی منصوبہ بندی کرنے والے ڈاکٹر پروفیسر محمد طاہر القادری کو اس رخ پر بھی ضرور سوچنا چاہئے۔ انہیں انجمن ایسی وزنی اداکارہ کو اپنے کلچرل ونگ میں شامل کر کے اس کے سیاسی وزن میں اضافہ کرنا چاہئے۔

(روزنامہ ''پاکستان'' 14 جولائی 2000ء)



علامہ طاہر القادری پریس فوٹو گرافروں کی فوٹو کھینچتے ہوئے

علامہ طاہر القادری کے شگفتہ بیانات

محمد انور گرے وال

سیاستدانوں کی مہربانی ہے کہ وہ اپنے بیانات یا اقوال و افعال کے ذریعے اخبارات کو رونق بخشے ہوئے ہیں، اگر اخبارات میں سے سیاست نکال دی جائے تو باقی شاید کچھ بھی نہ بچے، گویا ''وجود سیاستداں سے ہے اخبارات میں رنگ'' بعض سیاستدانوں کے بیانات نہ صرف دلچسپ ہوتے ہیں، بلکہ بعض اوقات انہیں مزاحیہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ آج کل ڈاکٹر طاہر القادری میڈیا میں بڑے ''ان'' ہیں، ان کے بیانات سے یہ نتیجہ تو اخذ نہیں ہو سکتا کہ وہ آخر کار کہنا اور کرنا کیا چاہتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ ہم کسی کی مصروفیات دیکھ کر یقینی اندازہ لگا لیں کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ ڈاکٹر صاحب عوامی مزاج کو خوب سمجھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ عوام معاشی، سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے کس قدر مشکلات کا شکار ہیں۔ ہر انسان اپنی اندرونی کیفیت کی وجہ سے دوسروں سے الجھنے کے لیے تیار بیٹھا ہے۔ ماتھے پر بل ہیں، چہروں پر اداسی ہے اور موڈ خراب ہیں، وہ آئے دن کے اپنے شگفتہ بیانات کی وجہ سے عوام میں ''مقبول'' ہیں۔ پروفیسر صاحب نے اپنے ایک حالیہ بیان میں فرمایا کہ انہیں انقلاب کے لیے خمینی جتنی تکلیف نہیں اٹھانی پڑے گی، کیونکہ وہاں لٹیروں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اپنے کارکنوں کے لیے ان کا یہ بیان نہایت حوصلہ افزا ہے، کیونکہ جن لوگوں نے انہیں ''قائد انقلاب'' قرار دے رکھا ہے، وہ بھی انقلاب کے بارے میں بہت زیادہ پرامید نہیں، اس لیے انہیں مطمئن کرنے کے لیے کئی طرح کے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو یقین دلا رکھا ہے کہ انقلاب دروازے پر دستک دے رہا ہے، وہ اٹھیں گے اور کنڈی کھول دیں گے۔ پاکستانی عوام کسی ''خمینی'' کے بڑی شدت سے منتظر ہیں۔

سادہ سے سادہ آدمی بھی "خمینی" کی ضرورت پر سیر حاصل گفتگو کر سکتا ہے، لیکن عوام کتنے بے قدرے ہیں کہ ایک خمینی ان کے اندر ہی موجود ہے، مگر لوگ اس کی اہمیت ماننے کو تیار نہیں۔ ایک اور بیان میں انہوں نے مزید دلچسپ باتیں کی ہیں، فرمایا "موجودہ دور کی مہنگائی کو بنیاد بنا کر شور مچانے والے دیکھیں کہ جنرل مشرف نے ایک روپے بھی قرض نہیں لیا" لگتا ہے کہ علامہ صاحب جنرل صاحب کی حمایت میں کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گئے ہیں، ورنہ اتنا سفید جھوٹ سرعام بولنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، موجودہ حکومت کی بدقسمتی ہے کہ سیاسی پارٹیوں کی اکثریت اس کے خلاف ہے، عوام اس سے ناخوش ہیں، ایسے میں اگر کوئی سیاسی رہنما حکومت کو "بہترین کارکردگی" کا سرٹیفکیٹ دیتا ہے تو حکومت کے لیے اس سے بڑی خوشی کی اور کیا بات ہوگی۔ اب حکومت کا فرض ہے کہ وہ علامہ صاحب کی اس "وفاداری" کا کوئی تو پاس کرے۔ انہوں نے کہا کہ "مذہبی جماعتوں نے قرآن کا فکر انقلاب دبا کر رکھ دیا ہے، عوامی تحریک مذہبی جماعت نہیں بلکہ قومی سیاسی جماعت ہے، اس لیے ہمیں مذہبی جماعتوں کے اتحاد سے کوئی سروکار نہیں۔" مذہبی جماعتوں نے قرآن کے فکر انقلاب کو دبا کر زیادتی کی ہے، کیونکہ انقلاب تو برپا کرنے کے لیے ہوتا ہے، دبانے کے لیے نہیں۔ لیکن علامہ صاحب کے فرمان کے مطابق اگر ان کی پارٹی مذہبی نہیں تو علامہ صاحب کونسا انقلاب لانا چاہتے ہیں، اس کی بھی وضاحت سامنے نہیں آئی......؟ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ علامہ صاحب اپنی جماعت کو مذہبی کہلوانے سے اس قدر الرجک کیوں ہیں؟ ہماری پروفیسر ڈاکٹر علامہ طاہر القادری صاحب سے گزارش ہے کہ مصائب اور مشکلات کا شکار لوگوں کو خوشی کی جھلکیاں دکھانے کا یہ پروگرام جاری رکھیں، کسی کا ان کے بیانات پڑھ کر لطف اندوز ہو جانا ان کی بڑی کامیابی ہے۔

(روزنامہ انصاف لاہور 5 دسمبر 2000ء)



لبرل ازم کا بخار؟

تنویر عباس نقوی

شاید...... یہ ایک "دلچسپ المیہ" ہے...... جس میں ہم حب الوطنی اور غداری کے لفظوں کو بے معنی کر چکے ہیں۔

شاید اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے ان لفظوں کو انتہائی بھونڈے طریقے سے بیدردی سے اور بے وجہ استعمال کیا۔ یہ بالکل ایسے ہی جیسے ہم نے لفظ "عظیم" کا حشر کیا۔ ہمیں ہر دوسرا شخص "عظیم" نظر آتا ہے یا ہم نے ہر دوسرے شخص کو "عظیم" قرار دے دیا ہے۔

مجھے لفظوں کا یہ ہیر پھیر "صبح سویرے" اس لیے یاد آ گیا کہ چند روز قبل جب دہلی میں متعین پاکستان ہائی کمیشن کی سیاسی قونصلر محترمہ تسنیم اسلم نے اپنی سرکاری رہائش گاہ پر بھارتی معزز مہمانوں کی "دعوت" کا اہتمام کیا، جس میں شراب کے ساتھ شباب سے اٹے ہوئے بدن بھی تھے جو بھارتی گیتوں کی دھنوں پر متحرک رہے تھے۔

ہم نے ہمارے میڈیا نے ہمارے "عظیم دانشوروں" نے اس "ایشو" پر چند منٹ کا وقت اور چند قطرے سیاہی "ضائع" کرنے کی بھی تکلیف نہیں کی۔ میں سوچتا ہوں ہمارے "عظیم" اور محبان وطن دانشور (خصوصاً وہ جو اسلام کے ٹھیکیدار اور نظریہ پاکستان کے "مامے" ہیں) ایسے "نان ایشوز" کو اہمیت کیوں نہیں دیتے؟ انہیں "لبرل ازم کا بخار" کیوں چڑھ جاتا ہے، زبانیں گنگ اور قلم مردہ کیوں ہو جاتے ہیں؟؟

کیسا "دلچسپ المیہ" ہے کہ بھارتی اخبارات محترمہ تسنیم اسلم کی "پاکستانیت" پر تبصرہ کرتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ پاکستانیوں کی اکثریت کے لیے اگرچہ سرکاری طور پر شراب تک رسائی ممکن نہیں تاہم سفارتکار شراب سے لطف اندوز ہونے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور شراب سے محبت کرتے ہیں۔ پاکستانی سفارتکار بنیاد پرستی اور اسلام پرستی کے ''الزامات'' سے بچنے کے لیے ایسی ''صحت مند'' دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

ایک دوسرا بھارتی اخبار لکھتا ہے۔

''یہ نجی محفلیں صرف بھارتی شہریوں کے لیے مخصوص ہوتی ہیں اور میزبان اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی بھی پاکستانی صحافی ان محفلوں میں شریک نہ ہو۔ پاکستان کی سیاسی قونصلر تسنیم اسلم کی رہائش گاہ شانتی سپورٹس کلب میں ہونے والی اس محفل میں صرف بھارتی مہمان تھے، کسی پاکستان صحافی کو محفل میں آنے کی اجازت نہیں دی گئی جبکہ بھارتی صحافی موجود تھے۔''

انگریزی زبان میں شائع ہونے والے بھارتی اخبار نے 30 سالہ غیر شادی شدہ تسنیم اسلم کے بارے میں لکھا ہے۔

''تسنیم اسلم نے پاکستانی ہائی کمیشن میں بطور سفارتکار ملازمت کے تین سال پورے ہونے پر اس محفل کا انعقاد کیا تھا۔ کھانے اور شراب کے علاوہ موسیقی کا اہتمام بھی کر رکھا تھا۔''

اس ''محفل'' کا آغاز محترمہ تسنیم اسلم کی گرو پیالی ناتھ، جو انہیں ''موسیقی'' سکھا رہی ہیں، کی فرمائش پر ''رام'' کے نام سے ہوا۔

میرے لیے اس ''خبر'' میں اس سے زیادہ خوفناک اور شرمناک بات کوئی نہیں کہ ایک سفارتکار اپنی ''دعوت شیراز'' کا آغاز رام کے نام سے کرے، اگرچہ پوری ''محفل'' ہی قابل صد ہزار لعنت ہے۔

میں اپنے ''عظیم دانشوروں'' اور خصوصاً موجودہ حکمرانوں کی تنبیہ کے لیے ایک عین اسلامی واقعہ ضرور پیش کروں گا۔

سیدنا حضرت عمرؓ نے حضرت نعمان بن عدی کو میسان کا عامل بنا کر روانہ کیا۔ وہ اپنی زوجہ محترمہ کو بھی لے جانا چاہتے تھے لیکن انہوں نے ساتھ جانے سے معذرت کر لی۔ نعمانؓ جب میسان پہنچے تو زوجہ کی یاد ستانے لگی۔ اسی کیفیت میں مست چند اشعار لکھ کر اپنی بیوی کو روانہ کر دیئے۔ ان اشعار کے معنی کچھ یوں تھے۔

''میری طرف سے حسن کے اس پیکر کو یہ پیغام پہنچے کہ اس کا شوہر میسان میں خم لنڈھا رہا ہے، جب میں چاہتا ہوں، دیہاتی میرے گیت گاتے ہیں اور ستار ہر طرح کا سُر بجاتا ہے، اگر تم میرے ساتھ

ہوتیں تو مجھے بڑے پیالے میں پلاتیں نہ کہ چھوٹے اور ٹوٹے ہوئے پیالے سے۔''

امیر المومنین حضرت عمرؓ کو ان ''اشعار'' کی بابت معلوم ہوا تو آپؓ نے نعمانؓ کو معزول کر کے میسان سے لوٹ آنے کا حکم دیا۔ نعمانؓ واپسی پر حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوئے اور عرض کی۔

''امیر المومنین! ان اشعار میں کچھ حقیقت نہ تھی، محض چند اشعار میری زبان سے جاری ہو گئے، ورنہ میں نے شراب کبھی نہیں پی۔''

حضرت عمرؓ نے جواباً فرمایا، ''میرا بھی یہی خیال ہے لیکن اب تم کبھی میرے عامل نہیں ہو سکتے۔''

جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر بھارت میں تعینات ایک اہم پاکستانی سفارتکار کی جواں سال بیٹی کا وہ واقعہ بھی تفصیل سے اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کروں، جس کے گالوں پر رسوائے زمانہ اور ''عورتوں کی صحبت'' جیسے فحش اور غلیظ ناول لکھنے والا خشونت سنگھ ''بوسہ'' دے رہا تھا تو ''بے بی'' کی مما خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ مگر اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' سے باہر ہمارے سفیر کیا کیا نہیں کرتے، کون نہیں جانتا؟ کچھ سفارتکار تو ''سفارت'' کے نام پر شاعروں، ادیبوں کو دعوتیں کھلا پلا کر ''کوملوں کی دلالی'' کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ مگر سرحدوں کے باہر ایسے ویسے گل کھلانے والوں کو کیا کہیں؟ ہم سے تو ہمارے علامہ طاہر القادری نہیں سنبھل رہے، ہاتھوں سے نکلے جا رہے ہیں جو گھر کا کھانا نہیں کھاتے، میکڈونلڈ سے برگر منگوا کر ''گزارہ'' کرتے ہیں اور پریس کانفرنسوں میں علی الاعلان کہتے ہی مجھ سے مذہبی سوال مت پوچھیں سیاسی بات کریں۔''

''یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟''

حالانکہ کون نہیں جانتا کہ علامہ کچھ عرصہ پہلے ''مولانا'' بھی تھے اور ان کی ''دکان'' کے بھی ''برتنوں'' پر کلمہ طیبہ کندہ تھا، ان کے خوابوں میں حضور نبی اکرمؐ سے کم تو کوئی آتا ہی نہیں تھا (توبہ نعوذ باللہ)...... ''منہاج القرآن'' نامی تنظیم بھی عین اسلامی بنیادوں پر استوار ہوئی تھی اور ہمارے علامہ صاحب ''مصطفوی انقلاب'' کے زبردست داعی تھے...... پھر ایک بڑی تبدیلی آئی کہ پاکستان عوامی تحریک (PTA) بنی تو علامہ سرکار (اعلیٰ حضرت) کے ذاتی جلسوں میں داڑھی والے ساتھیوں کو روک دیا گیا کہ وہ اگلی نشستوں پر نہ بیٹھا کریں...... ''منہاج القرآن'' کے باریش ساتھیوں کا بھی ''حقہ پانی'' بند کر دیا گیا...... کہنے والے کہتے ہیں کہ میجر (ر) آفتاب لودھی کو عوامی تحریک کا چیف آرگنائزر اس لیے بنایا گیا تھا کہ وہ خوش شکل، کلین شیو اور انگریزی پڑھے لکھے آدمی تھے۔

اب علامہ طاہر القادری اپنے اسلام پسند اور مذہبی ہونے سے کترانے لگے ہیں، اپنے اردو

گرد موجود نئے ''خربوزوں'' کا رنگ پکڑنے میں مصروف ہیں اور پرانا ''گٹ اپ'' اتار کر میکڈ وللڈ برانڈ ''لبرل'' رہنما بننا چاہ رہے ہیں تو یہ ''گل سوچن والی اے''...... محترمہ تسنیم اسلم جیسے سفارتکاروں، احمد فراز اور فہمیدہ ریاض جیسے شاعر، ادیبوں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جو ترقی پسند ڈیموکریٹ اور لبرل نظر آنے کے لیے بھارت جا کر ''گنگا'' میں اشنان کرتے ہیں، پاکستان کے خلاف دل اور آنکھیں کھول کر ''گفتگو'' کرتے ہیں اور اعلیٰ عہدوں پر بھی براجمان ہیں۔

چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف سے شرف ملاقات کے بعد، شاید علامہ طاہر القادری بھی کسی عہدے کا ''خواب'' دیکھنے لگے ہیں...... وہ لبرل ہونے کے لیے کیا کیا اور کون کون سے ہتھکنڈے اختیار کرتے ہیں، آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟

مگر چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف سیدنا عمرؓ کے حوالے سے مذکورہ واقعہ پر عمل کریں گے اور کیا علامہ طاہر القادری کو ''لبرل'' ہونے سے بچایا جا سکتا ہے؟

(روزنامہ خبریں لاہور 28 اکتوبر 2000ء)



ڈاکٹر طاہر القادری کا نظریہ ''اسلامی ثقافت''

نذیر حق

پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین ڈاکٹر طاہر القادری ان دنوں یورپ کے دورے پر ہیں اور وہاں ''خدا کی شان'' ملاحظہ فرما رہے ہیں، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب یورپ میں ''خدا کی شان'' سے اتنے زیادہ متاثر ہوئے ہیں کہ بقول شخصے بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں۔

گذشتہ دنوں (26 اگست) کے پاکستانی اخبارات میں ڈاکٹر طاہر القادری کی ایک تقریر پر مبنی خبر شائع ہوئی ہے، جسے پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے محترمہ بے نظیر بھٹو کی (سیاسی) رفاقت میں جو وقت گزارا ہے وہ رنگ لا رہا ہے، اور رنگ بھی ''چوکھا'' ہے۔ جس طرح محترمہ بھٹو ملک کے اندر اور باہر (خصوصاً امریکہ میں) ایک مسلمان خاتون لیڈر کی حیثیت میں مختلف رنگوں میں نظر آتی ہیں، پروفیسر صاحب بھی ان کی نقل میں مصروف معلوم ہوتے ہیں۔

ملک کے اندر محترمہ تسبیح بدست دوپٹہ بہ سر اور ''لباس بہ گردن'' نظر آتی ہیں جبکہ لندن اور واشنگٹن میں وہ ان باتوں سے بے نیاز بلکہ مغرب کے رنگ میں رنگی ہوئی ''جدید ماڈل'' نظر آنے کی کوشش کرتی ہیں، یہی انداز پروفیسر طاہر القادری صاحب بھی اپناتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

ڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن میں ''ثقافتی کانفرنس'' (جمعہ 25 اگست) میں خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بعض ایسی باتیں کہی ہیں، جن کا ابھی تک تصور بھی نہیں کیا گیا تھا، لیکن ڈاکٹر قادری چونکہ ایک ''محقق'' بھی ہیں، ممکن ہے کہ انہوں نے اسلامی اقدار و ثقافت کے ''عمیق اور کثیر الجہتی مطالعہ'' سے وہ باتیں معلوم کر لی ہوں جو اخبارات میں ان کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔ ویسے یہ

''خبر'' اخبارات کو عوامی تحریک کے مرکزی سیکرٹریٹ کی طرف سے فراہم کی گئی معلوم ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنی تقریر میں فرمایا (خلاصہ)

''اسلامی اقدار اور یورپی ثقافت مکمل طور پر الگ الگ نہیں، بلکہ ان دونوں میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ مسلم اور یورپی ثقافت کے درمیان مثبت ہم آہنگی کے لیے ضروری ہے کہ دونوں جانب سے براہِ راست اور مسلسل رابطے کیے جائیں۔ ہمیں اپنے اندر ثقافتی برداشت کا مادہ پیدا کرنا چاہیے۔''

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمیں یورپی ثقافت کا ''براہِ راست'' مطالعہ کا شرف حاصل نہیں، مگر یورپی اخبارات، کتب اور رسائل میں یورپی ثقافت کا جو رنگ ہم نے دیکھا ہے، اسے تو اسلام کے ساتھ دُور کا بھی واسطہ نہیں، نہ ہی اسلامی اقدار و ثقافت سے یورپی اقدار و ثقافت کی کوئی مماثلت ہمیں مل سکی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کے بقول اب دنیا تبدیل ہو چکی ہے اور ہمیں اپنے اندر سماجی و ثقافتی برداشت کا مادہ پیدا کرنا چاہیے۔

کیا ڈاکٹر صاحب پاکستان میں جوان لڑکیوں کے والدین کو یہ سبق پڑھانا چاہتے ہیں کہ اگر ان کی بیٹی اپنے ''کزن'' کے ساتھ ایک آدھ شب شہر سے باہر گزار لے، مری یا گلیات کی سیر پر چلی جائے یا کلاس فیلو کو لے کر گھر آ جائے تو وہ اسے برداشت کر لیں۔ اگرچہ پاکستانی معاشرے کا ایک (مگر نہایت قلیل) حصہ، جسے عام لوگ ''ممی ڈیڈی کلچر'' کی پیداوار قرار دیتے ہیں، ڈاکٹر طاہر القادری کے ارشادات عالیہ پر پہلے ہی عمل پیرا ہے، مگر اسلام کا دم بھرنے والے پاکستانی عوام جو معاشرہ کا 99 فیصد حصہ ہیں، اس نوع کے کلچر کو شائد ہی برداشت کریں، کیونکہ وہ اس کلچر کو جو یورپی کلچر کی بھونڈی نقالی کے سوا کچھ نہیں، بے غیرتی تصور کرتا ہے۔ نہ جانے ڈاکٹر صاحب کس برتے اور کس بنیاد پر اس کلچر کو اسلامی اقدار کے مماثل قرار دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائے!

ویسے ہمارا ماتھا تو اسی دن ٹھنکا تھا جب ڈاکٹر قادری نے اپنی ''عوامی تحریک'' میں کلچرل ونگ قائم کرنے اور پھر نامور ڈرامہ نگار انور سجاد کے علاوہ ٹی وی اداکار فردوس جمال کو اس کلچرل ونگ سے منسلک کرنے کا اعلان کیا تھا۔ نہ جانے کیا بات ہوئی اور ڈاکٹر صاحب کیوں ''جھجک'' گئے۔ ورنہ وہ تو اداکارہ انجمن کو بھی کلچرل ونگ میں شامل کرنے والے تھے۔ اب انہوں نے اسلامی اقدار اور یورپی ثقافت میں ''مماثلت'' کا جو ذکر کیا ہے، اس کے وسیع تر پراپیگنڈے اور عوام کو اس طرح ''راغب'' کرنے کے لیے انہیں انجمن کے علاوہ ماضی کی دوسری اداکاراؤں کو بھی اپنی جماعت میں شامل کر لینا چاہیے اور ڈاکٹر انور سجاد سے ایسے ڈرامے لکھوانے چاہئیں جن میں یورپ کی ثقافت کو ''اسلامی رنگ''

میں پیش کیا گیا ہو۔ فردوس جمال ایسی اداکاراؤں کا انتظام کر دیں گے جو ان ڈراموں کو چار چاند لگا سکتی ہیں۔ میرا، صائمہ اور ریشم بھی ڈاکٹر صاحب کے اشارے پر ان ڈراموں میں کام کرنے کے لیے رضامند ہو جائیں گی۔ اس طرح کے ''سیریل'' بنائے جائیں تو ڈاکٹر صاحب کو عوامی تحریک چلانے کے لیے فنڈز اکٹھا کرنے کی غرض سے یورپ کے دوروں کی ضرورت نہیں رہے گی، بلکہ یہ سیریل ہی کافی فنڈز ''جنریٹ'' کر دیں گے۔

اگر ڈاکٹر صاحب پاکستان کے عوام کو یورپی ثقافت ''نصف'' کی حد تک اپنانے پر بھی راضی کر لیں تو انہیں شائد حکومت مل جائے، کیونکہ اس صورت میں امریکہ ان سے خوش ہو جائے گا۔ مولوی لوگ (جن میں مولانا فضل الرحمٰن جیسے ''از کار رفتہ بزرگ'' شامل ہیں، این جی اوز کے خلاف جتنی چاہیں بیان بازی کرتے رہیں، جب پاکستانی عوام یورپی کلچر اپنانے کو عین اسلام تصور کرنے لگیں گے تو امریکہ بہادر خوش ہو جائے گا، کیونکہ بے نظیر بھٹو جس کام میں اب تک ناکام نظر آ رہی ہیں، ''حضرت مولانا مولوی ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری'' اسے کر دکھائیں گے۔

ویسے پاکستانی ٹی وی ڈرامے اور ان ڈراموں کے دوران چلنے والے اشتہارات جوزی ٹی وی کی نقل میں تیار کیے جاتے ہیں، حضرت طاہر القادری صاحب کے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ قادری صاحب اپنے ڈرامہ سیریلز اور ان کے لیے اپنے مخصوص نظریہ ''اسلامی اقدار اور یورپی ثقافت میں مماثلت'' کے مطابق اشتہار بنوا کر اپنے مشن کی کامیابی کو یقینی بنا سکتے ہیں، صرف ایک خطرہ ہے کہ جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد، ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا فضل الرحمٰن اور دینی مدارس کے بعض سربراہوں جیسے ''پسماندہ ذہنیت'' کے حامل افراد ڈاکٹر صاحب کے ترقی پسندانہ اور ''نو محققانہ نظریہ ثقافت اسلامی'' پر معترض نہ ہوں۔

(روزنامہ پاکستان لاہور، 30 اگست 2000ء)

معمولاتِ صبح وشام!

آفتاب اقبال

☆ جنرل پرویز مشرف کے ایک قریبی دوست کے ساتھ ملکی سیاست پر تفصیلی تبادلہ خیالات (صبح 8:00 بجے تا 10:00 بجے)

☆ الحمرا ہال نمبر 1 میں اکثر ہونے والی سیاسی تقاریب کے دوران ہمیشہ جرأت اور شجاعت کا بے مثال مظاہرہ کرنے والے پاکستان عوامی تحریک کے ''غل غپاڑہ بٹالین'' کے تنومند جوانوں میں اسناد کی تقسیم۔

اس موقع پر ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے موضوع پر لیکچر (11:30 بجے)

☆ بلخ شیر مزاری، اجمل خٹک اور سید نور سمیت ملک کے اہم سیاسی اکابرین کے ساتھ ظہرانہ اور سیاسی گفتگو (12:00 بجے تا 2:00 بجے)

☆ اداکارہ میرا کی نئی فلم ''چند گناہ اور سہی'' کے فوٹو سیٹ کا افتتاح۔ باری سٹوڈیوز فلور نمبر 7 (3:00 بجے تا 4:00 بجے)

☆ پاکستان عوامی تحریک کے لئے ممبر سازی کے جامع منصوبے کے تحت شاہ نور سٹوڈیوز میں (PTA) کے نئے دفتر کا افتتاح (شام 5:00 bji)

☆ نوابزادہ نصراللہ خان کی عیادت کے لئے ان کی رہائش گاہ واقع بوہڑ والا چوک روانگی۔

دوران عیادت آخری وصیت وغیرہ کے سلسلے میں بات چیت نیزہ گلاب کی پتیوں، مشک کافور اور چیئرمین لٹھے کے ایک تھان کا تحفہ۔ (شام 6:00 بجے تا 6:30 بجے)

☆ اداکارہ نور کی پڑنانی کی بے وقت موت کی المناک خبر سنتے ہی گہرے رنج وغم کا اظہار اور فاتحہ خوانی کے لئے اداکارہ کے گھر روانگی (شام 7:00 بجے تا رات گئے)

(روزنامہ ''خبریں'' لاہور 16 ستمبر 2000ء)



پاکستان عوامی تحریک کے جلوس کا ایک منظر

کون بنے گا لاہور چیف

بیگ راج

ایسا ایک ہی خواب جو جناب علامہ طاہرالقادری گزشتہ پندرہ برس سے دیکھے اور دکھائے
جا رہے ہیں۔

پہلے وہ اپنے نام کے ساتھ علامہ ہی لکھتے تھے۔ 1986ء میں وہ علامہ کیطور پر ہی مشہور
تھے۔ آج وہ ڈاکٹر طاہرالقادری کہلاتے ہیں۔ غلطی سے اگر کوئی علامہ کہہ دے تو برامان جاتے ہیں۔
مولانا تو سننا گوارہ نہیں کرتے۔ مولویوں سے انہیں چڑ سی ہوگئی ہے۔ وہ مولوی کے خلاف اس قدر نفرت
بھرا مواد اگلتے ہیں کہ ہمیں پنجابی کانفرنس کے دہریے اور دشمنان دین بے قصور لگتے ہیں۔ عاصمہ جہانگیر
بھی اس دلیری سے مولویوں پر حملہ آور نہیں ہوتیں جس تندہی کے ساتھ جناب مولانا طاہرالقادری ہلہ
بولتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں چور اور لٹیرے سیاستدانوں کا اب کسی مولوی سے نہیں قانوندانوں کے استاد
سے واسطہ پڑا ہے۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے، کشمیر میں کوئی جہاد نہیں ہو رہا، کہیں عورتوں کے حقوق کی ترجمانی
کرتے ہیں، عورتیں باورچی خانے سے نکل کر مال روڈ پر آجائیں اور مردوں سے اپنے حقوق چھین لیں،
جناب طاہرالقادری چاہتے ہیں کہ ان کی شخصیت پر چپکا ہوا مولانا کا لیبل اتر جائے، وہ اپنے تمام تر ماضی
کو کاٹ پھینکنا چاہتے ہیں، لوگ انہیں مولوی کیوں سمجھتے ہیں؟ حالانکہ پیر پگاڑ داڑھی رکھنے کے باوجود
مولوی نہیں، ممتاز بھٹو کی بھی داڑھی ہے، ذوالفقار کھوسہ کی داڑھی ہے، طارق بانڈے بھی داڑھی رکھتے
ہیں۔ عوام انہیں مولوی کیوں نہیں سمجھتی؟ آخر جناب طاہرالقادری کہہ دیتے ہیں؟ ڈاکٹر طاہرالقادری
درس قرآن دیتے ہیں، خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہیں، وجد کی محفلیں بپا کرتے ہیں، اشاعت دین کے لئے

چندہ جمع کرتے ہیں ان کے دینی مدارس اور مساجد ہیں۔ دین کے اتنے کام کرنے کے بعد بھی لوگ
انہیں علامہ یا مولانا نہ کہیں تو پھر کس کو کہیں؟ چونکہ ڈاکٹر صاحب کا زیادہ تر زور لاہور سے باہر ہے اور ان
کے دعوے بھی یہی ہیں کہ انہوں نے بلدیاتی انتخابات کے دوسرے اور تیسرے مراحل ہیں۔ نمایاں
ترین کامیابیاں حاصل کر لیں ہیں، اس لئے لاہور شہر کے حوالے سے پاکستان عوامی تحریک کا ابھی تک
کوئی ذکر اذکار نہیں۔ PTA کے اندر کے آدمی کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے لئے لاہور ایک بے وفا
شہر ہے۔ خصوصاً لاہور ہائیکورٹ نے ان کے دامن پر بہت گہرے قسم کے دھبے ڈال دیئے ہیں۔

(روزنامہ "دن" لاہور 4 مئی 2001ء)



مرشد کامل اور پیر کامل کا قصہ

لالہ عاجز

مجھ سیاہ کار، بدکار اور گناہگار کو شوبز برادری میں ڈاکٹر طاہر القادری کی بڑھتی ہوئی مقبولیت دیکھ کر خوف آتا ہے۔ کہیں وہ دشمنوں اور بدخواہوں کی ''نظر بد'' کا شکار نہ ہو جائیں اور حاسد قسم کے لوگ ان پر ''تعویذ دھاگے'' نہ کرنا شروع کر دیں۔ یہ خطرہ بھی ہے کہ وہ لوگ جو فنون لطیفہ سے وابستہ لوگوں کو خاص طور پر اداکاراؤں کو برے برے ناموں سے پکارتے ہیں۔ وہ کہیں ڈاکٹر طاہر القادری کے بارے میں بھی ''زبان درازی'' پر نہ اتر آئیں۔ ڈاکٹر موصوف کو اپنے بدخواہوں اور دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے کلچرل ونگ کے ''ثقافتی فنڈ'' سے روزانہ کی بنیاد پر ایک عدد'' کالا بکرا'' صدقہ دینے کا حکم صادر کر دینا چاہئے اور اس صورت میں کہ جب سابق اداکارہ مسرت شاہین کی شکل میں ان کی باقاعدہ ''حریف'' بھی موجود ہو تو پھر اس کی زیادہ ضرورت ہے۔

ڈاکٹر طاہر القادری نے شروع شروع میں جب اپنی جماعت کے کلچرل ونگ کے قیام کا اعلان کیا تو دیگر لوگوں کے ساتھ ساتھ میرا بھی خیال تھا کہ ان کا یہ بیان مسرت شاہین کو'' جلانے'' کے لئے ہے۔ اگرچہ عملاً ایسا ممکن نہیں ہے، لیکن تھوڑے عرصے بعد جب فردوس جمال، افضال احمد، ڈاکٹر انور سجاد اور ندیم نے ان کے کلچرل ونگ میں شمولیت کا اعلان کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر موصوف تو واقعی میری برادری کے ''دیوانے'' ہیں۔ ان کی اس دیوانگی پر مسرت شاہین کے ردِعمل کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں، لیکن ذاتی طور پر خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب قول کے پکے ہیں۔ مگر مجھے خطرہ یہ تھا کہ میری برادری کے لوگ بے یقینی کے عالم میں کہیں مسرت شاہین کے ''دامن'' میں نہ پناہ لینا شروع کر

دیں۔ الحمدللہ فنکار برادری کو ڈاکٹر صاحب کے دامن میں بھی ''وہی دامن'' نظر آتا ہے اور مجھے امید ہے کہ عنقریب ڈاکٹر صاحب کے دامن میں کئی مزید فن کار پناہ لیں گے۔ ڈاکٹر انور سجاد، فردوس جمال، افضال احمد اور ندیم کے بعد اب ہدایت کار مصنف اور فلم ساز سید نور کی شمولیت سے تو ان کے دامن میں خوشیوں کے پھول اور ''بھنگڑے'' کھلنے اور ڈلنے والے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر انور سجاد اور دیگر دوستوں کی شمولیت کے بعد بھی ڈاکٹر طاہر القادری کے ''ثقافتی ڈیرے'' پر وہ رونق نہیں لگ سی، جو اب سید نور کے شامل ہونے کے بعد لگنے والی ہے۔ مذکورہ بالا حضرات اپنے اپنے مقام پر بہت بڑے آدمی ہیں۔ ملک بھر میں ان کے مداحوں اور ستاروں کی تعداد لاکھوں میں بیان کی جاتی ہے لیکن پھر یہ بھی لوگ ڈاکٹر طاہر القادری کے مقام کے برابر نہیں تھے۔ جب کہ سید نور تو فن ثقافت کے ایسے مقام پر ہیں کہ ڈاکٹر طاہر القادری وزیراعظم بننے کے بعد بھی سید نور نہیں بن سکتے، کیونکہ ڈاکٹر طاہر القادری سیاست کے حوالے سے اس مقام پر ہیں کہ جس مقام پر ان جیسے کئی دوسرے موجود ہیں اور سچی بات یہ بھی ہے کہ سید نور واقعی ''ذہین'' آدمی ہیں کہ انہوں نے ''بامراد'' ہونے کا ثبوت یوں دیا ہے کہ ڈاکٹر طاہر القادری کو ''مرشد کامل'' کا درجہ دیتے ہوئے ان کے قدموں میں سر جھکا دیا ہے۔

اپنے گا ئمن تیجیاں کا خیال ہے کہ سید نور اور ڈاکٹر طاہر القادری دونوں چونکہ بڑے آدمی ہیں، اس لئے دونوں کے بارے میں افواہیں پھیلانے والے بھی موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر طاہر القادری پر الزام لگانے والے کہتے ہیں کہ نواز شریف نے انہیں ڈاکٹر طاہر القادری بنایا۔ جب کہ سید نور کے حاسدین الزام لگاتے ہیں کہ سید نور کے پیچھے صائمہ کا ہاتھ ہے، حالانکہ جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ سید نور کے پیچھے ہماری بھابھی رخسانہ نور کا ہاتھ ہے اور بھابھی کے ہوتے ہوئے بھابھی رخسانہ نور کا ہاتھ ہے اور بھابھی کے ہوتے ہوئے صائمہ کے سر پر تو ''ہاتھ'' رکھا جا سکتا ہے، ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا جا سکتا، خیر جتنے منہ اتنی باتیں۔

بتانے والے بتاتے ہیں کہ جب سید نور اور ڈاکٹر طاہر القادری کی ملاقات شروع ہوئی تو ماضی کے اداکار اور حال کے کامیاب ہدایت کار سید نور نے کمال اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''مرشد کامل! میری ساری زندگی گناہوں، خطاؤں اور برائیوں کے بوجھ تلے گزری ہے۔ تنہائی میرا اکثر خدا سے دعا مانگا کرتا تھا کہ کسی مرشد کامل سے ملا دے۔ خداوند کریم کی مہربانی سے آپ کی صورت میں ایک مرشد کامل مل گیا ہے، جس کی رہنمائی میں دنیا کی بے پناہ خوشیوں کے مالک مجھ بدنصیب کو اب دین کے حوالے سے بھی ترقی کرنے کے مواقع ملیں گے۔ سید نور کی اس گفتگو کے بعد ڈاکٹر طاہر القادری نے ان کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھا اور کہا ''آپ ہمارے ملک کا اثاثہ ہیں'' ہم آپ کے جذبات

کی قدر کرتے ہوئے عوامی تحریک کے شعبہ کلچر ونگ میں ایک نئے عہدے ''چیف آرگنائزر'' کا اضافہ کرتے ہوئے آپ کو اس عہدے پر فائز کرتے ہیں یہ ہماری مجبوری ہے کہ ہم آپ کو صدر نہیں بنا سکتے۔ دعا کیجئے ہمارے صدر استعفیٰ دیں تو پھر آپ کو وہی عہدہ عطا کر دیں گے۔''

ڈاکٹر طاہر القادری واقعی روشن خیال اور زیرک سیاستدان ہیں اور سید نور کو اپنی جماعت میں شامل کرنے کے بعد ان کی کئی ''مشکلیں'' آسان ہو جائیں گی۔ خاص طور پر خواتین کے معاملے میں ان کی جماعت پر ''کھڑکی توڑ'' رش پڑنے والا اور امید کی جا سکتی ہے کہ عوامی تحریک کے کلچرل ونگ میں اب چوڑیوں کی ''چھنکار'' اور خوشبوؤں کی ''مہکار'' کے نظارے نظر آنا شروع ہو جائیں گے، لیکن ایک گزارش......صرف ایک گزارش ڈاکٹر طاہر القادری کی خدمت میں کرنے کی جسارت کروں گا کہ ہمارے ملک میں سیاستدانوں کتنی ''اوقات'' ہے، ڈاکٹر طاہر القادری اس سے واقف ہیں اور وہ اس بات سے بھی واقف ہیں کہ فردوس جمال، افضال احمد، ڈاکٹر انور سجاد، ندیم اور سید نور جیسے لوگ بہت کم ہیں۔ ان کی حفاظت کیجئے گا، کیونکہ سیاستدان ''تراشے'' جا سکتے ہیں لیکن فنکار پیدا ہوتے ہیں اور وہ بھی کم کم، کبھی کبھی، کہیں کہیں۔ گستاخی معاف، اللہ کرے آپ صرف ہم جیسے گناہگاروں اور سیاہ کاروں کے دین اور دنیا کے لئے کارآمد ثابت ہوں۔

(روزنامہ انصاف لاہور 16 ستمبر 2000ء)



جناب طاہر القادری امریکی عہدیداروں کے ساتھ محو گفتگو

غیر ملکی خاتون سے علامہ طاہر القادری کا مصافحہ

سرفراز اقبال

ربط کے سینکڑوں حیلے ہیں محبت نہ سہی
ہم تیرے ساتھ کسی اور بہانے لگ جائیں

آج صبح صبح اخبار میں علامہ طاہر القادری رومانیہ کی فرسٹ سیکرٹری سے ہاتھ ملاتے ہوئے دکھائے گئے۔ میں اس تصویر کو دیکھ کر سوچ رہی ہوں۔ یہ مولانا قسم کے لوگ مذہب کے ساتھ اگر مذاق نہ کیا کریں تو اچھا رہے گا، میں ہاتھ ملانے کے خلاف نہیں۔ میں تو بلکہ اس تصویر سے بہت Inspire ہوئی ہوں کہ ہمارے مولانا بھی اہل نظر لوگوں میں سے ہیں۔ میں نے کہیں پڑھا ہے کہ اگر عورت سے ہاتھ ملاؤں تو وہ مغلوب ہو جاتی ہے، یعنی مرد عورت کو اتنا کمزور سمجھتے ہیں کہ بس کسی مرد نے ہاتھ پکڑا اور عورت موم کی طرح پگھل گئی۔ یہ تو بہت آسان نسخہ ہے اہم عورتوں سے رعایت لینے کے لئے حیلے بہانے چھوڑ کے بس ہاتھ ملایئے اور قومی امور کو سلجھایئے۔ بھٹو صاحب نے اندرا گاندھی سے اسی لئے تو ہاتھ ملایا تھا؟ اس کا جواب تو مجھے آج ملا۔ یہ شریعت کے لئے شور مچانے والے لوگ دوغلی پالیسی کیوں اپناتے ہیں؟ انسان گناہوں کا پتلا ہے۔ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دعوی غلط ہیں، زاہد لوگ دعوؤں میں دوسرے انسانوں کو کمتر سمجھتے ہیں۔ دوسروں کو کم سمجھنا دراصل اپنے آپ کو کم سمجھنا ہے، دوسروں کی نظر میں حقیر ہو کر رہ جائے۔ اب عام آدمی ہاتھ ملاتا ہے تو مجھے محسوس بھی نہیں ہوتا، میں تو بس ان لوگوں کی غلط تشریحات پر اعتراض کر رہی ہوں۔ بھئی اگر اس طرح جائز ہے تو پھر سب

کے لئے جائز ہے۔ مجھے جنرل صاحب کی جس بات نے تھوڑا سا اطمینان دلایا ہوا ہے وہ صرف میانہ روی ہے۔ وگرنہ ان لوگوں نے مذہب کو سیاست کا رنگ دے کر عجیب طرح سے گھمسن گھیریاں بنائی ہوئی تھیں۔ عام آدمی تو ان گھمسن گھیریوں میں الجھ کر رہ گیا۔ جبھی ہم نے ترقی یافتہ ملکوں سے مقابلہ کرنا ہے، وہ لوگ سمجھتے ہیں، ہمارے ملک میں عورت کی کوئی عزت نہیں ہے۔ میری بیٹی امریکہ میں نیورولوجسٹ ہے، اس سیاس کا کولیگ کہنے لگا "اپنے ملک میں تو تم گھر میں بیٹھی ہوتی" کیوں وہاں میں نمبر 2 کی بجائے نمبر 1 ہوتی۔ ڈاکٹر غزانہ نے جواب میں کہا۔ "لیکن تم لوگ عورت کو گھر میں قید رکھتے ہو۔" نہیں بلکہ اسلام نے ہی عورت کو عزت نفس عطا کی۔ رسول کریم ﷺ کے عہد رسالت میں عورت ہر شعبہ زندگی میں شامل تھی۔ واقعہ کربلا کو دنیا کے سامنے اجاگر کرنے میں بھی عورت (بی بی زینب) نے اہم رول ادا کیا۔ نجانے کس منحوس گھڑی مسلمان نے عورت کی قید کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا۔ حالانکہ اسلام سے پہلے تجرد کو پارسائی کا اعلیٰ معیار سمجھا جاتا تھا کیونکہ بائبل کے مطابق اماں حوا نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہکایا تھا، جبکہ قرآن کریم میں دونوں کے بھٹکنے کا ذکر ہے۔ اسلام میں میرے رسول کریم ﷺ نے خود فرمایا کہ عورت کو میرے لئے محبوب بنایا گیا۔ قدیم زمانہ میں عورت سے تعلق کسی مذہبی شخصیت کے لئے اتنی معیوب چیز سمجھی جاتی تھی کہ آپ اگر اس باب میں اتنا زور نہ دیتے تو لوگ بدستور سابقہ رواج پر قائم رہتے۔ تجرد کی زندگی ذہنی، روحانی اور عضویاتی طور پر انسان کو کمزور رکھتی ہے۔ آزادی نسواں کے علم برداروں نے خود کہا ہے عورت اور مرد کے درمیان جو فرق تھا اس کا سبب فطرت میں نہیں تھا بلکہ سماج میں تھا۔ عورت ہر وہ کام کرسکتی ہے جو مرد کرتا ہے یا کرسکتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں عورت اور مرد کے مساویانہ حقوق کے باوجود 55 یا 60 فیصد کم اجرت ملتی ہے۔ سیاسی طور پر عورت بڑے پیمانے پر نمائندگی سے محروم ہے۔ بقول پروفیسر گولڈ برگ کے اس کا مطلب صرف یہ نہیں کہ مرد عورتوں سے بہتر ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مرد عورت سے مختلف ہے۔ مرد کا دماغ عورت سے مختلف طرز پر کام کرتا ہے۔ رحم مادر سے لے کر سوچنے کی صلاحیت تک یہ فرق دونوں کی حیاتیاتی نوعیت کے فرق سے پیدا ہوتا ہے۔ عورت کو چاہئے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو فطرت کے مطابق ترقی دے۔ تہذیب کی ترقی میں اس کا حصہ مرد سے زیادہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ جب قرآن کی یہ آیت اتری کہ جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے تو وہ اس کو کئی گنا بڑھا کر واپس کردے۔ (الحدید 11) اس آیت کو سن کر حضرت ابوالاحداح کے باغ میں چھ سو کھجور کے درخت تھے۔ اس وقت ان کی بیوی اپنے بچوں کے ساتھ باغ میں تھیں۔ ابوالاحداح نے باغ میں آکر کہا کہ اے ام الاحداح میں نے یہ سن کر کہا کہ آپ کا سودا کامیاب رہا اور وہ باغ سے بچوں سمیت چلی گئیں۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوالاحداح

کی بیوی کھجوروں کے باغ میں کام کرتی تھیں۔ (بحوالہ مولانا وحیدالدین خان) مرہم پٹی کرنا، غزوات میں مردوں کے ساتھ شامل ہونا، صفیہ بنت عبدالمطلب نے ایک یہودی کو تن تنہا مار دیا تھا جس جگہ وہ خواتین تھیں وہ اس جگہ کا چکر لگا رہا تھا کیونکہ بنت عبدالمطلب کو یہ خوف تھا کہ مبادا یہ یہودی واپس جا کر ہماری مخبری کرے اور یہودی ہم خواتین پر حملہ کردیں، اسلام نے عورت کو جو مقام دیا ہے اس کی ایک علامتی مثال حج میں صفا مروہ کے چکر ہیں۔ میرے خدا نے حضرت ابراہیم علیہم السلام کے ساتھ بی بی حاجرہ کو بھی وہی رتبہ عطا کیا ہے۔ یعنی عمرہ اور حج وغیرہ صفا اور مروہ کے چکروں کے مکمل نہیں ہوتا۔ سب سے زیادہ معتبر میرے رسول کریم کی پیغمبری کی گواہی اکلوتی بی بی خدیجہ نے دی۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو بند کرنے کے لئے اسلام کا نام نہ استعمال کیجئے۔ عورت مرد دونوں ہی ایک دوسرے کی ضرورت ہیں۔ جس طرح مولانا طاہر القادری نے ایک خوبرو حسینہ سے ہاتھ ملایا اسی طرح خوبصورت الفاظ میں کبھی مولانا حضرات عورت کے لئے اپنے دل میں عزت وتکریم کا درجہ دیا کریں۔ عجب طریقے سے (Behave) نہ کیا کریں کہ بندہ آپ لوگوں سے بات کرنے کی بجائے کنی کترا کر نکل جائے۔ اسی مسکراہٹ سے ہم سب خواتین کی رہنمائی بھی کیا کریں، جس طرح اس کے ساتھ مسکرا کر ہاتھ ملا رہے ہیں۔ امید ہے کہ مولانا طاہر القادری کے ساتھ ساتھ لوگ اس پر عمل کریں گے۔ میں خدانخواستہ مادر پدر آزادی نہیں مانگ رہی بلکہ حدود میں رہنا ہی حسن ہے لیکن قید بھی نہیں ہونا۔

(5 دسمبر 1999ء)

❁❁❁❁❁

آہ طاہر القادری، واہ طاہر القادری

مولانا طاہر القادری نے پچھلے دنوں پریس کلب ''لاہور'' کو دس ہزار روپے عطا کیے ہیں۔ پہلے کبھی مولانا اپنا علاج شرافت مآب خاندان کے فرد ''شہباز شریف'' سے کراتے تھے اور آج وہ اس قابل ہوگئے ہیں کہ پریس کلبوں کو فیڈ کریں۔ ثم سبحان اللہ۔ اللہ کرے زور رقم اور زیادہ ------ مولانا کہہ رہے ہیں کہ وہ شہباز شریف کی ایک ایک پائی اتار دیں گے اور ان کا کوئی احسان اپنے سر نہیں رکھیں گے لیکن پچھلے دنوں مولانا پر جو جرح ہوئی ہے اس سے تو شہباز شریف نے اپنا سارا قرض وصول کرلیا ہے۔ اب مولانا قرض اتاریں یا نہ اتاریں کوئی فرق نہیں پڑے گا:

اب یہ حکایت عام ہوئی ہے سنتا جا شرماتا جا

یہ بات مشہور تھی کہ مولانا طاہر القادری کو دریافت ''شریف فیملی'' نے کیا ہے۔ چونکہ مولانا میں کئی گن تھے اس لیے گنوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے مولانا کو بانس پر چڑھا دیا اور آج وہ اس قابل ہوگئے ہیں کہ نہ صرف ''دریافت کنندگان'' کا منہ چڑاتے ہیں بلکہ پنجہ آزمائی بھی کرتے ہیں۔ مگر خدا جانے کہ ایسی کیا بات ہوئی کہ مولانا شریف فیملی سے باغی ہوگئے۔ اور شریف بھی کلاشنکوفوں پر اتر آئے۔ بہرحال موجودہ سیاسی دور میں پنجاب کی سیاست کا ایک نیا باب کھلا ہے اور وہ ہے ''طاہر القادری بنام نواز شریف'' چنانچہ اس باب میں بڑے بڑے راز ہیں' بڑے بڑے اسرار ہیں۔ لیکن اس میں جو سب سے بڑا سبق موجود ہے وہ علامہ اقبال کی زبانی کچھ یوں ہے:

تن کی دنیا تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن

سنا ہے مولانا طاہر القادری ایک بڑی سی کوٹھی میں فروکش ہیں اور اس کوٹھی کی ٹک مٹک دیدنی ہے۔ یعنی اس میں عیش و عشرت کے وہ سارے سامان موجود ہیں جو کوٹھیوں کے لیے جزو لازم ہوتے ہیں۔ حالانکہ لوگوں کا خیال تھا کہ مولانا بوریا نشین ہیں۔ مسکین ہیں مفلس ہیں۔ کیونکہ انہیں اپنی تقریروں

اور تبلیغی سرگرمیوں کے آئینے میں پیروکاران سنت نبوی سمجھا جاتا ہے۔ مگر جرح میں واضح ہوگیا ہے کہ

جناب شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی

اب مولانا اپنی صفائی دیتے پھرتے ہیں لیکن شریف فیملی نے اپنی دریافت کو تقویٰ و ثقاہت کے جس مقام پر لاکر کھڑا کیا ہے۔ وہاں یہ شعر پھڑ کتا پھڑکتا نظر آتا ہے:

بس اتنی بات پر مجھ سے خفا ہے شیخ حرم
اندھیری رات میں ٹکرا گئے تھے پیمانے

پہلے کبھی طاہر القادری مسجد کے امام تھے۔ ''منہاج القرآن'' کے سربراہ تھے اور آج مولانا لیڈر ہیں۔ ایک سیاسی جماعت کے سربراہ ہیں اور ''پیپلز پارٹی'' اور ''آئی جے آئی'' کے بیک وقت نقاد اور نکتہ چیں ہیں اور اگر انہوں نے اپنی موجودہ رفتار برقرار رکھی یا انہیں موجودہ رفتار برقرار رکھنے دیا گیا تو انشاء اللہ وہ ایک دن پنجاب کے ملک معظم کے لتے لیتے نظر آئیں گے ------ نواز شریف کے پاس تو دولت اور ذاتی صلاحیتیں ہیں۔ مولانا کے پاس ان دونوں چیزوں کے علاوہ فتویٰ دینے کی قوت بھی ہے' جو بڑے بڑوں کے دماغ ٹھکانے لگا دیتی ہے۔ ہمیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مستقبل میں مولانا کا سیاسی کردار وہی ہوگا:

مندر میں مسجد بنتی ہے مندر میں برہمن رہتا ہے

مولانا طاہر القادری کے جادو سے بچنے کا بس ایک ہی نسخہ ہے کہ میاں نواز شریف وزیراعظم بن جائیں۔ ویسے میاں صاحب کے وزیراعظم بننے کے چانس اجاگر ہو رہے ہیں۔ لاہور میں پولیس نے جو کارنامہ انجام دیا ہے' اس نے میاں صاحب کے مستقبل کو درخشاں کردیا ہے اور اس سے پہلے دریائے جہلم کے کنارے قیام کرنے والے ایک بزرگ بھی عیدالاضحیٰ کے موقع پر وزیراعلیٰ کو خوشخبری سنا گئے ہیں کہ مستقبل میں کامیابیاں ان کے قدم چومیں گی اور وہ قدم قدم پر کامیاب نظر آئیں گے ------ اور بزرگ کی اس پیش گوئی سے وزیراعلیٰ کی خوشی اور مسرت کی جو کیفیت ہوئی وہ یوں تھی:

''نفس نفس میں روح تن میں آئی ہے''

وزیراعلیٰ کے وزیراعظم بننے کا ایک واقعہ اور ہوا وہ یہ کہ ٹیلی ویژن کا ایک نائب قاصد کمرۂ مخابرات میں گھس گیا اور خبریں پڑھنے والے کو مجبور کیا کہ وہ پہلے یہ خبر پڑھے اور خبر کچھ یوں تھی کہ

''میاں نواز شریف پاکستان کے وزیراعظم ہیں''

خدا جانے بعد میں نائب قاصد کا کیا بنا لیکن وہ میاں نواز شریف کے بارے میں بشارت سنا گیا اور جہلم کے کنارے رہنے والے بزرگ کی پیشگوئی پر مہر تصدیق ثبت کر گیا' بلکہ اپنے دوسرے ہاتھ

میں تھامے ہوئے ایک کاغذ کے پرزے کو بھی ''الم نشرح'' کر گیا۔ کاغذ پر لکھا ہوا تھا کہ ''میاں نواز شریف صدر بن جائیں گے۔''

اب اس قسم کے واقعات پر ''کون کافر'' میاں نواز شریف کے مستقبل سے اعراض کر سکتا ہے۔ جب کہ صورتحال کچھ یوں ہے کہ۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل
مگر! لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

ایک واقعہ اور بھی ہوا ہے۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ پچھلے دنوں ایک ہسپتال کی افتتاحی تقریب میں تقریر کر رہے تھے کہ اسی دوران ایک نابالغ لڑکا کھڑا ہو گیا اور اس نے نعرہ مستانہ بلند کر دیا ''میاں نواز شریف وزیر اعظم زندہ باد'' چنانچہ جب نواز شریف نے اس نعرے باز بچے کو دیکھا تو ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھیر دی۔ اب آپ ہی بتایئے کہ جب اتنے واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہوں تو وزیر اعلیٰ کو وزیر اعظم بننے سے کیسے روکا جا سکتا ہے۔ بہر حال ہم تو حضرت فیض کی زبان میں دعا گو ہیں۔

سمندر پہ چل اور الیاس بن جا' ہواؤں پہ اڑ اور سلیمانیاں کر
علم کھول کر جوش بد مستیوں کے جہاں داریاں کر جہاں بانیاں کر

ذکر تھا مولانا طاہر القادری کا' تو عرض یہ ہے کہ مولانا ان دنوں ''آہ اور واہ'' کے گروپ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اللہ ان کے حال پر رحم فرمائے اور ان کے سر سے ''شریف فیملی'' کا آسیب ٹل جائے۔ ویسے ان کی اطلاع کے لیے عرض کر دینا ضروری ہے کہ ان کے فاؤنڈر وزیر اعظم بننے والے ہیں۔ اور ع۔

ڈرو اس وقت سے جو ہے آنے والا

یوں تو مولانا بھی کچی گولیاں نہیں کھیلے۔ اور وقت نے انہیں تیز گام بنا دیا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مولانا طاہر القادری بنام نواز شریف کا ڈرامہ کیا رنگ دکھاتا ہے۔ کیا قیامت ڈھاتا ہے۔

پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

(از ہفتہ وار ''مدینہ'' بہاولپور' 17 جولائی 90ء)

بظاہر القادری سے انٹرویو

زرد چینل: کچھ تو بتایئے ناں؟

بظاہر القادری: کیا بتائیں جھنگ کے محلہ پیپلیاں والا میں پرانی عید گاہ کی جڑوں میں بچوں کے لیے گولیوں اور ٹافیوں کا خوانچہ لگایا کرتے تھے اور دعا لگایا کرتے تھے کہ رب العزت! کسی بھی طریقہ سے ہمارا بھی کوئی ''جیک'' لگوا دے۔ رب العزت نے سن لی اور ہم لاہور تشریف لے آئے۔ ایک مسجد پر قبضہ کیا اور شریف خاندان کی شرافت کے بیان سے خطبات کا آغاز کیا یوں ہم سائیکل سے پجارو تک جا پہنچے۔

زرد چینل: کچھ اور بتایئے ناں؟

بظاہر القادری: کیا فرمائیں......؟ دولت اور شہرت اور اقتدار کی بھوک ایسی شے ہے جو مٹائے نہیں مٹتی اور لٹائے نہیں لٹتی اور گھٹائے نہیں گھٹتی۔ واللہ ہم نے بھی اسے نہیں روکا اور یہ ہے کہ بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے، اللہ بھلا کرے پاکستانی قوم کا جسے خدا اور رسول کے نام پر جس طرف چاہو لگا لو، انقلاب کا رٹا لگا لگا کر آدھی تو میں نے اپنے پیچھے لگا رکھی ہے اور باقی آدھی ذرا ڈھیٹ ہے، لیکن ہم بھی پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی آگے جانے والے...... کہ مال و دولت کی حفاظت کریں گے اور عزت داؤ پر لگا دیں گے۔ کرم کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کون نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ کے ہاں برے کی رسی دراز ہے دو چار گز ہم نے بھی بڑھوالی ہے۔

زرد چینل: آپ کے خوابوں اور بشارتوں کی کیا حقیقت ہے؟

بظاہر القادری: (دیدہ دلیری سے آنکھیں موندے ہوئے) (حالت خواب میں آ کر) شوخی انداز سے...... یہ ہمارے تدبر کا نتیجہ ہیں، حکمت اسی میں تھی کہ ہم اتنے مقدس خواب دیکھیں

کہ اہل ایمان ہمارے سامنے ایڑیاں رگڑنے لگیں اور ہمیں وہ سب کچھ تسلیم کر لیں جو ہم چاہتے ہیں اور انعام و مرتبہ اتنا بلند ہو کہ وزارت عظمیٰ ہمارے تلووں سے بھی سوا نیزہ نیچے ہو۔ مگر برا ہو ان اخبار والوں کا جنہیں ہمارے خوابوں کی حقیقت معلوم پڑ گئی، وہ تو اللہ بھلا کرے ان بے وقوفوں کا جواب بھی کچھ نہیں سمجھتے...... ہم تو ان نگوڑے صحافیوں کو دعوتیں کھلا کھلا کر ہلکان ہوئے جاتے ہیں لیکن یہ ہیں کہ ہمارے خوابوں کا توا لگانے سے باز ہی نہیں آتے۔ حالانکہ ہم نے خود ان موئے صحافیوں کی خوشنودی کی خاطر رمضان المبارک کا تقدس پامال کیا اور اشارہ ابرو سے ان پر واضح کیا کہ چھت پر جائیں اور خوراک کے گلچھرے اڑائیں...... بھئی ماحضر تو ماحضر ہے چاہے آپ دوپہر کو تناول فرمائیں یا رات کو پھر مہمانوں کی تواضع تو عین ثواب ہے اور یہ سنت رسول بھی ہے۔

زردچینل: آپ ٹافیاں بیچتے بیچتے اتنے دولت مند کیسے ہو گئے۔؟

بظاہرالقادری: بھئی آپ زرد صحافی ہیں آپ کو تو پتہ ہونا چاہئے کہ ہم بھی مال زرد سے ہی فیض یاب ہو کر مقام زر کی انتہائی بلندیوں پر پہنچے ہیں، مریدوں کی جیبیں کاٹیں، عقیدت مندوں کو بے وقوف بنایا اور اہل ایمان سے ایمان کی شرائط اور جنت کے وعدوں پر دولت اینٹھی۔

زردچینل: آپ دین سے دنیا کی طرف کیسے اور کیوں آئے؟

بظاہرالقادری: حق ہو...... سچی بات تو یہ ہے کہ قلبی طور پر ہم دین کی طرف کبھی گئے ہی نہیں تھے، ہم فطری طور پر دنیادار ہیں اور دنیاداری عین فطرت ہے، جو ہماری رگ رگ میں بسی اور نس نس میں رچی ہوئی ہے۔

بجلی بھری ہے مرے انگ انگ میں
جو مجھ کو چھوئے گا وہ جل جائے گا

دنیا ہی ہمارا اصل ہے، لیکن دین کی آڑ لینا ناگزیر ہے اور عزیزو! چار دن کی زندگانی ہے اور ہمارے لیے صرف اور صرف دین باعث ترفع ہے۔

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

زردچینل: اور وزارت عظمیٰ......؟

بظاہرالقادری: ہائے! (مچلتے، تڑپتے اور کراہتے ہوئے)

اک تیر تو نے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے ظالم تو نے کس حسینہ دل نواز، گلدستہ فراز، مانع قلب و سکون، لبوب کسیر، حب اکبر، عطر عیش، قتالہ عالم کا ذکر چھیڑ دیا اس کا تصور ہی

ہمارے لیے راحت جاں، فرحت دل اور وجہ قرار، باعث فشار خوں اور از روئے اضطرار مرجع خلائق ہے کیا کسی کے پاس ہمارے لیے حب مسکن ہے؟ جب خیال و خواب وزارت عظمیٰ تمام تر شدت اور سرعت کے ساتھ ہم پر نازل ہوتے ہیں تو ہم بے چینی سے بلبلا اٹھتے ہیں اور یہ نگوڑے بوٹوں والے اجلجی ہمیں صرف سڑکوں پر پھنکائے پھرتے ہیں اور کرسی کو چھونے بھی نہیں دیتے ہم کھسیا کھسیا کر تھک چکے ہیں۔ رب ذوالجلال کے واسطے کوئی تو ہمیں چاہے دو دنوں کے لیے کرسی ایک بار دلا دے پھر دیکھیں کہ ہم کیسے چمٹتے ہیں۔

زردچینل: کیا فوجی حکمرانوں نے آپ سے کوئی رابطہ کیا؟

بظاہرالقادری: عزیز وطن ہمیں تو بند موبائل فون پر بھی جی ایچ کیو سے کال آجاتی ہے، ہم کیا بتائیں کہ ہمارے کس کس سے رابطے ہیں؟

زردچینل: موجودہ حکومت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

بظاہرالقادری: میری رائے ہر اس حکومت کے بارے میں اچھی ہے جو جاتے ہوئے حکمرانی مجھے دے جائے ورنہ بری ہے۔ جہاں تک موجودہ حکومت کا سوال ہے، یہ تو بہت ہی ٹرخاؤ قسم کی ہے اس کا اندازہ آپ ہم سے کیے گئے وعدوں سے ہی لگا سکتے ہیں۔

زردچینل: مستقبل میں آپ کے کیا عزائم ہیں؟

بظاہرالقادری: اقتدار کے لیے ہر وہ کام کر گزروں گا جو بس میں ہوا، مجھے صرف اور صرف وزارت عظمیٰ چاہئے۔

لے کے رہیں گے وزارت عظمیٰ
لے کے رہیں گے وزارت عظمیٰ
لے کے رہیں گے وزارت عظمیٰ

زردچینل: نواز شریف کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے اور کیا وہ وطن واپس آئے گے یا نہیں؟

بظاہرالقادری: سعادت مند بچہ تھا اللہ نے اپنے پاس بلا لیا، بہتر تھا کہ وہ وزارت عظمیٰ خود ہڑپ کرنے کی بجائے ہمیں پیش کر دیتا ہم دعا دیتے اور دو چار خواب اسے بھی سنا دیتے جہاں تک ان کے واپس آنے کا سوال ہے تو میں بس اتنا ہی کہوں گا۔

''اب یہاں کوئی نہیں کوئی نہیں آئے گا''

(پندرہ روزہ پولیٹکل سین لاہور 15 تا 30 جون 2001ء)

پڑھتا جا، شرماتا جا

محبوب الرسول قادری

انوکھا احتجاج

پاکستان عوامی تحریک سے تعلق رکھنے والے کھوکھر بالا کے 15 نوجوانوں نے اپنے گاؤں کے مسائل اعلیٰ حکام تک پہنچانے کے لیے انوکھا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ان نوجوانوں کے گروپ کے سربراہ ملک شاہراہ خان نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ ہم نے نواز شریف کی رخصتی پر ٹنڈ کروا کر خوشی کا اظہار کیا۔ اب عسکری قیادت سے اپنے پسماندہ گاؤں کے مسائل کے حل کے لیے احتجاجاً 15 نوجوانوں نے داڑھی مونچھیں منڈوا کر انوکھا احتجاج کیا ہے۔ نوجوانوں نے مطالبہ کیا ہے کہ حکومت ہمارے گاؤں کے مسائل ترجیحی بنیادوں پر حل کرے۔

(روزنامہ خبریں، لاہور 10 مارچ 2000ء)

خنزیر اور شراب

پروفیسر طاہر القادری نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا "1981ء سے لے کر آج تک 17 سال ہو گئے مگر میں نے منہاج القرآن یا پاکستان عوامی تحریک کے وسائل میں سے ایک روپیہ بھی اپنی فیملی پر خرچ نہیں کیا۔ ایک کپ چائے اور ایک لقمہ روٹی میں نے اور میری اولاد نے ان سے نہیں لیا، ہم اس کو خنزیر اور شراب کی طرح حرام سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض اوقات جو آفیشل کھانا ہو جاتا ہے، مہمان آتے ہیں تو چائے کا کپ پی لیا جاتا ہے تو میں اپنے حصے کے کھانے اور چائے کے کپ کے پیسے الگ ادا کرتا ہوں، آفیشل اکاؤنٹ سے نہیں لیتا۔"

(انٹرویو پروفیسر طاہر القادری، روزنامہ "دن" لاہور 17 اگست 1998ء)

طاہر القادری کی کیتھولک چرچ کی ریلی میں شرکت

عوامی تحریک کے چیئرمین پروفیسر طاہر القادری اسمبلی ہال میں کیتھولک چرچ کے زیر اہتمام تہنیتی جلوس سے استقبالی خطاب کریں گے۔ جلوس اسمبلی ہال سے ڈاکٹر محمد طاہر القادری، فادر اینڈ ریو فرانسس اور دیگر مذہبی قائدین کی قیادت میں اسمبلی ہال سے مسجد شہداء تک پر امن مارچ کرے گا۔

(روزنامہ دن، لاہور 22 نومبر 1998ء)

پرائمری تعلیم

جنگ...... قادری صاحب آپ یورپین خواتین سے پڑھے ہیں؟

طاہر القادری...... کیونکہ انگلش سکولز کا سٹائل "ننز" nuns سے پڑھانے کا تھا لہٰذا مجھے بھی پرائمری تک عیسائی خواتین یعنی راہباؤں سے تعلیم حاصل کرنی پڑی۔

عیسائیوں کے خلاف ہڑتال

جنگ...... سکول کے زمانے میں کوئی دلچسپ واقعہ سنائیں؟

طاہر القادری ..... مجھے یاد نہیں کہ نماز پنجگانہ کا کب سے پابند ہوں۔ مجھے تو اتنا بھی یاد نہیں کہ نماز تہجد کب سے پڑھ رہا ہوں۔ اس لیے عیسائیوں کے سکول کا مجھ پر بچپن ہی سے کوئی منفی اثر نہیں پڑا تھا۔ سیکرڈ ہارٹ سکول میں ان دنوں اسمبلی میں "آور فادر" کے نام سے ایک دعا شروع کروائی گئی۔ میں ان دنوں چھٹی کلاس میں تھا۔ ہم نے دیکھا یہ دعا تو اسلام کے خلاف ہے۔ مجھے اب اس کے صحیح فقرے یاد نہیں لیکن اسلامی نقطہ نظر کے وہ دعا خلاف تھی۔ دعا ختم ہوئی تو میں نے کلاس ٹو میں جا کر آدھی چھٹی کے وقت سارے طلباء کو گراؤنڈ میں اکٹھا کر لیا۔ اس وقت سکول میں سات جماعتیں تھیں یعنی ون سے لے کر سیون تک۔ آٹھویں، نویں اور دسویں کی کلاسز ابھی شروع نہیں ہوئی تھیں، اس لیے تمام چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ میں خود بھی بہت چھوٹا تھا لیکن اسی عمر میں، میں نے تمام بچوں سے خطاب کیا اور سکول ہڑتال کروا دی۔ میں نے انہیں بتایا کہ یہ تو عیسائیت کی تعلیم ہے اور فلاں فلاں جملہ ہمارے مذہب سے متصادم ہے۔ پھر میں نے تمام بچوں سے وعدہ لیا کہ کل جب اسمبلی ہو تو آپ ہاتھ مت باندھے اور دعا نہ پڑھیں۔ اگلے روز اسمبلی میں جب دعا پڑھنے کے لیے کہا گیا کہ سب بچوں نے ہاتھ نہ

باندھے اور دعا پڑھنے سے انکار کر دیا۔ جس پر ہیڈ مسٹریس بڑی گرجیں تو چھوٹے بچے ڈر گئے اور انہوں نے دعا پڑھ لی لیکن بڑے بچوں نے انکار کر دیا اگلے روز میں نے آدھی چھٹی کے وقت پھر بچوں کو جمع کر لیا اور ان سے وعدہ لیا۔ صبح پھر اسمبلی میں سب بچوں نے دعا پڑھنے سے انکار کر دیا تو ہیڈ مسٹریس نے پوچھا کہ آپ کو کس نے منع کیا ہے؟ تو بچوں نے بتا دیا کہ ہمیں طاہر نے منع کیا ہے...... ہیڈ مسٹریس نے مجھے اپنے کمرے میں طلب کر لیا اور پوچھا کیوں آپ نے منع کیا ہے؟ میں نے کہا یہ ہمارے دین و مذہب کے خلاف بات ہے۔ میں نے کہا ہم آپ کے سکول تعلیم حاصل کرنے آئے ہیں مذہب بدلنے نہیں۔ اس پر ہیڈ مسٹریس نے مجھے سکول سے نکالنے کی دھمکی دی تو میں نے کہہ دیا کہ اگر مجھے نکالا گیا تو بہت سارے بچے سکول نہیں آئیں گے اور آپ کا سکول ناکام ہو جائے گا چنانچہ چند دنوں کی کشمکش کے بعد انہیں "آور فادر" دعا بند کر کے صرف پاکستانی ترانے پر ہی اکتفا کرنا پڑا...... یہ تھا میرا چھٹی کلاس کا ایک معرکہ!

(سنڈے میگزین روزنامہ جنگ، لاہور 12 تا 18 اکتوبر 1989ء)

امام خمینی کے متعلق

پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین علامہ طاہر القادری نے کہا کہ "آیت اللہ خمینی نے حضرت علیؓ کی سی زندگی گزاری اور حضرت امام حسینؓ کی طرح دنیا سے رخصت ہوئے۔"

(روزنامہ جنگ، لاہور 8 جون 1989ء)

نواز شریف دیانتدار؟

"میں درویش ہوں، دین کا خادم ہوں، حضورؐ کی امت کا ادنیٰ سا نوکر ہوں، نواز شریف جیسا شریف اور دیانتدار وزیر آج تک نہیں آیا۔ میں اس کے لیے دعا گو ہوں۔"

(بحوالہ خطرے کی گھنٹی از ابوداؤد صادق ہفت روزہ دید شنید، 4 تا 10 اپریل 1986ء)

سوائے داڑھی اور مونچھ کے......

پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ پروفیسر طاہر القادری نے کہا کہ "عوامی تحریک دیگر مذہبی جماعتوں کی طرح نہیں۔ مذہبی جماعتوں کے اجلاسوں میں شرکت نہ کرنے کے سوال پر انہوں نے کہا کہ سوائے داڑھی اور مونچھ کے ہم میں اور دوسری مذہبی جماعتوں میں کوئی چیز مشترک نہیں۔ مذہبی جماعتوں میں اسلام کا کوئی تصور نہیں۔"

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور 10 جون 2000ء)

پاکستان عوامی تحریک کا جھنڈا

مکرمی! آپ کے کالم کی وساطت سے وطن عزیز کے مشہور عالم دین اور مذہبی و سیاسی رہنما جناب طاہر القادری سے ایک اپیل کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے "پاکستان عوامی تحریک" نام سے ایک انقلابی پارٹی بنائی ہے اور انہیں قائد انقلاب کہا جاتا ہے وہ ملک میں مصطفوی انقلاب لانا چاہتے ہیں، وہ لادینی، استحصالی اور منافقانہ قوتوں کے خلاف اعلان جہاد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سب باتیں بہت اچھی ہیں لیکن جب ہم ان کی پارٹی کے جھنڈے کو دیکھتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ بھارتی پرچم ہمارے ملک پر مسلط کیا جا رہا ہے ایسے افراد کو جنہوں نے بھارتی پرچم دیکھا ہے انہیں مولانا صاحب کی عوامی تحریک کا جھنڈا ذرا بھی اچھا نہیں لگتا۔ اس جھنڈے کی لال پٹی کا رنگ جب دھیما پڑ جاتا ہے تو یہ جھنڈا ہو بہو بھارتی جھنڈا دکھائی دیتا ہے۔ ذرا سوچیں تو جب مولانا صاحب کے لاکھوں پروانے بھارتی جھنڈا لے کر ہندوستان یا کشمیر کا رخ کریں گے اور کشمیری بھائی یہ بھارتی جھنڈا دیکھیں گے تو انہیں کتنا صدمہ ہوگا کہ ان کا جھنڈا اور بھارت کا جھنڈا ایک سا ہے۔ آپ یقین جانیں کسی پاکستانی دیہات میں جگہ جگہ یہ جھنڈا لگا دیکھیں تو بالکل ایسا لگتا ہے جیسے آج بھارت کا کوئی قومی دن ہے۔ سب سے پہلے کسی بھی سیاسی پارٹی کا جھنڈا ہی اس پارٹی کے بارے میں عوام کی رائے بناتا ہے۔ میری رائے میں مولانا صاحب نے یہ جھنڈا بغیر سوچے سمجھے ڈیزائن کیا ہے۔ کم از کم ہمیں بھارت کے جھنڈے سے ملتے جلتے جھنڈے نہیں اپنانے چاہئیں۔ کیا اس دنیا میں رنگوں اور ڈیزائنوں کی کمی تھی جو بھارتی جھنڈے سے ملتے جلتے رنگ چنے گئے اور ترتیب بھی وہی رکھی گئی اتنے بڑے عالم سے اتنی چھوٹی غلطی، ہمیں ان سے ہرگز یہ توقع نہ تھی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ بہت جلد اپنی غلطی کا ازالہ کریں گے اور اپنی پارٹی کو نیا اسلامی اور عوامی جھنڈا دیں گے ورنہ ہمارا ووٹ ان کے خلاف جائے گا۔

(روزنامہ امروز، لاہور 6 اکتوبر 1990ء)

قادیانیوں کے بارے میں طاہر القادری کا موقف

چٹان: گویا آپ قادیانیوں کو بھی نمائندگی دیں گے حالانکہ وہ اپنے آپ کو اقلیت تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہیں؟

طاہر القادری: جی ہاں! ہم قادیانیوں کو بھی بطور اقلیت تحفظ اور نمائندگی دیں گے۔ پاکستان کے آئین میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔ قادیانی بھی اقلیت ہیں، اسی

طرح ہندو، سکھ عیسائی تمام غیر مسلم اقلیتیں ہیں اور ان کی نشستیں ایوان میں مقرر ہیں۔ جب اسلام خود اقلیتوں کی حفاظت کرتا ہے تو پھر ہم کیوں نہ کریں؟ حضورؐ نے خود میثاق مدینہ میں غیر مسلموں سے معاہدے کیے اور انہیں تحفظ فراہم کیا۔ خلفائے راشدین کا طرز عمل بھی یہی تھا البتہ جو اقلیت بغاوت کرے اس کے لیے الگ قانون ہے ورنہ تمام اقلیتوں سے حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔ ہم بھی غیر مسلموں کا دوسرے شہریوں کی طرح احترام کریں گے۔ ان سے کسی قوم کا کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔ قادیانی خود کو اقلیت تسلیم کریں یا نہ کریں، بہر حال وہ پاکستان کے آئین کی رو سے اقلیت ہیں اور ہم ان سے شہریوں کی طرح ہی حسن سلوک کریں گے۔ ہم سماجی، سیاسی اور معاشی انقلاب کے خواہاں ہیں اور اسوۂ فاروقی کا نظام لانا چاہتے ہیں۔

(طاہر القادری کا انٹرویو ہفت روزہ چٹان لاہور، 25 مئی 1989ء)

اعترافِ حقیقت
اور انتخاب سے دستبرداری

پاکستان عوامی تحریک نے انتخابات سے دست برداری کا اعلان کر دیا ہے۔ تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری نے ایک پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ

''میں نے کوشش کی تھی کہ ملک کی تمام دینی و مذہبی جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہو کر ایک نشان پر انتخابات میں حصہ لیں تو پھر دوسری پارٹیوں کو شکست سے دوچار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کوئی بھی مذہبی جماعت، اپنے خول سے باہر نہیں آئی اور اس وقت تمام مذہبی جماعتیں اپنے طور پر انتخابات میں حصہ لے رہی ہیں۔ جس سے کوئی خوشگوار تبدیلی نہیں ہوگی اور نہ ہی جمہوریت کو کسی قسم کی تقویت ملے گی اور اس طرح مذہبی جماعتوں کو شرمناک شکست ہوگی اور ان کے لیے عبرت ناک نتائج سامنے آئیں گے۔ صرف ووٹوں کی تقسیم ہوگی جس کا فائدہ پیپلز پارٹی کو پہنچے گا اور اس طرح قوم کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس لیے پاکستان عوامی تحریک اب کسی شرم ناک جرم میں شریک نہیں ہوگی۔''

(روزنامہ ''جنگ'' راولپنڈی 9 ستمبر 1993ء)

عورت کی حکمرانی قرآن کی رُو
سے جائز ہے، طاہر القادری

''تحریک منہاج القرآن کے سربراہ طاہر القادری نے واضح طور پر کہا ہے کہ اسلام ایک دین ہے اور اس میں تمام ضابطہ حیات موجود ہے۔ زندگی سے متعلق تمام امور عیاں ہیں کہیں قرآن کریم میں

یہ بات نظر نہیں آتی کہ اسلام میں عورت کی حکمرانی جائز نہیں وہ کوئٹہ میں ایک پر ہجوم کانفرنس میں خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ

''موجودہ انتخابات میں چند عناصر بری طرح شکست کھانے کی وجہ سے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں اور فتویٰ بازی کر کے عوام میں بے چینی کی لہر پیدا کرنا چاہتے ہیں انہوں نے کہا کہ یہ مذہبی بنیادوں پر سوچتے ہیں جب کہ اسلام ایک دین ہے اور اسلام کے دائرہ کار میں کہیں بھی عورت کی حکمرانی کو ناجائز نہیں قرار دیا۔ جناب طاہر القادری نے کہا کہ قرآن پاک میں عورت کی حکمرانی کے بارے میں کوئی آیت براہِ راست یا مطلب واضح نہیں کرتی، نام نہاد علماء اپنی دوکانداری چمکانے کے لیے عورت کی حکمرانی کے بارے میں فتوے جاری کرتے رہتے ہیں اور اس کے لیے ادھر ادھر سے دلائل اکٹھے کرتے رہتے ہیں، مولانا طاہر القادری نے کہا کہ عورت کسی بھی اسلامی ملک کی سربراہ ہو سکتی ہے اور اس سلسلہ میں چند جعلی دانشور اپنے مؤقف کو غلط انداز میں ثابت کرنے کے لیے کوشاں ہیں جس کی میں مذمت کرتا ہوں، مولانا طاہر القادری نے کہا کہ شریعت میں عورت کی حکمرانی کے خلاف کوئی بات موجود نہیں اس لیے اب یہ بحث بند کر دینی چاہئے اور ملک کے مسائل حل کرنے کی طرف توجہ دی جانی چاہئے۔''

(روزنامہ جنگ لاہور 23 نومبر 1993ء)

اور یہ رشوت؟

''پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری آج کل ہوا کے گھوڑے پر سوار ہیں اور سیم وزر کے انباروں میں گھر کر اپنے حواس قائم رکھنے میں بھی کامیاب نہیں رہے۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عوامی دورہ کے دوران ہر فرقے کے تین تین مولویوں کو پھانسی دینے کی تجویز ارشاد فرمائی ہے۔ مگر ایک دل جلے نے اپنی اور طاہر القادری صاحب کی تجرباتی طور پر پھانسی کی تجویز پیش کی تو نابغہ عصر نے عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق اپنے بیان کی نام نہاد وضاحت کر دی۔ اس کے بعد اب تازہ کلام میں یہ فرمایا ہے کہ وہ ہر سال اپنے خرچ پر ایک عالم دین کو حج پر بھیجا کریں گے اور دینی مدارس کو مالی امداد بھی فراہم کریں گے۔ ہماری نظر میں ان کے یہ دونوں اعلانات ضیاء الحق کی رشوت مآب طرزِ سیاست کا حصہ ہیں۔ اس طرح وہ علمائے دین کے ضمیر خریدنے کی بھونڈی اور قابل مذمت حرکت کر رہے ہیں جس کا انجام ہرگز انقلاب مصطفوی نہیں بلکہ ''دور ضیائی'' پر ہی منتج ہو سکتا ہے۔ ہم ان کے لیے دعا کے سوا کیا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں فہم و بصیرت کی دولت سے نوازے اور وہ شعبدہ بازی اور سیاسی بے تدبیریوں سے دامن بچا سکیں اور اس طرح کی بھونڈی حرکتوں کی بجائے ملک میں مثبت سیاست کے

فروغ کا باعث بن سکیں۔"

(ندائے اہلسنت لاہور، جون 1989ء)

سر را ہے

پیپلز پارٹی کی طرف سے تو دھاندلی کا الزام پھر بھی کچھ قابل فہم بات ہے کہ یہ ایک بڑی جماعت تھی اور اس نے 1988ء کے انتخابات میں سب سے زیادہ سیٹیں حاصل کی تھیں۔ لیکن پیپلز پارٹی کے دیکھا دیکھی بعض مینڈکیوں کو بھی زکام ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک تیسری طاقت کی دعویدار پارٹی نے اعلان کیا ہے کہ ہمارے ساتھ بھی زبردست دھاندلی ہوئی ہے اور ہم اس دھاندلی کا جلد جواب دیں گے۔ ان کے ساتھ دھاندلی کی کیفیت یہ ہے کہ نہ صرف ان کے تمام امیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہو گئی ہیں بلکہ الیکشن کمیشن والے اس جماعت کے امیدواروں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں کہ تم نے ہمارا اور قوم کا اتنا قیمتی وقت کیوں ضائع کیا ہے۔

پیپلز پارٹی سے ہم زبان ہو کر ان کی طرف سے دھاندلی کے الزام کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک چوہا جو ایک ہاتھی کے ہمراہ دریا پر بنے ہوئے لکڑی کے پل پر سے گزر رہا تھا، ہاتھی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ میرے اور تمہارے وزن سے پل لرز کیوں رہا ہے؟ اس جماعت کے سربراہ نا اہلی کے خوف سے خود تو الیکشن میں کھڑے نہ ہوئے، کیونکہ عدالت انہیں ایک انکوائری میں جھوٹا، دغاباز، شیخی خور اور احسان ناشناس قرار دے چکی تھی۔ لیکن انہوں نے بہت سے ایسے لوگوں کو ٹکٹ جاری کر دیئے جنہیں کسی معروف یا غیر معروف جماعت کی طرف سے ٹکٹ نہیں مل سکا تھا۔ ان امیدواروں نے بھی سوچا ہو گا کہ چلو ایک ٹکٹ مل رہا ہے۔ دوسرے مفت میں پارٹی کے سربراہ چند تقریریں بھی کریں گے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مفت کے ورکرز مل جائیں گے۔ چونکہ ان کی ذاتی حیثیت زیرو تھی اس لیے ان کے ووٹ بھی اسی حساب سے برآمد ہوئے۔ اس انقلابی پارٹی نے اشتہارات اور دوسری چیزوں پر جس قدر پیسہ خرچ کیا اگر اسے حاصل شدہ ووٹوں پر تقسیم کیا جائے تو فی ووٹ دو ہزار روپے میں پڑتا ہے۔ اب ایسی پارٹی بھی اگر دھاندلی کا الزام عائد کرے اور یہ دھمکی بھی دے کہ ہم اس دھاندلی کا جلد جواب دیں گے تو اس پر "کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ" کے علاوہ کیا تبصرہ کیا جا سکتا ہے؟

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور 31 اکتوبر 1990ء)

میری بہن بے نظیر نے مجھے اہم ذمہ داری سونپی ہے

مینار پاکستان کے سائے تلے ہونے والا پاکستان عوامی اتحاد کا جلسہ پیپلز پارٹی اور دیگر

جماعتوں کے قائدین کی آمد کے بعد شروع ہو گیا۔ جلسہ گاہ میں شدید بدنظمی رہی۔ مختلف جماعتوں خصوصاً عوامی تحریک اور پیپلز پارٹی کے کارکن جہاں جلسہ گاہ میں باہم دست و گریبان رہے وہاں سٹیج پر بھی صورتحال مختلف نہ تھی۔ کئی مرتبہ دونوں جماعتوں کے کارکنوں میں محاذ آرائی نعروں سے شروع ہوئی اور اختتام ڈنڈوں اور گھونسوں پر ہوا۔ اس قسم کا سب سے پہلا اہم مظاہرہ طاہر القادری کے جلوس کی آمد پر ہوا۔ علامہ طاہر القادری کے جلسہ گاہ پہنچنے پر اتحاد کے دو قائدین علامہ زبیر احمد ظہیر اور کبیر علی واسطی (پاکستان مسلم لیگ قاسم) کو خطاب بھی مکمل نہ کرنے دیا گیا۔ حامد ناصر چٹھہ، میاں منظور محمد وٹو، پیر فضل حق، ع غ کراروی، حافظ عبدالقدیر خاموش، راؤ سکندر، حتیٰ کہ نوابزادہ نصر اللہ خان کو بھی خطاب کا موقع نہ دیا گیا۔

نعروں کے شور میں خطاب کرتے ہوئے پاکستان عوامی اتحاد اور پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنے نصف گھنٹہ کے خطاب میں کہا، ہم مینار پاکستان کے سائے تلے اعلان کرتے ہیں کہ ایٹمی پروگرام کی سلامتی کا سودا کرنے کے لیے امریکہ جانے والے وزیراعظم نے ایسا کیا تو وہ ادھر رہیں گے اور ہم ادھر رہے ہیں۔ میری بہن بے نظیر نے عوامی اتحاد کی سربراہ دے کر مجھے اہم ذمہ داری سونپی ہے۔ پیپلز پارٹی اور عوامی تحریک کے کارکن اب خاندان بن گئے ہیں لہٰذا انہیں اتحاد اور یکجہتی کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ طاہر القادری زندہ باد ہو گا تو میری بہن بے نظیر بھی زندہ باد ہو گی۔ پیپلز پارٹی میری اور عوامی تحریک ان کی جماعت ہے۔ جھنڈوں اور قیادتوں کے جھگڑے ہمیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔ کارکنوں کو پاکستان کی بیٹیوں کی عزت کا واسطہ ہے کہ وہ اختلافات بھلا کر ایک ہو جائیں۔

(ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور 3 تا 9 دسمبر 1998ء)

"عوامی کلچرل میلہ"

پاکستان عوامی تحریک نے کلچرل ونگ کے عہدیداران کی مایوس کن کارکردگی کے بعد اپنے دیگر عہدیداران کی مدد سے 9 فروری کو قائد تحریک پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کی سالگرہ کے موقعہ پر موچی دروازہ میں عوامی کلچرل میلہ" منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کی تیاریاں شروع ہو گئی ہیں۔ تفصیلات کے مطابق عوامی تحریک کے قائد ڈاکٹر طاہر القادری نے کچھ عرصہ قبل کلچرل ونگ تشکیل دیا تھا جس کے سیکرٹری جنرل فردوس جمال صدر ندیم نائب صدر افضال احمد چیف آرگنائزر رسید نور اور میڈیا ایڈوائزر ڈاکٹر انور سجاد مقرر کیے گئے تھے۔ ان عہدیداران کو گزشتہ سال چودہ اگست کے موقعہ پر گرینڈ

کلچر شو اور ثقافتی پالیسی تیار کرنے کا ٹاسک دیا گیا تھا لیکن، ڈاکٹر انور سجاد فردوس جمال وغیرہ کئی دنوں تک مرکزی سیکرٹریٹ میں قائم کلچرل ونگ میں بیٹھنے کے باوجود کوئی قابل قبول ثقافتی پالیسی تیار نہیں کر سکے اور انہوں نے جس گرینڈ کلچر شو کا آئیڈیا دیا اس پر اخراجات کا تخمینہ بہت زیادہ لگایا گیا تھا جو لاکھوں میں تھا۔ جس کی قائد تحریک نے منظوری نہیں دی اور اس طرح مقررہ وقت پر یہ شو نہیں ہو سکا، جس کے بعد کلچر ونگ کے عہدیداران کی دلچسپی بھی عوامی تحریک میں کم ہو گئی اور باخبر ذرائع کے مطابق فردوس جمال تو عملاً بھی اس سے کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں کلچر ونگ کو دوبارہ فعال کرنے کے لیے تحریک کے دیگر کارکنان نے اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ اب لیبر ونگ کے صدر رد رباب ہاشمی نعیم الرحمٰن اور مدثر اعوان پر مشتمل تین رکنی کمیٹی بنائی گئی ہے۔ جنہوں نے انتہائی کم بجٹ میں 19 فروری کو قائد تحریک پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کی سالگرہ کے موقعہ پر عوامی کلچر میلہ کے انعقاد کا پروگرام ترتیب دیا ہے جس کے لیے فنکاروں سے رابطے کیے جا رہے ہیں جن گلوکاروں کو اس میلے میں مدعو کیا جائے گا۔ ان میں عابدہ پروین، شازیہ خشک، ابرار الحق، عطاء اللہ خان عیسیٰ خیلوی، عارف لوہار، نصیبو لعل، اقبال باہو اور قوال بدر میانداد شامل ہیں۔ اسی میلہ میں تحریک کی طرف سے کئی مختلف سٹالز لگائے جائیں گے اور قائد تحریک بھی اس میلہ میں خصوصی شرکت کریں گے اس طرح پر یہ پہلا موقعہ ہے کہ موسیقی کی کسی تقریب میں ڈاکٹر طاہر القادری شریک ہوں گے۔

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد 31 دسمبر 2000ء)

احسان فراموش

پاکستان پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل جہانگیر بدر نے پارٹی چیئر پرسن بے نظیر بھٹو کے خلاف عوامی تحریک کے قائد ڈاکٹر طاہر القادری کے بیانات کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بیانات منافقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ کل تک جی ڈی اے کے جلسوں میں بے نظیر بھٹو کو بہن کا رتبہ دے کر اپنا سیاسی قد کاٹھ بڑھانے والے طاہر القادری کس منہ سے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ ہفتہ کو اپنے بیان میں انہوں نے کہا کہ جو شخص منافق ہوتا ہے وہ احسان فراموش بھی ہوتا ہے۔ طاہر القادری نے تو نواز شریف سے وفا نہیں کی جس نے انہیں مسجد کے مولوی سے علامہ بنایا تو وہ منہ بولی بہن کے بارے میں توہین آمیز کلمات کہنے سے کیسے دریغ کر سکتے ہیں۔

(روزنامہ انصاف لاہور 11 فروری 2001ء)

ماؤزے تنگ

پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین ڈاکٹر طاہر القادری نے کہا ہے کہ میں ماؤزے تنگ کی طرح عنقریب غریبوں کے حقوق کی بحالی کے لیے لانگ مارچ کی کال دینے والا ہوں، سب لوگ تیار ہو جائیں۔ وہ چک 270 لیہ میں کرسچن کمیونٹی سے خطاب کر رہے تھے۔ جلسہ میں چک 270 کی کرسچن کمیونٹی اور گردونواح سے آئے ہوئے دو ہزار سے زائد عیسائیوں اور مسلمانوں کی بھی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی اور تمام عیسائیوں نے پاکستان عوامی تحریک میں شمولیت کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا کہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت آئینی ذمہ داری ہے۔ انہوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں برابر حصہ لیا۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے کہا کہ اسلام امن اور رواداری کا دین ہے۔ رسول اکرمؐ نے نجران کے عیسائی وفد کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور اپنے مذہب کے مطابق عبادت کی اجازت دی۔

(روزنامہ انصاف لاہور 17 نومبر 2000ء)

جماعت اسلامی کا مقابلہ

پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے منہاج اداروں کے طلباء و طالبات اور دیگر کارکنوں کو جماعت اسلامی کے مقابلے میں دوگنی کھالیں اکٹھی کرنے کا ٹاسک دے دیا کھالیں اکٹھی نہ کرنے کی صورت میں طلباء و طالبات کو بھاری جرمانے اور منہاج اداروں سے فارغ کرنے کا عندیہ بھی دے دیا۔ ادارہ منہاج القرآن کے ذرائع کے مطابق اداروں کے سربراہان کو ڈاکٹر طاہر القادری نے ہدایات جاری کی تھیں کہ وہ تمام طلباء و طالبات کو زیادہ سے زیادہ پانچ کھالوں اور کم سے کم ایک کھال اکٹھی کرنے کا ٹاسک دیں تاکہ جماعت اسلامی کے مقابلے میں دوگنی کھالیں اکٹھی کی جا سکیں اور کسی بھی طلباء و طالبات کی جانب سے کوئی کھال نہ موصول ہونے پر یا تو اسے بھاری جرمانہ کیا جائے اور جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں اسے ادارہ سے فارغ کیا جائے۔

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد 2 مارچ 2001ء)

مولانا نہیں

عوامی تحریک کے قائد پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کے گزشتہ روز ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے خطاب کے موقع پر سوال و جواب کے وقفہ کے دوران جب ڈسٹرکٹ بار کے سینئر رکن چودھری مختار احمد ایڈووکیٹ نے انہیں ''مولانا صاحب'' کہہ کر مخاطب کیا تو ڈاکٹر طاہر القادری نے انہیں فوراً ٹوک دیا اور کہا کہ مجھے ''مولانا'' ہرگز نہ کہا جائے میں مولانا نہیں بلکہ ڈاکٹر طاہر القادری ہوں۔ مجھے مولانا کہنا ایسا

ں ہے جیسے جوابا میں آپ کو مولانا کہہ دوں۔

(روزنامہ آواز لاہور 10 مارچ 2001ء)

اوہو میں بھول گیا!

منہاج القرآن میں پریس کانفرنس کے اختتام پر روزے کے دوران علامہ طاہر القادری نے حافیوں کو چائے کی دعوت دی اور کہا کہ آپ کے لیے چائے کا انتظام کیا گیا ہے، صحافیوں نے روزے ں وجہ سے دعوت مسترد کر دی۔ اس پر طاہر القادری نے کہا کہ اوہو میں بھول گیا کہ آج دوسرا روزہ ہے۔

(روزنامہ جنگ لاہور، 30 نومبر 2000ء)

بجٹ بنانے کی کنجی

علامہ طاہر القادری نے مختلف مقامات پر اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عوامی تحریک کی حکومت آئی تو ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے قرضے اٹھا کر ان کے منہ پر ماریں گے۔ مجھے جدار مدینہ نے بجٹ بنانے کی کنجی عطا کر دی ہے۔ ہمارے دور حکومت میں کوئی بھوکا نہیں رہے گا۔

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور 4 نومبر 2000ء)

مصطفوی انقلاب کی آڑ میں

پروفیسر طاہر القادری دوسرے کو لٹیرا کہہ کر اور احتساب کی رٹ لگا کر خود انتخاب اور احتساب سے بچنا چاہتے ہیں اور حکومت کی بی ٹیم بن کر ملک کو نو ملوکیتی نظام کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ یہ بات تحریک خدمت انسانیت کے رہنماؤں علامہ قاری بلال، منیر جاوید صابری، حاجی اصغر رینالوی نے کہی انہوں نے کہا کہ طاہر القادری مصطفوی انقلاب کی آڑ میں فلمی اداکاراؤں کے ساتھ تصویریں بنا کر عوام کو اس اسلام کی طرف لے جا رہے ہیں۔ طاہر القادری نے جتنے بھی اتحاد کیے وہ سب ان کی برکت کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد 27 اگست 2000ء)

ہٹلر، خمینی، ماؤزے اور طاہر القادری

پاکستان عوامی تحریک کے مرکزی رہنما پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے وزیر آباد میں پریس کانفرنس نے خطاب کرتے ہوئے کہا اس موقع پر ان کا گرفت میں آنے کا وقت ہے۔ نواز اور بے نظیر کا

دور جمہوریت کے نام پر طمانچہ اور لعنت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم موجودہ حکومت میں شامل نہیں ہو رہے، ہم اپنی حکومت بنائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح دوسری قوموں کو ہٹلر، خمینی، ماؤزے کی قیادت ملی پاکستان کو طاہر القادری کی قیادت ملی ہے۔ انہوں نے دوٹوک کہا کہ ہماری جماعت مذہبی نہیں۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 4 نومبر 2000ء)

جہادی تنظیموں سے لاتعلقی

پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے کہا ہے کہ ان کی تنظیم مذہبی جماعت نہیں وہ آزادی کشمیر کے لیے لڑنے والی جہادی تنظیموں کے ساتھ نہیں بلکہ وہ صرف اور صرف جہاد اور کشمیر کی آزادی کے حق میں ہیں۔ مذہبی و جہادی تنظیمیں کیا کر رہی ہیں اور کیا نہیں یہ وہ جانیں۔

(روزنامہ آواز لاہور 15 مئی 2001ء)

طاہر القادری اور ہیروئن فروشی

پروفیسر ڈاکٹر علامہ طاہر القادری نے گذشتہ دنوں ملتان کے خصوصی دورے کے دوران چوک بازار میں ملتان کے بدنام ترین منشیات فروش شوکت علی طوطی کی دعوت پر ان کے بہنوئی لیاقت علی قریشی کے انتخابی جلسے میں شرکت کی۔ اس جلسے کی تصاویر ملتان کے متعدد اخبارات میں شائع ہوئیں۔ جو تصویری پٹی اخبارات کو بھجوائی گئی اس میں طاہر القادری، شوکت طوطی، لیاقت قریشی اور مخدوم سید فدا الدین گیلانی کے علاوہ ملتان کے بعض جید علماء بھی موجود تھے۔ جلسے کا اہتمام شوکت طوطی نے کیا اور شوکت طوطی جلسے کے مرکزی مقررین میں بھی شامل تھے۔ شوکت طوطی کے خلاف اس وقت بھی ملتان کے ایڈیشنل سیشن جج عبدالستار کی عدالت میں ہیروئن فروشی کے 11 مقدمات زیر سماعت ہیں اور تمام کے تمام مقدمات ایک کلو سے زائد ہیروئن، شراب اور دیگر منشیات کے ہیں۔ تھانہ کپ میں مقدمہ نمبر 136/94 برآمدگی ہیروئن اڑھائی کلو، تھانہ کپ میں مقدمہ نمبر 469/92 برآمدگی ہیروئن دو کلو کے علاوہ تھانہ صدر، تھانہ لوہاری گیٹ، تھانہ نیو ملتان، تھانہ سی آئی اے سمیت ملتان کے متعدد تھانوں میں منشیات کے مقدمات درج ہیں۔ سابق رکن قومی اسمبلی طاہر رشید پر بھی اہالیان ملتان کی طرف سے سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ وہ شوکت طوطی کی پشت پناہی کرتے ہیں، مگر طاہر القادری نے شوکت طوطی کے ساتھ جلسہ میں خطاب کر کے شیخ طاہر رشید کے خلاف عوامی الزامات کو انتہائی غیر موثر کر دیا ہے۔ ملتان کے شہریوں کے ایک وفد نے گذشتہ روز روزنامہ ''خبریں'' کو شوکت طوطی کے خلاف ان مقدمات کی فہرست اور

تصویری پٹی فراہم کی۔ شہری حلقوں اور ایجنسیوں کا کہنا ہے کہ اب شوکت طوطی منشیات فروشی کے بجائے منشیات فروشوں کا سرپرست اور سربراہ ہے، خواہ کسی بھی جماعت یا گروہ کا ہو اس پر سب کچھ "حلال" ہے۔ شوکت طوطی پہلے بھی کونسلر منتخب ہو چکے ہیں، مگر اس مرتبہ رکاوٹ میٹرک پاس نہ ہونے کی وجہ سے آئی۔



(روزنامہ نیا اخبار لاہور، 5 مئی 2001ء)

تردید

پاکستان مسلم لیگ (ہم خیال) کے صوبائی ترجمان نے مسلم لیگ کے معطل قومی اسمبلی کے رکن سردار کامل عمر کی پاکستان عوامی تحریک میں شمولیت کے حوالے سے چھپنے والی خبر کی سختی سے تردید کی ہے اور یہ کہا ہے کہ خبر جھوٹ کا پلندہ ہے۔ یہ بات انہوں نے گذشتہ روز مسلم لیگ ہاؤس میں اخبار نویسوں سے بات کرتے ہوئے کہی۔ مسلم لیگ کے معطل رکن قومی اسمبلی سردار کامل عمر سے جب اس سلسلے میں رابطہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ خبر بکواس اور جھوٹ ہے میں عوامی تحریک کے دفتر میں لوکل باڈیز الیکشن کے حوالے سے تبادلہ خیال کرنے گیا تھا کہ انہوں نے یہ خبر شائع کر دی۔ مسلم لیگ (ہم خیال) کے ایڈیشنل جنرل سیکرٹری کامل علی آغا نے کہا کہ طاہر القادری کا میڈیا جھوٹ بولتا ہے اور انہیں لاہور میں ہم خیال مسلم لیگ کی مقبولیت سے گھبراہٹ ہوگئی ہے۔ انہوں نے اخبار نویسوں سے کہا کہ وہ خبر دیں کہ طاہر القادری نے مسلم لیگ (ہم خیال) میں شرکت کر لی ہے۔

(روزنامہ پاکستان لاہور 9 جون 2001ء)

جھوٹ

عوامی تحریک (عوامی گروپ) کے بلدیاتی انتخابات کے پہلے مرحلہ میں منتخب ہونے والے ناظمین، نائب ناظمین اور کونسلروں کے عوامی تحریک کے سیکرٹریٹ میں ہونے والے اجتماع کے موقع پر اس وقت دلچسپ صورتحال پیدا ہوگئی جب عوامی تحریک کے سربراہ طاہر القادری نے کہا کہ اجتماع میں شریک تمام خواتین و حضرات سرگودھا ڈویژن سے منتخب ہونے والے ناظمین، نائب ناظمین اور کونسلرز

ہیں اور صحافی اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ جس پر صحافیوں نے اجتماع میں موجود لوگوں سے ڈاکٹر طاہر القادری کے اس دعویٰ کی تصدیق کیلئے تحقیق کی تو آدھے سے زائد لاہور کے گردونواح سے آئے ہوئے عوامی تحریک کے کارکن نکلے۔

(روزنامہ انصاف لاہور 26 جنوری 2001ء)

وعدہ خلافی

مولانا طاہر القادری نے بلدیاتی انتخابات میں کامیابی کے حوالے سے گذشتہ ماہ جو پریس کانفرس بلائی تھی، اس میں انہوں نے صحافیوں کی درخواست پر وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ پریس کانفرنس، پریس کلب لاہور میں کریں گے، تاہم گذشتہ روز انہوں نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے پھر کانفرنس پارٹی سیکرٹریٹ میں بلالی۔

(روزنامہ انصاف، لاہور 26 جنوری 2001ء)

ملاقات

تحریک مساوات کی چیئر پرسن مسرت شاہین نے پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین علامہ طاہر القادری سے اُن کی رہائش گاہ پر ملاقات کی اور انہیں اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ مسرت شاہین نے تفصیلی ملاقات میں مولانا فضل الرحمٰن کے خلاف الیکشن لڑنے اور نواز شریف دور میں گولی لگنے کے واقعات کی تفصیلات بھی بتائیں۔ ڈاکٹر علامہ طاہر القادری نے انہیں کتابیں اور کیسٹیں تحفے کے طور پر پیش کیں۔

(روزنامہ آواز لاہور، 27 جنوری 2001ء)

عوامی تحریک کی این جی او

لاہور (سٹاف رپورٹر) عوامی تحریک کے میڈیا سیل کے عہدیداروں اور اراکین نے ملکی و بین الاقوامی سطح پر کروڑوں روپے کی فنڈز حاصل کرنے کے لیے فروغ تعلیم اور بحالی صحت کے جعلی منصوبوں پر مشتمل ایک غیر سرکاری تنظیم این جی او دی کیئر انٹرنیشنل کے نام پر ایک کاغذی تنظیم تشکیل دی ہے جس میں جنرل ایم ایچ انصاری، بیگم کلثوم نواز کے موجودہ پریس سیکرٹری عظمت، معروف آرٹسٹ توقیر ناصر کے علاوہ لاہور کے بیشتر اخبارات کے سینئر ترین صحافیوں کے نام عہدیداران اور ایگزیکٹو ممبران ارکان کے طور پر ظاہر کیے گئے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق پاکستانی عوامی تحریک کے مرکزی میڈیا سیل کے ڈپٹی سیکرٹری اطلاعات لقمان قادر مصطفائی اور لطیف سندھو، انور صائمہ اعوان اور دیگر عہدیداروں نے

کروڑوں روپے کے فنڈز حاصل کرنے کے لیے فروغ تعلیم اور بحالی صحت کے نام پر ایک این جی او قائم کی ہے جس کا سرپرست اعلیٰ غلام مصطفیٰ قادری، سرپرست لطیف سندھو، جنرل سیکرٹری، نعمان قادر مصطفائی، مرکزی صدر عاصم جاوید، ظاہر کیا گیا ہے جبکہ دیگر عہدیداروں میں کلثوم نواز کے پریس سیکرٹری عظمت بیگ جنرل ایم ایچ انصاری ٹی وی کے فنکار توقیر ناصر، عجب گل سینئر صحافیوں میں وصاف کے بیورو چیف ظفر ڈوگر نوائے وقت کے تجمل گورمانی، یامین صدیقی روزنامہ انصاف کے وددود شتاق شہباز انور، افضل عاجز، شاہد رضوی، روزنامہ پاکستان کے شہزادگل اے آر گل کے نام شامل کیے گئے ہیں جبکہ دیگر معروف دانشوروں میں ڈاکٹر منیر احمد منیر عبدالستار علوی، شاہد رضوی روبیعہ یلانی، اصغر جاوید بھٹی، ڈاکٹر مظفر حمید اور دیگر شخصیات کے نام شامل کیے گئے ہیں۔ عوامی تحریک میڈیا یل کے عہدیداروں کی اس جعل سازی کے انکشاف کے بعد سینئر صحافیوں اور دیگر شخصیات نے ان کے لاف قانونی چارہ جوئی کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس سلسلے میں وکلاء کا ایک مشترکہ پینل تشکیل دیا گیا ہے۔

(روزنامہ انصاف 25 جنوری 2001ء)

اغواء

35 ایسوسی ایشن پر مشتمل ٹریڈرز کنٹرول بورڈ باغبانپورہ کے رہنماؤں نے الزام عائد کیا ہے کہ پاکستان عوامی تحریک کے سیکرٹری اطلاعات رانا صلاح الدین نے سونے کے تاجر چودھری افتخار کو پنے ساتھی حافظ ظفر احمد و دیگر کے ساتھ مل کر گھر سے اغوا کیا تا کہ اپنی جانب واجب الادا 19 لاکھ تیس زار روپے ادا نہ کرنے پڑیں۔ بورڈ کے وائس چیئرمین حاجی غلام قادر صرافہ ایسوسی ایشن باغبانپورہ کے یئرمین سیٹھ محمد ارشد، کلاتھ ایسوسی ایشن کے حاجی عبدالرشید نے پریس کلب میں ہنگامی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انہیں دھمکی آمیز فون موصول ہو رہے ہیں جن میں انہیں کہا جا رہا ہے کہ ر آپ نے پیروی کی تو باقی افراد کو بھی اغوا کر لیا جائے گا۔ تاجر رہنماؤں نے شالیمار ٹاؤن تھانہ اطلاع ی تو پاکستان عوامی تحریک کے میجر انوار علوی، ڈاکٹر محمود عباس کے بیٹے نے تھانہ شالیمار کے سب انسپکٹر ک عنائت کو کاروائی نہ کرنے کی سفارش کی، بعدازاں اے ایس پی نے تھانہ کا دورہ کیا اور ہمیں کاروائی رنے کی یقین دہانی کروائی مگر تا حال ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ بورڈ کے رہنماؤں نے کہا کہ اغواء ہونے لے تاجر چودھری افتخار کو برآمد کروایا جائے، خدشہ ہے کہ انہیں قتل نہ کر دیا جائے۔ رہنماؤں نے واضح یا کہ اگر تاجر کو برآمد کر کے عوامی تحریک کے رہنماؤں کے خلاف کاروائی نہ کی گئی تو وہ احتجاج پر مجبور جائیں گے۔

(روزنامہ انصاف لاہور، 13 اپریل 2001ء)

روٹی کپڑا اور اسلام

عوامی تحریک کے چیئرمین طاہر القادری نے کہا ہے کہ عوام اب مایوسی کے اندھیروں سے نکل کر آئیں اور ہمارا ساتھ دیں۔ انشاء اللہ 3 برس میں ملک کی تقدیر بدل جائے گی۔ بھٹو اور نواز شریف والا مینڈیٹ ہمیں مل گیا تو عوام کو روٹی کپڑا بھی دیں گے اور اسلام بھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم پاکستان میں مدینے کا ماڈل دیں گے جہاں حضور پاک ﷺ کے زمانے میں عیسائی وفد کیلیے مسجد نبوی کے دروازے کھول دیئے گئے تھے۔

(روزنامہ آواز لاہور، 20 اگست 2001ء)

مولوی نہیں

عوامی تحریک کے سربراہ پروفیسر طاہر القادری نے کہا ہے کہ انہیں مولانا نہ کہا جائے کیونکہ وہ مولوی نہیں ہیں۔ آن لائن پینل انٹرویو میں جب ایک صحافی نے انہیں مولانا صاحب کہہ کر مخاطب کیا تو انہوں نے کہا مجھے مولانا نہ کہیں میں مولوی نہیں ہوں۔

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد 23 فروری 2001ء)

ہزار خمینی

عوامی تحریک کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے کہا ہے کہ آئندہ سال مصطفوی انقلاب روکنے کی سازش کی گئی تو زمین سے لے کر آسمان تک ساری شیطانی قوتوں کو خون آشام کر دیا جائے گا۔ وہ عوامی گروپ کے زیر اہتمام منتخب ناظمین و کونسلرز کے اعزاز میں منعقدہ ایک استقبالیہ سیمینار سے خطاب کر رہے تھے۔ اب وہ وقت قریب آ پہنچا ہے کہ جاگیردار، وڈیروں اور لٹیرے سیاستدانوں کی گردنیں مروڑ کر لوٹا ہوا مال واپس لیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ عوامی تحریک مصطفوی انقلاب لا کر ملک و قوم کا مقدر بدل دے گی۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت کے ایجنڈا کی حمایت کر کے حکمرانوں پر احسان کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نہ کبھی کسی کی بی ٹیم تھے نہ ہیں، بلکہ پاکستان عوامی تحریک ہمیشہ اے ٹیم رہی ہے اور ہم خیالوں کا ٹولہ تو ایسا درخت ہے کہ جس کی جڑیں نہ تنا ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگلے سال عوامی انقلاب کو روکنے کی سازش کی گئی تو زمین اور فضا خون میں نہا جائے گی اور سازشی عناصر ایک طاہر القادری میں ہزار خمینی دیکھیں گے۔ ایک سال کی بات ہے حکومت عوام کی ہوگی۔

(روزنامہ انصاف لاہور 14 جولائی 2001ء)

اداکارہ انجمن اور طاہر القادری

مدینۃ الاولیاء یعنی ملتان سے تعلق رکھنے والی اداکارہ انجمن ہمارے ملک کی مشہور فنکارہ ہیں۔ گذشتہ ڈیڑھ دہائی سے وہ پاکستان فلم انڈسٹری پر راج کرتی آ رہی ہیں۔ دراز قد انجمن نے ''گھریلو اکیڈمی'' سے فن کے اسرار و رموز سیکھے اور درجنوں فلموں میں فنکاری کے جوہر دکھائے اور ایک سکہ سا بٹھا دیا۔ ان کی دولت، عزت اور شہرت میں اضافہ ہوا تو انکم ٹیکس والوں کے مطالبات بھی بڑھ گئے۔ یہ مطالبات پریشانیوں کی شکل اختیار کرنے لگے تو ذہین انجمن نے محکمہ انکم ٹیکس کے ایک افسر مبین ملک سے شادی رچا کر ان پریشانیوں سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لی۔ تب سے ان کی زندگی آرام سے گزر رہی ہے۔

اور اب اچانک اداکارہ اور فنکارہ انجمن نے ایک اعلان کر کے سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اس اعلان میں چونکہ ''پاکستان عوامی تحریک'' کے چیئرمین اور ادارہ ''منہاج القرآن'' کے بانی اور مالک ڈاکٹر پروفیسر محمد طاہر القادری کا اسم گرامی بطور خاص شامل کیا گیا ہے، اس لیے اس انجمنی اعلان نے سب کو چونکا دیا ہے۔ ایک اخبار میں شائع ہونے والی خبر کے مطابق: ''اداکارہ انجمن نے کہا کہ سیاست میں پروفیسر طاہر القادری میرے آئیڈیل ہیں اور اب میں نے سیاست میں آنے کا باقاعدہ فیصلہ کر لیا ہے، لہٰذا اگر پروفیسر طاہر القادری مجھے اپنے کلچرل ونگ میں شمولیت کی دعوت دیں گے تو میں اس پر سنجیدگی سے غور کروں گی۔ اداکارہ انجمن نے کہا کہ میں آئندہ عام انتخابات میں باقاعدہ حصہ لینے کے لیے تیاری کر رہی ہوں اور جلد ہی اپنے حلقہ انتخاب کا اعلان کروں گی۔''

شہرہ آفاق فلم ڈائریکٹر سرور بھٹی نے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا تھا کہ فلم سٹار انجمن فلمی دُنیا میں آنے سے قبل بازار حسن لاہور میں مجرا کیا کرتی تھی۔ فلم سٹار انجمن مولانا اکرم اعوان کی مریدنی کے طور پر بھی مشہور ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مولانا اکرم اعوان انجمن کو طاہر القادری کی طرف جانے دیتے ہیں یا نہیں۔

(ماہنامہ ڈائجسٹ لاہور اکتوبر 2000ء)

اعتکاف فیس

عوامی تحریک کے زیر اہتمام چلنے والے منہاج القرآن کالج و یونیورسٹی کے سینکڑوں طلبہ نے بدھ کی صبح یونیورسٹی کے باہر ایم بلاک ماڈل ٹاؤن میں احتجاجی مظاہرہ کیا اور عوامی تحریک کے سربراہ و معروف سیاستدان علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کے خلاف شدید نعرے بازی کی اور مطالبہ کیا کہ ان کے

ساتھ روا رکھے جانے والا غیر انسانی اور غیر قانونی سلوک ختم کیا جائے اور انہیں یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے دی جائے ورنہ ہم ایسے ادارے کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ تفصیلات کے مطابق بدھ کی صبح مظاہرین یونیورسٹی کے سامنے مظاہرہ کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ ڈاکٹر طاہر القادری اپنے رویئے میں تبدیلی پیدا کریں اور یونیورسٹی انتظامیہ کو ہدایت کریں کہ وہ اعتکاف میں نہ بیٹھنے والے طلبہ سے ایک ایک ہزار روپے جرمانہ وصول کرنے کے اقدام سے باز رہیں۔ طلبہ نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ گذشتہ رمضان میں یونیورسٹی انتظامیہ نے انہیں اعتکاف پر بیٹھنے کے لیے راغب کرنے کی کوشش کی، بیشتر طلبہ اعتکاف میں بیٹھے مگر بعض طلبہ ناگزیر وجوہات کی بناء پر اعتکاف میں نہ بیٹھ سکے، جس پر یونیورسٹی انتظامیہ نے انہیں ایک ایک ہزار روپے جرمانہ کی سزا دی، لیکن بعد ازاں یہ کہہ کر طلبہ کو ٹھنڈا کر دیا کہ جرمانہ وصول نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اس ماہ طلبہ سے اعتکاف میں نہ بیٹھنے کے جرمانے کی وصولی شروع کر دی گئی ہے، جو ہمیں منظور نہیں ہم اس ضمن میں حق پر ہیں اور احتجاج ہمارا آئینی و قانونی حق ہے اور ہم اس وقت تک خاموش نہیں رہیں گے جب تک ڈاکٹر القادری اس ضمن میں کوئی واضح اعلان نہ کر دیں۔ طلبہ نے درجنوں بینرز اور پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے جن پر مختلف قسم کے نعرے درج تھے۔ جن میں یہ بھی تھا ہم نہیں مانتے ظلم کے یہ ضابطے، واضح رہے کہ بعض مشتعل طلبہ نے یونیورسٹی پر پتھراؤ بھی کیا جس پر یونیورسٹی کے دروازوں اور کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے۔

(روزنامہ انصاف لاہور 25 جنوری 2001ء)

طاہر القادری اور فلم انڈسٹری

اب ہم اصل موضوع یعنی سید نور صاحب کے بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ سید صاحب پہلے فلم میں ہیرو بننے آئے تھے...... رنگ سانولا تھا مگر نقش و نگار اچھے تھے اور اداکار ندیم سے ملتے جلتے تھے...... مگر یہ پاکستان انڈسٹری کی بدنصیبی کہ سید صاحب کی سانولی سلونی اور من موہنی صورت سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا۔ آخر سید صاحب جلال میں آ گئے۔ اداکاری سے توبہ کی اور کان پر قلم رکھ کر نکل پڑے۔ دس بارہ ہندوستانی فلموں کے فارمولا مناظر جمع کیے اور کہانی لکھ ڈالی۔ قسمت سے دو چار کہانیاں چل پڑیں...... اور پھر ایک دن ہدایتکار بن بیٹھے۔ فی الوقت سید صاحب پاکستان کے ہدایت کار اعظم ہیں...... ہر وقت پری چہرہ لوگوں کے نرغے میں گھرے رہتے ہیں۔ نئی ہیروئنوں کو روشناس کرانے کے حوالے سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ اب شاید وہ سیاسی حلقوں میں بین الاقوامی شہرت کے طلب گار ہیں۔ اس لیے ڈاکٹر طاہر القادری کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔

سید نور کے بقول ڈاکٹر طاہر القادری پہلے مذہبی رہنما ہیں جنہوں نے معاشرے میں فن کی اہمیت اور فنکار کو سنجیدہ طبقہ تسلیم کیا ہے۔ ہمارے خیال میں سید صاحب کو "سنجیدہ" کی جگہ "مہذب" کا لفظ استعمال کرنا چاہیے تھا...... کیونکہ تہذیب ہی ایک ایسی شے ہے جو ہماری فلم انڈسٹری میں نہیں ملتی...... اگر سید صاحب سنجیدگی پر ہی بضد ہیں تو پاکستانی ناظرین خود ہی سید نور کی فلمیں دیکھ لیں کہ وہ اور ان کے ہم پیشہ ساتھی کتنے سنجیدہ ہیں...... ہیرو کے ہاتھ میں گنڈاسا یا کلاشنکوف...... ہیروئن کے جسم پر بے ہودہ لاچے...... نہایت چست اور تنگ شلواریں...... اور سینہ شمشیر سے باہر ہے، دم شمشیر کا کے مصداق انگریزی شرٹس اور جینز...... کیا ڈاکٹر طاہر القادری اسی عریانی اور وحشت کو سنجیدگی کی سند عطا کریں گے؟ اور کیا اسی اخلاقی دیوالیہ پن کی بنیاد پر معاشرے میں فنکار کی اہمیت کو تسلیم کیا جائے گا۔

ہم نہیں جانتے کہ جمشید انور کون ہیں؟ سید نور کی زبانی معلوم ہوا کہ عوامی تحریک کے کلچرل ونگ کو پاکستان فلم انڈسٹری میں متعارف کرانے کے لیے بہت محنت کر رہے ہیں۔

اور اسی طرح ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ڈاکٹر طاہر القادری جیسے مذہبی عالم کو اپنی عوامی تحریک کے لیے کلچرل ونگ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اور سید نور چیف کو آرڈینیٹر کیوں بنائے گئے؟ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ڈاکٹر صاحب نے پہلی بار تہذیبی بیماروں کی اس جذام زدہ بستی کی طرف توجہ فرمائی ہے۔

تصوف میں سلسلہ "طیفوریہ" کے بانی اور شہرۂ آفاق صوفی حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ ایک بار اس طوائف کے بالاخانے پر تشریف لے گئے تھے جس کے توبہ شکن حسن نے پورے شہر کے جوانوں کو ہلاکت میں ڈال دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر طاہر القادری بھی فنکاروں کے اصلاح حال کے لیے پاکستانی نگار خانوں میں جانا چاہتے ہوں...... مگر واضح رہے کہ حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ نے اپنی عارفانہ طاقت سے اس طوائف کو مسلمان کر کے چھوڑا تھا...... اور وہ ہمیشہ کے لیے گناہوں سے تائب ہو گئی تھی۔

عجب نہیں کہ ڈاکٹر طاہر القادری بھی کامیاب ہو جائیں...... لیکن اس صورت میں پاکستان فلم انڈسٹری کو ہمیشہ کے لیے بند ہونا پڑے گا...... اب دیکھیں فلمی صنعت کا دروازہ بند ہوتا ہے یا توبہ کا؟

(ہفت روزہ وجود کراچی 7 نومبر 2000ء)

طاہر القادری، پھر بارگاہِ رسالت ﷺ میں

ادارہ منہاج القرآن، بقول وابستگان ادارہ اللہ رب العزت کی خصوصی رحمت، جناب رسالت مآب ﷺ کے بے پایاں لطف و کرم اور جناب غوثیت مآب حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی اور دیگر اولیاء کے فیضان کا مظہر ہے۔

اس کے بانی اور قائد کی ولادت بھی صحابہؓ، اہل بیتؓ اور حضور علیہ السلام کی بشارت پر ہوئی اور نام بھی آپ ﷺ نے ہی رکھا۔

(منہاج القرآن، مئی 1989ء ص 33)

ملک میں اسلامی ذہن رکھنے والی بے شمار سیاسی پارٹیوں کی موجودگی میں اس ادارہ نے اپنی الگ سیاسی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا تو بانی تحریک نے ضروری سمجھا کہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر آپ سے نظر کرم کی بھیک مانگی جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے قائد تحریک کی سربراہی میں ادارے کی نمایاں شخصیت پر مشتمل خاصا بڑا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور قائد تحریک نے اپنی سیاسی پارٹی کا نام حضور علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں اس دعا کے ساتھ پیش کیا کہ حضور ﷺ ان کے قیام مدینہ ہی میں کسی ایسی علامت کا اظہار فرما دیں جس سے انہیں (قادری صاحب کو) اطمینان قلب نصیب ہو کہ آپ نے اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرما لیا ہے۔

بقول قادری صاحب "اسی روز آقائے دو جہاں ﷺ نے اپنے غلام کی آرزو کی تکمیل بھی فرما دی جو بعد میں آپ نے مسجد نبوی میں تمام اہل قافلہ کو خوشخبری کی صورت میں سنائی۔"

(منہاج القرآن بابت جون، جولائی 1989ء)

مزید برآں:

"اسی روز منہاج القرآن ویمن لیگ کی بعض سرکردہ بہنیں پروفیسر صاحب سے ملاقات کے لیے تشریف لائیں جن میں مسز مہاجر بھی شامل تھیں۔ انہوں نے ایک نہایت روح پرور اور ایمان افروز خواب سنایا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ہم ایک قافلے کی صورت سرکار دو عالم ﷺ کے در اقدس پر حاضر ہیں اور اصحاب صفہ کے چبوترے پر بیٹھے ہیں۔ مسجد نبوی کو سجایا جا رہا ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کے خدام سیڑھیاں لیے چلے آ رہے تھے۔ بعد ازاں ایک خادم سیڑھی پر چڑھ کر ایک جلتا ہوا بلب اتارتا ہے اور اس کی جگہ نیا بلب لگا دیتا ہے۔ ہمارے پوچھنے پر وہ بتاتا ہے کہ پروفیسر صاحب آئے ہیں، اس لیے مسجد کو سجایا جا رہا ہے۔ میں دل ہی دل میں خوش ہو رہی ہوں اور اللہ کا شکر ادا کر رہی ہوں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ معمر خاتون مسز مہاجر نے جب یہ خواب اپنے بہن بھائیوں کی موجودگی میں قائد تحریک کو سنایا تو فرطِ مسرت سے ہر ایک کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ بعد ازاں حاضرین میں مٹھائی تقسیم کی گئی جو خواب کی خوشی میں وہ اپنے ہمراہ لائی تھیں۔"

(منہاج القرآن بابت جون، جولائی 1989ء ص 76)

طاہرالقادری کے قول وفعل کا تضاد

گزشتہ دنوں پاکستان سے ممتاز مذہبی سیاسی رہنما علامہ طاہرالقادری بارسلونا اسپین آئے۔ بظاہران کا دورہ مذہبی تبلیغی نوعیت کا تھا لیکن یہاں اس کے برعکس انہوں نے منبررسول کو جمعہ کے خطبے میں صرف اور صرف سیاست کے لیے استعمال کیا۔ انہوں نے جمعہ کے خطبہ میں پاکستانیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، پاکستان میں اس وقت اگر کوئی نجات دہندہ ہے تو وہ صرف میں ہوں۔ آپ لوگ تمام سیاسی جماعتوں کے علاوہ فوج کو بھی آزما چکے ہیں، اس سلسلے میں تمام لوگ ناکارہ اور ناکام رہے۔ اس وقت حقیقی معنوں میں اگر کوئی پاکستان کی کشتی منجدھار سے نکال سکتا ہے، تو وہ صرف یہ خادم طاہرالقادری ہے۔ طاہرالقادری نے کہا، آپ لوگ پاکستان میں اپنے گھر والوں کوفون کریں، خط لکھیں، فیکس کریں، جس طرح بھی بن پڑے انہیں میرے بارے میں ہموار کریں۔ پاکستان کی تباہ حال معیشت کوصرف میں ہی استحکام دے سکتا ہوں۔ مولانا کے خطاب پرلوگوں نے اچھے تاثرات کا اظہار نہیں کیااوران کی باتوں کواپنے منہ میاں مٹھو بننے کے مترادف قراردیا۔

طاہرالقادری کی شخصیت کا ایک دوسرا رخ بھی یہاں دیکھنے کوملا۔ وہ یہاں معروف شاہراہ رمبلہ کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب کچھ صحافی ان سے ملنے کے لیے ہوٹل گئے تو مولانا نے باہرنکل کراپنے گارڈز سے کہا کہ ان سے کہہ دومولانا سورہے ہیں۔ مولانا کے علم میں نہیں تھا کہ صحافی پاس ہی کوریڈور میں کھڑے ہیں۔ اسی اثناء میں دومعصوم پاکستانی بچیاں گھر سے کھانا لائیں لیکن مولانا نے کھانا قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے گارڈز سے کہا ''میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں یہاں کسی کے گھر کا کھانا نہیں کھاؤں گا۔ میرے لیے صرف میکڈونلڈ سے فاسٹ فوڈلانا۔''

یہ سب کچھ صحافیوں کے سامنے ہوا۔ بعد میں مولانا کواس کا علم ہوا تو ان کے گارڈ نے آکرصحافیوں سے کہا کہ مولانا نے کہا ہے کہ ''جمعہ کے فوراًبعد آپ انٹرویوکرلیں یاپھر ہمارے ساتھ ہی جمعہ ہال میں چلیں''، لیکن صحافیوں نے مولانا کے رویے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ان کے خطاب کابائیکاٹ کیا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا طاہرالقادری نے صحافیوں کی ملاقات کی خواہش کورد کرتے ہوئے جب سونے کا بہانہ کیا، تومقامی ٹی وی تھری کے نمائندے ''وسے مورا'' نے ہم سے استفسار کیا کہ ''مولانا کیا کہہ رہے ہیں؟'' جب اسے بتایا گیا کہ مولانا فرمارہے ہیں کہ ''میں سورہا ہوں'' تو وہ دیرتک قہقہے لگاتارہا۔

یہ بات طے ہے کہ پاکستان سے آنے والے مذہبی سیاسی رہنمایورپ میں صرف تفریح اور تھکن دور کرنے آتے ہیں۔ آرام دہ ہوٹلوں میں رہائش اور''فاسٹ فوڈز'' کی کشش کے علاوہ محض ذاتی تشہیر کا حصول ان کا مقصد ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر اپنے نامناسب رویوں، غیرذمہ دارانہ حرکتوں سے محض خود کوتماشانہیں بناتے، پاکستان اور یورپی ممالک میں مقیم پاکستانیوں کے لیے بھی شرمندگی اوررسوائی کاسامان کرتے ہیں۔

(ہفت روزہ تکبیر کراچی 18اکتوبر2000ء)

امریکہ سے تعاون شرعی ہے

عوامی تحریک کے چیئرمین ڈاکٹر طاہرالقادری نے کہا کہ امریکہ سے تعاون شرعی ہے۔ افغانستان میں جہادنہیں، فسادہورہا ہے۔ افغان مسئلے کاحل ایک وسیع البنیادحکومت ہے۔ اسلام آباد میں میٹ دی پریس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگرامریکہ کے پاس اسامہ کے بارے میں ٹھوس ثبوت موجود ہیں تو وہ دہشت گرد ہے۔ طالبان جنگ کے بجائے اسامہ کویورپی یونین، اوآئی سی کے سپرد کردیں۔ انہوں نے کہا کہ لوگ جہاد، فساداورسادھو، ڈاکو میں فرق محسوس کریں۔ جہاد کی اصل روح امن ہے۔

(روزنامہ خبریں لاہور 27 ستمبر 2001ء)

ڈاکٹربواسیر

''بیچارے ڈاکٹر طاہرالقادری حکومت کی حمایت میں استواراپنے مؤقف کی عوامی مقبولیت کے دعوے دار ہیں، مگران کی اپنی مقبولیت کا حال یہ ہے کہ جب وہ لاہور کے ایک موقر اخبار میں ''گیسٹ آن فون'' ہوئے تو اکثر کالرز نے ان سے اپنی بیماریوں کی دوائیں دریافت کیں۔ بواسیر کے مریض کولوگ ڈاکٹرسمجھ بیٹھے۔ یہ لاہور میں ڈاکٹر طاہرالقادری کا حال ہے، بیچارے ڈاکٹر طاہرالقادری۔''

(ہفت روزہ وجود کراچی 16اکتوبر2001ء)

ڈاکٹرعلامہ طاہرالقادری کے نام

جناب محترم ڈاکٹر پروفیسر طاہرالقادری صاحب کی خدمت میں 18 ستمبر 2001ء کو 9:35 سے 10:10 بجے تک پاکستان ٹیلی ویژن پرپیش کیے جانے والے مذاکرے کے حوالے سے گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے ملکی سلامتی کے نام پرملت اسلامیہ کے عظیم سپوت اوراسلام کے

ں جلیل ''اسامہ بن لادن'' کو عالمِ اسلام کے ازلی، ابدی دشمن امریکہ کے حوالے کرنے کی جو تجویز
ں کی ہے، اس پر مجھے آپ سے کہنا ہے کہ اگر اسامہ کے بجائے آپ کا بیٹا یا بھائی ہوتا، تو کیا پھر بھی
پ کے یہی جذبات ہوتے۔ جو بات امریکہ دشمنی کی زبان میں کہنا چاہتا ہے، وہی بات آپ نے
ست بن کر کہہ دی۔ جناب محترم ڈاکٹر صاحب! اللہ نے یقیناً آپ کو بولنے کی صلاحیت عطا فرمائی
۔ بصارت بھی موجود ہے، لیکن ایسے لگتا ہے کہ مردِ مومن والی بصیرت اور فراست سے آپ محروم ہیں۔
(روزنامہ انصاف لاہور 27 ستمبر 2001ء)

ہر القادری کو عقلمند کہنا توہین عدالت ہے

پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین ڈاکٹر طاہر القادری کے حوالے سے حافظ حسین احمد نے کہا
روہ طاہر القادری جو آج صدر مشرف کی تعریفوں کے پل باندھ رہے ہیں۔ ماضی میں شریف خاندان
ے بھی ''مداح'' رہ چکے ہیں۔ جنرل پرویز مشرف کو ان کی اس خاندانی عادت کا بھی خیال رکھنا ہوگا اور
یا جنرل مشرف کے اس بات کو سمجھنے کی وجہ سے طاہر القادری کی کوشش کے باوجود ''دال نہیں گل''
ں۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات پہلی مرتبہ خوش آئند ہے کہ ڈاکٹر صاحب یہ سب کچھ خواب میں نہیں،
اری میں کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ انہیں صاحب عقل و دانش کہنا ویسے بھی توہین عدالت کے
رے میں آتا ہے، کیونکہ لاہور ہائیکورٹ میں اس حوالے سے واضح فیصلہ موجود ہے۔ ایک سرکاری
لوی جس کے اپنے کوئی نظریات نہیں، وہ اسلام کا ٹھیکیدار بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے علامہ اور قابل
ہنے والے توہین عدالت کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سرکاری مولوی نے پہلے ٹائی پہن کر وکالت
روع کی۔ ناکام ہوا تو اس کے بعد نواز شریف کی منتیں کر کے مال کمایا اور اب موجودہ صدر کی
بر داریاں اٹھا رہا ہے۔ یہ حکومت کا چاپلوس رہا ہے۔ صدر مملکت کو اس سے دور رہنا چاہئے۔ امریکہ
ے خلاف جہاد کو فساد کہنے والا، صاحبِ علم و دانش کل تک شریف خاندان کی جوتیاں اٹھا کر فتوے دیا کرتا
اور اب دعویٰ کرتا ہے کہ اس سے بڑھ کر دین کون سمجھتا ہے۔ کل تک وہ (نعوذ باللہ) نبی کریم ؐ کو جہاز
ں ٹکٹ دیا کرتے تھے اور جھنگ میں وکالت سے ناکام ہونے کے بعد ماڈل ٹاؤن کی مسجد میں شریف
ندان کے جوتے اٹھا کر ان کی مرضی کے مطابق فتوے دیا کرتے تھے۔
(روزنامہ خبریں لاہور 2 اکتوبر 2001ء)

سامہ دہشت گردی میں ملوث ہیں تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں

پاکستان عوامی تحریک کے قائد ڈاکٹر طاہر القادری نے کہا ہے کہ میں کسی جہاد اور فساد سے

ڈرے بغیر کہتا ہوں کہ اگر اسامہ دہشت گردی میں ملوث ہے تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے چاہئیں۔ طالبان دہشت گردی کی سرپرستی کرتے ہیں تو انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ اسلام امن، سلامتی اور انسانیت کا محافظ ہے۔ امریکہ سے ٹکر لینے کی باتیں کرنے والے دراصل بھارت اور اسرائیل کے ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ مذہبی ٹھیکیدار اور سیاسی بابے ملک کو جنگ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔
(روزنامہ خبریں لاہور 27 اکتوبر 2001ء)

رضا شاہ پہلوی

طاہر القادری اگر مصطفوی انقلاب کا ''ڈرامہ'' بند کر دیں تو بھوکے مر جائیں۔ یہ ایسے شخص ہیں جو امام خمینی بننے کی ''اداکاری'' کرتے ہیں لیکن ان کی حرکتیں رضا شاہ پہلوی جیسی ہیں۔ کلچرل ونگ کے نام پر طاہر القادری نے عوامی تحریک میں نئی بدعت داخل کر دی ہے۔ ان خیالات کا اظہار غزل کے ممتاز شاعر اور عہد ساز نعت گو مظفر وارثی نے روزنامہ خبریں کے لبرٹی فورم میں خصوصی گفتگو کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے طاہر القادری کو کبھی قائدِ محترم یا قبلہ کہہ کر نہیں بلایا کیونکہ میرا قبلہ، خانہ کعبہ ہے۔ میں نے ان کو ہمیشہ طاہر کہا ہے۔ تیرہ ماہ کی رفاقت میں اس شخص کا قد میری نظر میں تیرہ انچ بھی نہیں رہ گیا تھا۔ جب انہوں نے عوامی تحریک کی بنیاد رکھی تو خصوصی ہدایات جاری کیں کہ پہلی دو صفوں میں میرے علاوہ کوئی داڑھی والا نہیں ہونا چاہئے۔ داڑھی والے منہاج القرآن میں جائیں۔ ایک زمانہ تھا جب وہ اپنے چھوٹے قد سے ایک ایک فٹ اچھل کر اقتدار کو ٹھوکریں مارا کرتے تھے اور آج کسی بھی طریقے سے جنرل مشرف کو گھیر کر ان کے اقتدار میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔
(روزنامہ خبریں لاہور 16 ستمبر 2000ء)

مصطفوی انقلاب سے دستبرداری

علماء و مشائخ ونگ پاکستان عوامی اتحاد کے صدر سید زوار حسین بخاری نے متعدد ساتھیوں سمیت ڈاکٹر طاہر القادری سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔

ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے زوار بخاری نے الزام لگایا کہ ڈاکٹر طاہر القادری نفاذ اسلام میں مخلص نہیں، ان کا طرز زندگی قادیانیوں جیسا ہے۔ منہاج القرآن سیکرٹریٹ میں ٹارچر سیل بھی ہیں۔ اس کے تحت قائم تعلیمی ادارے دہشت گردی کے اڈے ہیں۔ باپردہ خواتین سے گفتگو تک نہ کرنے کے قائل طاہر القادری آج بے پردہ خواتین کے ساتھ تصویریں اترواتے پھرتے ہیں۔ عورت کی حکمرانی کے مخالف اقتدار کے لئے بینظیر کی پارٹی سے گلے جا ملے۔ زوار بخاری نے کہا

کہ طاہر القادری شریعت کی مخالفت کر رہے ہیں۔

پیر سید زوار حسین بخاری نے کہا ہے کہ ڈاکٹر طاہر القادری نے بینظیر بھٹو کے کہنے پر مصطفوی انقلاب کا نعرہ ترک کر دیا۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ بے نظیر بھٹو اور نوابزادہ نصر اللہ خان سمیت عوامی اتحاد کے دیگر قائدین کے دورہ بہاولپور سے 5 روز قبل مجھے طاہر القادری نے دوبئی سے فون کر کے ہدایت کی کہ وہ اشتہارات اور بینرز میں مصطفوی انقلاب کا لفظ استعمال نہ کریں۔ میں نے کارکنوں کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ جس پر طاہر القادری نے باقاعدہ مجھ سے پوچھ گچھ کی۔ میں نے وضاحت طلب کی تو جواب ملا کہ بے نظیر بھٹو کہتی ہیں کہ امریکہ کو مصطفوی انقلاب کا نعرہ پسند نہیں لہٰذا حصول اقتدار کے لئے اسے ترک کر دیا جائے۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور، 20 نومبر 1998ء، روزنامہ "نوائے وقت" لاہور 9 جولائی 2001ء)

اسلامی اقدار اور یورپی ثقافت میں بہت باتیں مشترک ہیں

پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے کہا ہے کہ اسلامی اقدار اور یورپی ثقافت مکمل طور پر الگ الگ نہیں ہیں اور ان دونوں میں بہت سی باتیں مشترک ہیں، جنہیں واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے ان خیالات کا اظہار کوپن ہیگن ڈنمارک میں ہونے والی "کلچرل کانفرنس" کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ (روزنامہ جنگ لاہور)

یہ اور معاملہ ہے

پروفیسر طاہر القادری کی پریس کانفرنس کے دوران احتساب کے حوالے سے ان کی ذاتی زندگی اور رہن سہن کے بارے سخت سوالات کئے گئے۔ ان کے پیش کردہ 17 نکاتی احتسابی فارمولا میں ہزار سی سی سے زائد گاڑی رکھنے والے شخص کی جائیداد منجمد کر کے تحقیقات کرنے کے حوالے سے ایک نکتہ کے بارے اخبار نویسوں نے سوالوں کی بھرمار کر دی۔ ان سے کہا گیا کہ آپ ہزار سی سی کی بات کرتے ہیں لیکن آپ اپنے لئے لینڈ کروزر استعمال کرتے ہیں۔ کیا آپ احتساب کے زمرے میں نہیں آتے؟ پروفیسر طاہر القادری نے کہا کہ اس فارمولے پر عمل کرنے کے لئے حکومت کے آگے سب سے پہلے میں خود اپنی جماعت کو پیش کرتا ہوں۔ جہاں تک گاڑی کا سوال ہے تو میرے پاس آج بھی ذاتی گاڑی ہزار سی سی ہے۔ اس پر ان سے پوچھا گیا کہ سفر تو آپ آج بھی لینڈ کروزر پر کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ طاہر القادری نے کہا کہ "یہ معاملہ اور ہے۔"

(روزنامہ خبریں لاہور 19 نومبر 1999ء)

"بن کے مست ملنگ رہیں گے"

علامہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب عوامی تحریک کے روح رواں ہیں۔ کچھ لوگ ڈاکٹر صاحب کو مذہبی اسکالر اور عالم دین کے طور پر تو دیکھنا چاہتے ہیں مگر ان کا سیاست کے میدان میں اترنا انہیں اچھا نہیں لگتا۔ ڈاکٹر صاحب نے ملک میں ظالمانہ معاشی اور استحصالی نظام کے خلاف جنگ لڑنے کا پروگرام بنایا ہے۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر صاحب کے گوجرانوالہ میں کارکنوں سے خطاب (اپریل 2000ء) کی کیسٹ سننے کا اتفاق ہوا۔ اس خطاب کے اختتام پر کلچرل ونگ کی جانب سے تیار کردہ ترانوں کی دھنوں اور سازوں کو سن کر بے حد مایوسی ہوئی۔ خصوصاً ایک ترانہ جس کے بول کچھ یوں ہیں کہ

بن کے مست ملنگ رہیں گے
طاہر تیرے سنگ رہیں گے

اس ترانے کی تیاری میں موسیقی کے تمام آلات استعمال کئے گئے ہیں۔ یوں گمان ہوتا ہے کہ کوئی گانا گایا جا رہا ہے۔ اس طرح کے ترانے تو پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ جیسی لبرل اور مذہب بیزار جماعتوں کے جلسوں اور جلوسوں میں الیکشن کے دنوں میں سنے جاتے تھے۔ عوامی تحریک کے کلچرل ونگ والوں کو یہ یاد رکھنا ہوگا کہ ہمارا کلچر کیا ہے؟ مغربی اور ہندوانہ کلچر کے مقابلے میں اسلامی کلچر کی ایک الگ پہچان اور جداگانہ شناخت ہے۔ اگر اسلام پسندوں نے بھی کلچر کے نام پر اپنی تہذیب اور ثقافت کو مغرب کے انداز میں پیش کرنا شروع کر دیا تو یہ بہت بھیانک صورتحال اور ظلم ہوگا۔ اسلام نے ہمیں اعتدال کی راہ دکھائی ہے۔ اسی راستے پر چلتے ہوئے اسلامی تحریکوں اور دینی جماعتوں کو اپنی سرگرمیاں جاری رکھنا ہوگی۔ خدانخواستہ اگر ہم "عوامی" اور "جمہوری" بننے کے چکروں میں اسلام کی تعلیمات سے بھٹک گئے تو نہ صرف ناکامی ہمارا مقدر بنے گی بلکہ الناس، اللہ احکم ار اکمین کی ناراضگی بھی مول لیں گے۔ امید ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب اور عوامی تحریک کے دیگر راہنما ہماری اس چھوٹی سی تجویز پر ضرور غور کریں گے اور مست ملنگ بنے رہنے کے بجائے ہوش اور تدبر سے کام لیں گے۔

(روزنامہ انصاف لاہور، 16 جولائی 2000ء)

طاہر القادری کی سالگرہ کی تقریب میں 100 گڈے تقسیم کئے گئے

مین مارکیٹ سمن آباد زون 128 میں ڈاکٹر طاہر القادری کی 49ویں سالگرہ جوش و خروش سے منائی گئی جس میں عوام الناس کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ سالگرہ کی تقریب میں عالم اسلام اور پاکستان کے لئے ڈاکٹر طاہر القادری کی فقید المثال خدمات پر خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ استاد منیر احمد

کائٹ میکر کی جانب سے تقریب کے شرکاء میں 100 گڈے مفت تقسیم کیے گئے۔

(روزنامہ پاکستان لاہور، 23 فروری 2000ء)

منہاج کمپیوٹر کالج کی قاتل انتظامیہ

منہاج کمپیوٹر کالج ماڈل ٹاؤن میں شقی القلب انتظامیہ کی مجرمانہ غفلت اور بے حسی کے باعث انٹر کا نو عمر طالب علم جان سے ہاتھ دھو بیٹھا، سخت سردی کے باعث نمونیہ میں مبتلا طالب علم کو ہسپتال پہنچانے کے لئے کالج انتظامیہ نے سواری فراہم نہ کی۔ کالج کے طلباء سراپا احتجاج بن گئے، ٹریفک بلاک کر دی اور انتظامیہ کے رویہ کے خلاف مظاہرہ کیا۔ ضلع نارووال کا مدثر جو کمپیوٹر کی تعلیم کے حصول کے لئے ماڈل ٹاؤن لاہور میں قائم منہاج کمپیوٹر کالج میں آئی سی ایس کا طالب علم تھا۔ چھٹی گزارنے کے بعد دو روز قبل ہی وہ اپنے گھر سے یہاں آیا تھا۔ گذشتہ روز اسے سخت بخار ہو گیا جو بعد ازاں نمونیہ کی شکل اختیار کر گیا۔ متعلقہ کالج میں معقول طبی سہولیات کی عدم دستیابی کی بناء پر مدثر نے ساتھیوں نے کالج انتظامیہ کو گاڑی کی فراہمی کی درخواست کی تاکہ اسے کسی ہسپتال پہنچایا جا سکے۔ لیکن کالج انتظامیہ نے کالج کی گاڑی فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔ جسکے بعد بے بس طالب علم طبی امداد کے بغیر ہی کالج انتظامیہ کے رحم و کرم پر پڑا رہا اور پھر ساتھی کی اس ہلاکت پر کالج کے طالب علموں نے سڑک بند کر دی اور انتظامیہ کے سفاکانہ رویہ کے خلاف نعرے بازی کی۔ مظاہرہ کرنے والے طلبہ نے ”انصاف“ کو بتایا کہ کالج میں زیر تعلیم ہر طالب علم سے 12 ہزار روپے فیس وصول کی جاتی ہے جبکہ یہاں طبی سہولیات نام کی کوئی چیز نہیں۔ سخت سردی کے باوجود یخ بستہ کمروں میں ہیٹر لگانے کی بھی اجازت نہیں۔

(روزنامہ انصاف لاہور 16 جنوری 2001ء)

ہمیں اقتدار دیا جائے!

پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین ڈاکٹر علامہ طاہر القادری نے کہا ہے کہ ”ہمیں اقتدار دیا جائے“ جبکہ ”ہمیں“ سے میری مراد صرف خاکسار ہی ہے، جس نے بے نظیر کے ہونے والے حشر کو بھانپتے ہوئے پاکستان عوامی اتحاد سے بروقت علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ کیونکہ بینظیر کے بعد تو ویسے بھی اقتدار پر اس احقر کا حق بنتا ہے، اللہ تعالیٰ اقتدار دینے والوں کو جزائے خیر دے، آمین ثمہ آمین! انہوں نے کہا کہ ”ہم ملک کی تقدیر بدل دیں گے“ اور اگر ملک کی تقدیر نہ بدل سکے تو خود خاصی حد تک ضرور بدل جائیں گے، جیسا کہ ہمارے ہاں اقتدار میں آنے والوں کی روایت ہے اور اس عظیم قومی روایت کو

زندہ رکھنا ہی وقت کی سب سے بڑی ضرورت بھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ”اہل قیادت کی ضرورت ہے“ جو اگر میسر نہیں آ رہی تو ہیچمدان پر ہی گزر اوقات کرنے میں کیا قباحت ہے کیونکہ میں تو وقتاً فوقتاً سیاست سے ریٹائر بھی ہو جایا کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ”ہمارا کردار بے داغ ہے۔“ ماسوائے میرے غریب خانے کی بعض دیواروں اور گیٹ کے جن پر فائرنگ کروا کر اس بندۂ ناچیز نے داغدار کروا دیا تھا۔ آپ گزشتہ روز ڈنگہ میں صحافیوں کے ایک گروپ سے گفتگو کر رہے تھے۔

(سرخیاں ان کی متن ہمارے، روزنامہ پاکستان لاہور 26 اپریل 1999ء)

طاہر القادری اور مرتبہ شہادت

طاہر القادری صاحب پر فائرنگ کی تفصیل پڑھی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ خود نمائی کے لئے ایسا مظاہرہ ضروری تھا۔ لوگ ان کو چھپا رستم کا نام دیتے ہیں۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

یہ تو ان کی بدنصیبی رہی کہ شہادت کے بلند مرتبہ پر فائز نہ ہو سکے۔ موصوف مصطفوی انقلاب کے داعی ہیں، مگر ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں۔ یہ مرتبہ تو جان دینے والے عاشقوں کو نصیب ہوتا ہے اور چوری کھانے والے محروم رہتے ہیں۔

اسلام کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظام کے لئے کوشش کرنے والوں نے اپنی حفاظت کا کبھی انتظام نہیں کیا۔ وہ تو آتش نمرود میں بے خطر کود پڑتے رہے، مگر علامہ صاحب نے کلاشنکوف بردار دستے کا معقول انتظام فرما رکھا ہے۔ ضیاء الحق شہید پہ پانچ بار قاتلانہ حملہ ہوا، مگر قوم کو اُن کی شہادت کے بعد علم ہوا تھا۔ مولانا شمس الدین، ڈاکٹر نذیر، احسان الٰہی ظہیر، حق نواز جھنگوی، عارف الحسینی پیغام حق سناتے ہوئے اپنے خالق سے جا ملے، 17 اگست کو کتنے قابل قدر جنرل قوم کی خدمت کرتے ہوئے شہادت پا گئے۔ یہ مرتبہ جن کو ملنا تھا مل گیا۔ مگر طاہر القادری صاحب تو لب بام ہی سے لوٹ آئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی حفاظت کے لئے فوج کا دستہ متعین ہوا۔ تو اُنہوں نے سالارِ دستہ سے کہا تھا، ”جن کی تم پہلے حفاظت کیا کرتے تھے، وہ کیوں مر گئے؟“

قادری صاحب نے اپنے پیش رو تمام حضرات کو اسلام کے نام پر قوم کو دھوکا دینے کا مجرم قرار دیا ہے اور اپنی تحریک کا نام پیپلز پارٹی کا اردو ترجمہ ”عوامی تحریک“ رکھا۔ قوم کے ساتھ اس سے بڑا مذاق اور کیا ہو گا۔

(ہفت روزہ زندگی لاہور 18 تا 24 مئی 1990ء)

''خبریں'' کی رپورٹ پر ایل ڈی اے کی کارروائی

ہماری ایک رپورٹ کے مطابق ادارہ منہاج القرآن کے سربراہ علامہ طاہر القادری کے ایماء پر قبضہ میں لی گئی ساڑھے اٹھارہ کروڑ روپے مالیت کی 185 کنال اراضی پر مشتمل گراؤنڈ کو ایل ڈی اے کام نے واگزار کرا لیا اور عام لوگوں کے لیے کھول دیا ہے۔ گذشتہ روز ایل ڈی اے کے درجنوں ملازمین نے بلڈوزروں اور ٹریکٹروں کے ذریعہ 21 سو فٹ لمبی دیوار گرا دی اور گراؤنڈ پر ٹریکٹر چلا کر کرکٹ کی پچ توڑ دی۔ یہ تمام کاروائی قریباً ایک گھنٹے میں مکمل ہو گئی۔ ناجائز قبضے کی نشاندہی روزنامہ ''خبریں'' نے کی اور مسلسل اس سلسلہ میں خبریں شائع کی گئیں۔ اس ناجائز کاروائی پر اظہار ندامت کی بجائے علامہ طاہر القادری نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ہمارے پاس اس سرکاری اراضی کا صرف انتظامی کنٹرول تھا اور ہم اس کے مالک ہونے کے دعویدار نہیں اور کھیل کے اس میدان سے متعلق خبر کی اشاعت کے بعد ادارہ منہاج القرآن نے دیوانی عدالت سے حکم امتناعی حاصل کر لیا تھا مگر اس کے باوجود ایل ڈی اے کے اہل کاروں نے گراؤنڈ کی چاردیواری گرا دی۔ علامہ صاحب کا یہ موقف کتاب الحیل کی کسی روایت کا محض تاج ہی ہے۔ اب جبکہ تمام صورتحال منظر عام پر آ گئی ہے، جس سے یہ بات واضح ہے کہ کروڑوں روپے الیت کے اس پلاٹ پر علامہ طاہر القادری یا ادارہ منہاج القرآن کا کوئی استحقاق نہیں تھا اور اس بات کا خود نہوں نے بھی اپنی پریس کانفرنس میں اعتراف کیا ہے مگر اس کے باوجود وہ ایل ڈی اے حکام کی اس کاروائی پر پیچ پا کیوں ہو رہے ہیں۔ حالانکہ کسی بھی دینی ادارے یا مسجد کی تعمیر کے لیے ایسی اراضی حاصل کی جاتی ہے جو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہو اور زر حلال سے خریدی جائے۔ علماء اور دینی رہنماؤں کا شیوہ تو عام عوام کے اخلاق و کردار کو سنوارنا ہے اور یہ اسی صورت ممکن ہے جب ان کا اپنا کردار اس قدر صاف ہو کہ کوئی ان پر تنقید کا سوچ بھی نہ سکے۔ ادارہ منہاج القرآن کی جانب سے سرکاری اراضی پر قبضہ اور اس کی واگزاری کے بعد ردِ عمل پر افسوس کا اظہار ہی کر سکتے ہیں۔

حالانکہ اس امر کے بھی شواہد موجود ہیں کہ ماضی میں سابق وزیراعلیٰ پنجاب نے اپنے دور حکومت میں علامہ طاہر القادری کے ادارہ منہاج القرآن کو رعایتی قیمت پر پلاٹ الاٹ کیے تھے اور علامہ صاحب نے اپنے اثر ورسوخ کی وجہ سے ٹاؤن شپ میں ایک اور دینی ادارے کا پلاٹ بھی اپنے ادارے کے نام الاٹ کروا لیا تھا۔ یہ تمام صورت حال اس بات کی متقاضی ہے کہ ماضی میں ادارہ منہاج القرآن کو سرکاری اثر ورسوخ کی بناء پر الاٹ ہونے والے پلاٹوں کی بھی تحقیقات کی جائے کہ اس ادارہ کو کس طرح یہ پلاٹ الاٹ کیے گئے۔ (روزنامہ خبریں لاہور کا اداریہ، 13 اپریل 1996ء)

آنکھ کا صحیح استعمال

ن۔ ج بنت عبدالاکبر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندے پر بہت سے انعامات اور احسانات کیے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کو شمار کرنا چاہے تو ہزار کوشش کے باوجود اس کو شمار نہیں کر سکتا۔

ان تمام انعامات میں سے ایک چھوٹا سا عضو جو بظاہر بہت چھوٹی سی چیز یعنی آنکھ ہے۔ اگر انسان اس کے متعلق سوچے تو عقل حیران رہ جاتی ہے یہاں تک کہ ہر شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ جس کی آنکھ گئی اس کی دنیا گئی۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو اس کو صحیح مصرف میں استعمال کرتے ہیں، اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس کی حفاظت کی کوشش کرتے ہیں لیکن افسوس کہ اکثر لوگ ایسے ہیں جو اس کو غلط مصرف میں استعمال کرتے ہیں اور عذاب الٰہی کے مستحق ہوتے ہیں۔

ارشاد باری ہے:

ترجمہ: ''اے نبیؐ! آپ ﷺ مسلمان مردوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔'' آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جن چیزوں کو اللہ پاک نے حرام کیا ہے ان پر نگاہ نہ ڈالیں، حرام چیزوں سے نظریں نیچی رکھیں۔

البتہ پہلی مرتبہ کسی پر بلا ارادہ نظر پڑ جائے تو اس میں مواخذہ نہیں لیکن اگر قصداً دوبارہ نظر ڈالی جائے گی تو انسان گناہ گار ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ''اے علیؓ! پہلی نظر کے بعد نظر نہ کر۔'' پہلی نظر تو جائز ہے البتہ دوسری نظر جائز نہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کی نظر کسی عورت کے حسن وجمال پر پڑ جائے پھر وہ اپنی نگاہ

ہٹالے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ایک ایسی عبادت اسے عطا فرماتے ہیں، جس کی لذت وہ اپنے دل میں پاتا ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی بدنگاہی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے تو اللہ تعالیٰ سے عبادت کی ایسی توفیق عطا فرمائیں گے جس کی لذت اور حلاوت وہ خود محسوس کرے گا۔

اگر خدانخواستہ نظر بازی کی بیماری میں مبتلا ہو گیا تو بسا اوقات عبادت کی توفیق بھی چھین لی جاتی ہے۔

بدنظری زنا کی پہلی سیڑھی

بدنظری زنا کی پہلی سیڑھی ہے۔ اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے۔ قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لیے اوّل اسی نظر کو نیچے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن کریم نے مسلمان مرد و عورت کو حکم دیا کہ وہ بدنظری سے بچیں۔

حدیث نبوی ہے:

''آنکھیں زنا کرتی ہیں۔'' حدیث سے معلوم ہوا کہ بدنگاہی بھی آنکھوں کا زنا ہے لہٰذا بہت اہتمام اور فکر سے ہر جگہ اپنی نگاہوں کو بچاتے ہوئے چلنا چاہیے۔

حدیث نبوی ﷺ ہے:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر آنکھ قیامت کے دن روئے گی، سوائے اس آنکھ کے جو خدا کی حرام کردہ چیزوں کو دیکھنے سے بند رہے۔

بدنگاہی اگرچہ بہت بڑا گناہ ہے مگر اکثر لوگ اس کو خفیف سمجھتے ہیں، اس لیے اسے بے دھڑک کرتے رہتے ہیں۔ بدنگاہی سے آنکھ کے اندر بے رونقی اور ظلمت پیدا ہوتی ہے، جس سے چہرہ بے رونق اور بے نور معلوم ہوتا ہے۔

سیدنا عثمانؓ کی مجلس میں ایک شخص بدنگاہی کر کے آیا۔ آپؓ نے اس کی آنکھوں سے ظلمت کو محسوس کر کے ارشاد فرمایا۔ ''کیا حال ہے ایسے لوگوں کا جن کی آنکھوں میں ظلمت ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ متقی لوگوں کی آنکھوں میں ایک خاص چمک ہوتی ہے اور ان کے چہروں پر ایک خاص نور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے دل میں ثبات اور شجاعت عطا فرما دیتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ جو شخص اپنی خواہش کے خلاف کرتا ہے، شیطان اس کے سائے سے جدا ہو جاتا ہے۔

ایک بزرگ طواف کر رہے تھے جن کی ایک آنکھ تھی، دوسری نہ تھی۔ وہ طواف کرتے ہوئے

یہ کہہ رہے تھے۔ ''اللھم انی اعوذبک من غضبک۔''

اے اللہ! میں تیرے غصے سے پناہ مانگتا ہوں۔ کسی نے پوچھا کہ اس قدر کیوں ڈرتے ہو۔ کیا بات ہے؟ کہا کہ میں نے بدنگاہی کی، غیب سے مجھے سزا ملی اور میری آنکھ پھوٹ گئی اس لیے ڈرتا ہوں کہ دوبارہ بدنگاہی نہ ہو جائے۔

حدیث قدسی ہے:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ''نگاہ ابلیس کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔'' شیطان انسان کو اس نگاہ کے ذریعے خواہش میں مبتلا کرتا ہے۔ اگر انسان بدنگاہی سے بچتا رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس بندے کو ایک خاص قسم کی نورانیت اور ایمانی طاقت عطا فرمائے گا اور اگر یہ بدنگاہی سے نہ بچے تو اس کے بہت سے نقصانات دنیا ہی میں مل جاتے ہیں اور آخرت میں بھی یہ گناہِ عظیم کا مستحق ہوگا۔

حضرت جنید بغدادیؒ جا رہے تھے کہ ایک نصرانی کا حسین لڑکا سامنے سے آ رہا تھا۔ ایک مرید نے پوچھا کیا، اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی جہنم میں ڈالیں گے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تم نے اس کو بری نظر سے دیکھا ہے، عنقریب اس کا مزہ تم کو معلوم ہوگا۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شخص قرآن بھول گیا۔

معلوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے آنکھ بھی ایک نعمت ہے۔ انسان اس نعمت کی قدردانی بھی کر سکتا ہے اور بے قدری بھی۔ ناقدری کے نقصانات ہمارے سامنے ہیں۔ اس سے نجات پانے کا صرف ایک طریقہ ہے کہ انسان اپنی نگاہ کی حفاظت کرے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

(ماہنامہ الفاروق کراچی، ذوالقعدہ 1420ھ)

❁❁❁❁❁

مولانا طاہر القادری سے سنگین اختلافات کی بنیاد پر عوامی تحریک اور منہاج القرآن سے الگ ہونے والے نمایاں افراد کی فہرست

خلیل الرحمٰن قادری	مرکزی ناظم اعلیٰ تحریک منہاج القرآن
رانا جاوید القادری	مرکزی سیکریٹری اطلاعات، چیف ایڈیٹر ماہنامہ منہاج القرآن
مفتی محمد خان قادری	پرنسپل جامعہ منہاج القرآن
ریاست علی چوہدری ایڈووکیٹ	مرکزی سیکرٹری جنرل پاکستان عوامی تحریک
منصور الرحمٰن خان آفریدی ایڈووکیٹ	وائس چیئرمین پاکستان عوامی تحریک
اقبال محمود اعوان	صدر عوامی تحریک پنجاب
علامہ احمد علی قصوری	مرکزی سیکریٹری اطلاعات پاکستان عوامی تحریک
اسلم حیات قادری	ایڈیٹر ماہنامہ منہاج القرآن
پیر سید زوار حسین شاہ بخاری	صدر علماء و مشائخ ونگ عوامی تحریک
ڈاکٹر خالد رضا پیر صاحب زکوڑی شریف	صدر عوامی تحریک صوبہ سرحد
علامہ عبدالرؤف قریشی	جنرل سیکریٹری منہاج القرآن علماء کونسل
مولانا عبداللطیف قادری	امیر منہاج القرآن علماء کونسل
آصف مسعود رضا	مرکزی سیکریٹری اطلاعات عوامی تحریک
میجر (ر) آفتاب لودھی	چیف آرگنائزر عوامی تحریک
چوہدری اختر رسول	مرکزی راہنما عوامی تحریک

تنویر قیصر شاہد	ایڈیٹر پندرہ روزہ "تحریک"
پروفیسر راؤ ارتضیٰ حسین اشرفی	کنوینر کاروان اسلام
نعمان قادر مصطفائی	ڈپٹی سیکریٹری اطلاعات منہاج القرآن
سردار بشیر خان لودھی	صدر منہاج القرآن یوتھ لیگ
مظفر وارثی	
پروفیسر محمد صدیق قمر	
صاحبزادہ خادم حسین طاہر	
ڈاکٹر محمود احمد ساقی	
راجہ رشید محمود	
حیدر فاروق مودودی	مرکزی راہنما عوامی تحریک

"نرم ونازک خطیب کے نام!"

بندۂ حرص و ہوا ہم کو جھکا سکتا نہیں
مُغ بچہ ہے سامنے رندوں کے آ سکتا نہیں

قادیاں کی امت ملعون کا زلہ ربا
جلوۂ فکر رضا کی تاب لا سکتا نہیں

مرزا طاہر سے شریک اسمیہ کی خیر ہو
حضرت میر امم کی راہ پہ آ سکتا نہیں؟

چیخ چیخ اٹھا ہے کلک ہاشمی کی ضرب سے
کوفیِ لاہور ہے پنجہ لڑا سکتا نہیں

قدرت افکار سے خالی فرومایہ خطیب
سارقِ الفاظ ہے نقشہ جما سکتا نہیں

نرم و نازک مرمریں سیمیں بدن آہو چلن
اتنا نازک بوجھ اپنا بھی اٹھا سکتا نہیں

حضرت مفتی محبّ اللہ پہ واضح رہے
ان حسینوں سے کوئی بھی فیض پا سکتا نہیں

اک عوامی رہنما ہے سایہ بندوق میں
جس کے ملنے کے لیے کوئی بھی جا سکتا نہیں

مشعل عشق رسول اللہ ﷺ کی تابانیاں
ہیں فروزاں کوئی بھی ان کو بجھا سکتا نہیں

میں حسینی ہوں یزیدوں کے لیے شبیر ہوں
کوفیِ لاہور کے سینے میں چبھتا تیر ہوں

(شبیر احمد ہاشمی)
(ندائے اہلسنت لاہور، ستمبر 1989ء)

مجازی قادیانی

ہمارا نابغہ کیا ہے؟ سراسر شر کا بانی ہے
بروزِ اسود عنسی مجازی قادیانی ہے

بشارت پہ مدارِ زندگی خوابوں کا شہزادہ
ردائے مکر اس ظالم نے اپنے تن پر تانی ہے

نہ یہ صوفی و ملا ہے نہ لیڈر اور مفکر ہے
فقط الفاظ کی الجھن ہے اک دجال ثانی ہے

خطابت یار کی اپنے صلیب لفظ و معنی ہے
سراسر مشق ماتم ہے یا فکری نوحہ خوانی ہے

نہ غنچے کی چٹک اس میں نہ پھولوں کی مہک اس میں
فقط اپنی ستائش ہی خطابت کی جوانی ہے

جہاں پر گلستاں کا گلستاں منڈی میں بک جائے
وہاں فکر سخن کیسی؟ وہاں کیا غزلخوانی ہے

جہاں کا دلربا چہرہ، جہاں کا عنبریں گیسو
فدائے ظلمت و جہل و ہوائے شہوانی ہے

جہاں پر مسکراتی آنکھ بھی ہو خنجر خونیں
جہاں پر شبنم و گل بھی بلائے ناگہانی ہے

جہاں پر منبر و محراب بھی ہے مال بازاری
جہاں پر عالمان دیں کی بکتی گلفشانی ہے

معاذ اللہ! پیروں کا سر بازار بک جانا
وہاں توقیر دیں کیا ہو، طریقت بھی کہانی ہے

اسی سے نکبت دل ہے یہی وجہ مذلت ہے
انہیں اطوار سے ہی ''حوروش'' کی قہرمانی ہے

حضور سرورِ کونین ﷺ کا فیضان جاری ہے
انہیں کا نام لینے سے ہی انساں غیر فانی ہے

(شبیر احمد ہاشمی)

(ماہنامہ ندائے اہلسنت لاہور، نومبر 1989ء)

سیاسی جگا

ایک گھٹیا اپنے قد پہ ناز فرمانے لگا
اور زنخا سامنے مردوں کے اڑ جانے لگا

سیم و زر کا ڈھیر دیکھا "مولوی" پاگل ہوا
غربت و غیرت کی دیواروں سے ٹکرانے لگا

ایرا غیرا نتھو خیرا ہے عوامی رہنما
سایہء بندوق میں اک شخص اترانے لگا

دین قیم کی عداوت نے جسے اندھا کیا
عالمان دین پہ وہ تیغ لہرانے لگا

دخت رز کی ایک ڈبکی سے کھڑا دم تان کر
آؤ بلی! چوہا ہے تقریر فرمانے لگا

اک چھچھورا، اک غبی اور ایک ہے علمی یتیم
ظالم و بے رحم جگا ہم کو دھمکانے لگا

اس کو کیا معلوم زنجیر و سلاسل کا جہاں
یہ فقط پیسے کے بل پہ ناز دکھلانے لگا

اک زنیا گاؤدی فہم و خرد سے ماورئی
آپ ہی اپنے لیے ہے دام پھیلانے لگا

کڑ کڑاتا دھاڑتا بازو کو لہراتا ہوا
اے مگر جب سامنے آیا تو تھرانے لگا

تاغیت کے اندھیروں کے لیے تنویر ہے
خامہء شبیر گویا دین کی تعزیر ہے

(شبیر احمد ہاشمی)

(ماہنامہ ندائے اہلسنت لاہور، اگست 1989ء)

❁❁❁❁❁

کلچرل ونگ

ریاض الرحمٰن ساغر

طاہر القادری "کلچرانے" لگے
گویا وہ سیدھے رستے پہ آنے لگے
ہم کو درکار تھا ایسا ہی مولوی
ساز کی لے پہ جو گنگنانے لگے
آئے فن کار جو کلچرل ونگ میں
آخری عمر میں وہ ٹھکانے لگے
ان سے کہتے تھے ہم کچھ تو تم بھی کرو
کچھ کیا تو ، پر اس میں زمانے لگے
رکن اب تک بنے مرد فن کار ہیں
دل خواتین کے کیوں دکھانے لگے؟
ہو گی علامہ! روشن نظر اور بھی
بزم خوباں میں گر آنے جانے لگے
اور فن کار ہیں کچھ نئی نسل میں
اب تلک سارے چہرے پرانے لگے
ہلکی پھلکی کلاسیکی موسیقی کے

آپ کو دور کیوں کچھ گھرانے لگے
رخ عوامی ثقافت کا طے کیجیے
رنگ تازہ کوئی تاکہ چھانے لگے
ہے سنا اپنے جنرل بھی ہیں جھومتے
کوئی میٹھی سی دھن جو سنانے لگے
شکر ہے یا خدا کچھ گھٹن تو گھٹی
اپنے رہبر بھی گانے بجانے لگے

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور 15 جون 2000ء)

❁❁❁❁❁

تصویریں بولتی ہیں









